

فِيهَا كِتَابٌ مُبِينٌ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ كُنْتُ أَسْمَى النَّاسِ

مَوْلَاكُمْ
خَوِيمُ مَلِكٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ صَا خَادِمٍ - جَبْرَانِي

مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
كُتِبَ فِي يَوْمٍ كَثِيرٍ



U30338

ایڈیشن

GIFT
30338

اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے پاکستان بک ہاؤس کی مقبولیت عامہ کا یہ عالم ہے کہ اس کا چہارم ایڈیشن بھی سال کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ اور سال رواں میں بوجہ نایاب ہوجانے کے احباب کو طویل انتظار کے بعد اس کی پہلی کاپی اسکی اسپیٹ اور وقت تو اس سے ظاہر ہے کہ اس کی دیکھ بھال میں تقاضہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے اور ایک آریوں کی طرف سے پاکستان بکس نکل چکی ہیں۔ مگر باوجود اس کے جدوجہد کے ہماری پاکستان بک کے اس سال کو الحاحات کے ورنہ پھر کو دریا بھی نہیں سسک سکے۔ اس ایڈیشن کی تیاری کے وقت سب سے پہلے پاکستان بکس کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ بچہ ان کے ایک سنائی پاکستان بھی خون لگا کر سہیہ ہوئی ہے۔ اور داد و ذخیرہ کے لحاظ سے تو صفر کے برابر ہے۔ اس ایڈیشن کی کتب کے اشاعت کے لئے اچھی خاصی اشتہاری پاکستان بک ہے مجھے افسوس ہے کہ مولوی محمد امجد انیسویں سے بھی داؤد کھینے سے نہیں چکا۔ کہ باوجود نہایت گراں قیمت رکھنے کے اپنے ناظرین کے پیسے خاک بھی نہیں ڈالی۔

اس ایڈیشن کی تیاری میں انجیم خادیم صاحب نے بہت زیادہ عرق ریزی دیدہ ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ جو اس کے مطالعہ سے احباب پر روشن ہو جائیگی۔ عیسائیت کے متعلق بعض خصوصی مضامین اور الہامات اور پیشگوئیوں کے اعتراضات کے جواب میں آپ کے امتیازی اور نفوس اور مفصل اور مبسوط مضامین نے اس ایڈیشن کی شان کو دو بالاکر دیا ہے۔ خادم صاحب نے نہ صرف اپنی زندگی کی معلومات کا پتھر ہی بلکہ سلسلہ احمدیہ کے تمام لٹریچر کا عطر نکال کر اس ایڈیشن میں بھر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میری دل دعا اور احباب سے درخواست دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خادم صاحب کی اس سعی مشکور کو قبول فرما کر ان کے لئے سعادت دارین کا موجب بنا دے۔ خادم صاحب کے ان خصوصی مضامین کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین نے بڑھائے گئے ہیں۔

صدائے قرآن۔ صدائے آنحضرت صلیم۔ از حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم مخدوم
(۳) الوہیت مسیح کے متعلق حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضل

(۴) صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے سکھ دھرم (۵) جنم ساکھی میں تحریر یافتہ
 و غلط بیانیوں (۶) بابائے نیک کا حج کعبہ اور طواف از گمانی واحد حسین صاحب
 (۷) صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے ویدک دھرم (۸) آریہ سماج کے معیاروں
 کے مطابق وید الہامی نہیں اند مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل (۹) صداقت حضرت
 مسیح موعودؑ از روئے عیسائیت (۱۰) پینامیوں سے تین لائینل سوال (۱۱) ان پاپس پیگولیوں
 اور الہامات پر اعتراضات کے جوابات جو پہلے ایڈیشن میں نہیں تھے۔ از ملک عبد الرحمن
 صاحب خادم (۱۲) فصاحت قرآن و وید (۱۳) لائینل سترہ سوال آریوں سے۔
 از ملک فضل حسین صاحب مہاجر۔

ان قیمتی اضافوں کی بدولت اس ایڈیشن میں قریباً دو سو صفحات بڑھ گئے ہیں۔ ان
 اضافوں کے علاوہ سابقہ تمام مضامین کو بھی بہت زیادہ مفید ترمیم و تفسیح کر کے کسی
 سینکڑوں نئے حوالجات اور دلائل کا اضافہ کر کے جلا کیا گیا ہے۔
 میں بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کروں گا۔ اگر میں اس جگہ اپنی اس کوتاہی کا کھلے بندوں اعتراف
 نہ کروں کہ اس ایڈیشن میں بعض مضامین پر ان بزرگوں اور دوستوں کے نام درج نہیں ہو سکے
 جن کے قلم اور دماغ سے وہ نکلے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کی بھی فصاحت بطور کفارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔
 حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضل

ہستی باری تعالیٰ بشیعہ مذہب چھ سات قیمتی مضمون۔ بابی مذہب۔ سکھ مذہب۔ عیسائیت۔
 آریہ مذہب کے متعلق سابقہ تمام اچھوتے اور منطقی مضامین جو پہلے ایڈیشن میں تھے۔
 مولوی الشدوٹ صاحب فاضل جالندھری

اصل میں پاکٹ بک ہند کی ابتدائی بنیاد میں نے اپنی کی قلمی نوٹ بک ہی پر رکھی تھی جو اضافہ
 و اضافہ ہوتے ہوتے اس قدر ضخامت تک پہنچ گئی ہے۔

گیانی واحد حسین اور گمانی عباد اللہ صاحبان

سکھ دھرم کے متعلق تمام مضامین ان صاحبوں کی محنت کا نتیجہ ہیں۔
 ملک عبد الرحمن صاحب خادم

اصل میں پاکٹ بک کے متمم اور اس وقت کے کرتا دھرتا مرتب یہی جوان ہیں عیسائیت اور

غیر احمدیوں کے اعتراضات و چکڑاویں۔ وفات مسیح۔ صداقت مسیح موعود و غیرہ پر ان کے سابقہ تمام اہم اور شاندار مضامین مع مزید مفید ترین اضافوں کے درج کے کئے ہیں ان سب صاحبوں کے حق میں میری طرف سے پورے جذبات اور اخلاص قلبی کیساتھ
فَجْزًا هُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ عَرْضُ هِيَ۔ خاکسار فضل الدین ملتانى ملتانى ۱۳۹۰ھ

فہرست مضامین پہلی پاکٹ بک جدید

صفحہ	تفصیل مضامین	صفحہ	تفصیل مضامین	صفحہ	تفصیل مضامین
۱	ممستی باری تعالیٰ	۶۹	تردید میں ۱۵۲ حوالہ جات	۱	تردید الوہیت مسیح پر
۲	ثبوت کے تین معیار	۵۸	مسیح کے صلیب پر فوت	۱۱	معقولی دلائل مع حوالہ جات
۳	پانچ اعتراضات نو جوابات	۷۰	نہ ہونے پر تیرہ دلائل	۷۰	مسیح روح اللہ اور
۶	ثبوت میں چودہ دلائل	۷۱	مسیح کے آسمان پر نہ جانے	۷۱	کلمۃ اللہ ہو کر خدا نہیں
۱۰	قرآن کے کامل الہامی کتاب	۷۱	کا ثبوت بائبل سے	۷۱	ہو سکتا، ہر توانجا قرآنی
۲۸	ثبوت کے ۱۲ معیار	۷۱	ابطال الوہیت مسیح پر	۷۱	ابطال تثلیث، معقولی
۲۸	صداقت آنحضرت صلیم	۷۱	پانچ قرآنی دلائل کی	۷۱	دلائل اور ۶ حوالہ جات
۲۸	کے پر رکھنے کے تین طریق	۷۱	تفصیل میں ۲۱ حوالہ جات	۷۱	کفارہ اور اسکی تفصیل
۲۸	تین زبردست دلائل کی تفصیل	۷۱	بائبل۔	۷۱	بیان کردہ عیسائیاں
۲۸	صداقت آنحضرت صلیم	۷۱	مسیح کی عبودیت اور عدم	۷۱	تردید کفارہ میں ۱۲
۲۸	ازروئے بائبل	۷۱	الوہیت پر حواریوں کی	۷۱	دلائل اور ۳۵ حوالہ جات
۲۸	آنحضرت صلیم کی نسبت بائبل	۷۱	شہادت پر پانچ حوالے	۷۱	کفارہ پر ایمان لانے کی
۲۸	وغیرہ میں ہیں مشکوئیوں	۷۱	حواری خدا کی عبادت	۷۱	پانچ خرابیاں
۲۸	کی تفصیل۔	۷۱	کرتے ہیں۔ ۶ حوالے	۷۱	عیسائیوں کی طرف سے
۲۸	عیسائیت	۷۱	الوہیت مسیح کے متعلق	۷۱	کفارہ کے متعلق قرآنی
۲۸	الوہیت مسیح پر عیسائیوں کے دس	۷۱	الہامی منطق پر پانچ	۷۱	حوالہ اور اسکا جواب
۲۸	دلائل کی معقولی اور مفصل	۷۱	حوالے۔	۷۱	تحریف بائبل کے شہ میں

۸۳	۱۸ حوالہ جات جو پہلی انجیل میں ہیں جنہیں میں نہیں۔	۱۰۷	حضرت مسیح کا نسب نامہ	۱۶۳	دیدوں کے منسروں میں اختلاف
۸۵	اختلافات بائبل کے ثبوت میں ۵۴ حوالہ جات	۱۰۸	حضرت مریم صدیقہ کے متعلق قرآن و انجیل میں ۸ حوالے۔	۱۶۵	دیدوں کی فصاحت و بلاغت کے نمونہ کے متعلق ۵۵ حوالے۔
۹۱	بائبل میں خلاف عقل و مشاہدہ امور کے ثبوت میں پانچ حوالے۔	۱۰۹	اختلاف انجیل کے دو مسیح کی پانچ سے بدسلوکی اور قرآن کی مد سے حسن سلوکی	۱۶۹	قرآن مجید کی فصاحت کے متعلق غیر مسلم کی شہادت عجیب غریب و بیک عائل پر مشور کے متعلق ویدک تعلیم اور حلیہ پر ۳۰ حوالہ جات
۹۲	صد اقت مسیح موعود پر اور رے بائبل ۲۰ حوالہ جات بارہ دلائل	۱۱۰	عصمت و عفت نگرار روئے بائبل بد نمونہ اس کے ثبوت میں ۷ حوالے	۱۷۰	ویدک تعلیم خلاف عقل و سائنس ۴۴ حوالہ جات
۹۶	صد اقت مسیح موعود پر عیسائیوں کے ۱۳ اعتراضات کے مدلل جوابات اور ۱۴ اعتراضات کے مدلل جوابات بائبل	۱۱۱	پادری عبدالحق کے بایہ نامہ دلائل کا باطل نمکین جواب	۱۷۱	آریوں کے ناقابل عمل اصول ۱۶ عدد
۱۰۲	قرآن کا مسیح اور انجیل کا یسوع	۱۱۲	آریہ سماج اسلام اور ویدک مہم کا مقابلہ	۱۷۹	عورتوں کو ویدک نصائح یوگ کی تفصیل ۲۰ عدد حوالہ جات۔
۱۱	کتب حضرت مسیح موعود سے ۱۱ حوالہ جات غلط مسیح کے متعلق۔	۱۱۳	تردید قدامت وید پر ۶ حوالہ جات وید	۱۸۶	ویدک تہذیب کے نمونے کے متعلق تین عدد حوالے
۱۰۶	غیر احمدی علماء کے پانچ حوالہ جات توہین مسیح کے متعلق حضرت مسیح اور یسوع کے جلیوں میں اختلاف	۱۱۴	وید کے ناقابل تسلیم ہونے پر ۱۰ دلائل	۱۸۷	آریہ سماج کے عقائد ۲۵ عدد
		۱۱۵	آریہ سماج کے معیاروں کے مطابق وید الہامی نہیں ۲۱ دلائل۔	۱۹۱	قدامت روح و مادہ پر آریوں کے چار دلائل اور ان کی تردید
		۱۱۶	حدوث روح و مادہ پر ۱۹ عدد	۱۹۲	۱۹ عدد

۱۹۷	حدوث روح و مادہ پر	۲۴۹	نقحہ اس پر ۶۲ حوالہ جات	۲۷۹	شرعیات بابیہ نے تشریفات
۲۰۰	۲۲ نقلی دلائل	۲۸۰	چولہ بابا نانک	۲۸۱	محمدیہ کو منسوخ کیا ۸ حوالے
۲۰۲	روح و مادہ زمانہ و ظلال	۲۸۲	صداقت حضرت مسیح موعودؑ	۲۸۳	شرعیات بابیہ کی اتباع
۲۱۰	کے غیر حادث ہوئے ۱۹	۲۸۴	از روئے سکھ مذہب لم حوالہ	۲۸۵	کی تاکید لم حوالے
۲۰۲	اعتراضات منطقی و علمی	۲۸۶	آینوالا گورو نہہ کلک لٹا	۲۸۷	شرعیات بہائیہ کے منکروں
۲۱۰	تردید تناسخ میں ۱۴ دلائل	۲۸۸	ہو گا۔ ۷ حوالہ جات	۲۸۹	پر فتویٰ کفر ۴ حوالے
۲۱۰	تردید تناسخ میں اور	۲۹۰	بابا نانک اور حج کعبہ کے	۲۹۱	شرعیات بابیہ کے بطور نمونہ
۲۱۵	پانچ پیر دست معقولی	۲۹۲	متعلق مفصل جواب الجواب	۲۹۳	چند احکام خلاف اسلام ۷ حوالے
۲۱۵	دلائل کی تفصیل	۲۹۴	۱۷ حوالہ جات	۲۹۵	بہار اللہ کی تعلیم خلافت
۲۱۵	صداقت مسیح موعود ۴	۲۹۶	طواف کعبہ کے خلاف دو	۲۹۷	اسلام ۱۰ حوالے
۲۱۵	از روئے ویدک دھرم	۲۹۸	دلائل کے مسکت رو میں	۲۹۹	بہائیت کے پرکھنے کے
۲۱۵	۶ معیار	۳۰۰	جنم ساکھی میں تحریر کے ثبوت	۳۰۱	لئے چھ اصولوں کا بیان
۲۱۵	ویدک دھرم پر سترہ	۳۰۲	میں ۵ حوالہ جات	۳۰۳	پردہ کا فلسفہ اور حکمت
۲۱۵	لائسنل سوالات	۳۰۴	بھائی گورداس جی کی مادہ	۳۰۵	سود کی حرمت کی حکمت
۲۱۵	سناتن دھرم	۳۰۶	میں تحریر پر ۲ حوالہ جات	۳۰۷	طلاق کی ضرورت اور اس کی تفصیل
۲۱۵	سری کرشن جی کی آمد کی	۳۰۸	جنم ساکھی میں مضحکہ خیز	۳۰۹	غنا یعنی گانا بجانا
۲۱۵	نشانیوں پانچ حوالہ جات	۳۱۰	غلط بیانیوں ۷ دلائل	۳۱۱	مذہب شیعہ
۲۱۵	سکھ دھرم	۳۱۲	اور اختلاف کے ثبوت میں	۳۱۳	کتب شیعہ اسماء شیعہ
۲۱۵	سکھ مذہب کے متعلق	۳۱۴	۱۴ حوالہ جات	۳۱۵	خلفائے ثلاثہ کا ایمان
۲۱۵	اصولی بحث پر پانچ دلائل	۳۱۶	بابی مذہب	۳۱۷	از روئے قرآن ۱۱ حوالے
۲۱۵	سکھ مذہب کے گروہ	۳۱۸	بہار اللہ کا دعویٰ خدائی	۳۱۹	اصحاب ثلاثہ کے ایمان کے
۲۱۵	کتب گورو بابی	۳۲۰	کے ثبوت میں ۲۰ حوالہ جات	۳۲۱	دلائل کتب شیعہ سے ۱۶ حوالے
۲۱۵	بابا نانک صاحب ہندو	۳۲۲	بہار اللہ کے نزدیک آنحضرت	۳۲۳	دلائل و مطاعن شیعہ کا
۲۱۵	نقحہ اس پر ۱۰ حوالہ جات	۳۲۴	از روئے سکھ انبیاء کا درجہ	۳۲۵	جواب ۲۶ حوالے
۲۱۵	بابا نانک صاحب مسلمان	۳۲۶	۱۰ حوالے	۳۲۷	باغ فدک کا تنازعہ ۴ حوالے

۳۱۷	دلائل تفسیر کی تردید میں	۳۵	لفظ خلا از روئے قرآن ۳۹۲	لفظ نزول کے قرآن سے
	۲۴ جواب اور جوابات		۱۱ جواب	۵ جواب
۳۲۶	مسند وراثت ۴۴ جواب	۳۵۵	از روئے لغت ۲ جواب	۳۹۳
۳۲۷	حدیث القفاس ۱۱ جواب	۳۵۶	از روئے تفاسیر ۸ جواب	۳۹۴
	اور دلائل		قد غلت والی آیت سے	امام بیہقی کی روایت
۳۲۸	تردید متعدد میں ۲۶ دلائل		صواب کا اجماع و فاتیح	۳۹۸ حضرت مسیح ناصری امت محمدیہ
	اور جواب		پر ۳ جواب	کامو عود نہ ہونے کے ثبوت
	اہل قرآن المعروف حکمرانوں کی	۳۶۷	وفات مسیح از روئے احادیث	بما دلائل اور جواب
۳۳۶	چکر الویوں سے چار لایمیل		۹ جواب	۱۰ حیات مسیح کے متعلق
	سوالات	۳۷۰	وفات مسیح پر اقوال ائمہ	مسیح موعود کے پہلے اقرار
۳۳۹	حدیث کے ثبوت میں دلائل		سلف سے استشبات ۶ جواب	پر ۲ جواب
۳۴۰	چکر الویوں اور چار سوال		تردید حیات مسیح	عدم رجوع موتی
	وفات مسیح علیہ السلام	۳۷۲	حیات مسیح کا عقیدہ مسلمانوں	از روئے قرآن ۸ جواب
۳۴۱	دلائل از روئے قرآن کریم		میں کیونکر آیا ایک حوالہ	از روئے احادیث و
	۱۷ عدد از قرآن تو فی کے		حیات مسیح کے دلائل کی	اجماع امت ۳ جواب
	معنی ۲۲ جواب		تردید میں	نبوت
۳۴۲	توفی کی مثالیں احادیث و	۳۷۳	بل الباطلیہ کے ابطال میں	از روئے قرآن ۲۵ جواب
	تفسیر قرآن سے ۴۴ جواب		۶ جواب	از روئے احادیث ۵ جواب
۳۴۶	از روئے لغت ۹ جواب	۳۷۶	لفظ رفع کے متعلق قرآن	۴۲۰
۳۴۷	توفی کے معنی احادیث سے		۶ جواب	۴۲۰
	۹ جواب	۳۷۷	لفظ رفع احادیث ۶ جواب	۴۱۵
۳۴۹	توفی کے معنی انصافی شتہا	۳۷۸	لفظ عربی ۶ جواب	از روئے اقوال بزرگان ۶ جواب
	اور تین جواب	۳۷۹	تفاسیر سے ۴ جواب	تردید دلائل انقطاع نبوت
	توفی کے معنی تفاسیر سے	۳۸۰	لفظ الی کے متعلق قرآن	از روئے قرآن ۶ جواب
	۲۷ جواب		۶ جواب	۳۷۷
			۶ جواب	۳۷۷

۴۴۰	آنحضرت صلعم کے بعد نزل وحی ۷ حوالے	۴۸۳	حضرت صاحب کی خشک پٹری ۵۳۳	حیفن حمل و درجہ
۴۴۱	از روئے آقا ۹ حوالے	۴۸۵	نادر شاہ والا نشان	۵۳۶
۴۵۵	صدراقت مسیح موعود	۴۸۶	زلزلہ بہار	۵۳۷
۴۵۶	از روئے قرآن ۱۱ دلائل	۴۹۲	حدیث سلمان فارسی	۵۴۰
۴۵۷	مولوی محمد حسین ثبالی کی	۴۹۳	والی کے متعلق ۷ حوالے	۵۴۱
۴۵۸	شہادتیں حضرت صاحب	۴۹۴	صدراقت مسیح موعود	۵۴۲
۴۵۹	کی پہلی زندگی کے متعلق	۴۹۵	از روئے احادیث طائ	۵۴۳
۴۶۰	آنحضرت صلعم کا یونس سے	۵۰۰	فہرست مجددین	۴۱۲
۴۶۱	فضیلت سے انکار کی	۵۰۲	"اسماء احمد کے	۴۱۱
۴۶۲	تبدیل مقام کا ثبوت	۵۰۳	متعلق مفصل مضمون	۴۱۰
۴۶۳	۸ حوالے	۵۰۴	۱۰ حوالے	۴۰۹
۴۶۴	مفتی علی اللہ کے ۳۳ سال	۵۰۵	علمی مقابلہ کے متعلق	۴۰۸
۴۶۵	زندہ نہ رہنے کے متعلق	۵۰۶	جیلنج حضرت صاحب کے	۴۰۷
۴۶۶	احادیث سے ۱۱ حوالے	۵۰۷	۱۰ حوالے	۴۰۶
۴۶۷	از روئے آقا ۹ حوالے	۵۰۸	خردس الاخبار دہلی	۴۰۵
۴۶۸	جمہور سے مدعیان نبوت	۵۰۹	۱۰ حوالے	۴۰۴
۴۶۹	اور ان کا انجام ۱۰ عدد	۵۱۰	غیر احمدی علماء کے اعتراضات	۴۰۳
۴۷۰	عربی اور علمی مقابلہ کے	۵۱۱	۲ حوالے	۴۰۲
۴۷۱	۷ حوالے	۵۱۲	۱۰ حوالے	۴۰۱
۴۷۲	آنحضرت صاحب ۱۰ حوالے	۵۱۳	۱۰ حوالے	۴۰۰
۴۷۳	اعجاز احمدی کی غلطیاں	۵۱۴	۱۰ حوالے	۳۹۹
۴۷۴	۳ حوالے	۵۱۵	۱۰ حوالے	۳۹۸
۴۷۵	بکے نبی کے پرکھنے کے	۵۱۶	۱۰ حوالے	۳۹۷
۴۷۶	مسیح ۱۰ حوالے قرآنی	۵۱۷	۱۰ حوالے	۳۹۶
۴۷۷	زمانہ کی حالت پر دو حوالے	۵۱۸	۱۰ حوالے	۳۹۵
۴۷۸	۱۰ حوالے	۵۱۹	۱۰ حوالے	۳۹۴
۴۷۹	۱۰ حوالے	۵۲۰	۱۰ حوالے	۳۹۳
۴۸۰	۱۰ حوالے	۵۲۱	۱۰ حوالے	۳۹۲
۴۸۱	۱۰ حوالے	۵۲۲	۱۰ حوالے	۳۹۱
۴۸۲	۱۰ حوالے	۵۲۳	۱۰ حوالے	۳۹۰
۴۸۳	۱۰ حوالے	۵۲۴	۱۰ حوالے	۳۸۹
۴۸۴	۱۰ حوالے	۵۲۵	۱۰ حوالے	۳۸۸
۴۸۵	۱۰ حوالے	۵۲۶	۱۰ حوالے	۳۸۷
۴۸۶	۱۰ حوالے	۵۲۷	۱۰ حوالے	۳۸۶
۴۸۷	۱۰ حوالے	۵۲۸	۱۰ حوالے	۳۸۵
۴۸۸	۱۰ حوالے	۵۲۹	۱۰ حوالے	۳۸۴
۴۸۹	۱۰ حوالے	۵۳۰	۱۰ حوالے	۳۸۳
۴۹۰	۱۰ حوالے	۵۳۱	۱۰ حوالے	۳۸۲
۴۹۱	۱۰ حوالے	۵۳۲	۱۰ حوالے	۳۸۱
۴۹۲	۱۰ حوالے	۵۳۳	۱۰ حوالے	۳۸۰
۴۹۳	۱۰ حوالے	۵۳۴	۱۰ حوالے	۳۷۹
۴۹۴	۱۰ حوالے	۵۳۵	۱۰ حوالے	۳۷۸
۴۹۵	۱۰ حوالے	۵۳۶	۱۰ حوالے	۳۷۷
۴۹۶	۱۰ حوالے	۵۳۷	۱۰ حوالے	۳۷۶
۴۹۷	۱۰ حوالے	۵۳۸	۱۰ حوالے	۳۷۵
۴۹۸	۱۰ حوالے	۵۳۹	۱۰ حوالے	۳۷۴
۴۹۹	۱۰ حوالے	۵۴۰	۱۰ حوالے	۳۷۳
۵۰۰	۱۰ حوالے	۵۴۱	۱۰ حوالے	۳۷۲
۵۰۱	۱۰ حوالے	۵۴۲	۱۰ حوالے	۳۷۱
۵۰۲	۱۰ حوالے	۵۴۳	۱۰ حوالے	۳۷۰
۵۰۳	۱۰ حوالے	۵۴۴	۱۰ حوالے	۳۶۹
۵۰۴	۱۰ حوالے	۵۴۵	۱۰ حوالے	۳۶۸
۵۰۵	۱۰ حوالے	۵۴۶	۱۰ حوالے	۳۶۷
۵۰۶	۱۰ حوالے	۵۴۷	۱۰ حوالے	۳۶۶
۵۰۷	۱۰ حوالے	۵۴۸	۱۰ حوالے	۳۶۵
۵۰۸	۱۰ حوالے	۵۴۹	۱۰ حوالے	۳۶۴
۵۰۹	۱۰ حوالے	۵۵۰	۱۰ حوالے	۳۶۳
۵۱۰	۱۰ حوالے	۵۵۱	۱۰ حوالے	۳۶۲
۵۱۱	۱۰ حوالے	۵۵۲	۱۰ حوالے	۳۶۱
۵۱۲	۱۰ حوالے	۵۵۳	۱۰ حوالے	۳۶۰
۵۱۳	۱۰ حوالے	۵۵۴	۱۰ حوالے	۳۵۹
۵۱۴	۱۰ حوالے	۵۵۵	۱۰ حوالے	۳۵۸
۵۱۵	۱۰ حوالے	۵۵۶	۱۰ حوالے	۳۵۷
۵۱۶	۱۰ حوالے	۵۵۷	۱۰ حوالے	۳۵۶
۵۱۷	۱۰ حوالے	۵۵۸	۱۰ حوالے	۳۵۵
۵۱۸	۱۰ حوالے	۵۵۹	۱۰ حوالے	۳۵۴
۵۱۹	۱۰ حوالے	۵۶۰	۱۰ حوالے	۳۵۳
۵۲۰	۱۰ حوالے	۵۶۱	۱۰ حوالے	۳۵۲
۵۲۱	۱۰ حوالے	۵۶۲	۱۰ حوالے	۳۵۱
۵۲۲	۱۰ حوالے	۵۶۳	۱۰ حوالے	۳۵۰
۵۲۳	۱۰ حوالے	۵۶۴	۱۰ حوالے	۳۴۹
۵۲۴	۱۰ حوالے	۵۶۵	۱۰ حوالے	۳۴۸
۵۲۵	۱۰ حوالے	۵۶۶	۱۰ حوالے	۳۴۷
۵۲۶	۱۰ حوالے	۵۶۷	۱۰ حوالے	۳۴۶
۵۲۷	۱۰ حوالے	۵۶۸	۱۰ حوالے	۳۴۵
۵۲۸	۱۰ حوالے	۵۶۹	۱۰ حوالے	۳۴۴
۵۲۹	۱۰ حوالے	۵۷۰	۱۰ حوالے	۳۴۳
۵۳۰	۱۰ حوالے	۵۷۱	۱۰ حوالے	۳۴۲
۵۳۱	۱۰ حوالے	۵۷۲	۱۰ حوالے	۳۴۱
۵۳۲	۱۰ حوالے	۵۷۳	۱۰ حوالے	۳۴۰
۵۳۳	۱۰ حوالے	۵۷۴	۱۰ حوالے	۳۳۹
۵۳۴	۱۰ حوالے	۵۷۵	۱۰ حوالے	۳۳۸
۵۳۵	۱۰ حوالے	۵۷۶	۱۰ حوالے	۳۳۷
۵۳۶	۱۰ حوالے	۵۷۷	۱۰ حوالے	۳۳۶
۵۳۷	۱۰ حوالے	۵۷۸	۱۰ حوالے	۳۳۵
۵۳۸	۱۰ حوالے	۵۷۹	۱۰ حوالے	۳۳۴
۵۳۹	۱۰ حوالے	۵۸۰	۱۰ حوالے	۳۳۳
۵۴۰	۱۰ حوالے	۵۸۱	۱۰ حوالے	۳۳۲
۵۴۱	۱۰ حوالے	۵۸۲	۱۰ حوالے	۳۳۱
۵۴۲	۱۰ حوالے	۵۸۳	۱۰ حوالے	۳۳۰
۵۴۳	۱۰ حوالے	۵۸۴	۱۰ حوالے	۳۲۹
۵۴۴	۱۰ حوالے	۵۸۵	۱۰ حوالے	۳۲۸
۵۴۵	۱۰ حوالے	۵۸۶	۱۰ حوالے	۳۲۷
۵۴۶	۱۰ حوالے	۵۸۷	۱۰ حوالے	۳۲۶
۵۴۷	۱۰ حوالے	۵۸۸	۱۰ حوالے	۳۲۵
۵۴۸	۱۰ حوالے	۵۸۹	۱۰ حوالے	۳۲۴
۵۴۹	۱۰ حوالے	۵۹۰	۱۰ حوالے	۳۲۳
۵۵۰	۱۰ حوالے	۵۹۱	۱۰ حوالے	۳۲۲
۵۵۱	۱۰ حوالے	۵۹۲	۱۰ حوالے	۳۲۱
۵۵۲	۱۰ حوالے	۵۹۳	۱۰ حوالے	۳۲۰
۵۵۳	۱۰ حوالے	۵۹۴	۱۰ حوالے	۳۱۹
۵۵۴	۱۰ حوالے	۵۹۵	۱۰ حوالے	۳۱۸
۵۵۵	۱۰ حوالے	۵۹۶	۱۰ حوالے	۳۱۷
۵۵۶	۱۰ حوالے	۵۹۷	۱۰ حوالے	۳۱۶
۵۵۷	۱۰ حوالے	۵۹۸	۱۰ حوالے	۳۱۵
۵۵۸	۱۰ حوالے	۵۹۹	۱۰ حوالے	۳۱۴
۵۵۹	۱۰ حوالے	۶۰۰	۱۰ حوالے	۳۱۳
۵۶۰	۱۰ حوالے	۶۰۱	۱۰ حوالے	۳۱۲
۵۶۱	۱۰ حوالے	۶۰۲	۱۰ حوالے	۳۱۱
۵۶۲	۱۰ حوالے	۶۰۳	۱۰ حوالے	۳۱۰
۵۶۳	۱۰ حوالے	۶۰۴	۱۰ حوالے	۳۰۹
۵۶۴	۱۰ حوالے	۶۰۵	۱۰ حوالے	۳۰۸
۵۶۵	۱۰ حوالے	۶۰۶	۱۰ حوالے	۳۰۷
۵۶۶	۱۰ حوالے	۶۰۷	۱۰ حوالے	۳۰۶
۵۶۷	۱۰ حوالے	۶۰۸	۱۰ حوالے	۳۰۵
۵۶۸	۱۰ حوالے	۶۰۹	۱۰ حوالے	۳۰۴
۵۶۹	۱۰ حوالے	۶۱۰	۱۰ حوالے	۳۰۳
۵۷۰	۱۰ حوالے	۶۱۱	۱۰ حوالے	۳۰۲
۵۷۱	۱۰ حوالے	۶۱۲	۱۰ حوالے	۳۰۱
۵۷۲	۱۰ حوالے	۶۱۳	۱۰ حوالے	۳۰۰
۵۷۳	۱۰ حوالے	۶۱۴	۱۰ حوالے	۲۹۹
۵۷۴	۱۰ حوالے	۶۱۵	۱۰ حوالے	۲۹۸
۵۷۵	۱۰ حوالے	۶۱۶	۱۰ حوالے	۲۹۷
۵۷۶	۱۰ حوالے	۶۱۷	۱۰ حوالے	۲۹۶
۵۷۷	۱۰ حوالے	۶۱۸	۱۰ حوالے	۲۹۵
۵۷۸	۱۰ حوالے	۶۱۹	۱۰ حوالے	۲۹۴
۵۷۹	۱۰ حوالے	۶۲۰	۱۰ حوالے	۲۹۳
۵۸۰	۱۰ حوالے	۶۲۱	۱۰ حوالے	۲۹۲
۵۸۱	۱۰ حوالے	۶۲۲	۱۰ حوالے	۲۹۱
۵۸۲	۱۰ حوالے	۶۲۳	۱۰ حوالے	۲۹۰
۵۸۳	۱۰ حوالے	۶۲۴	۱۰ حوالے	۲۸۹
۵۸۴	۱۰ حوالے	۶۲۵	۱۰ حوالے	۲۸۸
۵۸۵	۱۰ حوالے	۶۲۶	۱۰ حوالے	۲۸۷
۵۸۶	۱۰ حوالے	۶۲۷	۱۰ حوالے	۲۸۶
۵۸۷	۱۰ حوالے	۶۲۸	۱۰ حوالے	۲۸۵
۵۸۸	۱۰ حوالے	۶۲۹	۱۰ حوالے	۲۸۴
۵۸۹	۱۰ حوالے	۶۳۰	۱۰ حوالے	۲۸۳
۵۹۰	۱۰ حوالے	۶۳۱	۱۰ حوالے	۲۸۲
۵۹۱	۱۰ حوالے	۶۳۲	۱۰ حوالے	۲۸۱
۵۹۲	۱۰ حوالے	۶۳۳	۱۰ حوالے	۲۸۰
۵۹۳	۱۰ حوالے	۶۳۴	۱۰ حوالے	۲۷۹
۵۹۴	۱۰ حوالے	۶۳۵	۱۰ حوالے	۲۷۸
۵۹۵	۱۰ حوالے	۶۳۶	۱۰ حوالے	۲۷۷
۵۹۶	۱۰ حوالے	۶۳۷	۱۰ حوالے	۲۷۶
۵۹۷	۱۰ حوالے	۶۳۸	۱۰ حوالے	۲۷۵
۵۹۸	۱۰ حوالے	۶۳۹	۱۰ حوالے	۲۷۴
۵۹۹	۱۰ حوالے	۶۴۰	۱۰ حوالے	۲۷۳
۶۰۰	۱۰ حوالے	۶۴۱	۱۰ حوالے	۲۷۲
۶۰۱	۱۰ حوالے	۶۴۲	۱۰ حوالے	۲۷۱
۶۰۲	۱۰ حوالے	۶۴۳	۱۰ حوالے	۲۷۰
۶۰۳	۱۰ حوالے	۶۴۴	۱۰ حوالے	۲۶۹
۶۰۴	۱۰ حوالے	۶۴۵	۱۰ حوالے	۲۶۸
۶۰۵	۱۰ حوالے	۶۴۶	۱۰ حوالے	۲۶۷
۶۰۶	۱۰ حوالے	۶۴۷	۱۰ حوالے	۲۶۶
۶۰۷	۱۰ حوالے	۶۴۸	۱۰ حوالے	۲۶۵
۶۰۸	۱۰ حوالے	۶۴۹	۱۰ حوالے	۲۶۴
۶۰۹	۱۰ حوالے	۶۵۰	۱۰ حوالے	۲۶۳
۶۱۰	۱۰ حوالے	۶۵۱	۱۰ حوالے	۲۶۲
۶۱۱	۱۰ حوالے	۶۵۲	۱۰ حوالے	۲۶۱
۶۱۲	۱۰ حوالے	۶۵۳	۱۰ حوالے	۲۶۰
۶۱۳	۱۰ حوالے	۶۵۴	۱۰ حوالے	۲۵۹
۶۱۴	۱۰ حوالے	۶۵۵	۱۰ حوالے	۲۵۸
۶۱۵	۱۰ حوالے	۶۵۶	۱۰ حوالے	۲۵۷
۶۱۶	۱۰ حوالے	۶۵۷	۱۰ حوالے	۲۵۶
۶۱۷	۱۰ حوالے	۶۵۸	۱۰ حوالے	۲۵۵
۶۱۸	۱۰ حوالے	۶۵۹	۱۰ حوالے	۲۵۴
۶۱۹	۱۰ حوالے	۶۶۰	۱۰ حوالے	۲۵۳
۶۲۰	۱۰ حوالے	۶۶۱	۱۰ حوالے	۲۵۲
۶۲۱	۱۰ حوالے	۶۶۲	۱۰ حوالے	۲۵۱
۶۲۲	۱۰ حوالے	۶۶۳	۱۰ حوالے	۲۵۰
۶۲۳	۱۰ حوالے	۶۶۴	۱۰ حوالے	۲۴۹
۶۲۴	۱۰ حوالے	۶۶۵	۱۰ حوالے	۲۴۸
۶۲۵	۱۰ حوالے	۶۶۶	۱۰ حوالے	۲۴۷
۶۲۶	۱۰ حوالے	۶۶۷	۱۰ حوالے	۲۴۶
۶۲۷	۱۰ حوالے	۶۶۸	۱۰ حوالے	۲۴۵
۶۲۸	۱۰ حوالے	۶۶۹	۱۰ حوالے	۲۴۴
۶۲۹	۱۰ حوالے	۶۷۰	۱۰ حوالے	۲۴۳
۶۳۰	۱۰ حوالے	۶۷۱	۱۰ حوالے	۲۴۲
۶۳۱	۱۰ حوالے	۶۷۲	۱۰ حوالے	۲۴۱
۶۳۲	۱۰ حوالے	۶۷۳	۱۰ حوالے	۲۴۰
۶۳۳	۱۰ حوالے	۶۷۴	۱۰ حوالے	۲۳۹
۶۳۴	۱۰ حوالے	۶۷۵	۱۰ حوالے	۲۳۸
۶۳۵	۱۰ حوالے	۶۷۶	۱۰ حوالے	۲۳۷
۶۳۶	۱۰ حوالے	۶۷۷	۱۰ حوالے	۲۳۶
۶۳۷	۱۰ حوالے	۶۷۸	۱۰ حوالے	۲۳۵
۶۳۸	۱۰ حوالے	۶۷۹	۱۰ حوالے	۲۳۴
۶۳۹	۱۰ حوالے	۶۸۰	۱۰ حوالے	۲۳۳
۶۴۰	۱۰ حوالے	۶۸۱	۱۰ حوالے	۲۳۲
۶۴۱	۱۰ حوالے	۶۸۲	۱۰ حوالے	۲۳۱
۶۴۲	۱۰ حوالے	۶۸۳	۱۰ حوالے	۲۳۰
۶۴۳	۱۰ حوالے	۶۸۴	۱۰ حوالے	۲۲۹
۶۴۴	۱۰ حوالے	۶۸۵	۱۰ حوالے	۲۲۸
۶۴۵	۱۰ حوالے	۶۸۶	۱۰ حوالے	۲۲۷
۶۴۶	۱۰ حوالے	۶۸۷	۱۰ حوالے	۲۲۶
۶۴۷	۱۰ حوالے			

۴۶۱	قرآنی پیشگوئی در بارہ	۴۸۸	مرزا صاحب نے	۷۱۱	مبہمی دوائیاں
	تکفیر مسیح موعودؑ		ملازمت کی	۷۱۲	تیرا تخت سب سے
۴۶۲	وعدہ خلافی	"	مرزا صاحب نے		اوپر بچھایا گیا۔
۴۶۵	برہان احمدیہ کے		بد دعائیں دیں۔	۷۱۳	حضرت مریم کی توہین
	مستحق وعدہ خلافی	۴۸۹	مراق		کا الزام
"	انبیاء گزشتہ کے	۴۹۲	تناقضات	۷۱۵	عقیدہ ولادت مسیح
	کشف	۴۹۳	کسی سے قرآن پڑھنا	۷۱۶	نقل آیات قرآنی
۴۶۷	کات فی الہند	۴۹۴	حضرت مسیح کی جڑ پوچھنی پروردگار		میں اغلاط
	بنیائے ال	۴۹۵	معراج	۷۲۳	مکتوبات ربانی کا
۴۶۸	طاعون کے وقت	۴۹۶	خاک رمیر منٹ		حوالہ
	شہر سے باہر نکلنا	۴۹۸	صدہ حسین است در گریہ	۷۲۴	انبیاء علیہم السلام
"	تورات کے چار سو بی	۴۹۹	حضرت فاطمہؑ کی ران پر		پر غیر احمدیوں کے
۴۶۹	بکرے کا دودھ		سر رکھنا۔		بہتانات
۴۷۱	مولویوں کی گالیاں	۷۰۳	خدا کی طاقتیں تیندوے	۷۲۷	اہل پیغام سے تین
۴۷۴	ذریعۃ البغایات		کے جال کی طرح		سوال
۴۷۶	حضرت کی ذات پر اعتراض	۷۰۵	دن دنیا اور بعثت		
۴۷۸	صاحب شریعت ہونا		حضرت مسیح موعودؑ		
۴۷۹	جائے نزول	۷۰۷	عیسیٰ علیہ السلام اور		
۴۸۰	کسی کا شاگرد ہونا		شراب		
"	بنی کا نام رکب	۷۰۸	ریشمی کپڑے اور		
۴۸۱	بنی جہاں مرنے والے ہیں		کستوری		
	دفن ہوتا ہے۔	۷۱۰	دن میں سو سو دفعہ		
۴۸۲	سج نہ کرنا		پیشاب		
۴۸۴	فیجہ الروحا	"	مبارک احمد کا قبل از		
۴۸۷	مرزا صاحبؑ خدا کا		وفات ہونا		
	وعدہ وفا ملت				

دیباچہ از مولف مع ضروری ہدایات

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ جیسے ناچیز اور کمزور انسان کو پاکٹ بک کی دوبارہ نظر ثانی کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد میرے چھوٹے بھائی ملک فضل الرحمن مرحوم کی وفات میرے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہوئی۔ وہ اپنی کم عمری کے باوجود سلسلہ کا ایک ہونہار مبلغ تھا یہ پاکٹ بک اسکا حرزِ بازو تھا۔ اسکی خود تیار کردہ نوٹ بک نہایت قیمتی اور مفید حوالجات سے مزین تھی۔ میں دوسرا ایڈیشن کی تیاری کیلئے مرحوم کی محنت اور کوشش سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اسکی جماعت کے ہر اس فرد جسکو اس پاکٹ بک سے مستفید ہونے کا موقع ملے۔ میری عاجزا درخواست ہے کہ وہ میرے اس مرحوم بھائی کیلئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اسکی درجات کو بلند کرے اور اپنی خاص رحمتوں کا وارث بنائے۔ آمین۔

ضروری ہدایات

(۱) صد ا حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون کے متعلق یہ ضرور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی اجتہادی غلطی نہیں کھائی۔ سوائے ایک دو مواقع کے اور انکا ذکر خاکسار راقم نے ان کی جگہ پر کر دیا ہے پیشگوئیوں میں خصوصاً محمدی گیم والی پیشگوئی میں حضرت مسیح موعودؑ نے قطعاً کوئی اجتہادی غلطی نہیں کھائی بلکہ حضرت جبریلؑ کی پیشگوئی کی کتنی بعینہ اسی طرح پوری ہوئی۔ اس پر مفصل اور مبسوط بحث اسی ایڈیشن میں موجود ہے۔ (۲) دلائل کو مخالفین کے سامنے پیش کرنے سے قبل پاکٹ بک کی عبارت کو خوب غور سے پڑھ لینا چاہیے۔ اور پہلے خود سمجھ کر دوسرے کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ جسکو خود نہ سمجھ سکیں اسکو سرگز مخالف کے سامنے پیش نہ کریں تاوقتیکہ خود کسی اپنے سے زیادہ علم والے سے نہ سمجھ لیں ورنہ بعض اعتراضات جو حضرت مسیح موعودؑ کی عبارات کے متعلق ہیں ان کو اور انکی جوابات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ان کیلئے ایک گریڈ رکھنا چاہیے کہ مخالف جس کتاب کا حوالہ دے اصل کتاب نکال کر اسکا سیاق و سباق دیکھ لیں انشاء اللہ اسی جگہ اس کا جواب ہو گا (۳) آخری اور سب سے ضروری اور مقدم ہدایت یہ ہے کہ ہر قسم کے تبیین میدان میں تقریر یا تحریر یا مناظرہ کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور حضور قلب و خشوع سے دعا کر لینی چاہیے اور حق کی تائید میں مخالف کے ظاہری علم سے مرعوب نہ ہوں۔ آخر میں میری عاجزانہ التماس ہے کہ خاکسار خادم کو بھی اپنی غلطیوں و غلوں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ میری اس ناچیز محنت کو قبول فرما کر سعادت دارین کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

خاکسار ملک عبدالرحمن خادم بی اے محجرات - ۹۱۲/۳۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُحَمَّدٌ وَآلِہٖٖ عَلَی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ

ہستی باری تعالیٰ

ثبوت کے معیار (۱) ہر جہز کے ثبوت کے لئے صرف دیکھنا ہی معیار نہیں بلکہ اور خواص خمسہ بعض چکھنے سے جیسے کر دوی میٹھی کپیلی پھکی بکیں۔

یہ دیکھنے سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پس اگر کوئی دہریہ سے کہے کہ کڑا داما داما دنیا میں نہیں ہوتا۔ درنہ کڑا داما داما کی آنکھوں سے دکھا دو۔ تو اسکا جواب دہریہ ہی دیگا۔ کہ کڑا داما قوت ذائقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۲) سننے سے جیسے خوش آواز و بد آواز سننے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔

(۳) سونگھنے سے کسی چیز کی خوشبو۔ بدبو سونگھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۴) چھونے سے یعنی قوت لامسہ سے جیسے گرم سرد چیز کا علم چھونے سے ہوتا ہے آنکھوں سے نظر آنے سے نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح خدا کے دکھانے کا مطالبہ بھی یہودہ مطالبہ ہے۔

اشیاء کے خواص اور افعال مثلاً محبت و غضب۔ فہم۔ قوت وغیرہ خواص کے نتائج اور اثرات خمسہ کے ذریعے ثابت نہیں ہوتیں۔ مثال

کے طور پر عقل کو لو۔ نہ تو آنکھ سے نظر آتی ہے۔ نہ سونگھنے اور سننے اور نہ چھونے سے اور نہ چکھنے سے بلکہ اسے ہم اس کے نتائج اور اثرات سے معلوم کرتے ہیں۔

کہ فلاں شخص عقلمند ہے۔ اور فلاں شخص بے وقوف۔ پس ایک دہریہ کو ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی خواص خمسہ سے معلوم نہیں ہوتی۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ مثلاً عقل کا وجود

ثبوت کا تیسرا معیار سماع یا دوسرے لفظوں میں صادقوں کی شہادت

ہے۔ دیکھو اور نگذیب کو نہ تو ہم نے دیکھا۔ نہ ہمارے خواص خمسہ نے اسے محسوس کیا۔ اور نہ وہ اپنے اثر سے ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ صرف سماعی شہادت ہے۔ جو

نسل در نسل دیتے آئے۔ اور اسکے وجود کا اقرار اسکے زمانہ سے لیکر اب تک ہر قوم کے ایسے راستباز کرتے چلے آئے ہیں۔ جن کے متعلق ہمارا وہم بھی یہ گمان نہیں کر سکتا۔ کہ وہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس ذریعہ ثبوت کا کوئی دہریہ انکار نہیں کر سکتا۔ کہ اکبر یا اورنگ زیب بادشاہ دنیا میں نہیں گزرے۔ اسی طرح ہم دہریوں کو کہتے ہیں۔ کہ اگر ہر قوم کے صادق اور راستبازوں کی شہادت خدا کے وجود کے متعلق ہم پیش کریں۔ تو تمہیں اس ہستی کے اقرار کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اور آجکل تو کچھ ہی کے فیصلجات کا سارا دار و مدار اسی سماعی علم پر ہے۔ ایک گواہ حلفیہ بیان دیتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے فلاں کو میرے سامنے قتل کیا۔ اس شہادت کو سن کر اسکی شہادت کو سچا سمجھ لیا جاتا ہے۔

اعتراضات مع جوابات

(۱) چونکہ خدا نظر نہیں آتا۔ اسلیئے معلوم ہوا۔ کہ اسکا وجود وہم ہی وہم ہے۔
جواب اول۔ دنیا میں بہت سی چیزیں جو نظر نہیں آتیں۔ جیسے ہوا۔ روح اور زمانہ وغیرہ۔ مگر دہریہ ان چیزوں کے وجود کے مقرر ہیں۔
جواب دوم۔ اگر خدا لوگوں کو نظر آیا بھی کرتا۔ تب بھی اسکو ہر شخص تسلیم نہ کرتا مثلاً اندھوں کو کس طرح نظر آتا۔ دہریے اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ اسلیئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر نہ آنا ایک ایسا امر نہیں۔ جس سے ساری دنیا کی تشفی ہو سکتی۔
جواب سوم۔ اگر آنکھوں سے نظر آجائے۔ اور سب لوگ اس جاہ و جلال والی ہستی کا مشاہدہ کر لیں۔ تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جائے۔ اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں۔ وہ ضائع ہو جائیں۔ یاد رکھو۔ کہ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے۔ جو کسی خاص سمت پر واقع ہو۔ اور محدود ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے۔ سمتیں مخلوق کی ہیں۔ امد یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرے۔ علاوہ ازیں جب اسکو آنکھ نے دیکھا۔ اور اسکا احاطہ کیا۔ تو وہ محدود ثابت

ہوا۔ اور محدود ہونا نقص ہے۔ اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ سچ ہے۔ لا
تَذَرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُذَرِكُ الْاَبْصَارَ۔

(اعتراض دوم) اگر خدا کا کوئی وجود ہے۔ اور واقعہ میں ایک ایسی ہستی ہے
جو ہماری خالق اور رازق ہے۔ اور اسی نے نبیوں کو الہام سے اپنے قوانین
اور شریعتوں سے اطلاع دی۔ تو چاہیے تھا۔ کہ مذہب میں اختلاف نہ ہوتا۔
بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے۔ کیونکہ ان کے انارنیوالا ایک مانا جاتا
ہے۔ لیکن چونکہ اختلاف ہے۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ الہام وغیرہ وہم ہے۔ اور
خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب اول۔ مذاہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ان کا بھیجے
والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔
جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز
کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق تجویز کر چکا۔
مثلاً بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم رہ کر بے عزت ہو گئے۔ اس وقت خدا نے
نسخہ بھیجا۔ کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے
ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پر زور تحریکوں سے ان میں جوش انتقام
پیدا کیا۔ پھر جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا وقت آیا۔
اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اس لیے ان کیلئے جو نسخہ آیا۔ اس میں
درج تھا۔ کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے۔ تو بائیں گال بھی اس کے آگے
کر دو۔ اسکے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے۔ اور وہ زمانہ آگیا۔ کہ دنیا کے لوگ
دور دراز ملکوں کے آپس میں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جسکی موجودگی میں کسی اور نسخہ
کی ضرورت نہ رہی۔ اس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا۔ کہ موقع و محل کے مطابق
عمل کرو۔ انتقام کے موقع پر انتقام۔ عفو کے موقع پر عفو۔ غرض اختلاف مذاہب سے
یہ بات ثابت نہیں۔ کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کی طبیعتوں

اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو دنیا میں بس قدر مذاہب ہیں۔ اصل میں وہ سب متفق ہیں۔ اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں۔ اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے۔ وہ بعد میں آئیوانوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے۔ تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے۔

اعتراض سوم۔ اگر خدا کوئی ہوتا۔ تو دنیا میں یہ تفرق نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی مریم اور کوئی تندرست۔ اور کوئی کمزور اور کوئی طاقتور۔

جواب اول۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے۔ جیسا کہ ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرق ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی گورنر۔

جواب دوم۔ اصل میں تفرق کے بانی چند آدمی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند سورج ہوا۔ پانی وغیرہ سب کو یکساں طور پر دی ہیں۔ پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کر کے ترقی کرتا جاتا ہے۔ دوسرا شخص نعمت سے کام لے کر ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اور اس طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں بعض ان کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور بعض ان کے قواعد پر پوری طرح عمل نہ کر کے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

جواب سوم۔ دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ۔ کوئی باورچی اور کوئی باغ کامالی۔ اسی طرح اس کے اصطلح میں مختلف قسم کے گھوڑے اور جانور ہوتے ہیں۔ مگر اس اختلاف سے افسر کی ہستی کا انکار نہیں ہو سکتا۔

اعتراض چہارم۔ جو لوگ خدا کے مقرر ہیں۔ وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے خدا تعالیٰ کے منکر نسبتاً ان لوگوں سے جو خدا تعالیٰ کو ماننے والے ہیں۔ زیادہ نیک ہیں۔ اگر خدا ہے۔ تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جواب اول۔ نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ ہندوستان میں کسی چور اور

ڈاکو ہیں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں۔ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ فلاں حاکم ہے۔

جواب دوم۔ یہ کہنا۔ کہ خدا پر ایمان لا کر لوگ گناہ کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں حقیقی ایمان نہیں بلکہ ان کے ایمان میں ضعف ہے۔

جواب سوم۔ یہ کہنا۔ کہ بہت سے دہریے نیک ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ خدا کوئی نہیں۔ بالکل غلط استدلال ہے۔ جیسا کہ وہ الہام نازل کرتا ہے۔ اسی طرح اس نے ہر انسان کی فطرت میں ایک حد تک نیکی کا وجود بھی رکھا ہے۔ پس جو دہریے نیکی کرتے ہیں۔ وہ بھی خدا ہی کے فضل سے ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے ہاتھ سے ان کی فطرت میں نیکی کا تخم دیا۔

جواب چہارم۔ دہریوں کو نیک کہنا غلط بات ہے۔ نیکی کہتے ہیں بادشاہ ملک اور حاکم وقت کے قوانین پر چلنے کو۔ لیکن جو شخص سرے سے ہی مقنن اور بادشاہ کا منکر ہو۔ وہ تو باغی ہوا۔ نہ کہ نیک۔ کیا ایک ہندوستانی جو داسرائے اور جارج پنجم کو تسلیم نہ کرے۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ قواعد سلطنت کا برا فرمانبردار ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح خدا کا باغی اچھے کام کرنے سے نیک کہلائے مستحق نہیں (اعتراض پنجم) اگر خدا ہے۔ تو کہاں ہے؟ اور کب سے۔

جواب اول، یہ سوال بھل ہے۔ کب اور کہاں زمانہ اور مکان ہیں۔ جو مخلوق میں لہذا حادث میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم، اسی طرح دہریوں سے ہم پوچھتے ہیں۔ کہ دنیا کب سے ہے۔ اگر کہیں قدیم سے۔ تو ہم کہیں گے خدا بھی قدیم سے۔ اگر کہیں فلاں زمانہ سے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ دنیا حادث ہے۔ بتاؤ۔ اس حادث کا محدث کون ہے؟

وہ دلائل جن سے ہستی باری بپایہ ثبوت پہنچ کر

دہریوں پر حجت پوری لی جاسکتی ہے

(دلیل اول) دنیا میں جس قدر قویں ہیں۔ وہ سب خدا تعالیٰ کے وجود کی مقرر ہیں۔ حالانکہ آپس میں ہر بات میں مختلف ہیں۔ اور نہ ایسے وسائل ہی تھے۔ کہ وہ قویں مل کر آپس میں تبادلہ خیالات کر کے ایک عقیدہ پر متفق ہو جاتیں۔ سو ایسا عظیم الشان اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کی فطرت میں یہ عقیدت ودیعت ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ لہذا معلوم ہوا۔ کہ خالق فطرت نے یہ عقیدہ رکھا ہے۔ اور اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

دلیل دوم۔ دوسری دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی پر قابل اعتبار لوگوں کی شہادت ہے۔ لندن ہم نے نہیں دیکھا۔ لیکن ہم اسکی وجود کے قائل ہیں۔ تمام دنیا کے راستبادوں اور صادقوں کی متفقہ شہادت سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ سب متفق ہو کر سب شہادت دیتے ہیں۔ کہ یقیناً ایک وراۃ الوری ہستی موجود ہے۔

دلیل سوم۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدّٰعِیْ اِذَا دَعَاۤنِ فَلْيَسْتَجِیْبُوْا لِيْۤ وَلْيُؤْمِنُوْاۤ بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ یعنی جب میرے بندے میری ہستی کی کوئی دلیل تجھ سے پوچھیں۔ تو تو ان سے کہہ دے۔ کہ خدا تعالیٰ کے وجود کی ایک زبردست دلیل یہ ہے۔ کہ وہ اپنے بندوں کی دعائیں سناتا ہے۔ وہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی ظاہری سامان نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں مخلص دیتا ہے۔ جس سے صاف عیاں ہے۔ کہ ضرور برہمزد مقتدر ہستی موجود ہے

دلیل چہارم۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے۔ کہ خدا کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے فائب و خاسر ہوتے ہیں۔ اگر خدا نہ ہوتا۔ تو یہ تفرقہ کیوں ہوتا

ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں۔ بلکہ واقعات پر اسکی بنا ہے۔ دیکھو حضرت
 ابراہیمؑ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ کہ خدا ہے۔ مکرر دے اسکا انکار و مقابلہ
 کیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ ابراہیمؑ کا سیلاب اور غرور دنیا کا کام رہا۔ اسی طرح
 حضرت موسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسیح موعودؑ کے واقعات میں
 اس دلیل کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا
 لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَمَّا هُمْ الْمُنْفُورُونَ وَاِنَّ جُنْدَنَا
 لَمَّ بِالْعَالِبِينَ (پ ۹۷ ع ۹) پھر ایک اور مقام پر فرمایا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَا غُلُبَنَّ
 اَنَا وَرُسُلِي (پ ۷۸ ع ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ضروری قرار دیا ہے۔ کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہوں گے
 دلیل چھم۔ ہمارا دوزمرہ کا تجربہ ہے۔ کہ انسان کسی چیز کے اجزاء اور مرکبات
 سے جتنا واقف ہو۔ اس چیز کے مستقبل کے متعلق بھی اتنا ہی اسکو علم ہوتا
 ہے۔ مثلاً ایک گھڑی ساز ایک گھڑی بناتا ہے۔ وہ چونکہ اس کے اجزاء اور
 مرکبات سے واقف ہے۔ اسلئے وہ بتا سکتا ہے۔ کہ وہ گھڑی کتنا عرصہ
 کام دیگی۔ مگر چونکہ انسان اپنا خالق نہیں۔ اسلئے اپنے وجود کے اجزاء اور
 دنیا کی اشیاء کی ماہیت کو نہیں جانتا۔ اسلئے ”عالم الغیب“ بھی نہیں لیکن
 اگر کوئی ایسی ہستی ہو۔ جو آئندہ کے حالات جانتی ہو۔ تو یقیناً وہ خالق دنیا (خدا) ہو
 خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کو دنیا میں بھیجتا ہے (جو بوجہ انسان ہونے کے بذات خود
 غیب نہیں جانتے) مگر خدا تعالیٰ ان پر آئندہ زمانہ کی اخبارات کھولتا ہے۔ فَلَا
 يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ اَحَدٌ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُولٍ (پ ۲۹ ع ۱۲) اور اس
 طرح سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل بتایا تھا۔ کہ الْيَوْمَ نُنَجِّيكَ
 بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ اٰيَةً (یونس ع ۹) کہ فرعون کے
 ساتھ جب وہ ڈوب رہا تھا۔ خدا نے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ اسکا جسم محفوظ رہے گا۔
 تورات نے صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ فرعون بمعہ اپنے رتھ کے سمندر میں

سہ یعنی ہماری طرف سے یہ بات قرار پائی ہے ہمارے بندے رسولوں کے لئے کہ وہ ضرور ہی مدد

پتھر کی طرح غرق ہو گیا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اسکی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں اس کا محفوظ برآمد ہونا قرآن کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے۔ اسی طرح چاند سورج کو رمضان کے مہینہ میں ۱۳ اور ۲۸ کو گرہن لگنا۔ اور اس کا امام مہدی کی صداقت پر گواہ ہونا (دارقطنی صفحہ ۱۸۸) اور پھر اس نشان کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے زمانہ ۱۹۳۳ء میں بعینہ پورا ہونا خدا کی ہستی اور انھیں کی صداقت پر برہان قاطع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن کی کئی پیشگوئیاں ہمارے زمانہ میں پوری ہوئی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی دلیل ششم۔ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے وجود کو پیش کیا ہے۔ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ (پہلے) یعنی دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں۔ قلعے۔ شہر ویران ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایک چھوٹا سا مکان مکہ میں بناتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ دنیا میں ہزار انقلاب آئیں۔ لیکن یہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور لوگوں کے لئے باعث امن ہوگا۔ تمام دنیا سے لوگ حج کے لئے آئیں گے اور قربانیاں گزاریں گے۔ سوا اسکا اسی حالت پر رہنا ہستی باری تعالیٰ کے وجود کی ایک زبردست دلیل ہے۔

دلیل ہفتم۔ قرآن مجید کا بے مثل ہونا ہے۔ اگر انسان کی تصنیف ہوتی تو اور کئی لوگ اس جیسی کتاب بنا لیتے۔ لیکن تمام دنیا کے علماء کا اسکی مثل لانے سے عاجز ہونا ہستی باری تعالیٰ کا ایک بڑا زبردست ثبوت ہے۔ دلیل ہشتم۔ دنیا میں جتنی چیزیں موجود ہیں۔ ان کی ذات ہم نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ صفات کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً ایک درخت کو لو۔ اس کا طول و عرض ہم کو نظر آنے لگا۔ اور یہ صفات سے ہے۔ اسی طرح اسکا نرم یا سخت اور ہرا بھرا ہونا غرضیکہ اسکی صفات ہی صفات نظر آئیں گی۔ یہی

حال ہر چیز کا ہے۔
اب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ربوبیت و رحمانیت کی صفات جاری ہیں۔
بچے کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے لئے دودھ مہیا ہوتا ہے۔ غرض جب ہم
دنیا میں صفت ربوبیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو اس کے موصوف کا جو ذات
باری ہے۔ کیونکر انکار کریں۔

دلیل نہم۔ دنیا میں تمام اشیاء بقدر ہیں دکھائی دیتی ہیں۔ سب مرکب ہیں۔ ہوا کو لو
وہ بھی مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔ لہذا جب سب مرکب ہوئیں۔ تو ان کو ترکیب
دینے والا بھی ضروری ہے۔ اگر کہو۔ کہ وہ خود بخود مرکب ہو سکتی ہیں۔ تو یہ بات
مشابہ غلط ہے۔ مثلاً درخت سے پھل یا پتے توڑ ڈالیں۔ تو پھر خود بخود وہ
نہیں لگتے۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ مرکب ہونا ان کا خاصہ نہیں۔ ورنہ جب توڑ
جاتے پھر لگ جاتے۔

دلیل دہم۔ نظام عالم کی ترتیب ہے۔ مثلاً سورج روشنی دیتا ہے۔ کھیتیاں
پکاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند رات کی مشعل ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ غرض
دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اب ان کے متعلق تین ہی
صورتیں عقل میں آ سکتی ہیں۔ یا تو کہا جائے۔ یہ سب اتفاقی ہیں۔ لیکن بات یہ
غلط ہے۔ کیونکہ اتفاقی وہ ہوتی ہے۔ جو کبھی ہوا اور کبھی نہ ہو۔ دوسری صورت
یہ ہے۔ کہ وہ سب اپنی مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجائے
ایک خدا کے کئی خدا تسلیم کرنے پڑیں گے۔ تیسری صورت یہ ہے۔ کہ ہم کہیں۔ نہ
یہ سب اتفاقی ہیں۔ نہ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک حکمران
کے قبضہ قدرت کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ غرض تینوں صورتوں سے دہریوں
کا مذہب باطل ہوا۔

دلیل یازدہم۔ دنیا یا خود بخود ہے۔ یا کسی نے بنائی ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود
ہے۔ تو یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے۔ اور

کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا۔ اور فاعل کا وجود فعل سے موجود ہونا پہلے ضروری ہوتا ہے۔ سو اگر عدم سے وجود میں آنے کا فاعل دنیا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے۔ کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے موجود تھی۔ جو بالبداهت باطل ہی رہی۔ دوسری بات کہ کسی نے بنائی ہے۔ سو یہی درست ہے۔ اور اس بنا پر اس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

دلیل دوازدهم۔ دہریوں کا یہ دعویٰ کہ ہم خود بخود ہیں۔ ترجیح بلا مرجح ہے۔ اگر وہ کہیں۔ کہ ہم خود مرجح ہیں۔ تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہو۔ تو عدم سے وجود میں آنا کیسا۔ اور جب ہم نہ ہوئے۔ تو کوئی اور مرجح ہوگا۔ پس اس کو ہم خدا کہتے ہیں۔

دلیل سیزدهم۔ دنیا یا قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو قدیم ہے۔ تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ قدیم وہ ہو سکتی ہے۔ جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور دنیا کی ہر چیز دوسری کی محتاج ہے۔ مثلاً بارش نہ ہو۔ تو زمین اکیلی کچھ نہیں اگا سکتی۔ پس ثابت ہوا۔ کہ دنیا قدیم نہیں۔ جب قدیم نہ ہوئی۔ تو حادث ٹھہری۔ اور حادث کا کوئی محدث چاہیے۔ سو وہی خدا ہے۔

دلیل چہاردهم۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ جو چیز بھی ہو۔ فطرت ضرور گواہی دیگی۔ کہ ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی اسکا پیدا کر نیوالا ہے۔ سوائے بڑے عالم کو کہدینا کہ یہ خود بخود ہے۔ درست نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

قرآن کامل الہامی کتاب ہے

معیار اول۔ وہ کتاب ایسی کامل اور مکمل ہو۔ کہ وہ ہر ایک دعویٰ جو ضروریات مذہب میں ہے۔ اسکو خود بیان کرے۔ اور اس پر دلائل و براہین بھی خود قائم

کرے۔ وہ کسی انسانی وکالت کی محتاج نہ ہو۔ کہ دعویٰ تو خود پیش کر دے۔ اور دلائل کے لئے اسکے پیرو بطور وکیل کے کھڑے ہوں۔ پس ایسی کتاب جو دلائل چھوڑ دعوے تک کرنے کی روادار نہ ہو۔ اسکی نسبت دعویٰ کمال کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ وہ اس قابل ہے۔ کہ اسکو کسی قسم کی وقعت دیجائے چنانچہ اس اصل کو قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ شَهِدَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (طہ ۲ رکوع ۴) اس آیت میں قرآن کریم کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی شان ہے۔ کہ وہ ہدایت کی باتیں یعنی دعاوی اور ہدایت کے ثبوت یعنی دلائل وبراہین اور فیصلہ یہ تینوں کام قرآن کریم کرتا ہے۔ ہدایت کی بات پیش کرتا اور پھر اس پر دلائل قائم کرتا پھر اسکی بعد نتیجہ نکال کر اسکا فیصلہ کرتا ہے۔ یہی تین امر ہیں۔ جن کی انسان کو ضرورت ہے۔ اب سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ آیا قرآن کریم کا یہ دعویٰ بھی ہے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے کل جہانوں کے لئے رہنما ہے۔ سو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (ابتداء سورۃ ذر پارہ ۲۳) ترجمہ۔ اس کتاب کا نازل کرنا اس ذات پاک کی طرف سے ہے۔ جو تمام صفات کاملہ سے متصف جس کا نام اللہ ہے۔ جو کہ غالب ہے تمام کائنات پر جو حکیم ہے۔ کہ ذرے ذرے کی کنہ سے واقف ہے۔

(۲) تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (پارہ ۲۱ سورہ بقرہ) ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ کتاب تمام جہانوں کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہو۔

(۳) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (طہ ۲۲ رکوع ۳۶) ترجمہ۔ اے رسول ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر مقرر کر کے بھیجا ہے۔

(۴) قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ ترجمہ۔ کہہ دے اے تمام جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں (طہ ۲۴)

(۵) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ۔ (پ ۶۳۰) ترجمہ۔ یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

(۶) وَ هَذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ر پ ۱۷، (رکوع ۱۷) ترجمہ۔ یہ کتاب حبیب کو ہم نے نازل کیا ہے۔ تمام برکتوں اور خوبیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تاکہ اس کے ذریعہ تمام بستیوں کی ماں اور اس کے گرداگرد کے تمام لوگوں کو بیدار کیا جائے۔

قرآن کریم کے منجانب اللہ دعویٰ ثابت کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ جامع اور کامل ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں یہ دعویٰ بھی پایا جاتا ہے
(۱) يَسْأَلُوا صُحُفًا مِّمَّهَا تَهْتَفُتُ ۚ فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ (سورة بئینہ)

ترجمہ۔ ایسے صحیفے وہ تمہیں سنارہا ہے۔ جو ہر ایک انسانی خیال اور شیطانی دخل سے پاک ہیں۔ جن میں کہ تمام وہ کتابیں جو کہ مضبوط اور محکم ہیں۔ سب موجود ہیں۔
(۲) وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَاٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً وَ بَشْرٰى لِّلْمُسْلِمِيْنَ (پ ۱۴ ۱۸۶) ترجمہ۔ ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے۔ جو بیان کرنے والی اور ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لئے جو فرمانبرداری اختیار کریں۔

(۳) الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (پ ۶) ترجمہ۔ آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔

(۴) مَا فَتَرْنَا فِي الْكِتَابِ شَيْءً ر پ ۱۷، (رکوع ۱۷) ترجمہ۔ ہم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔

چنانچہ جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا۔ اس پر روشن ہو جائیگا۔ کہ اس کتاب میں دلائل ہستی باری۔ ضرورت الہام و دیگر اصول و فروع مدلل ہیں۔ چنانچہ قانون شادی کہ کس عورت سے نکاح جائز ہے۔ اور کس سے نہیں۔ اور قانون وراثت

اور تدبیر منزل یعنی خانہ داری سیاست اور پہلے مذاہب میں اختلافات کا فیصلہ غرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضروری پہلوؤں پر مفصل بحث ہے۔

دوسرا معیار۔ کامل کتاب ایسی زبان میں نازل ہونی چاہیے۔ جو کسی نہ کسی ملک کی بولی ہو۔ تاکہ اس کتاب کے فہم میں اور اس کے الفاظ کی تفسیر میں محض خیالات پر بنیاد نہ رکھی جائے۔ بلکہ اس کامل اور زندہ کتاب کے نئے زندہ زبان کا ہونا ضروری ہے۔ پس ایسی کتاب جس کی زبان کسی ملک اور کسی شہر میں بولی نہیں جاتی۔ اس کا وجود و عدم برابر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس اصل کی طرف آیات ذیل میں رہنمائی کرتا ہے۔

(۱) اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (پ ۱۲ ع ۱۱) ترجمہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ تاکہ تم سمجھو۔
(۲) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔ (پ ۱۹ رکوع ۱۵) ترجمہ۔ عربی زبان میں ہے جو زبان کہ نہایت کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

کیسی فصیلت اور کمال اس کتاب کو حاصل ہے کہ جو ایسی زبان میں نازل ہوئی۔ جو بلاغت و فصاحت میں اپنے مافی الفہم کے اظہار کرنے میں یکتا ہے اور پھر وہ زبان قرآن کریم کے نازل ہونے کے وقت اگر صرف عرب کی تھی۔ تو قرآن کریم کے نزول کے بعد وہی زبان شام اور مصر اور الجزائر اور مختلف مقامات کی ہو گئی۔ اگر یہ زبان مردہ ہوتی۔ تو قرآن کریم کا یہ دعویٰ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ ہم نے اسکو عربی زبان میں اس لئے نازل کیا۔ تاکہ تم سمجھو۔ صحیح نہ رہتا۔ اور اگر کسی ایسی زبان میں نازل ہوتا۔ جو کسی ملک کی زبان نہ ہوتی۔ تو اس کے سمجھانے کے لئے دوسری زبان میں جس کو انسان سمجھ سکتے۔ خدا کو ترجمہ کرنا پڑتا۔ تو پہلی زبان لغو ٹھہرتی۔ عقل بھی اسکی تائید کرتی ہے۔ کہ کلام الہی زندہ زبان میں ہونا چاہیے۔ جو کامل کتاب کہ تمام روئے زمین کے لئے اور ہمیشہ تک تعلیم دینے والی

خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ اسکی زبان بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ اور زندہ رہنی چاہیے۔ جیسا کہ عربی زبان قرآن کریم کی خاطر زندہ اور محفوظ ہے تیسرا معیار۔ کامل کتاب جو کہ تمام قوموں اور زمانوں کی ہدایت کے واسطے بھی گئی ہو۔ اسکی واسطے ضروری ہے کہ اسکی حفاظت بھی خدا کی طرف سے کی جائے۔ جیسا کہ تمام ضروریات زندگی کا مہیا کرنا اور ان کا محفوظ رکھنا اسی کا کام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس امر کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرماتا ہے۔

(۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (پ ۱۴ رکوع ۱۷)
ترجمہ۔ ہم نے اس کامل نصیحت نامہ کو نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اسکی حفاظت کر رہے ہیں۔

(۲) بَلْ هُوَ قَسْرٌ اِنْ مَّجِیْدٌ فِیْ کُوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ ترجمہ۔ یہ قرآن بزرگی اور عزت کا سامان ہمیشہ ہمیشہ لوح محفوظ میں رہے گا۔
(۳) وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَا یَاتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَاَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ (پ ۲۴ رکوع ۱۹)
ترجمہ۔ یہ ایک معزز اور غالب کتاب ہے کہ جس کے مقابل نہ باطل ٹھہر سکتا نہ اس کتاب کی کسی بات کو باطل ثابت کیا جاسکتا ہے۔ نہ قرآن کے نزول کے وقت اور نہ اسکی بعد قیامت تک۔ کیونکہ یہ تمام خوبیوں کے جامع اور تمام علوم کے سرچشمہ خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

(۴) وَاَتْلُوْا مِمَّا وُحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبِ رَبِّکَ لَا مَبْدَلَ لِکَلِمٰتِہٖ (پ ۱۵ رکوع ۱۶)
ترجمہ۔ تم اپنے رب کی کتاب پڑھو۔ اسکی باتوں کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ نہ کوئی غلط ثابت کر سکے۔ نہ ہی مٹا سکے۔

قرآن کریم کی کیسی حفاظت فرمائی۔ کہ لاکھوں انسانوں کو اسکا حافظ بنایا۔ اور ان کے لوح قلب میں اس کو محفوظ رکھا۔ مخالفت کی سخت آندھیاں چلیں

اور حوادث کے تحت چلے ہوئے۔ لیکن اس کتاب کا ایک شوشہ بھی نہ بدلی
سکا۔ اگر دنیا پر خدا نخواستہ ایسا سیلاب آئے۔ کہ جس سے دنیا کی تمام کتابیں
نابود ہو جائیں۔ تو صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے۔ کہ جو ہزاروں سینوں میں
محفوظ رہے گی:

چوتھا معیار۔ کامل کتاب ایسے زمانہ میں آنی چاہیے۔ کہ جس زمانہ میں گمراہی
اور گنہگاری اور مفسد بھی کمال تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ ہر ایک چیز کی قدر و
منزلت اسکی ضرورت کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ پس کامل کتاب کا کسی
ایسے زمانہ میں نازل ہونا جس زمانے میں ابھی شرارت اور بدی پاپ اور
ظلم موجود ہی نہیں۔ غیر ضروری اور غیر مفید ہے۔ بلکہ ایسے زمانہ میں اسکا
نزول مضر ہے۔ کیونکہ مستان راسرود یاد دہانیدن کا مصداق ہوگی۔
اور ان کو ایسی چیزوں سے منع کریگی۔ جن کا وہ نام نہ جانتے اور نہ کرنا جانتے
ہیں۔ سوائے اسکی کہ وہ ان باتوں کی تحقیق میں لگ جائیں۔ کہ زنا اور چوری
کیا ہے۔ شراب اور جو ا کس چیز کا نام ہے۔ اور پھر وہ ان افعال کے مرتکب
ہوں۔ ایسی کتاب کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ معصوم بچہ
کو یہ کہنا کہ زنا مت کر۔ شراب مت پی۔ بدی کی تحریک ہے۔ چنانچہ قرآن کریم
اس اصل کی طرف بدیں الفاظ توجہ دلاتا ہے۔

لَا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَعْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ
لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ قُلْ
سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلُ كَانُوا أَكْثَرُ هُمْ مُشْرِكِينَ۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ
يُصْعَقُونَ۔ (پ ۲۱ رکوع ۸) ترجمہ۔ برا غلطیوں میں اور سمندروں
یعنی جزائر میں خرابی اور فساد غالب آیا۔ لوگوں کی بد اعمالی سے جسکا نتیجہ یہ

ہوگا۔ کہ خدا ان کے کچھ اعمال کی ان کو سزا دیگا۔ تاکہ وہ توبہ کریں۔ ملک میں پھر کر دیکھ لو۔ کہ قرآن کریم کے نزول سے جو پہلی قومیں ہیں۔ ان کے آخری دن کیسے ہیں۔ اکثر مشرک ہیں۔ پس اس لئے اس کامل اور محکم دین کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہو۔ پیشتر اس کے کہ خدا کی طرف سے وہ عذاب کا دن آدے جس کے مقابلہ کی کسی کو تاب نہیں۔ اور نہ کوئی اس کو مٹا سکتا ہے۔

(۲) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنْ أَكْثَرُكُمْ فَاسِقُونَ رُپ ۱۳ ترجمہ۔ اے اہل کتاب تم ہم سے ناراض ہو۔ حالانکہ ہم اس کو بھی مانتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کیا گیا۔ اور اس کو بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور حالانکہ تم میں سے اکثروں کا یہ حال ہے۔ کہ خدا کی شریعت کی پابندی انہوں نے چھوڑ دی۔

جس کو تاریخ سے ادنیٰ واقفیت ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ فداہ ابی داقی کی تشریف آوری سے پہلے اہل دنیا پر ایک شرک اور کفر اور ظلم کی نہایت تاریک و تاریک شب تھی۔ کہ یکایک علوم حقہ کے مشرق سے اس آفتاب رحمت نے طلوع کیا۔ اور لاکھوں انسانوں کو اپنے نور سے منور کر دیا۔

پانچواں معیار۔ وہ کتاب جس کا یہ دعویٰ ہو۔ کہ میں کامل ہوں۔ اور کل دنیا کی ہدایت کے لئے آئی ہوں۔ تو اسے چاہیے۔ کہ وہ اپنے نزول کے بعد تھوڑے عرصہ میں دنیا کے سامنے پیش ہو۔ نہ یہ کہ وہ ایک ملک میں کچھ آدمیوں کے گھر میں بند رہے۔ حتیٰ کہ جو اس کے مدعی ہیں۔ ان کا اکثر حصہ بھی اس سے محروم ہو جائے۔ قرآن اس اصل کی نسبت یوں فرماتا ہے۔

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (پ ۱، نصف) ترجمہ۔ ہم نے تجھ کو جہان پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔

(۲) اِنِّیْ فِیْ هٰذَا لَبَلَّغًا لِّقَوْمٍ عَلِیْدِیْنَ (پہا، نصف، ترجمہ۔ اس میں تبلیغ ہے ایسے لوگوں کے لئے جن میں پرستش کا شوق ہے۔

اب دیکھو۔ کہ قرآن کریم اپنے نزول کے بعد تیس سال کے اندر اندر کیسی سرعت کے ساتھ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ کے آباد اماكن میں پہنچ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کی طرف تبلیغ اسلام کے خطوط لکھ دیئے۔ اگر قرآن کریم ہزاروں سال عرب کے ایک حصہ حجاز میں مدفون رہتا۔ اور آج ہم جیسا کہ ایک مرد کو قبر سے نکالا جاتا ہے۔ اسکو وہاں سے نکالتے اور کہتے۔ کہ یہ کل دنیا کے لئے ہدایت ہے۔ تو ہر ایک مخالف ہمارے منہ پر مارتا۔ اور کہتا۔ کہ کیا سینکڑوں ہزاروں سالوں کے بعد آج تم ہی ہوئے جو کہتے ہو۔ کہ قرآن تمام جہان کی ہدایت کے لئے ہے کیا جن پر قرآن نازل ہوا۔ اور ان کے ساقی اور ان کے تابعین اور تبع تابعین نے اس بات کو نہ سمجھا۔ اگر اسکی زبان اتفاق سے مردہ ہو جاتی۔ تو لوگ یہی کہتے کہ صاحب جب اہل زبان موجود تھے۔ انہوں نے تو قرآن کو حجاز سے باہر نہیں نکالا۔ تم آج کون ہوئے۔ جو تمام دنیا کے لئے دعویٰ کرتے ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ بانی اسلام نے تمام قوموں کو تبلیغ کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں قرآن کریم دنیا کے آباد حصوں میں پھیل گیا۔ اور تقریباً ہر ایک مشہور زبان میں اسکا ترجمہ ہو گیا۔ چھٹا معیار۔ جو کتاب کامل الہامی ہونے کی مدعی ہے۔ اسکی لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ بے مثل ہو۔ اور اسکی مثل لانے پر انسانوں میں سے کوئی قادر نہ ہو سکے۔ اور اس لئے قادر نہ ہو سکے۔ کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ اور وہ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ اس لئے اس کے آثار بھی جو اس کے افعال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ بے مثل ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ خدا کی خلق اور انسان کی خلق اور انسان کی صنعت میں فرق ظاہر ہے۔ کہ جیسے خدا درخت بناتا ہے۔ اور ان کے پھل پھول ویسے انسان بنانے پر قادر نہیں۔ چنانچہ اس اصل کی طرف قرآن کریم کی ان آیات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا (پ ۱ ع ۳) ترجمہ۔ اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ یعنی یہ شبہ ہو کہ یہ اس بندہ کی اپنی ایجاد ہے۔ نہ خدا کا کلام۔ تو تم بھی اسکی مانند کوئی سورہ بنا کر لاؤ۔ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے اسکی مثل پیش نہ کی۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز کبھی پیش نہ کر سکو گے۔

(۲) قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (پ ۱۵ رکوع ۱۰) ترجمہ۔ ان سے کہہ دے کہ اگر جن و انس مل کر یہ کوشش کریں کہ اس کتاب کی وہ کوئی مثل پیش کریں۔ تو وہ کبھی اسکی مثل پیش نہیں کر سکتے۔ نہ فرداً فرداً اور نہ ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ۔

چنانچہ فصیحاً و عربیاً۔ ادباً و قوم اور بلغاء ملک کی زبانیں اس کلام کے مقابلہ میں گنگ رہیں۔ اور اس کتاب کے سننے سے انہوں نے اپنے مصلحتات کو اتار پھینکا۔ سائلو ال معیار۔ کامل کتاب کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر عمل کرنے سے کامل نمونہ تیار ہو۔ کیونکہ اگر اس کتاب کا لایا نہ والا ہی کامل و مکمل نہیں ہوا۔ تو کس طرح سے احلوم ہو۔ کہ وہ کتاب کامل و مکمل ہے۔ جس کتاب کے متعلق یہ دعوے کیا جائے کہ یہ تمام دینی امور کے بیان کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اور اس پر عمل کرنے سے ترقی ہوتی ہے۔ تو چاہیے کہ اس پر عمل کرنے والے پہلے دینی ترقی کے کامل نمونہ ہوں اور ان کے حالات قومی اور صحیح تاریخ پبلک کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مقصد کی طرف آیات ذیل میں اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ

لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سورۃ جمعہ پ ۲۸) ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے ایک رسول مبعوث کیا۔ ایسی قوم میں جو ہر ایک خیر و خوبی سے محروم۔ نہ ان میں سلطنت نہ ان میں پاکیزگی۔ نہ ان کی عزت نہ وجاہت۔ نہ ان میں علم نہ حکمت اس رسول کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ جو ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائیگا۔

(۲۲) مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ وَرَحِمَاءُ لَكُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (پ ۲۶ سورۃ فتح کا آخر) ترجمہ۔ محمد اللہ کا فرستادہ ہے۔ اس لئے جو اس کے ساتھ ہوئے۔ وہ حق کے منکروں کے مقابلہ میں ایسے مضبوط ہیں۔ کہ اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ ان کا اثر نہیں لیتے۔ آپس میں رقیق و رفیق ہیں۔ خدا کے آگے گردن جھکانا۔ اس کے آگے اپنا سر رکھنا اور اس کی مہربانی اور خوشنودی کو بجا ہونا ان کا کام ہے۔ یہ وہ حالات ہیں۔ کہ ان کی تاریخ پر نظر ڈالنے والے پر بخوبی عیاں ہیں۔

(۳) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (پ ۱۲ ع ۳) ترجمہ۔ اے رسول تو ان لوگوں سے کہہ دے۔ کہ اگر تمہیں خدا ملے۔ تو میرا نمونہ اختیار کرو۔ خدا کے پیار سے بنو گے۔

(۴) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ ۲۱ رکوع ۱۱) ترجمہ۔ رسول تمہارے لئے کامل نمونہ ہے۔

(۵) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (پ ۱۱ ع ۱) ترجمہ۔ صرف رسول ہی نمونہ نہیں۔ بلکہ جو اس کی طرف دوڑ کر پیچھے۔ اپنے وطنوں کو چھوڑا۔ اور اس کی تائید میں کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی ایسے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ کہ ان کی پیروی سے خدا راضی ہوتا ہے۔

اے سرت کے قبول کرنے والو۔ اور است کے تیاگنے والو۔ غور کرو۔ کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی۔ اور آپ کے آنے کے
بعد وہ کس اعلیٰ مقام ترقی پر پہنچے۔ یہ اس کامل الہامی کتاب کی تاثیر تھی۔ کہ جو ہزاروں
سالوں کے روحانی مردے تھے۔ ان میں ایک دم روح پھونک کر دنیا کے لئے
ان کو ایک نمونہ بنا دیا۔

آٹھواں معیار۔ چونکہ مذہب کی اصل غرض خدا کو پانا ہے۔ اس لئے کامل الہامی
کتاب خدا کی قدرت اور جلال۔ عظمت اور کمال بڑا اور سزا ایسے رنگ میں
بیان کرے۔ کہ خدا کی محبت جو نیکیوں کی محرک ہے۔ وہ دل میں پیدا ہو۔ اور اسکا
خون جو بدیوں سے مانع ہے۔ اس پر مستولی ہو۔ انسان کی زندگی پاک ہو۔ قرآن کیم
میں خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کے صفات اور غیر کی عبادت سے روکنا اور شرک
سے دوری کی تعلیم ایسی اعلیٰ و اکمل اور پردی گئی ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر متصور
نہیں ہو سکتی۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں۔
(۱) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ
يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ترجمہ۔ تو کہہ۔ کہ اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے
سکا حاجت روا ہے۔ جس نے نہ بیٹا جنا۔ اور نہ وہ کسی کے ماں جنا گیا۔ اور نہ کوئی
اس سے کسی قسم کی برابری رکھ سکتا ہے۔

(۲) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِمِّنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
مُبْدِئُ الدَّيْنِ عَمَّا يَشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (پ ۲۸ سورۃ حشر کا آخر) ترجمہ۔ اللہ
ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ غائب اور ظاہر کو جاننے والا۔ بغیر سوال

کے رحم کرنے والا اور سوال پر بھی رحم کرنے والا۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہر ایک نقص سے پاک ہمیشہ سلامت غیر متغیر قائم و دائم۔ امن و یمن کا نگہبان ہر ایک پر غالب۔ بے نظیر طاقت والا۔ بگڑے کی اصلاح کرنے والا۔ بڑائی اور انتہائی عظمت والا بلند مرتبہ ہے۔ اس سے کہ اسکا کسی امر میں بھی کوئی شریک ہو وہ اللہ جو پیدا کرنے والا۔ صورت بخشنے والا ہر ایک خوبی و کمال اس میں ہے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اسکی اس شان کو ظاہر کر رہی ہیں۔ وہ نہایت غالب حکمت والا ہے۔

(۳) قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (پ ۱۳ رکوع ۸)
ترجمہ۔ کہہ دے کہ ہر ایک چیز کا خالق اللہ ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ہے۔ اور ہر ایک چیز کے اوپر قابو رکھنے والا غالب ہے۔

(۴) لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ (پ ۲۴ ع ۲ آخر) ترجمہ۔ اس لئے تم کسی آسمانی یا زمینی جرم کی پرستش اور سجدہ نہ کرو۔ بلکہ اسی کے آگے سجدہ کرو۔ جس نے ان کو پیدا کیا۔

(۵) وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (پ ۱۷ ع ۹۴)
ترجمہ۔ کیونکہ جو شرک کرتا ہے۔ گویا وہ بلندی سے گرا جبکہ پرندوں نے جمعیت لیا۔ یا ہوا اسکو دور دراز جگہ میں پھینک آئی۔

نواں معیار۔ کامل کتاب کی تعلیم بھی اعلیٰ و اکمل ہو۔ جس میں یہ بتایا جائے۔ کہ انسان اپنے نفس سے کیا معاملہ کرے۔ اپنے عزیز و اقارب سے کیا سلوک کرے۔ حاکم ہو تو کیا کرے۔ محکوم ہو تو کیا کرے۔ غرض یہ کہ جو جو حالات انسان کی زندگی میں پیش آ سکتے ہیں۔ سب کے اوپر مفصل بحث کرے۔ تاکہ نہ انسان کا اپنا حق ضائع ہو۔ اور نہ دوسرے کے حق کو دبانے والا ٹھہرے۔ اس مقصد کے بتانے کے لئے تو سارے قرآن پر نظر کرنی چاہیے۔ لیکن یہاں نمونہ کے طور

پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔
 (۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (پ ۲۸ ع ۱۹)
 ترجمہ۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو جہنم کی آگ سے
 بچاؤ۔

(۲) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (پ ۱۲ رکوع آخر)
 ترجمہ۔ اور اپنے متعلقین کو نماز اور دعا کا حکم کر۔ اور خود استقلال کر۔
 (۳) وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (پ ۱۴ ع ۱۲) ترجمہ۔ اور
 عورتوں سے حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔

(۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ ۲ رکوع ۱۲)
 ترجمہ۔ خدا حکم دیتا ہے۔ کہ تم عدل یعنی حقوق کو پورا ادا کرو۔ جو اپنے لئے
 پسند نہیں کرتے۔

(۵) إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرٍ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ
 وَيُنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْكَهْفِ (پ ۱۲ ع ۶)
 ترجمہ۔ خدا حکم دیتا ہے۔ کہ تم عدل یعنی حقوق کو پورا ادا کرو۔ جو اپنے لئے
 پسند نہیں کرتے۔ دوسروں کے لئے پسند مت کرو۔ اور احسان کا حکم دیتا
 ہے۔ کہ حقوق سے بڑھ کر حسن سلوک کرو۔ اس طرح مخلوقات سے محبت
 کرو۔ جیسے ایک ماں بچے سے بغیر غرض و مطلب ذاتی کے محبت کرتی ہے
 اور خدا تمہیں روکتا ہے۔ ہر ایک قسم کی بے حیائی۔ بے غیرتی اور دیوثی سے
 اور ہر ایک ظلم و زیادتی سے۔ اور حکام کی بغاوت سے۔

(۶) إِنَّ اللَّهَ يُأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدُّوا لِلْأَمَانَةِ إِنْ أَهْلُهَا وَإِذَا
 حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (پ ۵۶ ع ۵) ترجمہ۔ بیشک
 خدا تمہیں حکم دیتا ہے۔ کہ امانت انہیں کے سپرد کرو۔ جو اسکی اہل ہیں۔
 مثلاً اینکشنوں کے موقع پر ایسے لوگوں کو منتخب کیا جائے۔ جو واقف ہیں

اس کام کے اہل ہوں۔ بے وجہ طرفداری نہ کی جائے۔ اور حکام کو فرمایا کہ جب تم حکومت کرو۔ تو عدل و انصاف سے کرو۔
 (۷) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ ۵۴۵) ترجمہ۔ بہتر امت وہی ہے جو لوگوں سے علیحدہ سوسائٹی اس لئے قائم کرے۔ کہ وہ تمام لوگوں کی بہبودی اور ترقی کی خواہاں ہو۔ اس طرح کہ ہر ایک اچھی بات کا حکم کرے اور ہر ایک بری بات سے روکے۔

(۸) وَقَضَىٰ رَبِّيَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (پ ۳۴۱۵) ترجمہ۔ تمہارے رب نے یہ قطعی حکم دیا ہے۔ کہ اس کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔
 (۹) ذَٰلِكَ ذِی الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ وَالْمِسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا تُبْذِرْ رِبًّا يَدَّيْكَ (پ ۱۵ رکوع ۳) ترجمہ۔ اور اپنے قریبیوں کے حقوق دو۔ جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اور ہر ایک مسکین مسافر کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور خرچ کرنے میں حد اعتدال کو قائم رکھو۔ نہ تو اتنا خرچ کرو۔ کہ کشکال ہو جاوے۔ اور نہ اتنا کہ ایسا تنگ کرو۔ کہ بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاوے۔

غرض یہ ہے۔ کہ قرآن کریم ہی میں ہر ایک طبقہ کے لوگوں کے لئے ایسی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ جس پر وہ عمل کر سکیں۔ اور نہ ایسی جو صرف کانوں کو اچھی لگے۔

دسواں معیار۔ کامل کتاب جو سب لوگوں کے لئے ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ اسکی تعلیم پر ہر ملک و ملت کا انسان امیر و غریب بری و بھری عمل کر سکتا ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَشَقَّهَا۔ ترجمہ۔ خدا اسکی طاقت سے بڑھ کر کوئی حکم نہیں دیتا۔

سو خدا تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے مطابق عبادات نماز۔ روزہ۔ حج
زکوٰۃ میں کیسی آسانی رکھی ہے۔ بیع و شری و نکاح و موت فوت کے
احکام کے متعلق ترکہ و میت میں کیسی سہولت رکھی ہے۔

گیا رہواں مہیار۔ وہ کتاب ایسے خدا کو پیش کرے۔ جو زندہ ہو۔ اور
جسکی زندگی کا ثبوت تازہ تازہ نشان ہوں۔ اور اس خدا کا مدار صرف
قصہ اور کہانیوں پر نہ ہو۔ چنانچہ جو آیات اس مدعا کی طرف اشارہ
کرتی ہیں۔ وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى
الْاٰخِرَةِ. لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ. ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

دپ ۱۱۶ (۱۲) ترجمہ۔ خیردار اللہ سے تعلق رکھنے والوں پر نہ خوف رہتا ہے
اور نہ وہ غمگین رہتے ہیں۔ جو کہ ایمان لاکر پرہیزگار ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بشارت
ہوتی ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔ خدا کی ان باتوں کو کوئی
نہیں سکتا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
اَلَّا يَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ
نَحْنُ اَوْلِيَاؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ. (دپ ۲۴ ۱۸۶)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمارا مربی اور ہمارا مالک اللہ ہے۔ پھر اس
بات پر استقامت اور استقلال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر فرشتے اترتے ہیں۔
ان کو یہ بتانے کے لئے کہ تم خوف و غم نہ کرو۔ اور بشارت ہو اس جنت کی جس کا تمہیں
وعدہ دیا گیا۔ ہم تمہارے دنیا میں بھی دوست ہیں۔ اور آخرت میں بھی۔

(۳) اُدْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ. مَجْہ سے دعا مانگو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔
(۴) اُرْجِیْبْ دَعْوَةَ الدّٰعِ اِذَا دَعَا فَاِنْ قَلِیْتُ جِیْبُوْا رِیْ وَاَلِیُوْا مِنْ وَاٰیِ

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (پ ۲۷۷) ترجمہ - میں ایسے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جو ایسی حالت میں پکارے۔ کہ وہ میرا فرمانبردار ہو۔ اور مجھ پر اسے پورا بھروسہ ہو۔ تا وہ اس نشان سے نورانیت اور رشد میں ترقی کرے۔

(۵) اَمَّنْ يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا وَ يَكْشِفُ السُّوءَ

پ ۱۷۲۰) ترجمہ - وہ خدا جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور دکھوں کو دور کرتا ہے۔ جب وہ اسے پکارے۔

(۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَ سَبِّحُوهُ بُكْرَةً

وَ آصِيلًا هُوَ الَّذِي يُصَيِّرُ قَلْبَكُمْ وَمَنْ يَكُنْ لَهُ لَيْخٌ جَعَلَهُ

مِنَ الظَّالِمِينَ اَلْحَى النُّورِ پ ۲۲ رکوع ۳ ترجمہ - اے ایمان والو! اللہ

کا بہت ذکر کرو۔ اور اس کی تسبیح کرو۔ صبح شام۔ خدا اور اس کے فرشتے تمہاری

طرف ایسی خاص توجہ کریں گے۔ کہ اندھیروں سے نور کی طرف لے جائیں گے۔

(۷) اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهُ لَا يَكْلَمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوا

وَكَانُوا ظَالِمِينَ (پ ۱۸۶۹) ترجمہ - کیا وہ نہیں دیکھتے۔ کہ جسے وہ معبود

ٹھہرا ہے۔ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا۔ اور نہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے

معبود بنانا ظلم اور بے انصافی ہے۔

اب اسکی ظاہر ہے۔ کہ قرآن کریم ان لوگوں کے لئے جو اسکی واسطے سے خدا

سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ قسم قسم کی بشارات کا وعدہ اسی دنیا میں کرتا ہے۔

کیونکہ اگر اسی دنیا میں خدا کی طرف سے کوئی بشارت نہ ملے۔ اور اسکی مہربانیوں

کے تازہ نشان نہ دیکھے۔ تو اسکا خدا سے رابطہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فطرت

انسانی نقد کو اودھار پر ترجیح دیتی ہے۔ بلکہ اودھار کا معاملہ اسی سے ہو سکتا

ہے۔ جس سے کہ بار بار نقد مل چکا ہو۔ جو ہمیشہ اودھار ہی کا معاملہ چاہے۔ اس

سے کوئی سودا نہیں کرے گا۔

بار ہواں معیار۔ جو کامل کتاب کہ ساری دنیا کے لئے ہو۔ اس میں پیشگوئیوں کا

ہونا بھی ضروری ہے۔ جو وقتاً فوقتاً پوری ہوں۔ اور اس کتاب کے اوپر ایمان کی تازگی کا باعث ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کے اندر اس قسم کی پیشگوئیاں بکثرت موجود ہیں۔ جو ذیل میں مختصراً درج کی جاتی ہیں۔

(۱) وَهَذَا اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔

(پ ۱۸ رکوع ۱۳) ترجمہ۔ خدا نے وعدہ کر لیا ہے۔ ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے۔ اور اعمال صالحہ بجالائے۔ ان کو خلعت خلافت بخشے گا جیسا کہ پہلوں کو بخشی۔ اور مضبوط کر دے گا ان کے لئے اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا۔

(۲) حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ (پ ۱۷ رکوع ۷) ترجمہ۔ یہاں تک کہ یا جوج و ما جوج کھولے جائیں گے۔ اور وہ ہر ایک بلند جگہ سے دوڑیں گے۔

(۳) وَتَرْكُنَا بَعْضُهُمْ يَوْمَئِذٍ مَوْجًا فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا وَغَرَّ فِتْنَانَهُمْ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ غَرَّ مَا لَانَ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَائِهِ عَنِ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا۔

ترجمہ۔ اور ہم ان کو چھوڑیں گے۔ تب وہ آپس میں سمندر کی لہروں کی طرح حملہ آور ہونگے اور ایک بگل بجایا جائیگا۔ پھر ہم ان کو جمع کریں گے۔ اور ان تمام کافروں کو بھڑکوتی ہوئی آگ کے سامنے پیش کریں گے۔ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں ہیں۔ اور وہ سننے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

(۴) وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَلَا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا۔ كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (پ ۱۵ رکوع ۶) ترجمہ۔ نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم ضرور ہلاک کریں گے اس کو قیامت سے

پہلے۔ یا عذاب دیں گے بہت سخت عذاب۔ یہ بات ضرور ہو کر رہے گی۔
 (۵۲) صَوِّرَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ مِّنْهُمَا فَيَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ
 فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ (پ ۲۷۔ رکوع ۱) ترجمہ۔ دو سمندر خدا نے چھوڑے ہیں
 جو آپس میں جاییں گے۔ ان دونوں کے درمیان روک ہے۔ وہ اپنی حدود سے
 نہیں نکلتے۔ ان دونوں سے مونگے اور موتی نکلتے ہیں۔ اور جہاز چلتے ہیں۔ یہ
 دونوں سمندر بحر قلزم اور بحر روم ہیں۔ جو بذریعہ نہر سوینز آپس میں ملے اور ان کا
 التقا ہوا۔

(۶) اَلَمْ غَلِبَتِ الرُّومُ فِي اَدْنٰى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
 سَيَغْلِبُوْنَ. فِي بَعْضِ سِنِيْنَ. ترجمہ۔ رومی مغلوب ہوئے۔ مگر چند
 سالوں میں پھر وہ غالب آجائیں گے۔ یہ پیشگوئی بھی آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

(۷) سَيُكْذَّبُكُمْ الْجَمْعُ وَيَكُونُ الدُّبُرُ. ترجمہ۔ مخالفین کی جماعت
 کو شکست ہوگی۔ اور وہ پیٹھ دے کر بھاگیں گے۔ غزوہ خندق اور غزوہ
 بدر میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔

(۸) كَتَبَ اللّٰهُ لِمَنْ مَّلَكَ يَدَيْهُ اَنْ اَوْفِيَّ اِنْ اَللّٰهُ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (پ ۲۸ ع ۳)
 ترجمہ۔ خدا نے یہ لکھ دیا ہے۔ کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔
 (۹) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ
 يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ. (پ ۲۸ ع ۱۱) ترجمہ۔ ہم اپنے رسولوں اور مومنوں
 کی مدد اس دنیا میں کرتے ہیں۔

(۱۰) قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيشُ. (پ ۲۲ رکوع ۱۲)
 ترجمہ۔ کہہ دے۔ کہ اس شہر میں حق آگیا۔ یعنی توحید آئی اور شرک بھاگ گیا
 اب نہ یہاں نیا شرک ہو گا۔ اور نہ پرانا لوٹ کر آئے گا۔

(۱۱) قُلِ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْدٌ مَّا ظَنُّوا أَنَّهُمْ سَتُعْلَبُونَ وَتَحْشُرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ
 (پ ۳ رکوع ۱۰) ترجمہ - کہہ دے اسے منکروں تم مغلوب کئے جاؤ گے۔
 اس دنیا میں اور پھر جہنم کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

(۱۲) ضَرَبْتُ عَلَيْكُمْ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا ثَقِفُوا (پ ۴ رکوع ۳) ترجمہ
 یہود پر ذلت ڈالی گئی۔ جہاں کہیں بھی یہ پائے جائیں۔

(۱۳) وَاللَّهُ يَخَصِّصُكَ مِنَ النَّاسِ (پ ۶ رکوع ۱۴) ترجمہ - اللہ
 تعالیٰ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ کہ کوئی تیرے قتل پر قادر نہ ہو سکیگا
 یہ چند پیشگوئیاں بطور نمونہ لکھی گئی ہیں۔ جو کچھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زمانہ میں پوری ہوئیں۔ اور کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس زمانہ
 تک وقتاً فوقتاً پوری ہو رہی ہیں۔

الغرض کسی الہامی کتاب کے اعلیٰ و اکمل اور تمام دنیا کی مقبوع ہونے کے جو
 صحیح معیار ہو سکتے تھے۔ ہم نے قرآن کریم سے چند بطور نمونہ پیش کر دیئے ہیں۔
 اور قرآن کو ان سب پر پورا اتار کر دکھا دیا ہے۔

صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے صدق معلوم کرنے کے لئے تین طریق ہیں۔

اول۔ یہ کہ آپ کی ذات میں غور کیا جائے۔ کہ آیا آپ میں وہ صفات اور کمالات پائے
 جاتے ہیں۔ کہ جن سے کوئی انسان کامل راستیاز اور خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہو سکتا ہے
 دوم یہ کہ آپ کے وجود سے بنی نوع انسان پر آیا یہ اثر پڑا ہے۔ کہ جس سے
 آپ کامل ہادی اور حقیقی مصلح ثابت ہو سکیں۔
 سوم یہ کہ خدا کا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔

طریق اول کے مطابق حسب ذیل وجوہات ہیں۔ جو آپ کے صدق پر سچ قویہ ہیں
 پہلی دلیل۔ یہ امر ہر ایک انسان کی فطرت میں ہے۔ کہ جب کسی کو وہ ایسے

دعوے میں سچا سمجھنے لگے۔ کہ جس دعویٰ کا صدق اس کے دائرہ جس سے
 باہر ہے۔ یا اس کے علم میں وہ خبر موجود نہیں۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ اسی انسان
 سے جتنے دعویٰ اور خبریں میں نے اس کے قبل سنی ہیں۔ وہ میں نے صحیح پائی
 ہیں۔ تو جب یہ انسان تمام ان واقعات کے بیان میں جو میرے علم کے احاطہ کے
 اندر صحیح تھے۔ راستباز ہے۔ تو کیوں اس واقعہ کے بیان کرنے میں جو میرے
 احاطہ علم سے ابھی باہر ہے۔ راستباز نہ ٹھہرے۔ چنانچہ اسی بنا پر تمام ڈاکٹروں
 اور طبیبوں کے ایسے نسخہ پر انسان اعتبار کرتا ہے۔ جو ابھی اس کے استعمال میں
 نہیں آئے۔ اور استاد کی اس تعلیم پر اعتماد رکھتا ہے۔ جس کی دلیل سے وہ ابھی
 آگاہ نہیں۔ غرض تمام دنیا کی کار بیماری جو باہم ایک دوسرے سے ہو رہی ہے
 وہ اسی دلیل پر مبنی ہے۔ اگر اس طریق سے کوئی انسان در ابھی انحراف کرے
 تو وہ دنیا میں کسی سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ اگر طبیب کے اسی نسخے کو وہ استعمال
 کرے۔ جو اس سے پہلے وہ استعمال کر چکا ہے۔ تو کسی نئے مرض کا وہ علاج
 نہیں کر سکتا۔ بلکہ نہ کسی پہلے مرض کا۔ کیونکہ پہلی دفعہ جب یہ بیمار ہو گا۔ اور
 اس کے ماتھے میں یہی قانون ہو۔ کہ جب تک ایک نسخے کا اپنے اوپر تجربہ نہ کرے
 اسے استعمال نہیں کرنا۔ تو پہلی دفعہ بھی اپنے علاج سے محروم رہے گا۔ اسی طرح
 اس کے تمام حوائج پورے ہونے سے رہ جائیں گے۔ اب اسی قاعدہ کے مطابق ہم
 اس شخص کے دعویٰ کو پرکھ سکتے ہیں۔ اور اس کے صدق پر یقین کر سکتے ہیں۔ جو
 یہ کہتا ہے۔ کہ مجھے خدا نے لوگوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے
 ہم دیکھیں گے۔ کہ اس دعویٰ سے پہلے یہ شخص اگر کسی قوم میں رہا ہے۔ اور کسی ان
 نے اس کو معاملات میں آزمایا ہے۔ یا کچھ خبریں اس سے سنی ہیں۔ تو ان کا کیا نتیجہ نکلا
 ہے۔ اگر یہ شخص اپنے ہر معاملہ میں دیانتدار اور اپنی ہر بات میں راستباز نکلتا رہا
 ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کہ اس دعویٰ رسالت کو سابقہ زندگی کے تجربہ پر
 ہم سچا نہ یقین کریں۔ بالخصوص جبکہ وہ دعویٰ اسی عمر میں اور ایسے حالات میں

کرتا ہے کہ وہ دعویٰ اس کے اغراض کے سراسر منافی ہو۔ اور اس کے لئے
 نہایت مشکلات کے سامنے کا باعث نظر آ رہا ہو۔ اور فی الواقعہ ہو بھی ایسا ہی
 اور اس دعویٰ سے پہلے کئی قسم کے حالات زندگی اس کو ایسے پیش آئے ہوں
 کہ جن میں بظاہر کذب مفید بھی ہو۔ اور وہ اس سے مجتنب رہا ہو۔ پھر یہ دعویٰ
 اس عمر تک پہنچ کر ہوا ہو جس سے پہلے پہلے تمام ضروریات انسانی اسے لاحق ہو
 چکے ہوں۔ اور وہ ان سب کاموں میں صدق شعار ہی رہا ہو۔ تو ایسے وقت میں
 یہ گمان جنون کا شعبہ ہو گا۔ کہ اس مدعی کو راستہ یقین نہ کیا جائے۔ اسی درس
 اصول کی طرف قرآن مجید کی یہ دو آیتیں رہنمائی کرتی ہیں۔ اول :- قُلْ تَوَشَّاهُ
 اللَّهُ مَا تَكُونُ لَهُ عَلَيْهِ وَلَا أَدْرِيكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا
 مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (پ ۱۱۷) ترجمہ: کہہ دے۔ اگر اللہ چاہتا۔
 تو میں تم پر یہ کلام ایسا نہ پڑھتا۔ اور نہ وہ تمہیں اس سے آگاہ ہی بخشا۔ کیونکہ میں
 تم میں ایک زمانہ اس سے پہلے گزار چکا ہوں۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے
 دوم :- قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُنَا الَّذِي يَتَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يَكْتُمُونَ
 وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَجْعَدُونَ (پ ۱۰۷) ترجمہ ہم جانتے
 ہیں۔ کہ تجھے غم ہوتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔ سو یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے
 بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں یہ بیان کیا ہے۔ کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ سے
 پہلے ان لوگوں میں جو آپ کے دعویٰ کے منکر ہیں۔ ایک عمر گزار چکے ہیں۔ اور انہوں
 نے اس عمر کے اندر آپ سے کوئی کذب یا افترا نہیں دیکھا۔ تو ایسے لوگوں کی عقل
 سے اپیل کیا ہے۔ کہ جب میں تمہارے ان معاملات میں راستہ باز ہوں۔ کہ جو اس
 عمر میں پیش آئے ہیں۔ تو اب تمہارا کیا حق ہے۔ کہ تم مجھے مفتری اور جھوٹا سمجھو۔
 کیونکہ عقل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی۔ کہ جو شخص زمانہ دراز سے راستہ باز
 اور امین رہا ہو۔ اس کے متعلق کسی ایسی خبر میں گمان کذب کیا جائے۔ جو وہ

ہمارے علم سے باہر کسی امر کی نسبت دیتا ہے۔ خصوصاً جبکہ دعویٰ دنیوی نگاہ کے
 لحاظ سے اس کے آرام کے سخت منافی بھی ہو۔ (۲) اس آیت میں اس امر کی طرف بھی
 اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ کذاب اور گناہ کے مدارج ہیں۔ ایک اپنی حیثیت کے انسان کو آدمی
 ذرا سختی سے بھی مخاطب کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے سے بڑے کے ساتھ ایسا نہیں
 کرتا۔ ایک کام انسان ایک آدمہ شخص کے سامنے کر سکتا ہے۔ لیکن پیٹک میں اسکا
 اظہار نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان معمولی آدمی پر ظلم کر سکتا ہے
 جو اسکی انتقام نہیں لے سکتا۔ لیکن زبردست پر ظلم نہیں کر سکتا۔ انسان جب کبھی
 گناہ میں ترقی کرتا ہے۔ تو وہ یکدم انتہائی نقطہ معصیت پر نہیں پہنچ جاتا۔ بلکہ اسکی
 ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ یہی حال ہے کسی پرافتزا کرنے کا۔ پس جو شخص کہ مخلوق
 پرافتزا کرنے سے یا ان کے سامنے جھوٹ بولنے سے ہمیشہ محترز رہا۔ ایسے
 شخص سے کیونکر ممکن ہے۔ کہ وہ یکدم زمین و آسمان کے شہنشاہ پرافتزا دکرے۔
 جو علیم بذات الصدور ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں منکروں کی طرف سے اس
 امر کی گواہی دی ہے۔ کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا نہیں کہتے۔
 بلکہ ان باتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے آپ پیش فرماتے ہیں اور
 اس تکذیب میں وہ بے انصافی سے کام لے رہے ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو وہ
 راستباز سمجھتے رہے اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ جب وہ کوئی امر خدا کی طرف سے بیان
 کرتا ہے۔ تو اسے جھوٹا کہنے کا انتہا کیا حق ہے۔ حالانکہ آپ کے دعویٰ رسالت
 کے بعد بھی وہ کئی دفعہ آپ کے صدق و امانت کی گواہی دینے پر مجبور ہوئے چنانچہ
 ایک دفعہ حضور نے صفا پر چڑھ کر تمام قبائل کو بلایا۔ جب ان کے بہت سے قائم مقام
 جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا۔ کہ بتلاؤ۔ اگر میں یہ کہوں
 کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک زبردست لشکر آ رہا ہے۔ جو تمہیں تباہ کر دیگا۔ تو کیا تم
 مجھے سچا سمجھو گے یا نہیں۔ تو انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ کہ ہم ضرور سچا
 سمجھیں گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کا کوئی جھوٹ نہیں دیکھا ہمیشہ راستباز پایا۔ اس پر

آپ نے فرمایا۔ کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ ان عذابوں سے جو تمہیں تباہ کر دیئے دے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ شعراء)

دوسری دلیل۔ مدعی رسالت جس اصلاح کو پیش کرے۔ اس میں چاہے دنیا کتنی ہی مخالف ہو جس سے اس کے مال و جان۔ آبرو۔ تعلقات۔ اخوت و مودت کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ لیکن وہ ایسا دلدلہ ادھ ہو۔ کہ اپنے مقصد بعثت کو کبھی نہ چھوڑے۔ اور بزدلی نہ دکھائے۔ ج

کہ صادق بزدلے تہود اگر بیت قیامت را

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی رسالت کا پسلا مقصد توحید خالص کا قیام اور الہ باطلہ کا انہدام تھا۔ آپ کو اس مقصد کے حصول میں بہت ہی مشکلات کا سامنا ہوا۔ کیونکہ آپ کی پیدائش ایسی قوم میں ہوئی۔ جو نہ صرف مشرک تھے بلکہ مشرک گزشتے۔ اور ایسے شہر میں ہوئی جن کا انداز زندگی بت پوجنا اور پجوانا ہی تھا۔ ہاں وجہ کہ شہر کہ دادی غیر ذی زرع تھا۔ اور وہاں کوئی ایسی چیز پیدا نہ ہوتی تھی۔ جسے کھا کر انسان زندگی بسر کرے۔ ایسی جگہ کے رہنے والے لازمی طور پر دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ تجارت چل نہیں سکتی۔ کیونکہ تبادلہ کے لئے بھی آخر کوئی شے ہونی چاہیے۔ پس ایسے لوگ اگر بت پرستی کو مٹا دیتے۔ تو بظاہر حالات سوائے تباہی یا ترک وطن کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے توحید سے نفرت کرنے کا باعث بھی قرار دیا ہے۔ (۱) وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدًا وَلَوَّا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا (پ ۱۵ رکوع ۵) ترجمہ۔ اور جب تو قرآن مجید میں اپنے رب کی توحید کا ذکر کرتا ہے۔ تو وہ نفرت سے بھاگ جاتے ہیں۔ (۲) وَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدًا شَآءَ أَشْمَازَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (پ ۲۴ رکوع ۲) ترجمہ۔ اور جب اللہ کا توحید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دل نیچے لگتے ہیں۔ (۳) وَقَالُوا

إِنْ شِيعَ الْهُدَى مَعَكَ نَتَخَفَتْ مِنْ أَرْضِنَا رِبَارَهُ ۲ رکو ع)
ترجمہ - اور کہتے ہیں کہ اگر ہم اس ہدایت کی پیروی کریں۔ جو تیرے ساتھ ہے
تو پھر ہم اس ملک میں نہیں رہ سکتے۔

پس ایسے حالات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا توحید کو پھیلانا اور
مشکلات میں ثابت قدمی دکھانا اس امر کی حجت قویہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ
کی طرف سے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ ایسے مشکلات میں وہی ثابت قدم رہ
سکتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی جائے۔ اور وہ اس قادر و توانا
کافر ستادہ ہو۔ ورنہ دنیا کے طالب ادنیٰ ادنیٰ مشکلات میں نہ صرف اپنا
دعویٰ ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ خودکشی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ وقت
کوئی کم امتحان کا تھا۔ جس میں تمام بنو ہاشم کو اہل مکہ نے بائیکاٹ کر دیا۔ اور
آپ کو معہ اپنے کنبہ کے پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنا پڑا۔ جہاں یہ حالت تھی۔
کہ وہاں سے گزرنے والا غورتوں اور بچوں کے بھوک سے بلبلائے کی
آواز کانوں سے سنتا تھا۔ اور ان کے بڑوں کے حزن و ملال کو اپنی آنکھوں
سے دیکھتا تھا۔ پھر وہ وقت جب مکہ سے آپ کو عبد یعلیل یہ کہہ کر کہ میں
آپ کے امن کا ذمہ دار ہوں۔ آپ طائف میں تبلیغ کے لئے چلیں۔ ساتھ
لے گیا۔ اور طائف کے تمام اوباشوں کو آپ پر پتھر پھینکنے کے لئے جمع کیا۔
اور آپ لہو لہان بھاگتے ہوئے واپس پھرے۔ اور کئی میل ان شہیروں
نے آپ کا تعاقب کیا۔ اللہ اکبر۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے
اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ پھر وہ وقت جب
آپ کے چچا ابو طالب کے پاس صنادید قریش نے آکر کہا۔ کہ یا تو اپنے بیٹے
کو ہمارے معبودوں کی مذمت سے روکو۔ ورنہ اس کی حمایت سے دست بردار
اختیار کرو۔ جس پر ابو طالب نے آنحضرتؐ کو بلایا۔ اور کہا۔ اے میرے بھائی
کے بیٹے! اگر تو بت پرستی کی مذمت کو چھوڑے۔ تو میں تجھے اپنی حمایت میں

رکھ سکتا ہوں۔ ورنہ میرے لئے مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے چچا!
 اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں۔ اور
 مجھے اسے روکنا چاہیں۔ تو میں نہیں رک سکتا۔ یہ خدا کا امر ہے۔ وہ اسکو
 ضرور پورا کرے گا۔ پھر وہ وقت جب قریش نے اپنی طرف سے ایک قائم مقام
 ولید بن مغیرہ بھیجا۔ کہ وہ آپ سے یوں کہے کہ اگر تم بیمار ہو۔ تو ہم تمہارا علاج
 کریں۔ اور اگر نبی کی خواہش ہے۔ تو ہم خوبصورت سے خوبصورت لڑکی مہیا
 کر دیں۔ اور اگر وہ یہ چاہیے۔ تو ہم سب کی دولتیں حاضر ہیں۔ اور اگر بادشاہی
 کی ہو کس ہے۔ تو ہم بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ صرف ہمارے معبود
 کی مخالفت چھوڑ دیجئے۔ تو آپ نے ان کو بھی یہی جواب دیا۔ اور سورہ حم
 مَنزِلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے دو رکوع سنا کر سمجھا دیا۔ کہ میں
 اشاعت توحید کو کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جو میری مخالفت
 کریں گے۔ وہ ہلاک ہوں گے۔ پھر وہ وقت جب سب قبائل نے آپ کے قتل
 کرنیکا فیصلہ کر دیا۔ اور ہر ایک کہنے سے ایک ایک سنگدلی قاتل منتخب
 ہوا۔ اور یہ تجویز ہوئی۔ کہ یکدم حملہ کر کے مار دیں۔ اور آپ کے مکان کو
 گھیر لیا گیا۔ اسوقت بھی اپنے مقصد بعثت توحید کی اشاعت ہی پر
 استقامت تھی۔ جس نے آپ کو اور بھی سرگرم کر دیا۔ پھر جنگ حنین کا
 وہ وقت جب بارہ ہزار ہمراہی کے پاؤں اکھڑ گئے اور آپ اکیلے
 دشمن کی فوج کے سامنے مردانہ وار کھڑے ہو کر باوجود بلند فرما رہے
 میں۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَلِبِ نہ نام چھپایا
 نہ دعویٰ چھپایا۔ حالانکہ یہ ایسا وقت تھا۔ کہ جس میں کوئی مغتری چاہیے وہ
 کتا ہی شجاع ہو۔ قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ تاریخی واقعات آپ کی ہمت
 پر حسب دلیل مذکورہ بالا غفاہد ہیں۔

دلیل سوم۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جس ہدایت کی طرف وہ لوگوں کو

بلائے۔ اس پر پہلا عامل اور اول درجہ کا نمونہ خود ہو۔ کیونکہ جو شخص
 ایک امر کی دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔ اور خود اس سے بکاؤ کرتا
 ہے۔ اسکی نسبت یہ گمان غالب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو فریب
 دینے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ
 نَكْمٌ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّدِیْنِکُمْ ۚ رُكُوْع ۱۹ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰
 اس اللہ کے فرستادے میں نمونہ نیک ہے اور مِّنْ أَحْسَنُ قَوْلًا
 مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
 دپ ۲۴۔ رکوع ۱۹ کون احسن القول ہے اس شخص سے جو اللہ کی طرف
 بلائے۔ اور نیک اعمال بجالائے۔ اور اس امر کا دعویٰ کرے کہ میں حکم
 کا فرمانبردار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعظیم لامر اللہ
 وشفقت علی خلق اللہ کی طرف بلایا ہے۔ آپ کی زندگی ان دونوں ندیوں
 کے عبور کرنے کے لئے نہایت مضبوط پل ہے۔ کیونکہ ایک طرف آپ
 کی عبادات کو دیکھیں۔ تو وہ آپ کے آٹھوں پر گھیرے ہوئے ہیں۔
 اور دوسری طرف مخلوقات سے خیر خواہی کا حال دیکھیں۔ تو انسان چھو
 حیوانوں تک کے آپ خیر خواہ ثابت ہوئے ہیں۔ عبادات میں تو یہ حال
 تھا۔ کہ رات کو تہجد پڑھتے ہوئے پاؤں کو ورم ہو جاتا تھا۔ اور خیر خواہی
 کے لحاظ سے ایک مسکین کو بھی آپ کو اپنے کام کے لئے کہتی۔ تو اس کے
 ہمراہ ہو لیتے۔ چنانچہ جب آپ کی زندگی کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ
 عنہا نے جو آپ کے ازواج مطہرات میں سے ہے، اسے پوچھا گیا۔ تو آپ نے
 فرمایا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ۔ یعنی آپ کی زندگی قرآن مجید کی عملی
 تفسیر ہے۔ اور یہ اسکی شہادت ہے۔ جس پر مرد کا کوئی امر مخفی نہیں رہ
 سکتا۔ اور جس کے سامنے کوئی بناوٹ اور تکلف انسان نہیں کر سکتا
 دوسرا طریق۔ اس بات کی جانچ پڑتال ہے کہ آنحضرت کا اثر بنی نوع انسان

ہر کیا پڑا۔ اور حقیقت میں یہ طریق پہلے طریق کا ایک ضمیمہ ہے۔ کیونکہ کسی انسان کی ذاتی قابلیت اس کی تاثیرات سے معلوم ہوتی ہے۔

تیسرا طریق۔ اس امر میں غور کہ خدا کا اس مدعی سے کیا معاملہ ہے۔

دلیل اول (اللہ تعالیٰ کے بنی خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آئے ہیں۔ پس ان کی تاثیر ایسی ہونی چاہیے کہ مخلوق کی آنکھوں کے آگے جو خدا تک پہنچنے کے لئے روکیں اور ظلمتیں ہیں۔ وہ ہٹ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات ان رسولوں کے واسطے سے اس کی مخلوق میں آجائیں۔ اور یہ لوگ متخلق باخلاق اللہ بن جائیں۔ پس جس شخص کی قوت قدسیہ سے ایسی جماعت تیار ہو جائے۔ جو فی الواقعہ نیک کا ایک نمونہ ہو۔ وہ ضرور خدا کی طرف سے رستہ باز اور مصلح مرسل ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے متعلق اس دلیل کو بیان فرمایا ہے۔ اَلِرُّقْتُ كِتَابًا نَزَّلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِنِّیْ صِرَاطٌ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدُ ۝ (پ ۱۳۶ ۱۳۷) یہ کتاب جو تیری طرف نازل کی گئی ہے۔ یعنی تجھے رسول بنایا گیا تاکہ تو لوگوں کو ان کے مربی (خدا) کے ارشاد کے ماتحت اندھیروں سے نور یعنی زبردست خوبیوں والے خدا کے رستہ کی طرف نکال لائے۔ ۷) یُسَبِّحُ بِحَمْدِ رَبِّهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلٰٓئِکَةُ الْقُدُّوْسُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہُمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ لِفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَاٰخِرُیْنَ مِنْهُمْ لَسَآ یَلْحَقُوْا بِہُمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (پ ۲۸ سورہ جمعہ) تبیج بیان کر رہا ہے اللہ کے لئے تمام وہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں وہ اللہ جو بادشاہ ہے۔ نہایت پاک۔ عزت والا۔ حکمت والا۔ اس نے مبعوث کیا ہے امیوں میں ایک رسول اپنی میں سے جو ان پر اللہ کے احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا

ہے۔ یقیناً وہ اسی اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ پھر اس رسول کا اثر اپنے زمانہ تک محدود نہیں۔ بلکہ ان لوگوں میں بھی اس کی بعثت اور تاثیر ہے جو ان سے نہایت پیچھے آئے ہیں۔ اور ابھی ان سے نہیں ملے۔ اور وہ عزت و اور حکمت والا ہے۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاثیر بیان کی ہے۔ کہ آپ کا اثر لوگوں پر یہ پڑے گا۔ کہ وہ اندھیروں سے نکل نکل کر نور کی طرف آئیں گے۔ اور خدا کے احکام سے واقف ہوں گے۔ پاک بنیں گے۔ کتاب و حکمت کے عالم و عامل ہو جائیں گے۔ اس تقریب کو اس طرح سے بیان فرمایا۔ کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں خدا تعالیٰ کی تسبیح میں اس کی ان چار صفات کا اعلان کر رہی ہیں۔ کہ وہ ملک۔ قدوس۔ عزیز۔ حکیم ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اس خدا کی فعلی کتاب سے خدا کی معرفت حاصل نہ کی۔ اور اس کی دلالت ان کے لئے ایسی مخفی ہوئی۔ کہ ان کے ذہن اس کے نتیجے تک نہ پہنچے۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنی ہستی اور اپنے صفات کے ظاہر کرنے کے لئے یہ عام فہم طریق اختیار کیا۔ کہ ایک رسول کو ایسی قوم میں کھڑا کیا۔ جو ان چار صفات سے بکلی محروم تھی۔ یعنی نہ ان میں بادشاہت تھی۔ نہ تقدس۔ نہ عزت نہ حکمت پھر اپنے رسول کے ذریعہ سے اس کا علاج۔ بیمار۔ تمام نیکیوں اور ترقیوں سے محروم قوم کو ان چار صفات کا منظر بنا کر ثابت کر دیا۔ کہ واقعی وہ خدا کی طرف سے یہ رسول مبعوث ہوا ہے۔ الملک۔ القدوس۔ العزیز اور الحکیم ہے۔ چنانچہ تمام دنیا کے مورخین اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ کہ جن لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ واقعی ایسے تھے۔ کہ دینی دنیاوی ترقیات سے محروم تھے۔ نہ ان پر شام کے مذہب کا کچھ اثر تھا۔ نہ ایران کی سلطنت کا۔ آخر وہ وقت آیا۔ کہ وہ نہ صرف خود ہدایت یاب ہوئے۔ بلکہ ان دونوں ملکوں پر حاکم اور ان کے مادی بن گئے۔

اور انہوں نے وہ عزت پائی۔ کہ آج تک ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم کہا جاتا ہے۔ اور ان کی حکمت سے ایک عالم سبق آموز ہے پھر یہ فیض الہی تک محدود نہ رہا۔ بلکہ اس زمانہ میں ایک اور جماعت انہی کے نقش قدم پر تیار ہوئی۔ جس نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کو عزت دینے والے اور حکمت سکھانے والے ہیں۔

دلیل دوم۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو شخص آئے۔ اس کا اثر معمولی اثر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ معمولی اثر تو ہر مذہب کے داعیین اور نیک لوگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اس کا اثر فارق عادت طور سے دنیا پر ظاہر ہونا چاہیے۔ اور اس کے ظہور کی کسوٹی دنیا کی مخالفت ہے۔ کیونکہ انسان جب مخالفت کے رخ میں آتا ہے۔ تو اسی وقت اس کے دلی اعتقاد اور استقامت کا پتہ لگتا ہے۔ ان لوگوں (ماموران الہی) کی مثال دنیا میں ایسی ہوتی ہے۔ جیسا ایک رستہ ہو۔ جس کے ایک طرف کھینچنے کے لئے سارا جہان ہو۔ اور دوسری طرف اکیلا مرد میدان ہو۔ اور وہ جہان کو اپنی طرف کھینچ لے۔ نہ یہ کہ وہ ان کی طرف کھینچا جائے۔ ان لوگوں کی طرف جب کوئی شخص قدم بڑھاتا ہے۔ تو اس کے پہلے خیالات یعنی اس کا دماغ اور اس کے ذاتی ضروریات اس کے بچے اور بھائی اس کے پیارے استاد اور پیر اس کی قوم اور اس کا جتھا اور اس کا ملک اور ملک کی مصلحتیں ان کی طرف جانے سے یہ سب چیزیں متفق ہو کر روکتی ہیں۔ پس اگر ایک شخص کو بھی ایسے لوگ اپنے رنگ میں رنگین کر لیں۔ تو ان کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ چہ جائیکہ لاکھوں انسانوں کو وہ اپنی طرف کھینچ لیں۔ اور اپنا رنگ ان پر چڑھا دیں۔ یعنی وہ اخلاص اور وہ استقامت جو ان میں تھی۔ ان کے متبع میں بھی موجود ہو جائے۔ یہ مطیع اور مطاع کا اتحاد اس کے خدا کی طرف

ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نبی کریم کی صداقت میں
یہی دلیل دیتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ
اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ (پ ۳ رکوع ۱۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکُفَّارِ رَحِمًا عَلٰی بَیِّنٰتٍ مِّنْ تَرَاهُمْ
رُکَّعًا سُجَّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (پ ۶ رکوع ۱۲)
ترجمہ۔ اعلان کر دے۔ کہ اگر تم اللہ کے سچے طالب ہو۔ تو میری پیروی کرو۔
تو وہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔ اور تمہاری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیگا۔
محمد اللہ کا فرستادہ ہے۔ اور وہ جو اس کے ساتھ ہوئے۔ وہ منکرین
ہدایت کے مقابل میں شہید یعنی اثر ڈالنے والے ہیں۔ انہی لینے والے
نہیں۔ اور آپس میں رحماء ہیں۔ تم ان کو خدا کی فرمائندگی کے لئے جھکے ہو
اور اسی کے دروازے پر پڑے ہوئے دیکھو گے۔ اللہ کا فضل اور اسی
رضامندی کا حصول ان کی زندگی کا مقصد ہے۔

ان آیات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے آپ کے
زمانہ میں اور آپ کے بعد عجیب عجیب استقامت دکھائی۔ اور مشکلات کے
وقت میں وہی حزم اور صبر کے نمونے دکھائے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے دکھائے۔ نبی کریم کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے پھیلانے میں جو تکلیف
پیش آئی۔ اور آپ نے استقامت دکھلائی۔ بلالؓ کو اس کلمہ کے اظہار پر
کیا تھپکھپک مہینہ دکھنا پڑا۔ ان کی ناک چھیدی گئی۔ اور گرم ریت
گرم پتھر پہاں کو لٹایا گیا۔ تاکہ وہ اس کلمہ توحید کی شہادت کو چھپا دیں۔ پھر
یاسر جسے اسی باعث سے دواؤں کے ساتھ باندھ کر دوڑھکے کر دیا گیا۔
پھر اسکی بی بی سمیہ کے ساتھ جو کچھ ہوا۔ وہ تاریخ میں موجود ہے۔ اسی زمانہ
میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے ایسے ایسے
نمونے دکھلائے۔ اور حق پر جان نثار کی۔ اس زمانہ میں بھی صاحبزادہ عبداللطیف

شہید مرحوم کابل میں ایسا نمونہ دکھایا ہے۔ اہل اپنے اموال و جائیداد کی قربانی دکھانے والے تو اس ہمارے ملک میں سینکڑوں موجود ہیں۔ پھر آپ کے متبعین کے محبوب الہی ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کی باتیں کیں۔ اور ان کو اپنے کلام سے سرفراز کیا۔ جیسا کہ اس نے اپنے محبوب بندوں کے لئے قرآن کریم میں اپنے کلام سے مشرف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ اللّٰهُ بَشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ مَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ (پ ۲۶)

اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ حزن کرتے ہیں۔ وہ مومن ہیں۔ اور متقی۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارتیں ہیں (مبشر کلام) اور بعد الموت بھی۔ اللہ کے کلموں کو بدلتے والا کوئی نہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت دکھاتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ کہ تم ڈرو نہیں۔ نہ غم کھاؤ۔ اور اس جنت سے بشارت پاؤ۔ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک موجود ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ وسط میں سید عید القادر جیلانی رح۔ آخری زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔

تیسری دلیل۔ ان کی تاثیر ان کے ماننے والوں اور پیروؤں تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے منکرین و مخالفین پر بھی مستولی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ بھی اپنے اعمال اور عقائد میں کچھ تراش خراش کرنے لگے۔

جاتے ہیں۔ گو زبان سے اقرار نہ کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے۔ رَبِّمَا
 يَكُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا كُودًا مُّضْمِيْن (پ ۱۴ شروع)۔
 اکثر اوقات منکر بھی یہ پسند کرنے لگتے ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں میں داخل ہو جائیں
 یہ مکی آیت ہے۔ اس کے صاف ثابت ہے۔ کہ دلائل سے اور عمدہ نتائج
 سے متاثر ہو کر وہ اس امر کی آرزو کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے بعد ہم ہر ایک
 فرقہ میں یہ دعویٰ دیکھتے ہیں۔ کہ وہ توحید پر ہیں۔ گو ان کی توحید بلحاظ تشریح صحیح
 نہ ہو۔ تاہم حق کا یہ اثر ہے۔ کہ وہ توحید سے انکار نہیں کرتے۔ اور ہم سمجھتے
 ہیں۔ کہ رومن کی متعلق سے پراسٹنٹی بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ پھر ہندوؤں
 میں آریہ سماج تو ہمارے زمانہ میں قائم ہوئی۔ اور موجودہ جنگ نے تو بہت
 سی اسلامی تعلیموں پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا ہے۔ مثلاً ترک خمر۔
 مسئلہ کثرت ازدواج۔ اور مظلوموں کی حمایت اور آزادی اقوام کے لئے
 تلوار اٹھانا۔ اس قسم کے بیسیوں مسائل ہیں۔ جو اسلام کے غیر متبعین
 نے بھی اسلام کے دنیا پر ظاہر ہونے کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے قبول
 کئے۔ اور ان پر عمل کر کے فائدہ اٹھایا۔

تیسرا طریق۔ یہ کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا دعویٰ کرے۔ خدا کا اسکے
 ساتھ کیا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس شخص کے متعلق جو منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ
 ہو۔ تین خیال ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مفتری ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مجنون
 ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ راستباز ہے۔ اس لئے ہر ایک احتمال کی تائید یا تردید
 جب تک نہ ہو۔ کوئی رائے طالب حق انسان قائم نہیں کر سکتا۔ لہذا ضروری
 ہوا۔ کہ ان تینوں احتمالوں کے متعلق الگ الگ وجوہات لکھے جائیں۔
 تاکہ طالب حق فیصلہ کر سکے۔

پہلا خیال۔ کہ وہ مفتری ہے۔ تو اس کے متعلق یہ دیکھنا ہے۔ کہ جب معمولی
 بادشاہ بھی اپنی سلطنت میں کسی جعلی حاکم کو معلوم ہونے پر فوراً پکڑتا ہے

تو وہ جو شہنشاہ اور احکم الحاکمین ہے۔ جس نے اپنا راستہ دکھانے کے لئے
 انبیاء و مبعوث کئے ہیں۔ اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان ہو سکتا ہے؟
 کہ وہ مغتری کو اتنی مہلت دے۔ کہ ایک ملک کو گمراہ کر دے۔ اور وہ قادر توانا
 اپنے زبردست ہاتھ سے قہری نشان نہ دکھلاے۔ جو شخص خدا کو ماننا ہے
 اور وہ جانتا ہے۔ کہ خدا اپنی مخلوق کے لئے الرحم الراحمین ہے۔ اور ان کی
 ہدایت چاہتا ہے۔ اس کی عقل ضرور یہی کہے گی۔ کہ بے شک خدا کا رحم اور
 علم مغتری کے اوپر کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی امر کی طرف خدا تعالیٰ
 نے ان آیات میں ہدایت کی ہے۔ **لَا تَقُولُ لِعَدُوِّكَ عَفْوٌ إِلَّا قَوْلٌ
 لِّأَخِيذٍ نَّاصِرَةٍ ۚ إِنَّكَ أَمْرٌ مِّنْ لَّدُنَّا مَكْرٌ ۚ**
مَنْ أَحَدٌ عَنده حَاجِزٌ بَيْنَ دِينِ دِينٍ (۲۹ رکوع ۶) ترجمہ۔ یعنی اگر وہ بعض
 باتیں از خود بنا کر کہہ دیتا تو ہم ضرور پکڑ لیتے اس کا دامن ہاتھ۔ پھر ضرور
 کاٹ دیتے رگ جان کو (۲) **إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيِّئًا لَّهُمْ
 غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُفْطِرِينَ (۹ رکوع ۹) ترجمہ۔** بے شک جنہوں نے بچھڑوں کو معبود
 بنایا۔ ان کو غضب اور ذلت اسی دنیا میں پہنچے گی۔ اور اسی طرح ہم سزا
 دیتے ہیں مفتریوں کو۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس اہل قانون کو بیان فرمایا ہے۔ کہ
 خدا پر افرا کرنے والا تباہ کیا جاتا ہے۔ اس پر خدا کے غضب اور لعنت کے
 آثار دنیا میں ہوتے ہیں نہ رحمت کے۔ اور وہ اسی دنیا میں ہر میدان میں
 ذلت اٹھاتا ہے نہ عزت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو وقت دنیا میں
 تشریف لائے۔ تو اس وقت اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب و
 ایران و ہند دنیا پر موجود تھے۔ آپ نے ان تمام مذاہب کی تردید کی مگر
 وہ مذاہب سچے ہوتے۔ اور آپ نعوذ باللہ خدا کے علم میں مغتری ہوتے

تو خدا جو سچائی اور سچوں کا حامی ہے۔ ضرور ایسے انسان کو جس نے اتنے سچے
 مذاہب کا مقابلہ کیا تھا اور ایسا افترا کیا تھا جس سے کروڑوں انسانوں کا دل
 دکھا۔ ہلاک کر دیتا۔ اور دنیا میں ذلیل کر کے عبرت کا نشان بناتا۔ مگر ایسا نہیں
 ہوا۔ علاوہ ازیں مفسری اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اگر وہ اپنے مقصد
 میں کامیاب ہو کر دنیا سے اٹھ جائے۔ اور اس کی غرض دنیا میں پوری ہوتی ہے
 اور اس کا سلسلہ جاری رہے۔ تو گویا وہ نہیں مرا۔ کیونکہ انسانی اغراض شخصی
 بقا پر نہیں ہوتیں۔ نوعی بقا اس کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مفسری نہ اپنی زندگی
 میں کامیاب ہونا چاہیے۔ اور نہ اس کے بعد اس کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے
 اسی مقصد کو اللہ نے اس آیت میں ظاہر فرمایا ہے۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ
 عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (پ، ۹۶)
 اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا اس کی آیات کی تکذیب
 کرے۔ کیونکہ قانون یہ ہے۔ کہ ظالم بامراد نہیں ہوتے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد کو لے کر دنیا میں
 آئے۔ اسے پورا کر کے کامیاب و کامران دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور پھر
 خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قیامت تک قائم رکھنے کے لئے وعدہ کیا۔ جسے ہم
 تیرہ سو برس سے برابر مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کہ بذریعہ خلفاء روحانی و جسمانی وہ مقصد
 پورا ہوتا چلا آتا ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

دوسرا خیال کہ وہ مجنون ہے۔ یعنی پہلے خیالات اس کے درست تھے۔
 اب دماغی خرابی کی وجہ سے ایسے خیالات اسے سو گھننے لگے۔ جو دوسرے عقلمندوں
 کے خلاف ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر لوگوں نے خدا کی طرف سے آنے والوں کو مجنون
 بھی کہا۔ اس لئے کوئی معیار ہونا چاہیے جس سے مدعی مجنون اور مدعی صادق

لے دیکھو آیت استخلاف۔ وَقَدْ أَتَى الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْتِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ رِثَاءً سُوْرہ نور

کے درمیان تمیز کر سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجنون کے اقوال میں بے ترتیبی ہوتی ہے۔ آج وہ کچھ کہتا ہے کل کچھ۔ بلکہ ایک وقت کی تقریر و تحریر بھی مسلسل و مربوط نہیں ہوتی۔ اور نہ اسکی محنت کا کوئی پھل ہوتا ہے، اور نہ اسکے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ دوست سے دشمنی اور دشمن سے دوستی کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اسی امر کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۚ مَا أَنتَ بِمُعْجِزٍ مَّنْ جُنُونَ ۚ
وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۚ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۚ فَسَتُبْصِرُ
وَيُبْصِرُونَ ۚ بِآيَاتِكُمُ الْمُفْتُونُ ۚ (پ ۲۹ سورہ قلم) ترجمہ۔ شاید ہے
قلم اور وہ جو لکھ رہے ہیں (یعنی قرآن) کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔
اور تیرے لئے تیری محنت کا نتیجہ بھی ایسا نکلیگا۔ جو منقطع نہیں ہوگا۔ اور
تو بے شک خلق عظیم پر ہے۔ یہ سب باتیں تو بھی دیکھ لے گا۔ اور یہ بھی دیکھ
لیں گے کہ کون مجنون ہے۔

ایک زمانہ گواہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں دنیا میں لکھی گئیں۔ وہ علم و حکمت سے پُر ہیں۔ اور جو محنت آپ نے توحید پھیلانے میں کی۔ اس کے نتیجے کا درخت قیامت تک بار آور ہے۔ اور آپ کے اخلاق فاضلہ کا تو یہ عالم ہے۔ کہ آپ کے پاس ہر ایک قسم کے انسان آتے۔ اور آپ ان سے ایسے رنگ میں پیش آتے۔ جن کے وہ مستحق تھے۔ پس یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ کہ نہ آپ مغتری تھے۔ اور نہ آپ مجنون۔ پس نفی ضد سے دوسری بات یعنی صادق و مصدوق ہونا آپ کا ثابت ہو گیا۔

تیسرا خیال یہی ہو سکتا ہے۔ کہ آپ راستباز میں۔ اور راستبازوں کا بھی
کامل و اکمل بلکہ مکمل۔ سو اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اس شخص کے لئے جو منجانب اللہ
مأمور ہونے کا مدعی ہو۔ کوئی ایسا انعام ہونا چاہیے۔ جو اس میں اور غیروں میں بابر امتیاز
ہو۔ اور وہ انعام ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ جو محض ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہو۔

دو امر میں۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کے فعل کی مانند کوئی فعل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ خدا عالم الغیب ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا کوئی فعل خصوصیت سے اس مدعی کے شامل حال ہونا چاہیے۔ جس پر غیر قادر نہ ہو سکے۔ اور علم غیب سے بھی اس کو اتنا حصہ ملنا چاہیے کہ جو اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔ وہ فعل خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو خدا کے نبیوں کو دیا جاتا ہے۔ جسے وہ توحید سے پیش کرتے ہیں۔ ان کا غیر اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس معیار کو پیش کیا ہے۔ مَا آتَاكُمْ يَقُولُونَ أَفَلَا تَفْقَهُوا قُلُوبُ فَاتُوا بَعْشَرَ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَقَدْ عَلِمُوا مَنِ اسْتَضَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَاِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ يَسْتَجِيبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنْمَّا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (پ ۱۲ اور کو ۲۴)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا کیا ہے۔ پس لاؤ اس کی مثل دس سو رتیں از خود بنائی ہوئی۔ اور اللہ کے سوا جسے تم بلا سکو۔ بلاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکیں۔ تو یقین کرو کہ یہ خدا کے علم کو لے کر نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس کیا تم ماننے والے بننے ہو؟ اس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن مجید کی مثل لانے کی تیرہ سو برس سے توحید ہے اور مشرق و مغرب میں علماء و فضلاء موجود ہیں۔ لیکن منکرین میں سے کوئی ایسا نہیں اٹھا۔ جو اس کی نظیر پیش کرے۔ اور دوسرا امر اخبار بالغیب ہے۔ کیونکہ علم غیب خدا کا خاصہ ہے۔ جس میں یہ پایا جائے گا۔ ثابت ہوگا۔ کہ خدا کا خاص بندہ ہے جس نے یہ خدا سے حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ آیات ذیل میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَشَاءُ ۚ فَاَمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ۚ

پراگاہ نہیں فرماتا۔ ان منتخب کر لیتا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جو وہ چاہتا ہے۔ پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

أَحَدَاهُ إِلَّا مَن ارْتَفَعَىٰ مِن رَّسُولٍ رَّبِّ ۚ (سورۃ جن، وہ عالم الغیب ہے۔ کسی کو اپنے غیب پر علم نہیں دیتا۔ بجز برگزیدہ رسول کے۔
 اس معیار کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نبی ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے بہت سی پیشگوئیاں فرمائیں جن میں سے بعض آپ کے سامنے پوری ہوئیں۔ اور بعض آپ کے بعد قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔
 میں سے بعض کا ذکر ہم قرآن کریم کے مضمون میں کر چکے ہیں۔ اور باقی بعض براہِ حق صفحہ ۲۱۹ سے ۲۴۱ تک پڑھ لیں۔ پھر احادیث میں بھی کئی پیشگوئیاں آئی آئی ہیں۔ باقی رہا یہ کہ آپ کامل و اکمل نبی ہیں۔ سو اس کے لئے یہ دیکھنا ہے کہ ایسی تعلیم کون نبی لایا۔ جو تمام زمانوں میں تمام قوموں کے لئے کافی ہو۔ اس کا ثبوت بھی ہم "قرآن کامل کتاب ہے" دائرے مضمون میں دے چکے ہیں۔

۱) جنگ خندق کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ آئندہ مخالفین ہم پر حملہ نہ کر سکیں گے بلکہ دن کے خلاف ہم حملہ آور ہونگے (۱) کسریٰ کے مرنے کی خبر دی۔ کہ آج رات وہ مارا گیا۔ چنانچہ بعد میں اسکی تصدیق ہو گئی (۲) فرمایا عثمانؓ سے کہ ایک دن کعبہ کی کنبیاں میرے ہاتھ میں آئیں گی۔ جسے چاہو لٹکاؤ۔ دو لٹکاؤ۔ فتح مکہ کے دن یہ بات پوری ہوئی (۳) بخاشی شاہ کے مرنے کی خبر دی۔ کہ آج وہ مر گیا (۴) ابوبکر محفوظ رہیں گے۔ مگر عثمان و عمر شہید ہونگے (۵) مسلمان کسریٰ ایران کے خزانوں پر قابض ہونگے (مسلم) (ب) تم عنقریب ملک مصر فتح کرو گے ان سے اچھا سلوک کرنا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں ایسا ہوا (مسلم) (۶) بنی صلی ان علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے فرمایا۔ کہ تو دیکھے گا۔ اکیلی عورت ادنٹ پر سوار ہو کر کھجور کرسے گی۔ اور ایک شخص چاندی سونے کی مٹھی بھر کر لے پھرے گا۔ اور کوٹھے قبول نہ کرے گا (بخاری) (۷) آپؐ نے دیکھا کہ آپ کے پیرو جہازوں میں جا کر رہے ہیں۔ اور ام حرمؓ میں ہے۔ پھر دیکھا کہ قسطنطنیہ کے ساتھ جنگ ہوئی۔ چنانچہ

استشارۃ اعمال $\frac{۱۹}{۲۲}$ اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا
 سوا چھا کہا۔ ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک بنی برپا کر دینگا۔
 اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالو گنا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤنگا۔ وہ سب
 ان سے کہیگا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ جو کوئی میری باتوں کو جہیں وہ میرا نام لے کے
 کہیگا۔ نہ سنیگا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

(۲) استشارۃ $\frac{۳۳}{۳۳}$ اور یہ وہ برکت ہے۔ جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے
 سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اس نے کہا۔ کہ خداوند سینا سے آیا
 اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔
 دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتش
 شریعت ان کیلئے تھی۔ ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ (۳) سینا سے
 مراد عرب ہے بدگلیتوں $\frac{۴}{۴}$ (۳) یسعیاہ $\frac{۵۳}{۱۱}$ لیکن خداوند کو پسند آیا کہ
 اسے کچلے۔ اس نے اسے غمگین کیا۔ جب اس کی جان گناہ کے لئے گزرائی جاوے
 تو وہ اپنی نسل کو دیکھیگا۔ اور اس کی عمر دراز ہوگی۔ اور خدا کی مرضی اس کے ہاتھ
 کے وسیلے برآئیگی۔ اپنی جان کا دکھ اٹھا کے وہ اسے دیکھے گا اور سیر ہوگا
 اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو راستہ باز ٹھہرائے گا۔ کیونکہ
 وہ ان کی بدکاریاں اپنے اوپر اٹھائے گا۔ اس لئے میں اسے بزرگوں
 کے ساتھ ایک حصہ دوں گا۔ اور وہ لوٹ کا مال زور آوروں کے ساتھ بانٹ
 لے گا۔ کہ اس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی۔ اور وہ گنہگاروں
 کے درمیان شمار کیا گیا۔ اور اس نے بہتوں کے گناہ اٹھائے۔ اور گنہگاروں
 کی شفاعت کی۔

متی $\frac{۲۱}{۲۱}$ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کوئے کے سرے کا پتھر
 ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے
 میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جاوے گی۔ اور اس

قوم کو جو اس کے بھل لائیگی۔ دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا۔ اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ مگر جس پر وہ گرے گا۔ اسے پس ڈالے گا۔

متی ۲۳ - دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اب سے مجھے پھر یہ گرو نہ دیکھو گے۔ جب تک نہ کہو گے۔ کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔

یوحنا ۱۴ - اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی

یوحنا ۱۴ - اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اسکا کچھ نہیں۔

یوحنا ۱۵ - لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔ جسکو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔ اور تم بھی گواہ ہو۔ کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہوں۔ یوحنا ۱۶ - میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا۔ تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں تصور وار ٹھہرائے گا۔

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا۔ تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنیگا۔ وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔

لوقا ۱۸ - انگریزی باغ کی تمثیل اور نوکر بیٹے اور خود خداوند کے آئین کا قصہ قرآن مجید اور سورۃ فاتحہ کی پیشگوئی (مکاشفہ ہے)

تردید الوہیت مسیح نامری علیہ السلام

عیسائیوں کی دہلیس اور ان کی تردید

دلیل اول پہلی دلیل جو عیسائی صاحبان کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسیح کو توریت و انجیل میں خدا کا بیٹا کہا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا کا بیٹا تھا۔

جواب۔ ابن اللہ کا لفظ توریت اور انجیل میں صرف مسیح کے واسطے نہیں بولا گیا۔ بلکہ یہ لفظ مسیح کے سوا سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن عیسائی صاحبان ان تمام لوگوں کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ جیسا مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ویسا ہی باقیوں کے حق میں ابن اللہ کا لفظ بولا گیا۔ (دیکھو حوالے)

(۱) اسرائیل خدا کا بیٹا ہے۔ خروج ۴ باب آیت ۲۲

(۲) داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے۔ زبور ۸۹ باب آیت ۲۶-۲۷

(۳) سلیمان خدا کا بیٹا ہے۔ تباریح پہلی ۲۲ باب آیت ۹-۱۰

(۴) قاضی مفتی خدا کے بیٹے ہیں۔ زبور ۸۲ باب آیت ۶

(۵) سب بنی اسرائیل خدا کے بیٹے ہیں۔ رومیوں ۹ باب آیت ۴

(۶) تمام یتیم بچے خدا کے لڑکے ہیں۔ زبور ۶۸ باب آیت ۵

(۷) بدکار لوگ خدا کے لڑکے ہیں۔ یسعیاہ ۳۰ باب آیت ۱

جواب۔ صاحبان مسیح کو اسٹس خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔

کہ ان کے لفظ ابن اللہ بولا گیا ہے۔ تو پھر ہم اسے انسان سمجھتے ہیں۔

(لے کر) کہ ان میں سے انسان کا بیٹا کہا گیا ہے۔ دیکھو حوالے :-

طبع ابن داؤد ابن اسرائیل مفتی ۱ باب آیت ۱



(۲) انسان کا بیٹا کھانا پیتا آیا۔ متی ۱۱ باب ۱۹ آیت۔

(۳) میں جو ابن آدم ہوں۔ انسان ہوں۔ متی ۲۰ باب ۱۳ آیت ۴
(جواب سوم) خدا کا بیٹا ہونے کا مطلب "استباز" اور خدا کا محبوب ہونا (۱)۔ یوحنا ۱۴: ۲۱ متی ۱۱: ۲۷
معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح میں کوئی ایسی خصوصیت ہے۔ جسکی وجہ سے
اسے تو خدا کا بیٹا بلکہ مجسم خدا سمجھا جاوے۔ اور باقیوں کو محض عاجز
انسان خیال کیا جاوے۔

دلیل دوم۔ مسیح نے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ چونکہ وہ معجزے بشری
طاقت سے بالاتر تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مسیح انسان نہ تھا۔ خدا تھا
۔ جواب۔ عیسائی صاحبان اگر محض معجزے دکھانا ہی الوہیت کی
علامت سمجھتی جاوے۔ تو پھر تمام انبیاء خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ اور
کیوں نہیں آپ لوگ موسیٰ۔ ایلیاہ وغیرہ کو خدا سمجھتے۔ جنہوں نے
آپ کے مسیح سے بھی بڑھ کر کرامتیں دکھلائیں۔ سنئے :-
۱) مسیح کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کا زندہ کرنا ہے۔ مگر اس میں بھی
مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مسیح کے علاوہ اور انبیاء سے بھی یہ کرامت
صادق ہوئی ہے۔ دیکھو حوالے :-

۱) الیسع نے مردے زندہ کئے۔ سلاطین دوسرا ۴۰ باب ۱۳ آیت ۳۵

۲) حزقیل نے ہزاروں پرانے مردے زندہ کئے۔ حزقیل ۳۷ باب ۱ آیت ۱

۳) ایلیاہ نے مردے زندہ کئے۔ سلاطین پہلا ۱۷ باب ۱ آیت ۲۲

نافرمانی خود انصاف فرما سکتے ہیں۔ کہ اگر مسیح بسبب مردے زندہ کر کے
کے خدا ہو سکتا ہے۔ تو الیسع۔ حزقیل اور ایلیاہ وغیرہ جنہوں نے ہزاروں
مردے زندہ کئے۔ کیوں نہ خدا سمجھے جاویں۔ لیکن عیسائی ان کو محض
انسان ہی سمجھتے ہیں۔

جواب ۲- انجیل سے ثابت ہے کہ مردوں سے مراد روحانی مردے ہیں۔ نہ کہ جسمانی :-

(ا) یوحنا ۵: ۲۱ و لکرنقیوں ۱۵: ۲۱ و افسیوں ۲: ۲ و ۳
(ب) مردہ سے مراد شہوات :- کلیسوں ۳: ۳ و افسیوں ۲: ۲ (۷) پولوس کہتا ہے۔ میں ہر روز مرتا ہے۔ ۱- کرنقیوں ۱۵: ۱ (د) زندگی سے مراد یسوع پر ایمان لانا۔ (یوحنا ۵: ۲۱)

دوسرا معجزہ بیماروں کا اچھا کرنا ہے۔

جواب اس میں بھی اور انبیاء مسیح کے شریک ہیں :-

(۱) الیسع نے نعلیہا سپہ سالار کو جو کورھی تھا۔ اچھا کیا۔ سلاطین دوسرا
۵ باب آیت ۱۴ (۲) یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں۔ دیکھو
پیدائش ۴ باب آیت ۴ و ۳۰ (۳) بیماروں سے مراد روحانی بیمار مراد ہیں۔
مرقس ۵: ۲۱ و ۲۲ پطرس ۲: ۲۴ روحانی اندھے۔ بہرے متی ۱۱: ۵ و ۱۲: ۱۳ و یوحنا ۹: ۳۹
تیسرا معجزہ تھوڑے کھانے اور شراب کو بڑھا دینا۔

جواب - یہ کام بھی بہت سے انبیاء و سے ظہور پذیر ہوا۔ بلکہ بعض انبیاء اس کام میں مسیح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ حوالے دیکھو :-

(۱) ایلیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے تیل کو بڑھا دیا۔ کہ وہ سالی بھرتک تمام نہ ہوا۔ دیکھو سلاطین پہلا ۱ باب آیت ۱۳ تا ۱۶ باب

(۲) الیسع نے بھی ذرا سے تیل کو اسقدر بڑھا دیا۔ کہ گھر والوں کے پاس اس رکھنے کے لئے کوئی برتن باقی نہ رہا۔ دیکھو سلاطین دوسرا ۴ باب آیت ۲ تا ۶۔
چوتھا معجزہ بغیر کشتی کے دریا پر چلنا۔

جواب - یہ بھی صرف مسیح کا کام نہ تھا۔ بلکہ موسیٰ نے اس سے بڑھ کر معجزہ دکھایا۔ اس نے سمند کو ایسی لاشی ماری کہ وہ پھٹ گیا۔ اور سنیاں پانی الگ الگ دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔

(۲) یوشع نے یرون کو خلع کیا۔ دیکھو کتاب یوشع ۳ باب آیت ۱۔
 (۳) ایلیاہ نے دریا کو دو ٹکڑے کر دیا۔ سلاطین دوسرا ۲ باب آیت ۸ تا ۱۵
 ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ حضرت مسیح نے حواریوں کو
 فرمایا۔ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔ تو تم میرے جیسے کام کر سکتے ہو۔
 اب عیسائی صاحبان سے سوال ہے۔ کہ اگر معجزات عظیم الشان کی وجہ سے
 آپ لوگ مسیح کو خدا مانتے ہو۔ تب تو حواریوں کو بھی شریک الوہیت ماننا چاہیے
 کیونکہ انہوں نے بھی معجزات دکھائے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حواریوں
 نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بالکل بے ایمان تھے
 ایک اور جواب۔ انجیل میں حضرت مسیح نے صاف فرما دیا۔ کہ میرے
 بعد بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ جو اتنے بڑے بڑے معجزات
 دکھائیں گے۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ کابلین کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ لیکن تم ان
 کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ مسیح کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ
 مسیح کے نزدیک ایک جھوٹا آدمی بھی معجزات دکھا سکتا ہے۔ تو پھر معجزات
 خدائی کا معیار کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اور معجزات دکھانے سے مسیح کی
 خدائی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔

تیسری دلیل۔ جس سے مسیح کی الوہیت ثابت کی جاتی ہے۔ مسیح کا
 ایک قول ہے۔ جو اس نے اپنے مخالفین یہودیوں کو کہا۔ کہ تم بچے سے ہو۔ میں
 ادھر سے ہوں۔ تم اس جہان کے ہو۔ میں اس جہان کا نہیں۔

جواب۔ اس فقرہ کے معنی بالکل صاف ہیں۔ کہ اے یہودیو۔ میں نبی ہوں
 میرے علوم آسمانی ہیں۔ اور تم زمینی علوم پر مبنی ہوئے ہو۔ تم میرا مقابلہ
 کس طرح کر سکتے ہو۔ یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے۔
 دیکھو ہم ایک شخص کو زمینی یا دنیا دار کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ
 وہ زمین میں اور دنیا میں رہتا ہے۔ کیونکہ زمین اور دنیا میں تو نیک بھی رہتے

ہیں۔ مسیح بھی تیس برس تک اور ہمارے نزدیک ۱۲۰ برس تک اسی دنیا میں رہا
بلکہ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں۔ کہ یہ شخص خدا سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ دنیا
سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح مسیح نے بھی یہودیوں کو کہا۔ کہ میں تمہاری طرح
تقلید می علوم کا اور زمینی فنون کا وارث نہیں۔ بلکہ میں آسمانی علوم کا وارث
ہوں۔ لیکن اگر کوئی عیسائی خواہ مخواہ ضد سے اس فقرے سے مسیح کی الوہیت
ثابت کرنا چاہے۔ تو وہ یاد رکھے۔ کہ اس بات میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت
نہیں۔ بلکہ تمام نیک لوگ اور حواری شامل ہیں۔ دیکھو حوالے :-

(۱) مسیح حواریوں کے متعلق خدا سے دعا میں عرض کرتا ہے۔ ”اس لئے کہ جیسا
میں دنیا کا نہیں ہوں۔ وہ بھی دنیا کے نہیں ہیں۔ یوحنا ۱۷ باب آیت ۱۶۔
اب اگر اس دنیا کا نہ ہونے کی وجہ سے مسیح خدا ہو۔ تو تمام حواری بھی
اسی وجہ سے خدا سمجھنے چاہئیں۔

(۲) پھر ایک جگہ مسیح حواریوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ تم دنیا
کے نہیں ہو۔ دیکھو یوحنا ۱۵ باب آیت ۱۹
پوری دلیل۔ مسیح کہتا ہے۔ کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ میں باپ میں ہوں۔ اور باپ
مجھ میں ہے۔

جواب :- یہ الفاظ اگر مسیح کی خدائی کا ثبوت بن سکتے ہیں۔ تو تمام لوگ جن کے
متعلق انجیل میں خود لیور نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ خدائی کے مستحق
ہیں۔ دیکھو حوالہ :-

(۱) مسیح خدا کے حضور حواریوں کی سفارش کرتا ہوا ایک جگہ کہتا ہے۔ ”تاکہ وہ
سب ایک ہو جاویں۔ جیسا کہ اے باپ مجھ میں اور میں مجھ میں ہوں۔ کہ وہ
بھی ہم میں ایک ہوں۔“ یوحنا ۱۷ باب آیت ۲۱ تا ۲۳

اب اگر ایک ہو جانے کے لفظ سے کوئی خدا بن سکتا ہے۔ تو تمام حواری بھی خدا
ہونے چاہئیں۔

پانچویں دلیل۔ جس نے مجھے دیکھا۔ اس نے باپ کو دیکھا۔ کیونکہ میں باپ میں ہوں۔ اور باپ مجھ میں۔

جواب۔ اس بات میں حواری بھی مسیح کے شریک ہیں دیکھو حوالے ۱۔

(۱) اس روز تم جانو گے کہ میں باپ میں اور تم مجھ میں اور میں تم میں یوحنا ۱۴ باب آیت ۲۰۔
(۲) جو شخص ایمان لاوے۔ وہ بھی مسیح اور خداوند میں ایک ہے۔ یوحنا ۱ باب آیت ۲۱۔
حقیقی جواب۔ اگر دیکھنے کے معنی روحانی دیکھنے کے لئے جاویں۔ یعنی معرفت اور شناخت کے تو اس میں مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ جس قدر بھی انبیاء کرام تھے جس نے انہیں پہچانا۔ اس نے خدا کو پہچانا۔ اور اگر دیکھنے سے مراد ان آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ تو اس میں مومنوں اور حواریوں کی فیصلت کچھ بھی ثابت نہ ہوئی۔ کیونکہ ان آنکھوں سے تو یہودیوں نے بھی مسیح صاحب کی زیارت کی۔ بلکہ مسیح کے مرتے دم تک ان کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کیونکہ اس وقت تو حواریں سب کے سب لرزاں و ترساں غنیمت سمجھتے ہوئے روفو چکر پور رہے تھے۔

چھٹی دلیل۔ حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا۔

جواب۔ اگر مسیح اس واسطے خدا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بے باپ تھا۔ تو آدم تو ذلیل خدا ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ صرف بے باپ ہی نہ تھا۔ بلکہ ماں بھی اس کی کوئی نہ تھی۔ اسی طرح ملک صدق سالم بھی خدا مجسم ہونے کا حقدار تھا۔ کیونکہ وہ بھی بغیر ماں باپ کے تھا۔ دیکھو۔ عبرانیوں ۱ باب آیت ۳۔

پھر علاوہ ازیں تمام وہ حیوانات جو ابتداء سے آفرینش میں خدا نے بے باپ اور ماں کے پیدا کئے تھے۔ سب کے سب خدا مجسم ہونے چاہئیں۔ اچھا اللہ کو جانے دیکھئے۔ اب موجودہ لاکھوں کروڑوں کیڑوں مکوڑوں کو دیکھو۔ جو ہر سات آتے ہی بغیر ماں باپ ہوتے ہیں۔ کیا وہ مسیح کے ساتھ خدائی کے حقدار نہیں۔ بلکہ ان کا زیادہ حق ہے۔ کیونکہ مسیح کے متعلق تو کوئی شبہ بھی کر سکتا ہے۔ کہ اس کا کوئی باپ بھی ہو۔ مگر جس کی ماں بھی نہ ہو۔ اس پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ گو ہم مریم کو پاکباز اور عصمت آباد

سمجھتے ہیں۔ پر دنیا کا منہ کون بند کرے۔ اور یہودیوں کے الزامات کا جواب کون دے۔ کیونکہ مشہور ہے۔ گھر کا بھیدی لٹکا ڈھائے۔

سائنسوں کی دلیل۔ آدم نے گناہ کیا۔ اس وجہ سے اس کی تمام نسل میں گناہ کا بیج بویا گیا۔ اور تمام انسان گناہ میں گرفتار ہوئے۔ مسیح چونکہ آدم کی پشت سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ گنہگار نہ ہوا۔ اور گناہ سے پاک صرف خدا ہے۔ اسی لئے مسیح خدا ہوا۔ جواب۔ اس دلیل میں جس قدر بھی دعویٰ ہیں۔ سب کے سب سرے سے ہی غلط ہیں۔ نمبر وار سنئے۔

۱۔ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی نسل کا گنہگار ٹھہرنا۔ خدا کے عدل کے بالکل خلاف ہے۔ کیا یہی عیسائیوں کے خدا باپ کا عدل ہے۔ کہ باپ کے گناہ کرنے سے بیٹا گنہگار سمجھا جاوے۔

۲۔ جو آدم کی پشت سے ہو۔ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ عقلاً بھی جیسا کہ اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ اور نقلاً بھی اپنے گھر کی کتاب لوقا کھولئے گا۔ باب آیت ۶ و ۷ دونوں خدا کے چہنور را استباز اور خداوند کے حکم اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔

دیکھئے یہ ذکر یا اور اس کی بیوی کی تعریف ہے۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دونوں میاں بیوی بالکل بے گناہ تھے۔ تو یہ دعویٰ کرنا کہ آدم کی اولاد میں سب گنہگار ہیں۔ خود لوقا کے نزدیک غلط ہے۔ کیونکہ ذکر یا اور اس کی بیوی باوا آدم ہی کی اولاد میں سے تھے۔

۳۔ یہ کہنا کہ جو آدم کی پشت میں سے نہ ہو۔ وہ بے گناہ ہوتا ہے۔ ایک نہایت ہی بے بیہوش البطلان قضیہ ہے۔ کیا شیطان گنہگار نہیں۔ اور کیا وہ آدم کی اولاد میں سے ہے۔ پھر سانپ نے گناہ کیا۔ اور اسے مٹی کھانی پڑی۔ کیا وہ آدم کی پشت سے ہے۔ پھر تمام وہ دیویا بھوت جنہیں مسیح اور اس کے حواری نکالا کرتے تھے۔ خبیث درمیں نہ تھیں۔ کیا وہ بھی آدم کی نسل میں سے تھے؟

(۴) عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح بے گناہ تھا۔ مدعی سست گواہ چست دالی بات یاد دلاتا ہے۔ کیونکہ مسیح صاف اقرار کرتا تھا۔ کہ مجھے نیک مت کہو۔ نیک صرف باپ ہے۔ پھر اگر مسیح خود بھی دعویٰ کرتا۔ تو کیا ہوتا۔ دلیل کے بغیر تو کوئی شخص نہیں مانتا۔ گو ہم اسے نیک سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے قرآن نے اس کی تعریف کی۔ مگر یہودیوں کو کون لا جواب کرے۔ وہ فوراً الزام لگانے شروع کر دیتے ہیں۔ کہ اس نے یہ کیا۔ اور وہ کیا۔ بدچلن عورت سے میل ملوایا یہودیوں کے عالموں کو گندی گالیاں دیں۔ بغیر اجازت لینے کے حواریوں سمیت ایک کھیت کے سٹے توڑ کر نوش کرنے لگا۔ کھاؤ پیو شرابی تھا۔ غرض ان یہودیوں کا منہ کون بند کرے۔

عیسائیوں کی یہ دلیل کہ مسیح اس وجہ کہ وہ آدم کی نسل سے نہ تھا۔ پاک اور بیگناہ تھی قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ (۱) آدم کا وہ گناہ جو قبول عیسائیاں سرورثی طور پر اب تک آدم کی نسل میں چلا آتا ہے۔ اسکا اصل ذمہ دار (مطابق پیدائش ایچ) آدم نہ تھا۔ بلکہ حوا تھی جس نے شیطان کے دھوکے میں آکر آدم کو بہکا یا۔ پس مسیح بوجہ حوا کی اولاد ہونے کے گنہگار ٹھہرا۔ (۲) تورات میں لکھا ہے :-

(ا) "اور وہ جو عورت پیدا ہوا ہے۔ وہ کیونکر پاک ٹھہرے" (ایوب ۲۵)

(ب) اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے۔ وہ کیونکر صادق ٹھہرے" (ایوب ۱۵)

(۶) چونکہ مسیح بے گناہ تھا۔ اس لئے وہ خدا ہوا۔ مگر اس خدائی میں مسیح اکیلا نہیں۔ ذکر یا بھی گناہ سے پاک تھا۔ اس لئے وہ بھی خدا ہوا۔ ذکر یا کی بیوی بھی گناہ سے پاک تھی۔ اس لئے وہ بھی خدا ہوئی۔ اور خدا کی بیوی بھی۔ اس حساب سے بچی بھی خدا ٹھہرا۔ کیونکہ اسکی ماں بھی خدا۔ باپ بھی خدا۔ بلکہ بچی مسیح سے بڑا خدا ہونا چاہیے۔ کیونکہ مسیح کی ماں تو انسان تھی اور بچی کے ماں باپ دونوں خدا تھے۔

ملک صدق سالم بھی خدا ہونے کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ آدم کی اولاد سے نہ تھا۔ اور جو آدم کی اولاد سے نہ ہو۔ وہ گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ اور جو گناہ

سے پاک ہو۔ وہ خدا ہوتا ہے۔ اس لئے ملک صدق سالم بھی خدا ہوا
پھر تمام فرشتے خدا ہیں۔ کیونکہ وہ گناہ سے پاک ہیں۔ پھر تمام حیوانات پرند
و پرند خدائی کے حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ گناہوں میں آلودہ نہیں۔
آنکھوں میں دیسل۔ خود تین دن مردہ رہ کر پھر زندہ ہو گیا۔

جواب (ب) مسیح جسمانی طور پر مرکب نہیں جیا۔ بلکہ روحانی طور پر۔

۱۔ پطرس ۳: ”وہ جسم کے اعتبار سے مارا گیا۔ مگر روح کے اعتبار سے زندہ
کیا گیا۔ (ب) جس طرح یسوع مرکب جیا۔ اسی طرح ہم بھی مرکب جیتے ہیں۔ (رومیوں
۱: ۳ و ۱۱: ۵۔ پطرس ۱: ۳)

مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا

مسیح دراصل صلیب پر فوت نہ ہوا تھا۔ بوجہ ذیل:-

(۱) مسیح کا اپنے واقعہ صلیب کو یونس سے مشابہ قرار دینا۔ مگر یونس نبی کے
نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا۔ متی ۱۲: ۴۰

(۲) پیلاطوس کی بیوی کو خواب آیا تھا۔ کہ اگر مسیح ہلاک ہو گیا۔ پھر تم ہلاک کے
جاؤ گے۔ لیکن ان کا تباہ و برباد نہ ہونا۔ متی ۲۷: ۱۹

(۳) پیلاطوس اس کے چھوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ یوحنا ۱۹: ۱۲

(۴) حضرت مسیح کی دھا ایللی ایللی لیا سبقتنی بھی مانع ہے۔ متی ۲۷: ۳۴

(۵) صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ صلیب پر رہنا۔ (۶) پہلو چھیدنے سے خون

نکلنا۔ یوحنا ۱۹: ۳۴ (۷) مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی جانا (یوحنا ۱۹: ۳۶) (۸) پیلاطوس

کا تعجب کرنا کہ وہ اتنی جلد مر گیا۔ مرقس ۱۵: ۴۴ (۹) حواریوں سے ملنا اور زخم

دکھانا۔ یوحنا ۲۰: ۲۵-۲۷ (۱۰) مسیح علیہ السلام کا طعون ٹھہرایا جانا۔ گلیتھوں ۱۳: ۳۵

(۱۱) ساری رات دھا کرنا۔ متی ۲۷: ۳۹ (۱۲) مریم عیسیٰ دوا کا بننا۔ (۱۳) ابھی اور

بھی بھیڑوں کو جمع کرنا ہے۔ یوحنا ۱۶: ۷

نویں دلیل۔ چونکہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے۔ اس لئے خدا ہے۔

جواب ۱۔ ایلیاہ پیغمبر رتھ سمیت آسمان پر چلا گیا۔ ۲ سلاطین ۳
جواب ۲۔ مسیح آسمان پر نہیں گیا۔ (۱) کوئی آسمان پر نہیں گیا۔ یوحنا ۳
(ب) مسیح پہلے بھی آسمان ہی سے آیا تھا (یوحنا ۳: ۱۳ و ۱۴) لہذا اب بھی
روحانی طور پر وہ آسمان پر ہے۔ نہ کہ جسمانی طور پر (ج) میں تمہارے لئے
جگہ تیار کرنے جانا ہوں۔ یوحنا ۱۴: ۲ پس یہاں یسوع کے شاگرد گئے۔ وہاں
یسوع بھی گیا۔

(۱) چونکہ مسیح میں عوارض انسانیت تھے۔ اس لئے وہ خدا نہیں (۲) چونکہ وہ
قادر مطلق نہیں۔ کیونکہ وہ کہتا ہے۔ کہ: ”دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں۔“
اور پھر صلیب پر سے کیوں نہ اتارا۔ حالانکہ دریں صورت یہودی ماننے
کو تیار تھے۔

دلیل دسویں۔ ”اور ضرور تھا۔ کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو۔ کہ
دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنم لے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل
رکھیں گے۔ جس کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ۔“ متی ۲۴۔
جواب ۱۔ یسعیہ ۷: ۱۴ کی اصل عبارت نقل کرنے میں عیسائی انجیل نویسوں
نے تحریف کی ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں: ”۱۔ (۱) دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔
اور بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی۔“

۲۔ مریم نے اپنے بیٹے کا نام یسوع رکھا تھا۔ نہ کہ عمانوایل۔ یسعیہ ۷: ۱۴
میں ایک لڑکے کا نام لال کی پیدائش کا ذکر ہے۔ پس وہی اس پیشگوئی
کا مصداق ہے۔ عمانوایل کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ مگر یسوع
کے ساتھ خدا نہ تھا۔ جو حقائق ذیل :-

(۱) یسوع کی ناکام زندگی اب، خود اس کا ایللی ایللی ما سبق تھی کہہ کر اس کا اقرار
کرنا (ج) چالیس دن تک اس کے ساتھ شیطان کا رہنا۔ (د) اور پھر اس کے
بعد کچھ عرصہ کے لئے اس سے جدا ہونا۔ تو قایم لہذا یسوع عمانوایل نہیں

ابطال الوہیت مسیح پر پانچ دلائل قرآنی

دلیل اول - یہ بات صاف ظاہر ہے۔ کہ انسان کے علوم کا دار و مدار صرف تجربہ اور خدا کے قوانین پر ہے۔ جس قدر کسی واقعہ کے متعلق ہمارا مشاہدہ اور قانون قدرت کی گواہی ہوگی۔ اسی قدر ہمارا اعتقاد اس پر زیادہ ہوتا جائیگا۔ اور جو بات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف اور سنن الہیہ سے باہر ہوگی۔ اس کو ماننے سے ہماری فطرت مضائقہ کرے گی۔ اور اسے قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگی۔ مثلاً ہمارے علم میں ہے۔ کہ آگ اشیا کو جلاتی ہے۔ اور پانی پیاس کو بجھاتا ہے۔ یہ علم بھی ہم کو تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل ہوا ہے۔ اور قانون قدرت نے بھی اس کے متعلق ہمیں یہی گواہی دی ہے۔ کیونکہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے۔ تمام انسانی افراد اسکا مشاہدہ کرتے آئے ہیں۔ اور خدا کے قدیمی قانون سے بھی یہی ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ نہیں آدم کے وقت میں پانی جلاتا تھا۔ اور آگ پیاس بجھایا کرتی تھی۔ تو ایسے شخص کے متعلق سوائے اسکے کہ اسے ... سمجھا جاوے۔ اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ سو اسی صداقت کو پیش کر کے قرآن کریم مسیح کی الوہیت کو باطل ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ رکوع ۱۰ میں فرماتا ہے۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ یعنی مسیح ابن مریم بے شک اللہ کے ایک پیارے نبی اور عظیم الشان رسول تھے۔ مگر وہ ایک انسان تھے۔ کیونکہ جب سے تبلیغ اور کلام الہی کے نازل ہونے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ہمیشہ اور قدیم سے انسان ہی رسالت کا مرتبہ پا کر دنیا میں آتے رہے ہیں۔ اسکا ثبوت یہ ہے۔ کہ جہاں تک تمہاری نظر تاریخی سلسلہ کو دیکھنے کے لئے دفا کرتی ہے۔ اور تم گزشتہ لوگوں کا حال معلوم کر سکتے ہو۔ کہ کبھی بھی انسان کے سوا کوئی اور ہستی خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی طرف مبعوث ہوئی ہے

ہرگز نہیں۔ بلکہ آدم سے لے کر اس وقت تک ہمیشہ بندوں کی طرف بندے ہی آتے رہے۔ تو مسیح کو کیوں تم خدا بنا بیٹھے ہو۔ جیگہ تمہارا مشاہدہ اور تجربہ اور سنت اللہ ہمیشہ سے یہی چلے آتے ہیں کہ خدا تعالیٰ لوگوں کو سمجھانے کے لئے انہیں میں سے نیک بندوں کو بھیجا کرتا ہے۔ تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا اپنی قدیمی سنت کو چھوڑ دے۔ اور بجائے انسان کے ایک خدا کا وجود تم میں نازل ہو۔

دلیل دوم۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا میں ہم ایک چیز کو دوسری چیز سے جب الگ سمجھتے ہیں۔ تو ہمیشہ ان کے عوارض و صفات کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ ورنہ اگر صفات اور عوارض کے اختلاف کی وجہ سے موصوف مختلف نہ سمجھے جائیں۔ تو دنیا کا کارخانہ ایک ہی آن میں درہم برہم ہو جاوے۔ مثلاً ہم ایک بیل اور انسان میں تفرقہ کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ ان کے عوارض اور صفات میں کوئی فرق نہ ہو۔ اگر بیل اور انسان کے تمام اوصاف ایک سے ہوں تو پھر دونوں میں کوئی تفرقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح ایک درخت اور ایک پتھر میں ہم صرف ان کے صفات کے مختلف ہونے کی وجہ سے تفرقہ کرتے ہیں۔ مثلاً درخت کے پتے ہوتے ہیں۔ جڑیں ہوتی ہیں۔ یہ بات پتھر میں نہیں۔ اسی طرح پتھر ایک جامد جسم ہے۔ اس بات سے درخت خالی ہے۔ بلکہ وہ نشوونما پاتا ہے تو پتھر کے پتھر کے اور اوصاف ہیں۔ اور درخت کے ان کے سوا کوئی اور اس لئے ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ پتھر کوئی اور شے ہے۔ اور درخت کوئی اور چیز۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ دو چیزوں کے صفات بالکل مختلف ہوں۔ اور پھر دونوں ایک ہوں۔ مثلاً ایک شخص کہے کہ میں پتھر ہوں۔ تو ہم اسکو یہی کہیں گے کہ تو پتھر تو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو صفات پتھر میں پائے جاتے ہیں۔ وہ تجھ میں نہیں۔ اور جو اوصاف تیرے وجود میں نظر آتے ہیں۔ ان سے پتھر خالی ہے۔ چنانچہ اسی ثابت شدہ حقیقت کے ذریعہ قرآن مجید مسیح کی خدائی کا ابطال کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **وَأَمَّا حَسْبُكَ فَكَانَ يَأْكُلُ مِنَ الطَّعَامِ**۔

یعنی مسیح اگلے رسولوں کی طرح ایک رسول تھا۔ اسکی ایک ماں تھی۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اب صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ تینوں عوارض اور صفات انسان کو ہی لاحق ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی عوارض ایسے ہیں۔ جو انسان کے محتاج اور فقیر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص کھانے کا محتاج ہو۔ وہ ساری دنیا کا محتاج ہے۔ تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ مسیح خدا تھا۔ جبکہ تمام وہ صفات جو انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس میں موجود ہیں۔ اور ہر قسم کے وہ عوارض جو بنی نوع انسان کا خاصہ ہیں۔ اسکو لاحق ہیں۔

دلیل سوم۔ تیسری دلیل قرآن مجید اس طرح پر فرماتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی کوئی ذات خدا ہونے کی مستحق نہیں۔ جب تک کہ وہ تمام نقصوں سے پاک نہ ہو۔ اور تمام صفات کاملہ سے موصوف نہ ہو۔ اور یہ صفت اللہ کے سوا کسی میں نہیں یہ دلیل کسی اور توحید کی محتاج نہیں۔ نہایت بدیہی قضیہ ہے۔ کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور پایا جاتا ہے۔ اگر خالق و فاطر بھی نقصوں سے پاک نہ ہو۔ تو اس میں اور اسکی مخلوق میں ماہ الامتیاز کیا رہا۔ اب ہم اس قرآنی دلیل کی رو سے حضرت مسیح کی خدائی کو پرکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ یعنی ذات باری پر موت وارد نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر خدا بھی موت سے پاک نہ ہو۔ تو اسکی مخلوق کا انتظام کس طرح چل سکتا ہے مگر انجیل کہتی ہے۔ کہ مسیح پر موت وارد ہوئی۔ اور وہ یقیناً دن تک مردہ پڑا رہا۔ دیکھو متی ۱۷ باب ۱ آیت ۲۳۔

الْقَيُّومُ۔ دو مردوں کو جہاں چاہے۔ اور جس طرح چاہے قائم کر دے۔ مگر مسیح صاف اقرار کرتا ہے۔ کہ دائیں بائیں بٹھانا میرے اختیار میں نہیں۔ دیکھو متی ۲۰ باب

آیت ۲۳۔ لَا تَأْخُذْ بَعِثَتْنِي وَلَا نَوْمٌ۔ وہ نیند اور ادنگہ کی غفلت سے بری ہے مگر انجیل سے ثابت ہے۔ کہ مسیح پر بھی نیند کا غلبہ ہوا کرتا تھا۔ بلکہ مسیح نہایت

نفقت کی نیند سویا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ حواریوں سمیت کشتی میں سویا ہوا تھا کہ اتنے میں بڑے زور شور سے طوفان آیا۔ مگر مسیح نہ جاگا۔ جب حواریوں نے جگایا تب اسکو ہوش آئی۔ لوقا ۸ باب آیت ۲۳-۲۴۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب ہی خداوند کے لئے ہے۔ مگر مسیح کہتا ہے کہ لومڑیوں تک کے لئے بھٹ ہیں۔ مگر ابن آدم کے لئے سر رکھنے کے لئے بھی جگہ نہیں۔

پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ الْقُدُّوس۔ وہ ہر قسم کی نیکیوں کا مجموعہ ہے۔ مگر مسیح نے صاف فرمادیا۔ کہ مجھے نیک مت کہو۔ نیک صرف ایک یعنی خدا ہے۔ لوقا ۱۸ باب آیت ۱۹۔

الْغَنِيِّ۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ مگر مسیح صلیب پر مرتے وقت چنچا۔ کہ ایللی ایللی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں تھوڑ دیا۔ (میں مضطرب ہوں) تو کیوں میری مدد نہیں کرتا۔ مرقس ۱۵ باب آیت ۳۴ السَّلَام۔ وہ ہر ذلت اور بے عزتی سے پاک ہے۔ مگر عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کے منہ پر ملعون یہودیوں نے تھوکا۔ اس کے منہ پر طمانچے مارے۔ سر پر کمانٹوں کا تاج پہنا دیا۔ کوڑے مارے۔ اور بالآخر نہایت ذلت کے ساتھ صلیب پر لٹکا کر فنا کر دیا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ط

الْعَلِيْم۔ وہ ہر ہر ذرہ سے واقف ہے۔ مگر مسیح کہتا ہے "اور اس وقت میں ان سے کہوں گا۔ کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا۔ اے بدکار۔ میرے پاس سے دور ہو۔"

الْقَادِر۔ وہ اپنے آپ جو چاہے کر سکتا ہے۔ مگر مسیح کا قول ہے۔ کہ میں اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ دیکھو یوحنا ۵ باب آیت ۳۰۔

الْمَمْلُوك۔ وہ دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ مگر مسیح اقرار کرتا ہے کہ میری بادشاہت اس جہان میں نہیں۔ دیکھو یوحنا ۱۸ باب آیت ۳۶۔

سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔ وہ اپنے مخلص بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ مگر بجا
 اس کے کہ مسیح قادرانہ طور پر لوگوں کی دعائیں سنتا۔ خود جنگلوں میں دعا
 مانگا کرتا تھا۔ بلکہ حواریوں کو کہا کرتا تھا کہ اٹھو میرے لئے خدا سے دعا کرو۔
 کیا خدا بھی کسی کی دعا کا محتاج ہوا کرتا ہے؟ متی ۲۶ باب آیت ۴۸ تا ۴۹
 دلیل چہارم۔ ہم اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے اس بات پر پہنچے ہیں کہ دنیا میں
 دو شخص مل کر اور کسی کام میں شریک ہو کر اسی طرح رہ سکتے ہیں۔ کہ وہ صبر
 سے کام لیں۔ اور ہر شخص دوسرے کے مقابل میں اپنی خواہشات کو روکے
 رکھے۔ مثلاً ایک دکان میں دو شریک ہیں۔ اب ان میں سے ایک شخص اپنے
 گھر روٹی کھانے چلا ہے۔ تو اگر دوسرا بھی اسی وقت اپنے گھر جانا چاہے۔ اور
 اپنی خواہش کو مقدم کرے۔ تو وہ دونوں کبھی صلح سے نہیں رہ سکتے۔ غرض
 دو شخص کبھی مل کر کسی کام کو نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ وہ اختیار نہ کریں۔
 اور اپنے منشا کو مجبوراً چھوڑ کر دوسرے کے منشا و پر راضی نہ ہو جائیں۔ فرقان حمید
 اسی مشاہدہ پر فرماتا ہے۔ **لَوْ كَانَتْ فِيهِمَا إِلَهَةٌ لَفَسَدَتَا**
 یعنی اگر اس دنیا و مافیہا کا ایک اکیلا خالق و فاطر حکمران نہ ہو۔ بلکہ ایک سے زیادہ
 خدا ہوں۔ تو دنیا کا کارخانہ ایک آن میں درہم برہم ہو جاوے۔ کیونکہ ان میں سے
 ہر ایک اپنی صفات کے منشا کو پورا کرے گا۔ تو دوسرے کے منشا میں روک واقع
 ہوگی۔ اور اگر دوسرے کی خاطر اپنے منشا کو ترک کرے گا۔ تو مجبوری و لا چاری
 کا عیب اس کو لاحق ہوگا۔ یعنی ایک بات کو چاہتا تو ہے۔ پر کر نہیں سکتا۔ مثلاً
 خدا کی صفات میں سے ایک صفت **فَعَالٌ لِّمَآيَرٍ** ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ
 جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے ارادہ کو کوئی ہستی روک نہیں سکتی۔ اب اگر ایک خدا
 نے ایک شخص کو بیادینا چاہا ہے۔ مگر دوسرا چاہتا ہے۔ کہ یہ شخص ساری عمر اولاد
 سے محروم رہے۔ تو یا پہلا غالب ہوگا۔ یا دوسرا۔ تب بھی جو مغلوب ہوا۔ وہ
فَعَالٌ لِّمَآيَرٍ کے معیار کے مطابق خدا نہ ٹھہرا۔ اور اگر انہوں نے سمجھوتہ

کیا ہوا ہے۔ کہ فلاں ملک ہماری سلطنت میں ہے۔ اور فلاں علاقہ تمہاری حکومت میں۔ تو یہ بھی اس کے خدا ہونے کے منافی ہے۔ کیونکہ اس کے تو یہ معنے ہوسے۔ کہ خدا تمام مخلوق کا خالق اور حاکم نہیں۔ بلکہ بعض حصہ کا ہے۔

دیسل پنجم۔ مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ بالکل نہیں کیا۔ یہ صرف عیسائی صاحبان کی فحشش تھی ہے۔ جو ان کو خدا بنا رہے ہیں۔

بلکہ اگر حضرت عیسیٰ نے اپنے متعلق خدایا ابن اللہ کا لفظ استعمال بھی کیا ہے

تو وہاں صرف انہیں معنوں میں مراد لیا ہے۔ جن معنوں میں تمام نبیوں اور بزرگوں پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ثبوت اس کا سنئے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح

نے یہودیوں کے سامنے دعویٰ کیا۔ کہ میں ابن اللہ ہوں۔ یہودیہ سن کر طیش میں آگئے۔ اور انہوں نے ارادہ کیا۔ کہ مسیح پر پتھر ادا کریں۔ مسیح نے کہا۔ کہ تم مجھے کس قصور پر سزا دیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ کہ تو انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بنانا ہے۔

اس کفر بکنے کی ہم سزا دیتے ہیں۔ مسیح نے جواب میں کہا۔ کیا تمہاری شریعت میں

نہیں لکھا۔ کہ میں نے کہا۔ کہ تم خدا ہو۔ جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس

کلام آیا۔ خدا کہا۔ اور ممکن نہیں۔ کہ کتاب باطل ہو۔ یوحنا باب آیت ۳۶ تا ۳۹

اس عبارت کو سن کر مسیح نے اپنے ابن اللہ ہونے کی حقیقت کھول دی۔ کہ تم ناحق

مجھے کافر کہتے ہو۔ جبکہ توریت میں لکھا ہے۔ کہ تمام وہ لوگ جن کے پاس خدا کا کلام

آیا۔ یعنی یہود خدا ہیں۔ تو پھر میرے ابن اللہ کہنے پر خفا کیوں ہوتے ہو۔ جبکہ تمہارے

ہاں کتب انبیاء میں لکھا ہے۔ کہ قضات اور بزرگ لوگ الوہیم یعنی خدا ہیں۔ اسی طرح

انہیں معنوں میں بھی ابن اللہ ہونے کا مدعی ہوں۔

الوہیت کے لئے بعض صفات لازمی ہیں۔ مثلاً واجب الوجود ہونا۔ یا قائم بالذات

ہونا۔ قادر مطلق ہونا۔ ہمہ دان ہونا وغیرہ۔ اگر ان صفات میں سے کسی ایک کی بھی نفی

ہو جائے۔ تو لاریب الوہیت کی نفی ہو جاتی ہے۔ اب میں یہ دکھلاتا ہوں۔ کہ مسیح

نے ان لازمی صفات میں سے ہر ایک کی نفی کر دی ہے۔

(۱) پہلی صفت الوہیت کو لازمی قائم بالذات ہوتا ہے۔ مگر حضرت مسیح فرماتے ہیں باپ جو زندہ ہے۔ اس نے مجھے زندگی دی ہے یوحنا ۵: ۲۶
 باپ نے بیٹے کو بھی دیا ہے۔ کہ اپنے میں زندگی رکھے۔ یوحنا ۵: ۲۶۔ مسیح اپنی ہستی اور زندگی کے لئے باپ کا محتاج ہے۔ مسیح خدا کی قدرت سے جیتا ہے۔ یہ کہہ کر نتیجہ نکلتا ہے۔
 کلمہ۔ رومیوں ۲: ۱

(۲) دوسری صفت قادر مطلق۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ ۱۔
 میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا۔ مگر جو میرے باپ نے مجھے سکھایا ہے۔ وہ میں کر سکتا ہوں۔ یوحنا ۵: ۱۹۔

(۳) تیسری صفت ہمہ دان (۱) مگر مرقس ۱۳: ۳۲ میں آخری دن کی نسبت اس نے کہا۔ اس گھڑی کی بابت سوائے باپ کے نہ فرشتے اور نہ بیٹا کوئی نہیں جان سکتا۔ اب کس نے میری پوشاک چھوئی۔ مرقس ۱۴: ۷۱

(۴) حواریوں سے پاک ہونا (۱) انجیر کا درخت سوکھ گیا متی ۱۲: ۱۷۔ (ب) تمکھا ماندہ یوحنا ۶: ۵۷ مسیح کا اقرار عبودیت اور انکار الوہیت۔ مسیح نے صرف باپ کو اکیلا، پکا خدا اور آپ کو بھیجا ہوا کہا۔ یوحنا ۱۷: ۳۶۔

(۶) مسیح ہمیشہ باپ سے دعا کرتا۔ اور اپنی راتیں عبادت میں گزارتا تھا۔ لوقا ۱۱: ۱
 و عبرا نیلے (۷) مسیح نے اپنے چھوٹا ہونے کا خاص طور پر اقرار کیا۔ یوحنا ۱: ۱۴
 میرا باپ مجھ سے بڑا ہے (۸) خدا آزمایا نہیں جاتا۔ یعقوب ۱: ۱۲۔ یسوع آزمایا گیا۔ لوقا ۱: ۳۶۔

مسیح کی عبودیت اور عدم الوہیت پر اسکے حواریوں کی شہادت
 (۹) جس طرح مسیح نے بارگاہ آپ کو انسان اور ابن آدم کہا۔ یوحنا ۱: ۱۴ متی ۱۶: ۱۶
 اسی طرح حواریوں بھی کہتے تھے۔ یسوع ناصری ایک شخص تھا۔ جبکہ خدا کی طرف سے ہونا تم پر ثابت ہے۔ اعمال ۲: ۲۲۔

”خدا دنیا کی عدالت کرے گا۔ اس آدمی کی معرفت جسے اس نے مقرر کیا۔ اور

مردوں میں سے اٹھایا۔ اعمال ۲ و ۱۳ ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے
دیس سے خدا کا فضل ہے۔ رومیوں ۵

خدا اور آدمیوں کے درمیان ایک آدمی بھی درمیانی ہے۔ وہ یسوع مسیح
ہے۔ تیمتھیس ۲

تواری خدا کی عبادت کرتے ہیں

(۱۰) ہم ہیں جو خدا کی روح سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یسوع مسیح پر فخر کرتے
ہیں۔ پھیلو ۳

مگر سچے پرستار روح اور راستی سے باپ کی پرستش کرتے ہیں یوحنا ۴
(۱۱) تواریوں کا ایمان مسیح کے باپ سے کمتر ہونے پر بہت صاف تھا۔ چنانچہ
یہ لوگ کا کلام شرک سمجھا۔ تم مسیح کے ہو۔ مسیح خدا کا ہے۔ ہر ایک مرد کا سر
مسیح ہے۔ اور مسیح کا سر خدا ہی ہے۔ کرنتھیوں ۲ و ۱۱۔

(۱۲) تواری سوائے باپ کے کسی کو خدا نہ کہتے تھے۔ ۱۔ کرنتھیوں ۸ و ۶ ہمارا
ایک خدا ہے۔ جو باپ ہے۔

(۱۳) اس لیے سچے خدا کی تعریف۔ وہ مبارک اور اکیلا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ
اور خداوندوں کا خدا ہے۔ فقط اسی کو ہے۔ وہ اس نور میں رہتا ہے۔ جس تک
کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسے کسی انسان نے نہ دیکھا۔ اور نہ دیکھ سکتا ہے۔

اس کی عزت اور سلطنت ابدی تک رہے۔ تیمتھیس ۱۵-۱۶۔

الہامی منطق

(۱۴) ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے۔ اگر کرنتھیوں ۴۔ اور کوئی خدا نہیں مگر ایک
اگر کرنتھیوں ۱۳۔ اس لیے جو باپ نہیں۔ وہ خدا نہیں۔ مسیح باپ نہیں مسلمہ
عقیدہ ہے۔ (۱۵) یسوع روح و سیدہ بیابان میں لایا گیا۔ اور شیطان سے
آزمایا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارا سردار کاہن ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا
عبرانیوں ۴۔ خدا برائی سے آزمایا نہیں جاتا۔ ۱۔ یعقوب۔ مگر مسیح آزمایا گیا۔

اس لئے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

مستقوتی و لائل در ترویج الوہیت مسیح

(۱۴) چند لوگ کرشن جی مہاراج کو خدا کہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ کرشن کو خدا نہ مانتے اور مسیح کو مان لیا جاوے۔

(۱۵) جب مسیح مر گیا تھی $\frac{۱۱}{۱۲}$ اور دو رات مر رہا۔ تو کیا خدا سر جایا کرتے ہیں۔ خدا نہیں مر سکتا۔

(۱۶) جب مسیح نے تجسم اختیار کیا تھا۔ تو ثلاثہ اقاہیم اکٹھے یکجا تھے۔ یا دو الگ اور اقنوم ثانی جسم میں تھا۔ اگر دو الگ تھے۔ تو مجموعہ الوہیت مکمل نہ رہا۔ اور اگر ثلاثہ اقاہیم یکجا تھے۔ تو صرف اقنوم ثانی نے ہی تجسم اختیار نہ کیا۔ بلکہ ثلاثہ اقاہیم نے۔ (۱۷) مسیح دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوا۔ مصلوب و ملعون ہوا۔ کیا خدا مغلوب و مصلوب و ملعون ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے۔ تو عاجز انسان اور خدا کے درمیان ماہ الامتیاز کیا شے ہے

(۱۸) جب مسیح نے یہ کہا تھا۔ کہ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں اور مر گیا تھا۔ تو $\frac{۱۱}{۱۲}$

تب کو کسی روح رہی تھی۔ انسانی یا الہی۔ اگر کہو کہ انسانی فقط۔ تو الہی روح کہاں گئی تھی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ روہیں دو ہیں۔ مگر مسیح ایک۔ ایک الہی روح جو غیر محدود اور ایک انسانی روح جو محدود۔ یہ دونو ایک جسم میں کس طرح حلول کر سکتی ہیں۔

(۱۹) مسیح کہتا ہے۔ جو عورتوں سے پیدا ہوئے یوحنا پتھر دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا۔ متی $\frac{۱۱}{۱۲}$ ۔ مسیح ہی عورت سے پیدا ہوا تھا یوحنا سے چھوٹا ہوا۔ پس یوحنا بڑا خدا ہوا۔ کیونکہ جب یوحنا سے چھوٹا خدا ہو گیا۔ تو یوحنا بڑا خدا ہو گیا۔ (۲۰) ایوب $\frac{۱۱}{۱۲}$ میں لکھا ہے۔ جو گور میں اترا۔ پھر اوپر نہ آدینگا۔ تو مسیح مر کر قبر سے کیونکر نکلا۔

(۲۱) ایوب $\frac{۱۱}{۱۲}$ ۔ فلا پے آدمی کو نہیں چھوڑے گا۔ وہ بدکاروں کی امداد نہیں کرتا۔ مسیح

مفلوب مصلوب اور یہودی کا میاب ہوئے)

(۷۲) استثناء چلیں ہے۔ غیر معبودوں کی پرستش کی طرف بلانے والا جھوٹا ہی وہ تہی کیا جاوے گا۔ مسیح نے اگر خود کو خدا کہا۔ اور مقتول ہوئے۔ تو جھوٹے ثابت ہوئے۔ نہ کہ خدا اور سچا خدا۔

(۷۳) اگر مسیح بغیر باپ ہونے کی وجہ سے خدا ہے۔ تو ملک صدق سالم کیوں خدا نہیں۔ عبرانی ہے۔

(۷۴) مرقس ۱۸ - اے نیک استاد۔ مگر مسیح کو خود نیک ہونے سے انکار ہے۔

مسیح روح اللہ ہو کر خدا نہیں بن سکتا

اعتراض عیسائیاں۔ مسیح کو روح اللہ کہا گیا۔ عیسائی قرآن شریف میں مسیح کی نسبت جو روحِ متنہ کا لفظ آیا ہے۔ کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن میں مسیح کو روح اللہ کہا گیا۔ پھر اسکی الوہیت میں کیا شک ہے بجا اور روح اللہ ہو۔ وہ اللہ سے کم ہو سکتی ہے۔ لہذا اسکی الوہیت ثابت۔ وَمَوْصِيَّهٖ ابْنَتُ عِمْرَانَ الَّتِي اخْتَصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَاهُ مِنْ رُوحِنَا (سورہ قمر) اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذَرُوْهُمۡ قِمْنَهُ (سورہ نسا) جواب۔ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اہل اسلام کا یہ مذہب نہیں۔ اور نہ ہی خدا نے یہ تعلیم دی۔ کہ مسیح کو خدا جانو۔ بلکہ اسکی صریح مخالف آیات موجود ہیں۔ چنانچہ سوال کی دوسری آیت کے اخیر میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ اِنَّهُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثٌ ثَلَاثَةٌ۔

علامہ اذہن اگر کوئی روح اللہ کے لفظ سے خدا ہو سکتا ہے۔ تو اس میں حضرت مسیح کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ قرآن کی رو سے پھر بہت خدا بلکہ تمام ہی خدا

بن جائیں گے۔ اور وحدت وجودیوں کا مسئلہ ٹھیک ماننا پڑے گا۔
 دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ آدم کے حق میں۔ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ
 فِيهِ مِنْ رُوحِي رُوحِي (روحہ رسدہ) فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ
 رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (جبر و ص)

جبرائیل کے حق میں۔ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (بریم) پھر
 کتاب حزقیل ۳۳۔ اسیں ان لوگوں کے متعلق جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں
 نکالے گئے تھے۔ اور ان کو مار دیا گیا تھا۔ اور پھر زندہ کیا۔ تو اس زندہ کرنے کو ان الفاظ
 میں ذکر کیا ہے۔ فَأُعْطِي فِيكُمْ رُوحِي۔ الفرض اس طرح صرف مسیح خدا نہ ہوا۔ بلکہ سب پہلے
 آدم پھر اسکی اولاد اور جبرائیل تمام خدا ہی ہونگے۔ مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

(۲) پھر عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کو خدا نے اپنا کلمہ کہا۔ اس نے خدا ہوا۔ جواب ۱۔ قرآن شریف
 میں ہے۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا أَكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَ
 لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (کہا آخری رکوع) پس خدا کے کلمات کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ اگر کلمے
 خدا ہونے لگے۔ تو پھر تمام خدا ہی ہونگے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ کہ اگر تمام درخت قلیں اور سات
 سمندر سیاہی بن جائیں۔ تَوَمَّاءَ نَفَذْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ (لقمان رکوع ۳) پھر بھی کلمات اللہ
 شمار نہ ہو سکیں۔

ابطال تثلیث

(۱) تثلیث کا عقیدہ مسیح سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیا۔ اور نہ خود مسیح
 نے مشرح ذکر کیا۔ اگر مسیح کو معلوم تھا۔ کہ یہود نے انہیں سولی دے دینا ہے۔ تو انہوں
 نے اپنا عقیدہ کیوں نہ ظاہر کیا؟

(۲) تین ایک اور ایک تین۔ یہ آپس میں ضدیں ہیں۔ اگر مان لیا جاوے۔ کہ ایک تین
 اور تین ایک ہے۔ تو تقسیم الشیء الی نفسہ لازم آتی ہے۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ
 ایک جز تقسیم الی اجزاء تو ہو سکتی ہے۔ مگر الی نفسہ نہیں ہو سکتی۔

(۳) تین اقانیم۔ اگر تینوں کامل ہیں۔ تو ایک ہی کافی ہے۔ تین کی ضرورت نہیں۔ اگر ناقص

ابن خدا کی آمد کے منتظر ہیں۔ کفارہ

مسیحی مفہوم۔ اول ہر انسان گنہگار ہے۔ نہ صرف بلوغت سے لیکر بلکہ پیدا نشی گنہگار ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ آدم و حوا نے گناہ کیا۔ اور اولاد میں وراثتاً گناہ آیا۔ اس لئے ہر انسان گنہگار ہے۔ سوم نظام الہی کہ چونکہ خدا عادل ہے۔ بلا وجہ بخش نہیں سکتا۔ اور وہ رحیم بھی ہے۔ بوجہ عدل چھوڑ نہیں سکتا۔ بوجہ رحم اقنوم ثانی کو تجسم اختیار کرنا پڑا۔ (نہ معلوم خود تجسم اختیار کیا۔ یا باپ کے حکم سے۔ کیونکہ الوہیت میں مساوی ہیں۔ اور دوسری طرف خدا نے انسان بن کر اور مصلوب ہو کر جہان کے گناہ اٹھائے۔ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بوجہ مسیح کی اس تکلیف کے جو اس نے صلیب پر برداشت کیا۔ بنیاد کفارہ۔ گناہ پیدا نش سے ہے۔ عملوں سے نہیں۔ تمام لوگ پیدا نش سے (مرد و عورت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے) گنہگار ہوئے۔ مسیح بے گناہ صرف عورت سے پیدا ہوا تھا۔ اس لئے قربان ہوا۔ اور دنیا کو گناہوں سے نجات دی۔

تعریف کفارہ۔ کفارہ کے لفظی معنی۔ ڈھکنا۔ ڈھانپنا۔ خدا کا ایک بیٹا ہے اور وہ ایک ہی بیٹا ہے۔ اس خدا کے بیٹے نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا۔ اور وہ خدا کا بیٹا انسان کے بیٹے کی شکل میں پیدا ہوا۔ خدائی کا دعویٰ ادا ہوا۔ یہودیوں نے پکڑا صلیب پر لٹکا کر جان نکال دی۔ یہ تکلیف خدا کے بیٹے نے محض انسان کے گناہوں کی وجہ سے اٹھائی۔ اب وہ گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ اب کسی قسم کی سزا انسان کو نہ دی جائے گی۔

ضرورت کفارہ۔ انسان گنہگار ہے۔ اور گناہ کا نتیجہ موت ہے۔ بلکہ جہنم کی سزا۔ مگر خدا رحیم ہے۔ اس کا رحم چاہتا ہے۔ کہ انسان سزا سے بچ جاوے۔ پھر وہ عادل ہے۔ عدل کا تقاضہ ہے۔ کہ سزا ضرور دی جاوے۔ اب رحم اور عدل

ایک جگہ کس طرح جمع ہوں۔ خدا کا بیٹا گناہوں کو اپنے اوپر لے کر اپنا مارا جاننا قبول کر کے تمام جہانوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہو گیا۔

کفارہ کی تائید میں حوالہ نجات جو یسوعیوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں (۱) اچھا لکڑیہ میں ہوں۔ اچھا لکڑیہ بھڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔

(۲) یسوع کے صلیب دیئے جانے کا دن قریب آیا۔ تو ایک دن روٹی کھانے کے وقت روٹی اور انگور کا رس جماعت میں تقسیم کرتے ہوئے کہا۔ کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ اور پیو۔ یہ میرا ہوا ہے۔

البطل۔ آدم سے زیادہ گنہگار حوا تھی۔ اس لئے جو صرف عورت سے پیدا ہوا۔ وہ زیادہ گنہگار ہوا۔ تو قربان کیسے ہوا۔ قربان تو معصوم ہو سکتا ہے۔ بقول شما۔ دیکھو تو ریت۔ کہ سانپ نے بہکا کر حوا کو دانہ کھلایا۔ پھر حوا نے آدم کو بہکایا، پیدائش ۳۔

(ب) انجیل میں لکھا ہے۔ کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے قبل یوحنا اور زکریا مع اپنی بیوی کے نہایت پاک اور راست باز تھے۔ ثابت ہوا۔ کہ کفارہ پر ایمان لائے بغیر بھی آدمی راست باز ہو سکتا ہے۔ کفارہ ضروری نہ رہا۔ نیز یسوع سے پہلے جتنے انبیاء تھے۔ ان کی نجات کس طرح ہوئی؟

(۱) زکریا اور اسکی بیوی وہ دونوں خداوند کے حضور راست باز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔" (لوقا ۱)

(ب) "یوحنا خداوند کے حضور بزرگ" (لوقا ۱)

(ج) "یوحنا پستہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں۔" متی ۱۱

(د) "یوحنا نبی سے بھی بڑا تھا۔" لوقا ۱۶

(۲) اگر کفارہ صحیح ہو۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ یہود اسکی روٹی مسیح کے پکڑوانے والے کو جزائے خیر ملے۔ اور نجات ابدی کو پہنچے۔

(۳) یہ بدل نہیں کہ گنہگار دنیا میں اچھی طرح گناہ کریں۔ اور عاقبت کو بھی جنت میں

داخل ہوں۔ اور عوض ان کے حضرت مسیح بے گناہ صلیب پر چڑھائے
جائیں۔ اور دوزخ میں بھی رہیں۔ غرض یہ ظلم ہے۔

(۱۱) اگر حضرت عیسیٰ اپنی خوشی سے کفارہ قبول کرتے۔ تو صلیب پر کیوں پکار کر
کہتے۔ کہ ایللی ایللی لا سبتقتانی۔ یعنی اسے میرے خدا۔ اسے میرے خدا۔ تو نے
مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ حیرا صلیب دیا گیا۔ پس وہ کفارہ گناہوں کا
کیسے ہوئے۔ متی ۲۷۔

(۱۲) جب مسیح نے سب گناہ اٹھائے۔ تو گویا وہ مجموعہ گناہوں کا ہوئے۔ پس گنہگار
آدمی اپنے گناہ سے عذاب ابدی میں رہے گا۔ تو کیا حال ہے اسکا جس نے سب کے
گناہ اٹھائے۔

(۱۳) بتقدیر تسلیم کفارہ انبیاء جو پہلے مسیح سے گذرے ہیں۔ لازم آتا ہے۔ کہ کفار
کے ساتھ دوزخ میں رہے ہوں۔ کیونکہ تب تک کفارہ نہ ہوا تھا۔

(۱۴) ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کفارہ سب کا ہوا ہے۔ یا کہ موجودین کا۔ بر تقدیر ثانی آئندہ اور
گذشتہ کے واسطے اور کفارہ چاہیے۔ بر تقدیر اول جب لوگ پیدا نہ ہوئے تھے۔
تو ان کے گناہ کیونکہ ایک شخص نے اٹھائے۔

(۱۵) جب مسیح نے سب کے گناہ اٹھائے۔ تو وہ گویا اول نمبر کے گنہگاروں میں
سے ہوئے۔ پس محتاج ہوئے طرف کسی منجی کے۔ کیونکہ بجز منجی کے نجات
ممکن نہیں۔ پس وہ بھی محتاج کفارے کا ہوگا۔ اور تسلسل لازم آئے گا۔

(۱۶) کفارہ سے لازم آتا ہے۔ کہ قاتل اور چور وغیرہ مجرموں کو پھانسی کی سزا نہ دی
جائے۔ حالانکہ مسیحی لوگ سزا دیتے اور لیتے بھی ہیں۔

(۱۷) جب کفارہ ہو گیا۔ تو نیکی کرنے کی کیا حاجت رہی۔ باوجودیکہ مسیح نے چالیس
روزے رکھے۔ اور حواری بھی پابندی نیکی کی کرتے رہے۔

(۱۸) اگر مسیح نے گناہ اٹھائے بھی ہیں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ امور غیر متناہی واقع ہو
مسیح اگر کفارہ ہونے کو آئے تھے۔ تو آتے ہی کفارہ کیوں نہ ہوئے۔ بلکہ انجیل

سے ثابت ہے کہ خلقت کو نصیحت کرنے آئے تھے۔

(۱۳) اس کفارہ کے ہونے سے معافی گناہ کی تو نہیں ہوئی۔ بلکہ زیادتی وقوع میں آئی ہے۔ کیونکہ یہودی مسیح کی حقارت کرنے کے باعث مستحق عذاب کے ہوئے۔
(۱۴) اگر کفارہ موافق مرضی خدا کے ہوتا۔ تو علامات رحمت ظاہر ہوتیں۔ حالانکہ چار انجیلوں سے ثابت ہے کہ بد سولی کے اس طرح کی علامات خدا کے خیر کی ظاہر ہوئیں۔ کہ کبھی نہ ہوئی ہوں گی۔ مثلاً جہان میں اندھیرا ہو جانا۔ اور مردوں کافروں سے نکلنا۔ زمین کا پختہ ہیکل کا پردہ پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

(۱۵) جبکہ باقرار مسیحیان حضرت عیسیٰ جزو خدا کے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ صلیب پر کھینچنے والا انسان تھا۔ پس اس سے غلبہ مخلوق کا خالق پر پایا جاتا ہے۔
(۱۶) کفارہ کو مانگنے سے لازم آتا ہے کہ کسی بخشش کرانے والے کی حاجت نہ رہے۔ حالانکہ کتاب اعمال میں موجود ہے کہ حواریں بخشش دیتے تھے، اور مسیح حواریوں کو فرماتے تھے کہ جسکو تم بخشو گے۔ وہ بخشا جائے گا۔
(۱۷) اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کو عدالت کریں گے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو بطلان کفارہ میں کیا سچ ہے۔

(۱۸) ہر ایک فرقے پر اطاعت و تقلید پیشوا اپنے کی لازم ہے۔ پس اگر مسیح مصلوب ہوئے۔ تو عیسائی کیوں صلیب پر نہیں چڑھتے۔

(۱۹) اعتقاد کفارہ سے تحقیر شان متصور ہے۔ یہ تحقیر ان کے پیردلوں صاحب بھی کرتے رہے۔ قطع نظر مخالف سے۔ چنانچہ گلیتوں کے خط میں لکھا ہے۔ جو سولی دیا گیا۔ وہ لعنتی ہے۔ مصلوب خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ استثناء ۲۱/۲۳۔

(۲۰) اگر مسیح کفارہ ہونے آئے تھے۔ تو دعا رد بلا نہ مانگے۔ حالانکہ انجیل میں موجود ہے کہ مسیح نے رات بھر بہت تضرع سے دعا مانگی۔ کہ یہ عذاب سولی کا مجھ سے ٹل جائے۔ دیکھو متی ۲۶/۴۶ و مرقس ۱۴/۳۶ و لوقا ۲۲/۴۶

(۲۱) مسیح من حیث الروح کفارہ ہوئے۔ یا من حیث الجسم۔ بر تقدیر ثانی جسم ان کا بشریت کا تھا۔ اور کل بشر گنہگار ہیں۔ بر تقدیر اول روح کو آپ خدا سمجھتے ہیں۔ وہ سولی دیئے جانے سے میرا ہے۔ دوسرا روح محسوس نہیں جو صلیب پر کھینچا جاتا۔ اپنے جسم کے متعلق مسیح خود کہتا ہے ”جسم کمزور ہے“ مرقس ۱۶: ۳۱
(۲۲) (ا) جو ایمان لاتا ہے۔ نجات پائے گا۔ یوحنا ۱۶: ۳۱-۱۹ درومیوں ۲: ۳۵

(ب) ایمانداروں کی علامتیں دیکھو :-

دمتی ۱: ۱۶ و ۱۷ و ۲۱ و مرقس ۱۶: ۱۶ و یوحنا ۱۱: ۱۶ پہاڑ ٹھانا۔ درخت سکھانا۔ زہر کھانا۔ بیماروں کو شفا دینا وغیرہ۔ مگر چونکہ کسی عیسائی میں یہ علامتیں نہیں۔ لہذا کوئی ایماندار نہیں۔ کسی کی نجات نہ ہوئی۔ کفارہ باطل۔

(۲۳) مسیح کی قربانی خلاف فطرت و عقل ہے۔ ہمیشہ چھوٹی چیز بڑی چیز پر قربان ہوتی ہے۔ لفظ قربانی ”قرب“ سے ہی نکلا ہے۔

(۲۴) کفارہ پر ایمان لانے کے بعد مسیحی لوگوں سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتے۔ یا ہوتے ہیں۔ لیکن معاف ہو جاتے ہیں۔ (ا) سرزد نہیں ہوتے۔ مشاہدہ کے خلاف (۲) معاف ہو جاتے ہیں۔ دلیل دو۔

(۲۵) مسیح نے اپنی مرضی سے کفارہ ہو کر بندوں کے گناہ اپنے ذمہ لئے۔ یا باپ کی

مرضی سے۔ اگر باپ کی مرضی سے۔ تو باپ غیر عادل۔ اگر اپنی مرضی سے۔ تو خود غیر عادل

(۲۶) انسان بوجہ گنہگار ہونے کے کفارہ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ فطرتاً گنہگار ہے۔ تمام لوگ

ابن آدم ہیں۔ مگر مسیح ابن اللہ ہے۔ اور پاک ہے۔ اس لئے کفارہ ہوا۔ مگر ہم کہتے ہیں

وہ ابن آدم بھی ہے۔ پھر جو انے بھی گناہ کیا تھا۔ بلکہ آدم سے پہلے اسی نے گناہ کیا۔ اور

مریم بھی اولاد آدم سے تھی۔ مسیح ان سے پیدا ہوئے۔ ماں کے خواص نیچے میں سرایت

کرتے ہیں۔ مسیح کی ماں بے گناہ نہ تھی۔ نسل آدمی سے تھی۔ اس لئے مسیح گناہ سے

کیسے پاک ہوئے۔ وہ بھی گنہگار ہوئے۔ جو فور سے پیدا ہوا۔ وہ کیونکر پاک ہو سکتا ہے۔ (ایوب ۲۵: ۱۵)

(۲۷) آدم کی وجہ سے ساری نسل کا گنہگار ہونا خدا کے عدل کے خلاف ہے۔

(۲۸) مسیح بے گناہ تھا۔ غلط ہے۔ مرقس ۱۰: ۴۵ نیک استاد سے خورد و غیرہ
 (۲۹) موت گناہ کی سزا ہے۔ جب گناہ معاف ہو چکا۔ تو پھر موت کیسی؟ رومیوں ۶: ۱۶
 (۳۰) عورت در دزہ سے بچے جسے گی۔ مرد پسینہ کی کمانی سے روٹی کماے گا۔ مگر
 کفارہ پر ایمان لا کر بھی در دزہ ہوتا اور پسینہ کی کمانی سے روٹی نصیب ہوتی ہے۔
 (۳۱) یہودیوں نے احسن کیا۔ کہ کفارہ ادا کر دیا۔ پھر لعنتی کیوں ہوئے؟
 (۳۲) چونکہ یسوع کا دعویٰ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے آئے کا تھا۔ اسکا
 کفارہ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے ہو گا۔ تمہارا اسکی تبلیغ کر کے لوگوں کو دھوکہ
 دینا بے فائدہ ہے۔

(۳۳) بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھینچا
 گیا۔ متی ۱۵: ۲۴

(ب) لڑکوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا اچھا نہیں۔ متی ۱۵: ۲۶
 (ج) اس نے شاگردوں کو ہدایت کی۔ کہ بنی اسرائیلیوں کے سوا اور کسی کو تبلیغ
 نہ کرنا۔ متی ۱۵: ۲۷

(د) پولوس کا یسوع کی وفات کے بعد غیر قوموں کو تبلیغ کرنا محض غصہ کی وجہ سے
 تھا۔ اعمال ۱۷: ۱۸ اور یسوع کے دوسرے شاگرد پطرس سے جھگڑے۔ کہ تو نے
 غیر قوموں کے پاس جا کر کیوں منادی کی۔ اعمال ۱۳: ۴۵ اور اس کے جواب میں انہیں
 نے ایک بے معنی سا خواب سنا کہ ان کو ماننا چاہا۔ اگر یسوع نے کبھی غیر قوموں کی
 ہدایت کا بھی دعویٰ کیا ہوتا۔ پطرس اپنی خواب سننے کی بجائے یسوع کا وہ قول
 پیش کرتا۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ غیر قوموں میں تبلیغ محض پولوس کی شرارت ہی
 پس جب کفارہ بنی اسرائیلیوں میں محدود ہو گیا۔ تو خدا کی باقی ساری مخلوق اس
 سے محروم ہو گئی۔ اور خدا کے بیٹے کی اتنی بڑی قربانی "کوہ کندہ و کاہ بر آوردن"
 کی مصداق ہوئی۔

(۳۳) قول عیسائی کہ انسان کمزور ہے۔ گناہ اٹھا نہیں سکتا۔ اس لئے خدا کے

بیٹے نے وہ گناہ اٹھالے۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ دوسروں کے عوہن میں کسی کو سزا کیوں دی جاوے۔ اس موقع پر اندھیر نگر کی چوہٹ راجہ والی مثال صادق آئے گی۔

(۳۲) قول عیسائی کہ اگر خدا گناہوں کی سزا نہ دیوے اور بخش دے تو یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے عدل کی تعریف غلط سمجھی ہے۔ عدل کہتے ہیں کسی کا حق نہ مارنا۔ جیسے مزدور کو ایک روپیہ کی بجائے دو دے دیں۔ تو عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں ایک کی بجائے ۸ دے دیں۔ تو خلاف عدل ہے۔ اسی طرح گناہ معاف کرنے عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں بڑھ کر سزا دینی خلاف عدل ہے۔ ثواب میں انعام ہوتا ہے۔ اگر اعمال سے زیادہ دیا جائے۔ تو خلاف عدل نہیں۔ اس کے متعلق انجیل کی شہادت صاحبان کے مزدوروں کا قصہ نقلی و لائل (۱) متی ۱۱۔ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے۔ تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے۔ تمہیں بخش دے گا۔ پس جب خود خدا نہیں بخش سکتا۔ وہ بندوں کو کیسے کہتا ہے کہ تم بخشو۔

(۲) استثناء ۹۔ اسرائیلیوں کی ہلاکت کو نبی کی دعا سے ٹال دیا۔ معلوم ہوا کہ گناہ بغیر کفارہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔

(۳) پیدائش ۳۔ نبی کی دعا ہمارے واسطے شفاعت کرتی ہے۔ اور ہمیں زندگانی بخشتی ہے۔ کسی کفارے کی ضرورت نہ رہی۔

کفارہ پر ایمان لانے سے خرابیاں

(۱) دعا کا مسئلہ فضول جاتا ہے (۲) گناہ پر دلیری۔ عیسائی گناہ کرے۔ یسوع بخشوا دیگا۔ (۱) یوحنا ۳۔ نبی کو اعتق ماننا پڑتا ہے۔ تورات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں کفارہ کا ذکر نہیں۔ (۵) خدا غیر عادل سمجھتا ہے۔ کہ ناحق اپنے بیٹے کو سولی دی۔

(۳۵) یسعیاہ نبی علیہ السلام۔ وہ جو شریعت پر اپنی راہ کو ترک کرے۔ اور بدکردار اپنے خیالوں کو اور خداوند کی طرف پھرے۔ کہ وہ اس پر رجم کرے گا۔ اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت سے معاف کرے گا۔ اس میں گناہوں کی معافی ترک گناہ بتلایا ہے۔ نہ کہ کفارہ۔

(۳۶) اگر کفارہ سچ ہے۔ تو خدا رحیم نہیں۔ کیونکہ اس نے بہر حال سزا دے لی۔ پھر صفت رحم کہاں برتا ہے۔ عیسائیوں کے منوعہ عدل کو پورا کر لیا۔

(۳۷) سزا کی غرض بندہ کی اصلاح ہے۔ بیٹے کو سزا دے کر بندے کی کیا اصلاح

ہوئی۔ سزا سے خدا خوش تو نہیں ہوتا۔ نہ نیکی سے اسے فائدہ ہے۔ اور نہ بدی اسکو گھٹاتی ہے۔ پس اصل غرض سزا کی اصلاح نفس ہے۔ جب وہ نہ ہوئی تو کفارہ بے فائدہ۔ نیز کفارہ سزا کی غرض سے ناواقف معلوم ہوتا ہے۔

(۳۸) یسوعی کہتے ہیں۔ کہ کفارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ کا قرضدار جب اپنا قرض ادا نہ کر سکے۔ تو بادشاہ کا بیٹا اگر اس قرض کو ادا کر دے۔ تو وہ چھوٹ جاتا ہے اسی طرح جب لوگوں کے گناہ بیٹے نے اٹھالے۔ تو وہ سزا سے بری ہو گئے۔ مگر اتنا نہیں سوچا۔ کہ جب بیٹا اتنا اختیار رکھتا ہے۔ کہ اپنے خزانے دے دے۔ اور رحم کرتا ہے۔ تو کیا بادشاہ رحم نہیں کر سکتا۔

(۳۹) گناہوں کی معافی کے ذرائع ۲۔ تواریخ ۱۶۔ ۱۔ اپنے تئیں عاجز کرنا۔ دعا مانگنا خدا کا منہ ڈھونڈنا۔ بری راہوں سے پھرنا۔ اگر یہ ذرائع انسان اختیار کرے۔ تو بغیر کفارہ خطا معاف ہوتے ہیں۔

(۴۰) متی ۵۔ روح کے خلاف کا کفر معاف نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یسوع کے نزدیک گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر بغیر سزا کے معاف نہیں۔ پس کفارہ باطل۔ کیونکہ کفارہ سب گناہوں کو یکساں معاف کرتا ہے۔

(۴۱) متی ۳۔ نجات کی راہ کو مشکل اور تنگ بتلایا ہے۔ جو بہت محنت اور جانفشانی کا کام ہے۔ حالانکہ کفارے کی راہ تو تنگ نہیں۔ جو مرضی آئے کرے۔ پس کفارہ نجات

کے لئے نہیں۔

(۲۲) خدا قربانی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ رحم پسند کرتا ہے (متی ۵: ۴۵) لہذا کفارہ باطل ہے
(۲۳) کفارہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ اعمال کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجدد ایمان
ہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفارہ کے بانی (پولوس) نے "شریعت" کو "لعنت"
قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے :- "مسیح جو ہمارے لئے لعنت بنا
اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے :-
کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا۔ وہ لعنتی ہے" (گلیتوں ۳: ۱۳)

(ب) اب ہم جانتے ہیں کہ شریعت جو کچھ کہتی ہے۔ ان سے کہتی ہے۔ جو
شریعت کے ماتحت ہیں۔ تاکہ ہر ایک کامنہ بند ہو جائے۔ اور ساری دنیا
خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھیرے۔۔۔۔۔ مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی
ایک راستبازی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی
ہے۔ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان
لایوالوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال
سے محروم ہیں۔ مگر اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو یسوع
مسیح میں ہے۔ مفت راستباز ٹھیرائے جاتے ہیں۔ اسے خدا نے اس کے
خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا۔ جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو۔۔۔۔۔
کونسی شریعت کے سبب سے؟ کیا اعمال کی شریعت سے؟ نہیں بلکہ ایمان کی
شریعت سے۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال
کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے۔ (رومیوں ۱۹-۲۰)
(۲۴) جھوٹ جائز :- یہی وجہ ہے کہ پولوس کہتا ہے :- "اگر میرے جھوٹ
کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے لئے ظاہر ہوئی۔ تو پھر کیوں گنہگار
کی طرح مجھ پر حکم لگایا جاتا ہے۔" (رومیوں ۲: ۱۳) گویا اگر جھوٹ بول کر عیسائیت
کی تبلیغ کی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔

(د) "کفارہ" کی اس آزادانہ تعلیم ہی کا نتیجہ تھا۔ کہ یسوع کے معاف بعد ہی عیسائیوں میں خطرناک طور پر بدکاری شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے۔ "یہاں تک سننے میں آیا ہے۔ کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے۔ اور تم افسوس تو کرتے نہیں۔ تاکہ جس نے یہ کام کیا۔ تم میں سے نکالا جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو" (۱۔ کرنتھیوں ۵)

پس عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ "کفارہ" گناہ کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ باطل ہے عیسائی۔ قرآن میں بھی کفارہ ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ کہ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ (زمانہ دیکو ۱۲)

احمدی :- قرآن مجید میں لفظ کفارہ سزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو شخص قسم توڑے۔ اسکو سزا یہ ہے۔ کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ان کو کپڑے پہنائے۔ یا ایک غلام آزاد کرے پس یہ سزا اسی شخص کو دی گئی ہے۔ جس نے گناہ کیا ہے۔ مگر انجیلی کفارہ میں تو سزا بے گناہ کو دی جاتی ہے۔ اور گناہ کرنے والا آ نام اور سزے سے پھرتا ہے نوٹ :- بعض عیسائی "جج بدل" کو بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ جج بدل میں ردپہ اسی شخص کا ہوتا ہے۔ اسی کو جج کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن یسوعی کفارہ میں خون تو مسیح کا بہایا گیا۔ اور گناہ عیسائیوں کے معاف ہوئے پس فرق ظاہر ہے۔ فادہم۔

تحریف بائبل

قرآن شریف اہل کتاب کے متعلق فرماتا ہے (۱) يُخْرِفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهَا
وَأَنسُوا حَقَّ مَا ذُكِّرُوا بِهِ (۲) وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ

یعنی اہل کتاب کے متعلق تین باتیں یاد رکھو (۱) تحریف کرتے ہیں (۲) دو قسم لفظی و معنوی
(۳) ہمیشہ ان کی خیانت پر اطلاع پاتا رہے گا۔ سو واقعی ان تینوں صفات سے
متصف ہیں۔ خود بائبل میں لکھا ہے :-

”ان لوگوں نے شریعتوں کو عدول کیا۔ قانونوں کو بدلا“ (یسعیاہ ۵۴) نیز یرمیاہ ۸

انجیل میں امکان تحریف (مسکاشفہ ۲۲/۱۹)

اب دیکھئے تحریف مشیت از خروارے۔

اولادہ حوالجات پیش کرتا ہوں۔ جو پرانی انجیل ۹۶ء سے پہلے والی ہیں۔
مگر بعد کی مطبوعہ میں نہیں ہیں۔

(۱) متی ۱۶/۱ پر یہ جنس بغیر دھا اور روزہ کے نہیں نکلتی

(۲) متی ۱۸/۱ کیونکہ انسان کا بچہ کھوئے ہوؤں کو بچانے کے لئے آیا ہے۔

(۳) مرقس ۱۶/۱ اگر کسی کے کان سننے کے ہوں۔ سنے۔

(۴) مرقس ۹/۱ جہاں ان کا کپڑا نہیں جاتا۔ اور آگ نہیں بجھتی۔

(۵) مرقس ۱۶/۱ پر اگر تم معاف نہ کرو۔ تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے۔ تمہارے
قصور معاف نہ کرے گا۔

(۶) مرقس ۱۵/۱ تب پورا ہوا وہ نوشتہ جو کہتا ہے۔ کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا۔

(۷) لوقا ۱۶/۱ دو کھیت میں ہوں گے۔ ایک لیا جائے گا۔ دوسرا چھوڑا جائیگا۔

(۸) لوقا ۱۶/۱ اور اسے لازم تھا۔ کہ ہر عید میں کسی کو ان کے واسطے چھوڑے۔

(۹) یوحنا ۶/۱ چونکہ ایک فرشتہ وقت اس جوش میں اتر کر پانی کو ہلاتا تھا۔ سو پانی

کے پینے کے بعد جو کوئی پہلے اس میں اترتا تھا۔ کیسی ہی بیماری میں گرفتار کیوں نہ ہو

چنگا ہو جاتا تھا۔

(۱۰) اعمال ۱۵/۱ پر سیلاس کو دہاں رہنا پسند آیا۔

(۱۱) متی ۱۶/۱ پرانی انجیل کے الفاظ۔ اس نے اسے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے

نیک۔ تو کوئی نہیں۔ مگر ایک یعنی خدا۔ (نئی انجیل کے الفاظ) تو مجھ سے نیکی کی بابت

کیوں پوچھتا ہے ؟

(۱۲) یوحنا کا پہلا خط ۵: ۱۴ میں ہے۔ جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ۔ کلام۔

روح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔

(۱۳) یوحنا کی انجیل ۱: ۱۴ اور ہر ایک اپنے گھر کو گیا۔

(۱۴) ۱: ۱۱ و ۱: ۱۲ تا ۱: ۱۱، قلمی نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱۵) استثنائے ۱۲: ۱۲ (یہ حضرت موسیٰ کی پانچویں کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ

حضرت موسیٰ مر گئے۔ اگر یہ الہامی ہیں۔ تو کس پر اتریں۔ حضرت موسیٰ تو زندہ نہ تھے۔ یہ

الحاق ہے۔

(۱۶) تازہ تحریف: ۱۹۳۱ء سے پہلے کی چھپی ہوئی تمام بائبلوں میں استثنائے ۱۲: ۱۲ میں جو

آنحضرت صلیم کی پیشگوئی باس الفاظ تھی۔ کہ ۱۔

”خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ وہ فاران کی چوٹیوں سے ان پر

جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔“ اس آیت میں جو پیشگوئی تھی۔ وہ فتح مکہ

کے موقع پر آنحضرت صلیم کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اس آیت کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے۔ مگر

نئی بائبل میں جو ۱۹۳۱ء میں چھپی ہے۔ ”دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا“ کی بجائے

”لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا“ کر دیا ہے۔ جسے کچھ تو لوگوں خدا سے شرماتا۔

(۱۷) انجیل مطبوعہ ۱۸۹۶ء برمتی ۲: ۱۲ یوں تھی: ”جگہ جگہ کال پڑینگے مری پڑیگی۔ اور بھونچاں آئینگے“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں ”مری پڑیگی“ کا حوالہ متی کے نام سے دیا ہے۔ عیسائیوں

نے ۱۹۰۱ء کی شائع کردہ انجیل سے ”مری پڑے گی“ نکال دیا ہے۔ مگر لطف یہ ہے۔ کہ

انجیل لوقا ۲۱: ۲۱ اردو میں اب تک موجود ہے۔ ”جا بجا کال اور مری پڑے گی“۔ مگر چونکہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ لوقا کا نہیں دیا تھا۔ اس لئے لوقا میں تحریف نہیں کی گئی

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے۔ کہ انگریزی انجیل میں متی ۲۴: ۲۱ میں اب بھی ”مری پڑے گی“ کے پڑنے

کا ذکر موجود ہے :-

“There shall be famines and pestilences

(بائبل مطبوعہ لندن ۱۹۱۶ء) and earthquakes.

(۱۸) یسوع اور ایوب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یسوع مر گیا (یسوع ۲۹) ایوب مر گیا (ایوب ۲۰) اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں تحریفیں اور اضافے بائبل میں موجود ہیں۔ پس یہ کتاب کس طرح الہامی کہلا سکتی ہے۔

اختلافات بائبل

”كَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدُّوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا“

نوٹ ۱۔ تناقضات و اختلافات بائبل کا مضمون دراصل تحریف بائبل کے مضمون کا ضروری جز ہے۔ کیونکہ الہامی کلام میں تناقضات کا وجود اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان دو مختلف اور متناقض بیانات میں سے ایک ضرور انسانی تحریف یا بعد کا الحاق ہے دونوں کلام خدا کے نہیں ہو سکتے۔ پس پادری صاحبان کے لئے مدد رستوں میں سے ایک رستہ کھلا ہے۔ یا تو ہمارے پیش کردہ حوالوں میں تطابقی ثبوت کریں۔ یا اس بات کا اقرار کریں کہ موجودہ بائبل محض و مبدل ہے۔ بخاتم

(۱) ۱۔ سلاطین ۱۵ میں لکھا ہے کہ اسا اور شاہ بنی اسرائیل بعثت در میان ان کی تمام عمر لڑائی رہی اور ۲۔ تواریخ ۱۹ میں لکھا ہے کہ اسا کی سلطنت کے پینتیسویں برس پھر لڑائی نہ رہی۔

(۲) ۱۔ سموئیل ۲۱ میں لکھا ہے کہ داؤد اکیلا اخیسک کا ہن کے پاس آیا۔ مگر مرقس ۲۵-۲۶ میں لکھا ہے کہ داؤد اپنے ساتھیوں سمیت ایسا تار کا ہن کے گھر گیا۔

(۳) پیدائش ۲۲ میں لکھا ہے کہ یعقوب اپنی صلب سے پیدا شدہ اولاد اور اولاد کی بیوی سمیت کل چھیا سٹھ مردوں کیساتھ آیا۔ مگر خروج ۱۸ میں لکھا ہے کہ صرف یعقوب اپنی صلبی بیٹوں کے ساتھ جن کی تعداد ۷۰ تھی۔ آیا۔

(۴) پیدائش ۲۲ میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے خدا کو دیکھا۔ اور اس جگہ کا نام یہوواہ میری رکھا۔ مگر خروج ۶ میں لکھا ہے۔ خدا موسیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر اپنا یہوواہ نام ظاہر نہیں کیا (۵) یرمیاہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ اے صدقیا تو تلوار سے نہیں مرے گا۔ بلکہ آرام سے۔ اور تجھے پڑھو یہوواہ سنگائی جائیگی۔ مگر یرمیاہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ صدقیا کے سامنے اس کے بیٹوں کو مارا گیا۔ پھر اس کی آنکھیں نکالی گئیں۔ اور پتیل کی زنجیروں سے جکڑا گیا۔ اور مرنے کے دن تک قید خانہ میں رہا (۶) ۲۔ سلاطین ۲۴ میں لکھا ہے۔ یہو یقیم بادشاہ باپ دادول میں شامل ہو کر

سورہ۔ اور اسکی جگہ اسکا بیٹا بادشاہ ہوا۔ مگر یرمیاہ $\frac{32}{33}$ میں لکھا ہے۔ کہ وہ
مع خاندان کے تباہ کیا جاوے گا۔ اس کی نسل سے کوئی تخت نشین نہ ہوگا۔ اور
اسکی لاش پھینکی جاوے گی۔ تاکہ گرمی اور سردی میں بہرہ رہے۔

(۷) مرقس $\frac{14}{15}$ و $\frac{16}{17}$ میں لکھا ہے۔ کہ یرمیاہ سے نکلتے وقت راستے میں ایک اندھا
نکلا۔ مگر متی $\frac{20}{21}$ و $\frac{22}{23}$ میں لکھا ہے۔ کہ دو اندھے۔

(۸) مرقس $\frac{8}{9}$ کہ یسوع کو ایک شخص بد روح والا ملا۔ مگر متی $\frac{9}{10}$ میں دو کا ذکر
(۹) مرقس $\frac{14}{15}$ میں مسیح کی قبر میں ایک سفید پوش آدمی مگر لوقا $\frac{24}{25}$ میں دو آدمیوں
کا ذکر ہے۔

(۱۰) مرقس $\frac{15}{16}$ و متی $\frac{26}{27}$ دونوں میں ہے۔ کہ مسیح کے ساتھیوں یعنی دونوں چوروں
نے مسیح کو ملامت کی۔ اور طعنہ کیا۔ مگر لوقا $\frac{23}{24}$ و $\frac{25}{26}$ میں لکھا ہے۔ کہ ایک نے طعنہ
دیا۔ اور دوسرے نے اپنے ساتھی کو اس بات سے باز رکھا۔

(۱۱) متی $\frac{27}{28}$ میرے بھائیوں کو کہو۔ کہ گلیل کو جاویں۔ وہاں مجھے دیکھیں گے۔ مگر
یوحنا $\frac{14}{15}$ میں لکھا ہے۔ کہ میرے بھائیوں کو کہہ دو۔ کہ میں اب خدا اور باپ کے
پاس آسمان پر جاتا ہوں۔

(۱۲) متی $\frac{26}{27}$ کہ مسیح کو پکڑوانے والے یہود اسکو یوحنا نے مسیح کی گرفتاری پر
جو روپیہ لیا تھا۔ اس کو میکیل میں واپس آکر پھینک دیا۔ مگر اعمال $\frac{1}{2}$ میں لکھا ہے۔ کہ اس
نے اس روپیہ سے ایک کھیت مول لیا۔

(۱۳) متی $\frac{27}{28}$ کہ مسیح نے یونس جیسا معجزہ دکھانے کا اظہار کیا۔ مگر متی $\frac{28}{29}$ اور یوحنا
 $\frac{3}{4}$ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسیح اپنی قبر میں صرف ایک ہی دن رہا۔ اور پھر غائب ہو گیا
(۱۴) لوقا $\frac{24}{25}$ و یوحنا $\frac{3}{4}$ ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پطرس کو مرغ
کی بانگ سے قبل ہی مسیح کا انکار کرنا پڑے گا۔ مگر مرقس $\frac{14}{15}$ و $\frac{16}{17}$ سے معلوم ہوتا
ہے۔ کہ مرغ کے دوبار بانگ دینے کی شرط ہے۔ نہ کہ مطلق۔ اور ایسا ہی ہوا۔

(۱۵) لوقا $\frac{1}{2}$ میں مسیح کا اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ بیٹھ کر عید الفطر کے دن

جس دن فسح ذبح کرنا ضروری تھا۔ بیٹھ کر کھانا۔ اور یوحنا $\frac{19}{14}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بے چارا تو عدالت میں رہا۔

(۱۶) یوحنا $\frac{14}{14}$ میں مسیح اپنے آپ کو باپ سے چھوٹا کہتا ہے۔ مگر فلیپیوں $\frac{14}{14}$ میں خدا کے برابر ہونے کو قیمت نہ جانا۔

(۱۷) یوحنا $\frac{14}{14}$ میں مسیح نے اپنے متعلق اپنی گواہی کو سچا قرار نہیں دیا۔ اور یوحنا $\frac{14}{14}$ میں اپنی گواہی کو سچا قرار دیا۔

(۱۸) متی $\frac{9}{9}$ میں لکھا ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ اگر کوئی ظلم پہ مارے تو دوسری گال آگے کر دو۔ مگر لوقا $\frac{22}{22}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے حواریوں کو ٹوٹے اور جھولی اور کپڑے بیچ کر تلوار خریدنے کا اپنی حفاظت کے لئے حکم دیا۔

(۱۹) متی $\frac{4}{4}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرناحیم میں داخل ہوتے ہی ایک صوبیدار نے اپنے بڑے کے علاج کے لئے بڑی منت سماجت کی اور لوقا $\frac{13}{13}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار پاس آیا ہی نہیں۔ یہودیوں نے سفارش کی تھی۔

(۲۰) اعمال $\frac{9}{9}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ سولس (جو پولوس ہی ہے) پر نور آیا۔ اور ساتھیوں نے آواز سنی۔ مگر کسی نے نہ دیکھا۔ مگر اعمال $\frac{16}{16}$ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے نور دیکھا۔ مگر آواز نہ سنی۔

(۲۱) سموئیل $\frac{31}{31}$ کہ ساؤل نے خود کشی کی۔ ۲۔ سموئیل $\frac{11}{11}$ میں ہے کہ ایک عمالیفی نے ساؤل کو مارا۔

(۲۲) لوقا $\frac{23}{23}$ کہ شمعون نام قرینی یسوع کے پیچھے پیچھے لئے جاتا اور یوحنا $\frac{14}{14}$ میں ہے۔ یسوع آپ اپنی صلیب اٹھا کر کھوپڑی مقام تک لے گیا۔

(۲۳) پیدائش $\frac{50}{50}$ میں ہے کہ یعقوب کا مدفن مکفیدہ کے کھیت کے کنارے میں جس کو ابراہام نے گورستان کی ملکیت کے لئے عفرون حتی سے ممر کے مقابل حولی

لیا تھا گاڑا۔ اور اعمال $\frac{14}{14}$ میں ہے۔ اس مقبرے میں جس کو ابراہام نے بنی ہبور سے لیا تھا۔ گاڑا۔

(۲۴۶) گنتی ۳۳-۳۸ میں ہے۔ کہ ہارون کی وفات کوہ ہور اور دم میں ہوئی۔ مگر استثناء
۲۶ میں لکھا ہے۔ کہ ہارون کی وفات موسیٰ میں ہوئی۔

(۲۴۷) رومیوں ۱۳ میں لکھا ہے۔ کہ شریعت پر چلنے والا راستباز اور رومیوں ۳
میں لکھا ہے۔ کہ راستباز نہیں۔

(۲۴۸) پیدائش ۲۵-۲۶ میں لکھا ہے۔ کہ انسان کو حیوانات کے بعد پیدا کیا۔ مگر
پیدائش ۱۸-۲۰ میں لکھا ہے۔ کہ انسان حیوانات کے پہلے پیدا ہوا۔

(۲۴۹) پاک جانور سات سات مزد مادہ اور ناپاک دو دو نر اور ان کی مادہ کشتی
نوح میں چڑھائے۔ پیدائش ۴ اور پیدائش ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ میں لکھا ہے۔
پاک جانور بھی دو دو کشتی میں رکھے۔

(۲۵۰) ۱۔ سلاطین ۱۵ ہر ایک ستون ۱۸ ہاتھ اونچا۔ ہر ایک گھیر سوت کا ۱۲ ہاتھ
مگر ۲۔ تواریخ ۱۵ میں ۲ ستون ۳۵ ہاتھ لمبے۔

(۲۵۱) خروج ۲۴-۲۵ تب موسیٰ اور ہارون اوپر گئے۔ اور بنی اسرائیل کے خدا
کو دیکھا۔ مگر خروج ۳۳-۳۴ اور بولا۔ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کوئی
انسان نہیں۔ کہ مجھے دیکھے۔ اور جیتا رہے۔ یعنی کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔

(۲۵۲) خروج ۳۱ کہ چھ دن میں خداوند نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور ساتویں
دن آرام کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ پھر لسیعہ ۳ اور اپنی خطاؤں سے مجھے تھکایا
مگر لسیعہ ۸ میں ہے۔ خداوند ابدی خدا ہے۔ زمین کے کناروں کو پیدا کر نیوالا
وہ تھک نہیں جاتا۔ اور ماندہ نہیں ہوتا۔

(۲۵۳) لسیعہ ۱۵ ہر ایک زبان میری قسم کھائیگی۔ مگر متی ۵-۳۵ پھر میں تمہیں
کہتا ہوں۔ ہرگز میری قسم نہ کھانا۔

(۲۵۴) پیدائش ۱۴ میں خدا نے قادر ہوں۔ متی ۱۹ پر خدا سے سب کچھ ہو سکتا
ہے۔ مگر قاضیوں ۱۶ خدا نے کوہستانیوں کو خارج کیا۔ پر نشیب کے رہنے والوں
کو خارج نہ کر سکا۔ کیونکہ ان کے پاس لوہے کی لاتھیں تھیں۔

(۳۳) گنتی ۳۹ خدا انسان نہیں۔ جو جھوٹ بولے۔ نہ آدم زاد ہے۔ کہ لشیمان ہو۔
 نیز۔ سموئیل ۱۵۔ مگر پیدائش ۶ میں ہے۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے
 سے بچھڑا۔ اور نہایت دلگیر ہوا۔

(۳۴) یوحنا ۳ باب بیٹے کو پیار کرتا ہے۔ اور سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دی
 ہیں۔ مگر مرقس ۱۶ میں ہے۔ اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا۔

(۳۵) ۲۔ سموئیل ۲۱۔ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا۔ کہ اس نے
 داؤد کے دل میں ڈالا۔ کہ ان کا مخالف ہو۔ مگر۔ تواریخ ۱۱ شیطان نے داؤد کو بھڑکایا
 (۳۶) امثال ۳ خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے۔ مگر موسیٰ ۶ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا
 کہ جا اور ایک زنا کار عورت اور زنا کے راز کے اپنے لئے لے۔

(۳۷) خروج ۳۲ پر معاف نہ کرے گا۔ بلکہ باپوں کے گناہ کا ان کے فرزندوں سے
 اور ان کے فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری چوتھی پشت تک بدلہ لیگا۔ نیز
 یسعیاہ ۴۱ و خروج ۲۰ مگر حزقیل ۱۸ شریک کی شرارت اسی پر ہوگی۔ نیز
 استشار ۲۲۔

(۳۸) خروج ۲۶ تو اپنے لئے صورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا پانی
 میں زمین کے نیچے ہے۔ مت بنا مگر خروج ۲۵ تصویریں بنائی گئیں۔

(۳۹) تمطاؤس ۶ خدا نور میں رہتا ہے۔ اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر۔ سلاطین
 ۱۱ تب سلیمان نے کہا۔ کہ خداوند نے فرمایا تھا۔ کہ میں گھٹا کی تاریکی میں رہوں گا۔
 (۴۰) ۲۔ تواریخ ۳۶ یہوکیں آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ مگر۔ ۲۔ سلاطین
 ۱۱ میں ہے۔ کہ یہوکیں جب تخت پر بیٹھا۔ اس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا۔

(۴۱) ۲۔ سلاطین ۱۱ یہوکیں نے تین مہینے بادشاہت کی۔ مگر۔ ۲۔ تواریخ ۳۶
 میں تین ماہ دس روز سلطنت کی۔

(۴۲) ۲۔ سلاطین ۲۵ پانچ آدمی جو بادشاہ کا منہ دیکھتے تھے۔ پکڑے۔ مگر
 یرمیاہ ۵۲ میں بادشاہ کے معاصیوں میں سے سات شخصوں کو پکڑنا لکھا ہے۔

(۴۳) زبور ۹۲ صادق کھجور کے درخت کی مانند لہلہائے گا۔ مگر یسعیاہ ۵۷ میں ہے۔ راستباز ہلاک ہوتا ہے۔

(۴۴) امثال ۱۲ صادق پر کوئی بڑا حادثہ نہ پڑے گا۔ مگر عبرانیوں ۲۲ خداوند جسے پیار کرتا ہے۔ اسے تنبیہ کرتا ہے۔ اور ہر ایک بیٹھے کو جسے وہ قبول کرتا ہے پیتا ہے۔

(۴۵) زبور آیت ۲۳ "خونی اور دغا باز لوگ اپنی آدمی عمر کو نہ پہنچیں گے" مگر ایوب ۲۱ میں شریروں کی عمر زیادہ بتلائی ہے۔

(۴۶) زبور ۷۳ دیکھو یہ شریروں جو سدا اقبال مند رہتے ہیں۔ وہ اپنی دولت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مگر ایوب ۱۹ میں ہے۔ ہاں شریروں کا چراغ ضرور بجھایا جائیگا۔

(۴۷) امثال ۲۱ سے یعنی شراب مستخراباتی اور مست کرنے والی ہے۔ نیز امثال ۳۱-۳۲ مگر استثنائاً ۱۴ جس چیز کو تیراجی چاہے۔ مول سے سے ہو یا مسکریا اور کوئی چیز۔

(۴۸) ۲۔ سموئیل ۱۶ سو ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ مگر سموئیل ۱۶ میکل بنت ساؤل کے پانچ لڑکے۔

(۴۹) یوحنا ۸ یسوع نے کہا۔ اگر میں گواہی دیتا ہوں۔ تو بھی میری گواہی سچ ہے۔ مگر یوحنا ۸ اگر میں اپنے پر گواہی دوں۔ تو میری گواہی حق نہیں۔

(۵۰) یسوع ملعون (گلیتوں ۱۳) ملعون نہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۲ باب آیت ۳)

(۵۱) "تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو۔ کہ وہ ناصری کہلائے گا" متی ۲۲

مگر عہد قدیم کے کسی صحیفہ میں یہ پیشگوئی نہیں ملتی۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ پہلے صحیفوں میں یہ پیشگوئی موجود تھی۔ مگر بعد میں نکال دی گئی۔ یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ متی میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ہو۔ بائبل کا پایہ اعتبار سے گونا گونا ثابت ہے۔

مصلحت میں دکار آساں کن

من نہ گوئیم کہ ایں مکن آں کن

(۵۲) ”اور اس وقت جو یرمیاہ بنی کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہوا۔ کہ انہوں نے اسکی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے۔“ (متی ۲۶) حالانکہ یہ ”یرمیاہ“ بنی کی معرفت نہیں کہا گیا تھا۔ بلکہ زکریا بنی کی معرفت کہا گیا تھا۔ (دیکھو زکریاہ ۱۲ و ۱۳)۔

(۵۳) ”یہودا اسکر یوطی نے جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی۔“ (متی ۲۶) لیکن اعمال ۱۸

”وہ سر کے بل گرا۔ اسکا پیٹ پھٹ گیا۔ اور ساری انتڑیاں نکل پڑیں۔“

(۵۴) ایک سردار (یا یرنامی) نے آکے کہا۔ کہ میری بیٹی مرجلی ہے (متی ۲۶) لیکن

لوقا ۲۴ و مرقس ۱۶ میں ہے۔ کہ ”میری بیٹی مرنے کو ہے۔ تو چل تاکہ وہ نہ مرے۔“

خلاف عقل و مشاہدات امور

۱، خدا پچھتایا۔ پیدائش ۲۲ علیم کل پھر پچھتایا۔ خلاف عقل ہے۔

۲، فرگوش جگالی کرتا ہے۔ (احبار ۱۱) خلاف مشاہدہ۔

۳، یربوع۔ جنگلی چوہا جگالی کرتا ہے۔ استثناء ۱۱

۴، باپ سے بیٹا دو سال بڑا۔ یہوورام بادشاہ باپ چالیس سال کی عمر میں مرا۔ (۲- تواریح ۲۱) تو اسکا بیٹا ۲۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا (۲- تواریح ۲۲) اور ۲۲

عیسائیت میں عورت کی حیثیت

اسلام :- ۱، عَاِشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهِنَّ (۳) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ اَهْلِيْهِ (۴) خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (۵) الْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ (۶) وَلِنَفْسِكَ عَيْنِكَ حَقٌّ وَ لَزَوْجِكَ عَيْنِكَ حَقٌّ۔

مگر انجیل

(۱) عورتیں کلیسیا کی مجلس میں نہ بولیں۔ (۱- کرنتھیوں ۱۴)

(۲) عورتیں سر نہ گوندھیں۔ سنگار نہ کریں۔ اچھے اور قیمتی کپڑے نہ پہنیں (۱- پطرس ۳)

اتیمتھیس $\frac{2}{10-8}$

(۳) عورتیں خاوند کی کامل مطیع رہیں۔ جیسے کلیسیا مسیح کی (انفیوں $\frac{5}{24-22}$)

واتیمتھیس $\frac{2}{11}$

(۴) عورتیں لمبے بال رکھیں۔ بال نہ کٹوائیں۔ ۱۔ کرنٹھیوں $\frac{11}{14-12}$

(۵) مرد عورت کے لئے نہیں۔ بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی (۱۔ کرنٹھیوں $\frac{11}{9}$)

(۶) عورت اپنے خاوند ہی سے پڑھے (۱۔ کرنٹھیوں $\frac{14}{13}$)

(۷) عورت معلمہ نہ بنے (۱۔ اتیمتھیس $\frac{2}{13-11}$)

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے بائبل

پہلی دلیل :- (۱) ”وہ بنی جو ایسی گستاخی کرے۔ کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا۔ یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ بنی قتل کیا جائے“ (استثنا $\frac{1}{14}$)

(ب) خداوندیوں کہتا ہے۔ کہ ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لے کر نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں میں نے نہیں بھیجا۔ یہ بنی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائیں گے (یرمیاہ $\frac{23}{14}$)

(ج) ”اور وہ (جھوٹا) بنی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا“ (استثنا $\frac{3}{14}$)
(د) چنانچہ انجیل اعمال $\frac{5}{34-33}$ میں دو جھوٹے نبیوں کا ذکر بھی ہے۔ جو مار گئے۔ اور ان کے متبعین تتر بتر ہو گئے۔ پہلے کا نام تھیوداس اور دوسرے کا نام یہودہ گیلی تھا

دوسری دلیل :- یسوع کہتا ہے۔ ”تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے“ (یوحنا $\frac{8}{14}$)

حضرت مرزا صاحب :- کون تم میں ہے۔ جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

تیسری دلیل۔ قبولیت دعا:- جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی۔ اس کے باعث بیمار بچ جائے گا۔ اور خداوند اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اور اگر اس نے گناہ کئے ہوں۔ تو ان کی بھی معافی ہو جائے گی۔ پس تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ اور ایک دوسرے کے لئے دعا مانگو۔ تاکہ شفا پاؤ۔ راستباز کی دعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ (یعقوب ۱۵-۱۶)

دیونا ۹

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

” میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں۔ کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں۔ اور ان کا میرا پاس ثبوت ہے۔“ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

مثالیں:- عبد الکریم۔ عبد الرحیم ابن نواب محمد علی شاہ صاحب و عبدالحی صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رہا۔

چوتھی دلیل:- اے اسرائیلیو! یسوع نامہری ایک شخص تھا۔ جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم کو دکھائے۔“ (اعمال ۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:- (۱) اور میرے مقابلہ سے خواہ انبیا کلام میں اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آ جانا اور میری تابعدار میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیوں کا پوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لئے میرے قبول کرنے کے لئے کافی ہیں۔ (تذکرۃ الشہداء ص ۱۲)

(۲) اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دینی تھی۔ وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں۔ اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے۔ اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔“ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

پانچویں دلیل :- یہ کبھی نصرت نہیں ملتی درمونی سے گندوں کو۔
 پولوس رسول کہتا ہے :- ”کیونکہ یہ تدبیر کا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا
 تو آپ برباد ہو جائے گا۔ لیکن اگر خداوند کی طرف سے ہے۔ تو تم ان لوگوں
 کو مغلوب نہ کر سکو گے“ (اعمال ۵/۳۸) (اب) جو پودا خدا نے نہیں لگایا۔ جڑ سے
 اکھاڑا جائیگا۔ (متی ۱۵/۱۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :-

یہ اگر انسان کا ہوتا تو بار بار ناقصا + ایسے کاذب کے لئے کافی قصاۃ پروردگار
 کچھ نہ ملتی حاجت تمہاری تمہارے ملکر کی + خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار
 (برائین احمدیہ حصہ پنجم)

چھٹی دلیل ۱۔ دانیال بنی کہتا ہے :-

”جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی۔ اور وہ مکروہ چیز جو خراب
 کرتی ہے۔ وہ قائم کی جائے گی۔ ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے۔ مبارک ہو
 جو انتظار کرتا ہے۔ اور ۱۳۳۵ روز تک آتا ہے“ (دانیال ۱۲/۱۱-۱۲)

چنانچہ حضرت مرزا صاحب ۱۲۹۰ھ ہی میں مبعوث ہوئے۔ یہ عجیب امر
 ہے۔ اور میں اسکو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں
 خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پاپکا تھا حقیقتہً الوحی ص ۱۹۹
 سالوں دلیل - مسیح موعود مشرق سے آئیگا۔ اور مغرب کی طرف بجلی کی طرح
 اس کی تبلیغ پہنچے گی۔ (متی ۲۴/۲۷)

آٹھویں دلیل - ستارے گرے گے۔ اور چاند سورج تاریک ہو جائیں گے
 (گرہن ۱۸۹۳ء) متی ۲۴/۲۹۔

(۲) چاند سورج اور ستاروں میں نشان ظاہر ہوں گے (لوقا ۲۱/۲۵)

نویں دلیل - لڑائیاں ہوں گی۔ بھونچال آئیں گے۔ اور مری پڑے گی۔ (طاعون)
 (لوقا ۲۱/۱۱) و زکریا ۱۳/۱۱) چنانچہ بائبل انگریزی زکریا ۱۳/۱۱ میں تو لفظ ”ہلک“ بھی موجود

۱۸۸۲ء میں یہ طاعون بھی پڑی۔

تو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت کیلئے۔ تادہ پور ہوں نشان جو ہیں سچائی کا مدار
دسویں دلیل۔ ”تو جان رکھ کہ جب بنی خداوند کے نام سے کچھ کہے۔ اور وہ جو اس
نے کہا ہے۔ وہ واقع اور پورا نہ ہو۔ تودہ بات خداوند نے نہیں کہی۔“ (استشار ۱۸)
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ تفصیل دیکھو
مضمون ”حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں مشمولہ کتاب ہذا“

گیارہویں دلیل۔ یسوع نے جموٹے اور سچے بنی میں مایہ الامتیاز یہ بتایا ہے۔
”درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے“ (متی ۱۵: ۲-۳) دلوفا ۶/۱۴

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی عملی حالت دیکھو۔
بارہویں دلیل ۱۔ ”پیادوں نے جواب دیا کہ انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا
جیسا یہ انسان کرتا ہے“ (یوحنا ۷)

گویا مسیح کا بے مثل کلام مسیح کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل تھی۔ اور یہی دلیل
قرآن مجید نے اپنی صداقت کی پیش کی ہے۔ ”لَنْ يَجْتَمِعَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ
كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا“ (بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(۱) میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں
کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

(۲) اعجاز احمدی لکھ کر دس ہزاری انعام شائع فرمایا۔

”خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دے گا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا“

(اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

(۳) اعجاز المسیح وغیرہ۔

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو۔ وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقی نمایاں ہے۔
(المسیح الموعود)

صداقت مسیح موعود پر عیسائیوں کے اعتراضات

پہلا اعتراض۔ مسیح ناصری نے ہی آسمان سے آنا تھا۔ مرزا صاحب مسیح کیسے ہو سکتے ہیں۔

الجواب۔ جس طرح یوحنا ایلیاہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب بھی مسیح ہو سکتے ہیں۔

تورات میں ہے۔ ”اور ایلیاہ رتھ سمیت آسمان پر چڑھ گیا۔“ (۲۔ سلاطین ۲۲) پھر لکھا ہے۔ ایلیاہ دوبارہ ”دنیا میں آئے گا“ (ملاکی ۴) مگر وہ آسمان سے نازل نہ ہوا۔ یسوع نے یوحنا کو پیدا ہوا تھا۔ ”ایلیاہ“ قرار دیا (متی ۱۷) اس طرح آج تم کہتے ہو۔ کہ مسیح آسمان سے آئیگا۔

(۲) انجیل سے ثابت ہے۔ کہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ”جب ابن آدم (یسوع) نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تحت پر بیٹھیںگا“ (متی ۱۹) دوسرا اعتراض۔ مسیح تو جلال کے ساتھ آسمان سے اترے گا۔ اور سب لوگ اس پر ایمان لے آویں گے۔

جواب۔ غلط ہے۔ یسوع نے تو صاف کہا ہے۔ ”لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا۔ اور انہوں نے اسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا۔ اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائیگا“ (متی ۱۷)

گویا جس طرح انہوں نے ”ایلیاہ“ کو جو آئینوالا تھا۔ ”یوحنا“ کی شکل میں نہ پہچانا۔ اور اس کی تکذیب کی۔ اسی طرح مسیح موعود کی بھی تکذیب کریں گے۔ اور وہی اعتراض پیش کریں گے۔ کہ اس نے آسمان سے نازل ہونا تھا۔

(ب) پھر یسوع کہتا ہے۔ کہ ”خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر نہ آئیگی۔“ (لوقا ۱۷) لہذا آسمان سے جلال کے ساتھ نازل ہونا چہ معنی دارد؟

(ج) مسیح کی آمد چور کی طرح ہوگی۔ (۲۔ پطرس ۳) دیکھیں ان کیوں ۵ (لوقا ۱۷) (متی ۲۴)

چو رات کو چھپ کر اور لباس بدل کر آتا ہے۔ یا جلال کے ساتھ اپنی اصل شکل میں۔ اسی طرح مسیح نے بھی بھیس بدل کر اپنے شیل کے رنگ میں آنا تھا۔ مگر تم نے اس کے کلام کو نہ سمجھا۔

تیسرا اعتراض: مسیح نے کہا تھا۔ بہت سے جھوٹے مسیح آئیں گے۔ تم ان پر ایمان نہ لانا۔ مرزا صاحب بھی انہیں میں سے ہیں خواہ کتنے نشان دکھائیں ہم نہیں مانیں گے۔

الجواب: یسوع نے جن جھوٹے مدعیان مسیحیت و نبوت کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہیں جو یسوع کو خداوند کہتے ہیں۔ اور اس کی روح لے کر اس کے فیض اور اسی کی برکت سے مسیحیت کے مدعی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔

”جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو۔ جو تمہارے پاس بیٹروں کے لباس میں آتے ہیں۔ مگر باطن میں پھاڑنے والے بیٹریے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔“ جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں۔ اس دن

بہترے مجھ سے کہیں گے۔ اے خداوند اے خداوند۔ کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی۔ اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے۔ (متی ۲۴: ۲۴) گویا وہ جھوٹے نبی لا، بُرے پھلوں والے (۱۲) یسوع کو خداوند کہنے والے (۱۳) اسی کی برکت سے سب کچھ

کرنے والے ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب میں یتیموں باتیں پائی نہیں جاتیں آپ تو یسوع کی الوہیت کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ آپ نے تحفہ تیسری میں مسیح کے نام سے آنے والا اپنے آپ کو کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ اصل مسیح چونکہ فوت ہو گیا ہے۔ اس لئے آئندہ لا شیل مسیح صنود ہی کا وجود باوجود ہے۔ ورنہ آپ نے یسوع کے فیض سے نبوت پانے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اہا یسوع کی عبارت مندرجہ متی ۱۶: ۱۷ میں ڈوئی جیسے عیسائی مدعیان مسیحیت و نبوت شامل ہیں جو الوہیت مسیح کے قائل اور اسی کے نام سے

ہر کام کے مدعی ہیں۔ (مثلاً عتیوداس اور یوداہ گھیلی دیکھو اعمال ۲۳:۵)
حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس پیشگوئی کو چسپاں کرنا سراسر ظلم ہے۔ آپ
کی اولاد اور جماعت کو دیکھو

چوتھا اعتراض۔ مری پڑنا۔ لڑائیوں کا ہونا۔ بھونچال آنا۔ چاند سورج کا
تار یک ہونا وغیرہ یہ نشان توحید کی آمد ثانی سے پہلے ہونے ہیں۔ نہ کہ اس
کی آمد کے بعد

الجواب۔ یہ عقلاً غلط ہے۔ سراسر ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کے بعد ہوتی
ہے۔ نہ کہ اس سے قبل؟ دنیا میں عالمگیر عذاب ہمیشہ نبی کی بعثت کے بعد اس
کی تکذیب کے بعد ہی آیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ
حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ اور یہی بات آپ کی تورات میں بھی لکھی ہے۔

اور یہ ہو گا۔ کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا۔ وہ امت میں سے نیست نابود
کر دیا جائے گا (امتثنا ۱۸ و اعمال ۳۱)

لہذا آپ کی انجیل کے کاتب نے اتنی غلطی کی ہے۔ کہ تیچھے واقع ہوئے
والی بات کو پہلے لکھ دیا۔ پس کاتب کا قلم باطل ہے۔ ریر میا ہے۔

اور انجیل میں لکھا ہے۔ کہ مسیح موعود کی آمد چانک ہوگی۔ اور اس کا اس
قبل کسی کو علم نہ ہو گا۔ پس اس سے پہلے بیابیاں وغیرہ پڑنا غلط ثابت ہوا۔ متی ۲۴
پانچواں اعتراض۔ مرزا صاحب کو ان کے گھر میں قبولیت نہ ہوئی۔ قلعیاں
میں بھی سب لوگ احمدی نہیں ہوئے۔ پنجاب اور ہندوستان نے ان کو قبول نہیں
کیا

الجواب۔ یہ عنفرت مرزا صاحب کی صداقت کی دلیل ہے۔ نہ کہ کذب کی۔
خود مسیح کہتا ہے۔ (و) میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول
نہیں ہوتا (لوقا ۱۱:۱۶) اب نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا کہیں جہیز
نہیں ہوتا (متی ۲۳:۳۷)

چھٹا اعتراض - مرزا صاحب کی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں محمدی بیگم

وغیرہ
الجواب - محمدی بیگم وغیرہ پیشگوئیاں تفصیل سے دوسری جگہ درج ہیں۔ یہ
پیشگوئیاں اندازی تھیں۔ اور تمہاری بائبل سے ثابت ہے کہ اندازی پیشگوئیاں
کل جایا کرتی ہیں۔ یونس نبی کی چالیس یومی پیشگوئی دیکھو۔ (یوناہ باب ۲ آیت ۳)
اسی طرح اپنے پولوس رسول کی پیشگوئی دیکھو (اعمال ۲۵: ۱۰)
پہلے کہا:

”اس سفر میں تکلیف اور بہت نقصان ہوگا۔ نہ صرف مال اور جہاز کا بلکہ
ہماری جانوں کا بھی (اعمال ۲۷) لیکن بعد میں کہا ”خاطر جمع رکھو۔ کیونکہ تم میں سے
کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا۔ مگر جہاز کا۔۔۔۔۔ ان سب کی خدا نے تیری
خاطر جان بخشی کی“ (اعمال ۲۷: ۲۲)

یسوع کی پیشگوئیوں کا سال مضمون ”قرآنی مسیح و انجیلی یسوع میں مذکور

ہے۔
تم یسوع کی ایک پیشگوئی انجیل سے سچی ثابت کر دو۔ ہم اس کے مقابلہ میں
حضرت مرزا صاحب کی واپس کریں گے۔ اور میدان میں نکل کر مقابلہ کر دو۔

دیدہ باب
ساتواں اعتراض - مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی جماعت
میں اختلاف پھیل گیا

الجواب - ذرا انجیل پڑھو۔ یسوع کی وفات کے عقوڑا ہی عرصہ بعد پولوس
کرنٹیوں کو یوں مخاطب کرتا ہے۔ ”اے بھائیو۔۔۔۔۔ غم میں تھکے ہوئے
ہیں۔“ (۱۔ کرنٹیوں ۱۱)

”تم میں ٹھنڈ ہے۔ کہ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہو۔“ (کرنٹیوں ۱۲)
آٹھواں اعتراض - مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مریم قرار دیا ہے

وہ عورت کس طرح بن گئے؟

الجواب انجیل پڑھو پولوس عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

(۱۱) "میں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ پاکہ امن کنواری کی مانند تم کو مسیح کے پاس حاضر کروں۔" (۲۔ کرنتھیوں ۱۱) گویا عیسائی یسوع کی بیویاں ہیں

(۱۲) "میں تجھے دلہن لینے برے کی بیوی دکھاؤں" (مکاشفہ ۱۲) اس میں یسوع کے بارہ شاگردوں کو یسوع کی بیویاں قرار دیا گیا ہے۔

(۱۳) یسوع نے اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "یہ ہے میری ما" (لوقا ۱۵)

لواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے اپنے متعلق حمل جیض دردزہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو مردوں کے لئے جائز نہیں
الجواب یہ سب استعارات ہیں۔ (ان کی تشریح غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب میں دیکھو) یہاں پر مختصر طور پر ذرا اپنی انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات پڑھ لو۔ (۱) پولوس عیسائیوں کو کہتا ہے۔ "کاش تم میری ہتھوڑی سی بے وقوفی کی برداشت کر سکتے۔ ہاں تم میری برداشت کرتے تو ہو۔ مجھے تمہاری بابت خدا کی سی غیرت ہے۔ کیونکہ میں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے تاکہ تم کو پاک دامن کنواری کی مانند مسیح کے پاس حاضر کروں۔" (۲۔ کرنتھیوں ۱۱) گویا تمام عیسائی کنواری عورتیں ہیں۔ اور پولوس نے ان کی شادی مسیح سے کر دی ہے۔

(نوٹ) اس عبارت میں پولوس نے اپنی بے وقوفی کا ذکر کیا ہے۔ اور (۲۔ کرنتھیوں ۱۱) میں اپنے آپ کو تکبر و تکبر آدمی بھی قرار دیا ہے۔ خادم
"پھر خواہش حالہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے" (یعقوب ۱۱)

(۱۲) پطرس عیسائیوں سے کہتا ہے۔ "تم فانی تم سے نہیں۔ بلکہ غیر فانی سے خدا

کے کلام کے ویسے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو۔ (۱۔ پطرس ۱: ۲۳)
 (۳) پولوس کہتا ہے۔ "کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مکر اب تک
 کراہتی تھیں۔ اور درودہ میں پڑتی پڑتی رہے۔ اور نہ فقط وہی بلکہ ہم بھی آپ
 اپنے باطن میں کراہ رہے ہیں۔" (رومیوں ۱۲: ۱۹)

(۴) اے میرے چچا! تمہاری طرف سے مجھے پھر جننے کے سے درود
 لگے ہیں؟ (دگلیوں ۱: ۱)

(۵) خدا کو درودہ۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ اور آپ کو رد کرتا رہا۔
 پھر اب میں اس عورت کی طرح جسکو درودہ ہو۔ چلاؤں گا۔ اور ہا نیونگا۔ اور زو
 زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔ (یسعیاہ ۶۰: ۱)
 سوال اعتراض۔ مرزا صاحب نے بعض کتابوں کے حوالے غلط دیے

ہیں۔
 الجواب۔ ہم حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کو سہو کتابت اور سبقت قلم
 سے پاک نہیں سمجھتے۔ خصوصاً جبکہ ہم آپ کو نبی مانتے ہیں۔ مگر ذرا اپنے خداوند
 یسوع کا بتایا ہوا حوالہ کہ داؤد نے اب ایسا تار سردار کاہن کے عہد میں اس
 کے گھر سے نذر کی روٹیاں کھائی تھیں۔ بائبل سے نکال دو۔ نیز متی میں
 جو یہ لکھا ہے۔

"تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو۔ کہ وہ نامری کہلائے گا"
 (متی ۱۷: ۱۲) اس کا حوالہ بائبل سے نکال دو۔

تمہارے انجیلی مہم کی دیانتداری کا یہ حال ہے کہ یسعیاہ ۶۰: ۱ کی عبارت
 "کنواری عامل ہوگی۔ بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوئیل رکھے گی۔" کو متی
 میں نقل کرتے ہوئے

"کنواری عامل ہوگی۔ اور بچہ جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوئیل رکھیں گے"
 کر دیا ہے۔ محض اس لئے کہ تمہارے خداوند کا نام اس کی والدہ نے عمانوئیل

نہیں۔ بلکہ یسوع رکھا تھا۔ ۴

کچھ تو لوگو خدا سے شرماء
گیا رھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی عبد اللہ آئتم والی پیش گوئی
پوری نہ ہوئی۔

الجواب۔ اس میں شرط تھی۔ "پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔
بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" (جنگ مقدس ص ۱۸۸)
چونکہ اس نے حق کی طرف رجوع کر لیا۔ اس لئے وہ پندرہ ماہ سے سزا سے
بچ گیا۔

اس کا ثبوت کہ آئتم راجح الی الحق ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے انعامی اشتہارات ہیں۔ آپ نے آئتم کو حلف مؤکد لبذاب اٹھانے کے
لئے چار ہزار روپیہ تک کا انعامی چیلنج دیا۔ مگر وہ میدان میں نہ آیا۔
علیائی۔ اس کے لئے حلف اٹھانا جائز تھا۔ روکیو یعقوب ۵/۱۱ (دستی)
اس لئے مرزا صاحب کا مطالبہ حلف درست نہ تھا۔

الجواب۔ غلط ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یسوع کے بعد اس کے
شاگرد اور رسول قسمیں کھاتے رہے۔ چنانچہ پولوس نے مسیح کی قسم بھی کھائی
۱۔ قضیلینکیوں ۲۸-۲۹ راجبلی اصطلاح میں خداوند سے مراد یسوع ہے۔
فخر کی قسم (۱۔ کرختیوں ۱۱)

اس لئے آئتم کا بہانہ شائستہ اقلنا ہونے کی وجہ سے صداقت حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گواہ ہے۔

بارھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی آمد کی وجہ سے تمام مسلمان پاک
نہیں ہو گئے۔ مگر خداوند یسوع کے "کفارہ" پر ایمان لانے سے ہم پاک ہو گئے
اور کفارہ کو چڑ سے کاٹ دیا۔

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے خدا تعالیٰ

سنت قدیمہ کے مطابق جماعت احمدیہ کا جو ایک پاکبازوں کی جماعت ہے
قیام کیا۔ کیا مسیح کی آمد پر تمام یہودی پاک ہو گئے تھے۔ وہاں یسوع کی
زندگی میں صرف بارہ آدمی ظاہری طور پر پاک ہوئے۔ جس کی حالت
کا نقشہ انجیل نے خوب کھینچا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا کے
فصل سے لاکھوں گنا کامیابی ہوئی۔

باقی رہا کفارہ سے گناہ کا جڑ سے کٹنا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ انجیل میں
ہے کہ یسوع کے بعد خود عیسائیوں میں "بدکاری" موجود تھی۔ چنانچہ پولوس
رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے۔ "یہاں تک سننے میں آیا ہے
کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی
نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے
اور تم افسوس تو کرتے نہیں۔ تاکہ جس نے یہ کام کیا۔ تم میں سے نکالا
جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو۔" (۱۔ کرنتھیوں ۵)

تیسرا سوال اعتراض مرزا صاحب کہتے ہیں :-

کرم فاکٹی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے تفرت اور انسانوں کی عار

گویا وہ اپنے آپ کو انسان بھی نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ وہ مسیح ہوں۔
الجواب۔ ذرا اپنی بائبل کو پڑھو۔ تاہم یہیں معلوم ہوں کہ تم جس
قول کو بڑھتی گدب پیش کر رہے ہو۔ وہی قول صداقت مسیح موعود کا مؤید ہے
داد دے کہتا ہے :-

"پہلی کیرا ہوں۔ نہ انسان۔ آدمیوں کا ننگ ہوں۔ اور قوم کی عار

(۲۲ زبور آیت ۶)

ب۔ تمہارا مسیح کہتا ہے :-

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں۔ اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے

مگر ابن آدم کے لئے سرو عہرنے کی جگہ نہیں " (متی ۲۴)

ج۔ پولوس کہتا ہے۔ "ہائے! میں کیسا گنہگار آدمی ہوں۔" (رومیوں ۴)

۲۔ "کاش کہ تم میری حقوڑی سی بے وقوفی کی برداشت کر سکتے۔"

(۲۔ کرنتھیوں ۱۱ باب ۲ آیت)

قرآن کا مسح اور ایل کا یسوع

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۱۔ ہمیں پادریوں کے اور ان کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیکر ہمیں آمادہ کیا۔ کہ ان کے یسوع کا کچھ حقوڑا ساحل ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زانی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ "اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل دیں۔ اور عہد کر لیں۔ کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے۔ تو ہم بھی عہد کر سگے۔ کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی۔ ورنہ جو کچھ کہیں گے۔ اس کا جواب نہیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ در حاشیہ ص ۵)

(۲) مسلمانوں کو واضح رہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی۔ کہ وہ کون تھا؟ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا۔ جس نے خدائی کا دعوے کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بھار کھا ادا آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵ حاشیہ)

(۳) ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ کہ حضرت

علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور استباز نبی مانیں۔ اور ان کی نبوت پر ایمان لادیں۔ سو ہمارے کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں ہے جو ان کی شان بزرگ کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔ (ایام الصلح ٹائٹل پیج ص ۱)

(۱۱) میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؑ یا حضرت مسیح جیسے استباز پر بد زبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید من عادی لی ولینا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۱۳)

(۱۲) موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدؐ کا سلسلہ میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جسکا ہنام ہوں۔ اور معند اور مغتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ (کشتی نوح ص ۱)

(۱۳) هَذَا مَا كَتَبْنَا مِنَ الْاِنْجِيلِ عَلَى سَبِيلِ الْاِذْعَانِ - وَ اِنَّا نَحْنُرُّ الْمَسِيحَ وَ نَحْنُ لَهُ اَنَّهُ كَانَ تَقِيًّا وَ مِنْ الْاَنْبِيَاءِ الْحَقِّ اَمَّا تَرْغِيبُ الْمُؤْمِنِينَ ص ۱۹ حاشیہ

(۱۴) ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شان مقدس کا بہر حال لحاظ ہے۔ اور صرف (پادری) فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے کیونکہ اس نادان (پادری فتح مسیح) نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت مسلم کو لگالی ہیں۔ اور ہمارا دل دکھایا ہے۔ (رسالہ فتح مسیح صفحہ ۱)

(۱۵) ہم اس بچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک مانتے اور مانتے ہیں جس نے خدائی کا دعوے کیا۔ نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰؐ کے آنے کی خبر دی۔ اور ان پر ایمان لایا۔ (فتح مسیح ص ۱۳)

زنیزدیکھو رسالہ آریہ دھرم ٹائٹل پیج آخری صفحہ و حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴

جنگ مقدس ص ۵۰ و انوار الاسلام ص ۱۲

غیر احمدی علامہ کی تحریرات

(۱) جناب مولوی رحمت اللہ صاحب ہماجر کی اپنی کتاب اذالۃ ادہام صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں: "ہمراہ جناب مسیح بیار زناں ہمراہ گشتند و مال خود سے خورائند و زناں قاحشہ پایہا آئینہ تاب راسے پوشیدند و آئینہ تاب مراد مریم راد درست است و خود شراب پڑنے نوشیدن و یگو کساں عطائے فرمودند"

(۲) مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لکھتے ہیں: "نصاری جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ سے کرتے ہیں۔ تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دارد مدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹے ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم۔ البتہ ان کے خیال میں مہتی۔ اپنی خیالی تصویر کو پوجتے ہیں اور اسی سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔" (ہدایت الشیعہ ص ۲۷۴ و ۲۷۵)

(۳) جناب مولوی آل حسن صاحب فرماتے ہیں: "حضرت عیسیٰ کا مجزہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض بھان متی کرتے پھرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا۔ بعد اس کے رب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا۔ کہ اٹھ کھڑا ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔" (استفسار ص ۲۲) (۴) اشعیا اور ارمیاہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی بہت سی غیب گوئیوں قواعد رمل و نجوم سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر (استفسار ص ۲۳) (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو مد سے زیادہ جوگایاں دیں۔ تو ظلم کیا؟ (منہ ۴۱۹)

حضرت مسیح علیہ السلام اور یسوع کے دو چلے

موجودہ انجیل نے یسوع کی ایسی گندی تصویر کھینچی ہے کہ اسے دیکھ کر کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خدا کے اس برگزیدہ نبی کی تصویر ہے۔ جسے قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اقدس مسیح ابن مریم کے نام سے مبروم کیا ہے۔

آؤ ذرا قرآن کے مسیح اور انجیل کے یسوع کا مقابلہ کریں۔
 (۱) نسب نامہ۔ قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ کو بالکل
 پاک اور مطہر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مَآکَانَ الْبُولِ اَصْرًا سَوَّوْا وَمَا كَانَتْ
 اُمْلٰی یَحْیٰی (مریم ع ۱۲) مگر انجیل کے یسوع کا نسب نامہ سخت ناپاک اور
 گندہ ہے۔ چنانچہ انجیل متی ۱۰ میں یسوع مسیح کا نسب نامہ اُس کے عنوان کے
 نیچے تین عورتوں نامار۔ راحاب اور اوریاہ کی بیوی (بنت یسح) کا ذکر ہے۔
 (متی پہلا باب آیت ۲-۵-۷) اور تورات میں لکھا ہے۔ کہ یہ تینوں بدکار
 اور دنیا کار عورتیں تھیں۔ ملا خطہ ہو۔ راحاب فاحشہ تھی بدیشوع پہا نامار نے
 اپنے خسر سے دنیا کیا بد پیدائش (۱۹-۱۹) بنت یسح زوجہ اوریاہ نے (نعوذ باللہ)
 داؤد سے دنیا کیا۔ (۲ سموئیل ۱۱) تورات میں ہے "بدکاروں کی نسل کبھی نام آؤ
 نہ ہوگی" (دیکھو یسعیاہ ۱۱) "حرامی بچہ دس پشت تک خدا کی بادشاہت
 میں داخل نہ ہوگا" (استشعار ۲۳)

(۲) مریم کا صدیقہ ہونا۔ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو
 "صدیقہ قرار دیا ہے۔ وَامْرَاَتُہٗ صِدِّیْقَۃٌ (مائدہ ع ۱۰) وَصَدَّقَتْ بِکَلِمَاتِ
 رَبِّہَا (سورہ تحریم آخری رکوع) گویا وہ حضرت عیسیٰ پر کامل طور پر ایمان لاتی۔ اؤ
 خدا تعالیٰ کی باتوں پر کما حقہ عمل کرتی تھی۔ مگر انجیلی یسوع کے متعلق انجیل سے
 معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ماں اس پر ایمان نہ لاتی تھی۔ اور خدا کی بھی نافرمان
 تھی۔ چنانچہ متی ۱۲: ۴۷-۵۰ میں ہے کہ اس کی ماں اور اس کے
 بھائی جب یسوع کو ملنے آئے۔ تو وہ اپنے شاگردوں میں کھڑا تھا کسی نے
 جب اس کو بتایا کہ تیری ماں اور تیرے بھائی تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو
 اس نے جواب دیا "کون ہے میری ماں؟ اور کون ہیں میرے بھائی؟" اپنے
 شاگردوں کی طرف مونہ کر کے کہا۔ "میری ماں اور میرے بھائی تو یہ
 ہیں۔ جو خدا کا کلام سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں" (لوقا ۱۰) گویا اس کی

ماں اور اس کے بھائی خدا کے کلام کو سنتے اور اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ اُنھی خدا کی مرضی پر چلنے والی اور اس کی باتوں پر عمل کرنے والی ہوتی تو وہ یسوع کے بیان کردہ معنوں کی رد سے اس کی رد عانی ماں بھی ٹھہرتی۔ تو اس عورت میں یسوع پر اس کی دینی عزت لازم آتی۔ مگر اس کا کون ہے میری ماں کہنا اور پھر ماں کے معنی بیان کر کے اپنے شاگردوں کو اس میں شامل کرنا۔ اور جسمانی ماں کو اس سے باہر نکالنا عبات طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ اس کی ماں اس پر ایمان نہ لائی۔ لہذا انجیلی یسوع اُمِّ صِدِّیقَتہ کا مصداق نہ رہا مندرجہ بالا استدلال انجیل کی عبارت سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ یہ کیونکہ اس کے بھائی بھی اس پر ایمان نہ لائے تھے۔ (یوحنا ۷) کیا کوئی عیسائی موجودہ انجیل میں سے کوئی ایک ہی حوالہ ایسا پیش کر سکتا ہے کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ یسوع کی ماں مریم یسوع پر ایمان لاتی تھی۔ ہرگز نہیں۔

(۳) ماں سے بدسلوکی قرآن مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کو بتا دیا (مریم ۲۷) قرار دیا ہے۔ اور یوں بھی "لَا تَقُلْ لِّهٰذَا اٰیٰتٍ" کے عام حکم سے انبیاء علیہم السلام کا استخشا نہیں۔ لہذا حضرت عیسیٰ اپنی والدہ کے کامل طور پر وفادار تھے۔ اور اس سے انتہائی طور پر نیک سلوک کرتے تھے۔ مگر انجیل کا یسوع اپنی ماں کو "کون ہے میری ماں" (متی ۱۲: ۵۰) اسے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" (یوحنا ۸) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ گویا اپنے آپ کو اس سے کلی طور پر مستغنی اور بے تعلق قرار دیتا ہے۔ اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ ایسا آدمی یسوع کے فتوے کے مطابق واجب القتل ہے (متی ۱۵: ۱۰) ورومیوں ۱۲: ۱۰ لہذا وہ بترا ابو الدی کا مصداق نہ رہا۔

(۴) پاک انسان ہونا۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کے متعلق اَیَّدْنَاہٗ بِرُوحِ الْقُدُسِ فرمایا ہے۔ گویا وہ بہت پاک اور مقدس انسان تھے جس طرح کہ خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء ہونے میں۔ مگر انجیل کا یسوع انجیل

کی مدد سے ایک پاک کیرکیر کا انسان ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) ایک بدکار عورت سے محبت۔ وہ اس کے پاؤں پر ایک بدچلن عورت نے عطر ڈالا۔ (لوقا ۱۰) ب "عطر ڈالنے والی بدچلن عورت کا نام مریم تھا۔ جو مرثقا۔ اور لسنز کی بہن تھی۔ (یوحنا ۱۱ و ۱۲) ج "یسوع اس بدچلن عورت سے محبت رکھتا تھا۔ (یوحنا ۱۱) د "اس بدچلن عورت کو بھی یسوع سے محبت تھی۔ (لوقا ۱۰) ۵ "وہ بدچلن عورت روئی۔ تو یسوع بھی گھبرا کر رونے لگا (یوحنا ۱۱) ۶ یسوع اس بدچلن عورت کے گھر گیا۔ اور اس سے تنہائی میں باتیں کرتا رہا (لوقا ۱۰) ۷ اس کے ساتھ عورتیں رہتی تھیں (لوقا ۱۰ و متی ۲۶) ۸ ایک بدچلن سامری عورت سے جو کئی خاوند کرچلی تھی یسوع نے تنہائی میں معنی خیز گفتگو کی (یوحنا ۴) یہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے "اتنے میں اس کے شاگرد آگئے۔ اور تعجب کرنے لگے۔ کہ وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم کسی نے نہ کہا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ یا اس سے کس لئے باتیں کرتا ہے۔ پس عورت اپنا گھڑا اچھوڑا کر شہر کو چلی گئی۔ ط ایک نوجوان لڑکے سے محبت (یوحنا ۱۱ و ۱۲) ۱۹

ی اس کو گود میں اٹھانا اور چھاتی سے لگانا (یوحنا ۱۳ و ۱۴) ۲۰ گویا اس لڑکے سے یسوع کو محبت تھی۔ اور شاگرد یسوع سے جب کوئی راز کی بات پوچھنا چاہتے۔ تو براہ راست پوچھنے کی بجائے اس لڑکے کے ذریعہ سے دریافت کرتے۔ اور یسوع بتا دیتا۔ یوحنا ۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو یہ فکر تھا کہ یسوع کے چلے جانے کے بعد اس لڑکے کا کیا حال ہوگا۔ اور اس کا کون پرسان حال ہوگا۔ مگر یسوع نے مہل سے فقرہ میں بات کو ٹال دیا۔ یہی اور اسی قسم کی اور باتیں تھیں۔ کہ جن کی بنا پر جب پیلاطوس نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم یسوع پر کیا الزام لگاتے ہو۔ تو انہوں نے جواب میں اس سے کہا کہ اگر یہ بدکار نہ ہوتا۔ تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے۔ (یوحنا ۱۸)

بدنمونہ۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح کو مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ (زخوف ع ۶۱) یعنی بنی اسرائیل کے لئے اچھا نمونہ قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع کا نمونہ اور اس کے اخلاق و عادات قطعاً اس قابل نہ تھیں۔ کہ کوئی منصف مزاج انسان اس کو اچھا نمونہ کہہ سکے۔

(۱) گالیلا۔ زنا کار لوگ (متی ۱۲/۱) "اے سانپو! افی کے بچو۔" بدکار و اندھو وغیرہ (متی ۲۳/۲۴)

(۲) گندے ہاتھوں سے کھانا کھانا۔ اس کے بعض شاگردوں نے جب اس کی موجودگی میں ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے روٹی کھائی۔ (مرقس ۷/۲۶) تو اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں بجائے اپنے شاگردوں کو تادیب کرنے کے الٹا یہودیوں سے بحث کرنا شروع کر دیا۔ اور کہا کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر انسان کو ناپاک نہیں کر سکتی (مرقس ۷/۱۵) بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی ۲۳/۵)

(۳) مغلوب النصب تھا۔ (۱) یہودیوں کو گالیاں دیں (۲) انجیر کے درخت پر بلا وجہ عرصہ کھایا۔ (مرقس ۱۱/۱۱) (متی ۲۱/۱۹)

(۴) غیر کی چیز پر بلا اجازت ہاتھ صاف کرنا جائز سمجھتا تھا۔ اس کے شاگردوں کا بالیں توڑنا اور اس کا حمایت کرنا (متی ۲۳/۱۵) (مرقس ۱۱/۱۷)

(۵) بزدل ہونا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے بندوں کی عموماً اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصاً یہ صفت بتائی ہے۔ کہ وہ بزدل نہیں ہوتے۔ اَلَا اِنَّ اَوَّلِيَّاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (یونس ع ۴) کَتَبَ اللّٰهُ لَا اَغْلِبُ اَنَا وَرُسُلِي (پارہ ۲۸ مجادلہ ع ۳)

کجا غوغائے شاں از خاطر من دشتے آرد
کہ صادق بزدلے نبود و گر بیند قیامت را (مصحح موعود)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے۔ لہذا بزدل نہ تھے۔ مگر انجیل

کا یسوع نبردل تھا۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) قتل کا مشورہ من کر چھپ کر چلا گیا۔ اور کہا کہ کسی کو میرا نام نہ بتانا (متی ۱۵)

(۲) "ایک شہر میں تمہیں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ" (متی ۲۳)

(۳) اسی تعلیم کے نتیجے میں پولوس رسول قید خانہ سے سیوا جی کی طرح ٹوکرے

میں بیٹھ کر بیٹھا تھا۔ (۲ کرنتھیوں ۱۱) (۴) جب یہودیوں نے مارنے کو پتھر

اٹھائے۔ تو ڈر کر کہا۔ سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں (یوحنا ۸)

مفسد ہوتا۔ خدا کے انبیاء دنیا میں اصلاح کی غرض سے آتے ہیں۔

جیسا کہ "إِن أُرِيدُ إِلَّا إِصْلَاحًا مَّا اسْتَطَعْتُ" (صودع ۸) لہذا حضرت

عیسیٰ علیہ السلام بھی بوجہ نبی اور رسول ہونے کے بنی اسرائیل کی اصلاح ہی کے لئے

آئے تھے۔ "مفسد ہونا" تو قرآن مجید نے منافق کی نشانی قرار دی ہے۔ مگر انجیل

کا یسوع دنیا میں اصلاح کے لئے نہیں۔ بلکہ فساد کے لئے آیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) یہ نہ سمجھو کہ میں زمین میں صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح نہیں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا

ہوں۔ (متی ۲۶) اور کہا "کپڑے بیچ کر تلوار خریدو" (لوقا ۲۲) ب۔ "میں

زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں۔ اور اگر آگ لگ چکی ہوتی۔ تو میں کیا ہی خوش

ہوتا۔ تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں

بلکہ جدائی کرانے کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں

باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا۔ اور بیٹا باپ سے" (لوقا ۱۲) ج۔ میرا ہی شاگرد

ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ۔ بیوی۔ بچوں۔ بہنوں بھائیوں کا دشمن ہو لوقا ۱۴

د اور خود ہی کہتا ہے۔ "جس گھر میں بیوٹ پڑے۔ وہ برباد ہو جاتا ہے" (لوقا ۱۳)

عیسائی۔ خدا کے نبی جب آتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ کچھ ایمان

لے آتے ہیں۔ اس طرح تفریق پڑ جاتی ہے

احمدی خدا کے انبیاء کی آمد سے دو مخالفت جماعتوں کا ہونا انبیاء کی آمد کی

غرض نہیں قرار دی جاسکتی۔ گو اس کو بشت نبوت کے متعلق قرار دے لیا جائے

مثلاً ایک طالب علم بی۔ اے کا امتحان دے۔ اور اس میں فیل ہو جائے۔ امتحان دینے سے اس کی غرض تو پاس ہونا تھا۔ مگر وہ خلاف منشاء فیل ہو گا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان اس لئے دیا۔ تاکہ وہ فیل ہو جائے۔ تو یہ خلاف عقل ہو گا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں نبی دنیا میں اس لئے آیا۔ کہ تادم دنیا میں لڑائیاں ہونے لگ جائیں۔ یا کل خلاف عقل ہے۔

شیطان کا ساقطی۔ قرآن مجید کہتا ہے: "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا" (پارہ ۱۴ آخری آیت) کہ متقیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور انبیاء کے ساتھ تو بوجہ ان کے اتقی الناس ہونے کے سب سے زیادہ۔ لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ تھا۔ مگر انجیل میں جو یسوع کی سوانح زندگی درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ نہ تھا۔

(۱) اس کی ناکام زندگی (۲) اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہنا (متی ۲۷/۳۴) (۳) شیطان کا اس کے ساتھ چالیس روز رہنا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے لئے اس سے جدا ہونا۔ (لوقا ۴/۱۳)

جھوٹ بولنا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء سے زیادہ سچے اور سچ بولنے والے اور استباز ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی رشتگو اور صداقت شعار انسان تھے۔ مگر انجیل کا یسوع رشتگو نہ تھا۔

(۱) بھائیوں کو کہا۔ کہ تم میرے ساتھ جاؤ۔ میں نہیں جاتا۔ مگر جب وہ چلے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے چپ کر خود بھی چلا (یوحنا ۱۴/۳۰) (۲) یوحنا۔۔۔ چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنے والا تھا۔ یہی ہے۔ (متی ۱۷/۳) (۳) "داؤد۔۔۔ سردار کا بن ایسا تار کے عہد میں خدا کے گھر میں گیا۔ اور مذکر کی روٹیاں کھائیں" (قرس ۱۳/۲۳) حالانکہ وہ سردار ایسا تار نہیں۔ بلکہ اخیلیک تھا (اسموئیل ۱۷/۲۳)۔

عَلَيْكُمْ شُكْرًا۔ قرآن مجید کَلَّا يُظَاهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا

مَنْ ارْتَضَى مِنِّي دَسْوَلِي كَسْ مَطَابِقِ تَمَامِ انْبِيَا كِي صِدَاقَتِ كَا مَعْيَارِ اِنْ كِي سِجِي
 پشگونیوں قرار دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی پکے نبی ہونے
 کی وجہ سے اس میں داخل ہیں۔ مگر انجیلی یسوع کی تمام پیشگوئیاں غلط نکلیں
 (۱) تم اسرائیل کے تمام شہروں میں نہ پھر چکو گے۔ کہ میں آ جاؤں گا۔ (متی ۲۳)
 (۲) تم میں سے کئی زندہ ہوں گے۔ کہ میں آ جاؤں گا۔ (متی ۲۴ و مرقس ۱۳)
 (۳) شاگردوں کو کہا۔ تم میرے ساتھ حکومت کرو گے۔ (متی ۱۹) (۴) ساتھ
 مصلوب ہونے والے چور کو کہا۔ تو میرے ساتھ آج ہی جنت فردوس میں ہو گا
 (لوقا ۲۳) مگر وفات کے تین دن بعد کہتا ہے۔ کہ میں ابھی تک خدا کے پاس
 اوپر نہیں گیا۔ (یوحنا ۲) (۵) پطرس کو جنت کی کنجیاں دیں۔ (متی ۱۶) مگر
 عیسای کو شیطان کہا۔ (متی ۱۶) (۶) حضرت یونس کا معجزہ ان کو دیا جائے گا۔
 (متی ۱۲) ب۔ یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ (تورات
 یونس ۱) آخری آیت پرانی بائبل (ج۔ یسوع ایک ہی دن زمین میں رہا۔
 (لوقا ۲۴) (متی ۲۴) در یونس زندہ مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ مگر بقول عیسائیوں
 یسوع مکر رہا

طعون ہوتا۔ قرآن مجید سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جَعَلَنِي مَبَارَكًا
 اَيْنَمَا كُنْتُ (مریم ۲) کے الفاظ میں "مبارک" قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع
 بروئے انجیل لعنتی تھا

(۱) و۔ یسوع لعنتی تھا۔ کیونکہ صلیب پر لٹکایا گیا۔ (رگلتیوں ۲) ب۔ جو صلیب
 دیا جائے وہ خدا کا طعون ہے۔ (استشار ۲)

(۲) و۔ پطرس کو کہا۔ جو تو زمین پر باندھیا گیا۔ آسمان پر وہی بندھیگا۔ (متی
 ۱۶) ب۔ پطرس نے یسوع کو لعنت کی۔ (متی ۲۶)

مکذّب انبیاء قرآنی یسوع تمام پیغمبروں کا مصدق تھا۔ اور اپنے بعد
 بھی بعض انبیاء کی آمد کا بشر میں کہ سورہ صف ۱۲ میں ہے۔ مگر انجیلی یسوع

تمام انبیاء کو چور اور ڈاکو کہتا تھا۔ اور بعد میں کہنے والوں کو جھوٹا کہتا تھا: جتنے
 مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں۔ (یوحنا ۱۰) اور بہت سے جھوٹے
 نبی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (متی ۲۴) پس قرآن کا یہ صحیح موجودہ انجیل والا
 یسوع نہیں ہو سکتا۔ فافہموا ایھا العاقلون الطالبون الحق
 شراب (۱) یسوع نے سب سے پہلے جو معجزہ دکھایا۔ وہ شراب بنانا تھا (یوحنا ۴)
 (۲) پھر کہا۔ "نئی سے نئی مشکوں میں بھرنی چاہیے۔" (لوقا ۵)
 (۳) پولوس کہتا ہے۔ "مقوڑی سی شراب پی لیا۔" (تیمتھیس ۵)
 بھائی! اور نہیں "اس کے بھائی اس کے پاس آئے۔" (لوقا ۱۱) ورس
 (۴) یوحنا ۶) اس کی نہیں (متی ۱۶)

رسالہ التثلیث فی التوحید (معنی پادری عبدالحق صاحب)

مدلل و مکمل جواب (از اردوئے منطق و فلسفہ)

(نوٹ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس شانہ از طریق سے کسر صلیب کی
 ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک اس امر میں بھی پائی جاتی ہے۔ کہ آج
 ہندوستانی عیسائیوں میں کوئی عالم نہیں۔ یہاں تک کہ پادری عبدالحق صاحب
 ہی ان کے واعظ۔ لیکچرار۔ مناظر سبھی کچھ ہیں۔ پادری صاحب موصوف کوئی
 عالم آدمی نہیں ہیں۔ نہ آپ کو زبان عربی سے واقفیت ہے۔ یہاں تک کہ اگر
 کسی عربی کتاب پر اعزاب (زیر دیر) لگے ہوئے نہ ہوں۔ تو ایک سطر بھی نہیں
 پڑھ سکتے۔ صرف چند منطقی اصطلاحات ہیں۔ جو پادری صاحب نے زبانی یاد
 کی ہوئی ہیں۔ انہی کو بے موقوفہ بے محل پڑھ پڑھ کر وہ عام عیسائیوں پر اپنے
 علم و فضل کا ادب ڈالتے رہتے ہیں۔ پادری صاحب موصوف نے ایک سال

التشبیہ فی التوحید کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس میں انہی چند متفق اصطلاحات کو بالکل غلط طور پر بے محل استعمال کر کے تشبیہ کے خلاف عقل و نقل کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چونکہ عام طور پر عیسائی دوست اپنی سادگی اور نادانیت کے باعث پادری صاحب اور ان کے رسالہ پر برا ناز کیا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا جواب جناب میر محمد اسحاق صاحب فاضل نے رقم درمیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔ درند جماعت احمدیہ کی نظروں میں نہ پادری صاحب کی کچھ اہمیت ہے۔ نہ ان کے رسالہ کی۔ جواب کے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔ اور وہ یہ کہ گو خوف طوالت پادری صاحب کے دلائل کو الگ طور پر درج نہیں کیا۔ تاہم ہر جواب کے شروع میں ان کی دلیل کا پورے طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً جواب عا میں لفظ "اگر سے پادری صاحب کی پہلی دلیل شروع ہوتی ہے۔ اور الفاظ "کثرت کا پایا جانا بھی ضروری ہوگا۔ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس دلیل کا جواب تو یاد رکھنا چاہیے کہ الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ وقش علی ہذا۔ خادم

جواب عا (الزامی) اگر کثرت کا مفہوم بغیر وحدت کے مفہوم سے انسانی شعور میں نہیں آسکتا۔ اور اوپر اور نیچے کی طرح ایک مفہوم کے سمجھنے کے لئے دوسرے کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ اور کسی بغیر مبینی کے اور مبینی بغیر مبینی کے کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔ اور وحدت اور کثرت میں ملازمت ہے۔ اس لئے جہاں وحدت پائی جائے گی۔ وہاں کثرت کا پایا جانا بھی ضروری ہوگا۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ بینیہ اسی طرح "ذہب کے مفہوم کے لئے" امکان کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے۔ اور وجود کے لئے "عدم" کا "لطافت کے لئے" کثافت کا "علم کے لئے" جہالت کا "قدرت کے لئے" ضعف کا "زندگی کے لئے" موت کا۔ اس لئے ذات باری کو صرف جامع الکثرت والوحدت ہی نہ سمجھو بلکہ "موت و حیات" "قدرت و ضعف" "ذہب امکان" "وجود و عدم" علم و جہالت

سب کا جامع سمجھو۔ تعالیٰ اللہ عما یصفون

جواب عطا خواند اور بیوی ابوت اور نبوت۔ بادشاہ اور علیا آقاؤ
نکر قنارب اور مفرد۔ یہ سب نسبتی امور ہیں۔ اور وحدت اور کثرت کے معیار
کے مطابق ان میں سے جب کوئی پایا جائے گا۔ تو لازماً دوسرا بھی اس کے مقابل
پر پایا جانا چاہیے۔ حالانکہ یہ شاید کے خلاف ہے۔

جواب ع ۳ وحدت اور کثرت کا مفہوم سمجھنے کے متعلق تو یہ اصول صحیح ہے
کہ ایک کا تعقل دوسرے کے تعقل پر موقوف ہے۔ لیکن وحدت اور کثرت کے
مصدق کے لئے فردی نہیں ہے۔ کہ وہ دوسرے کا بھی مصداق ہو۔ بلکہ جو وحدت
کا مصداق ہوگا۔ اس کے لئے فردی ہے۔ کہ وہ کثرت کا مصداق نہ ہو۔ کیونکہ واحد
اسے کہتے ہیں۔ جو کثیر نہ ہو۔ اور جب تک کسی کو کثرت سے خالی نہ کر دے۔ اس کو واحد
نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح جو کثیر ہوگا۔ وہ واحد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کثیر کے معنی ہیں
واحد سے زائد۔ اس لئے جب تک وحدت رہے گی۔ اور زیاتی شامل نہ کی جائیگی۔
کثرت کا مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس مصداق اور مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق
ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مذہب کے لئے لازمی ہے۔ کہ ان کا اجتماع فی العلم
ہو۔ مگر وجود میں ان کا اجتماع ناممکن ہے۔

جواب ع ۴ کہنا کہ وحدت بمقابلہ کثرت ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ جہاں
وحدت پائی جائے۔ وہاں کثرت بھی پائی جانی چاہیے۔ اگر صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو
یاد رکھنا چاہیے۔ کہ پھر اقلانیم کی تعداد میں تک محدود نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ وحدت
کے مفہوم کے مقابلہ میں تنط کثرت نہیں ہے۔ بلکہ مفہوم کثرت ہے۔ اور کثرت کا
مفہوم کسی خاص عدد میں منحصر نہیں۔ بلکہ کثرت کے معنی ہیں لیکر الیٰ مالا نہایہ ہونا پس
اگر ذات باری میں وحدت کے لئے کثرت ضروری ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے
کہ وہ ایک بھی ہے۔ اور دوسرے لیکر الیٰ مالا نہایہ بھی ہے۔ اور اس عقیدہ سے
اگر توحید باطل ہوتی ہے۔ تو بعینہ اسی طرح تثلیث بھی باطل ہوتی ہے۔

جواب ہے۔ اگر ہم اس اصول کو تسلیم کر لیں۔ کہ وحدت کے لئے کثرت ضروری ہے۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ جس قسم کی وحدت پائی جائے گی۔ لازماً اسی قسم کی کثرت بھی پائی جانی چاہیئے۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ میں ذاتی وحدت ہے۔ تو کثرت بھی ذاتی ہونی چاہیئے۔ اور اس طرح تعدد و اہل لازم آتا ہے۔ اور یہ عیسائیوں کو مسلم نہیں۔ اسی طرح جس قسم کی کثرت ہوگی۔ اسی قسم کی وحدت بھی ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں میں تقابل ہے۔ اس لئے اگر ذات باری میں اقامت کی کثرت ہے۔ تو وحدت بھی اقموی ہونی چاہیئے۔ اور اس طرح پر ذات باری میں ایک لقموم رہ جائے گا۔ اور یہ عیسائیوں کو مسلم نہیں۔

پس عیسائی جس اصول کو قائم کرتے ہیں۔ کہ وحدت کے لئے کثرت ضروری ہے۔ اس کو خود عللاً تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جس قسم کی وحدت ذات باری میں مانتے ہیں۔ اس کے مقابل کی کثرت ذات باری میں تسلیم نہیں کرتے۔ اور جس قسم کی کثرت ذات باری میں تسلیم کرتے ہیں۔ اس قسم کی وحدت اس میں نہیں مانتے۔ پس ان کے عمل سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ وحدت کے لئے کثرت اور کثرت کے لئے وحدت کا پایا جانا ضروری نہیں۔

ہمارے اس جواب کے جواب میں اگر کوئی عیسائی یہ کہے۔ کہ وحدت کے لئے ضروری نہیں۔ کہ اس کے مقابلہ میں کسی قسم کی کثرت پائی جائے۔ تو گو یہ جواب غلط ہو گا۔ کیونکہ وحدت اور کثرت کا مقابلہ لفظی نہیں۔ کہ لفظ وحدت اور کثرت دکھا کر گھر پورا کیا جاسکے۔ بلکہ عیسائیوں کی دلیل کی رو سے معنوم وحدت اور معنوم کثرت میں تقابل یعنی جس قسم کی وحدت ہوگی۔ اسی قسم کی کثرت بھی ہونی چاہیئے۔ اس لئے جواب تو صحیح نہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے لئے ہم اس کو تسلیم کر کے عیسائیوں کو یہ کہتے ہیں۔ کہ تمہارے اس جواب سے اقامت کی کثرت کی کوئی دلیل نہ رہی۔ کیونکہ جہاں تم نے خدا میں وحدت ذاتی تسلیم کی ہے۔ وہاں تم اس کی صفات کی کثرت کے بھی قائل ہو۔ پس اگر وحدت

کے لئے کثرت مزدی ہے۔ تو صفات کی کثرت اس لزوم کو پورا کر رہی ہے۔ اس سے اقانیم کی کثرت کی کوئی دلیل نہیں رہتی

جواب علاً عتلاً جو تعلق پادسی صاحب نے مدت اور کثرت کا پیش کیا ہے۔ یعنی بغیر کسی فرق کے وہی تعلق کثرت کے ہر فرد کو دوسرے فرد سے حاصل ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ کثرت کا ہر فرد زیادتی کو ملا کر دوسرا فرد بن جاتا ہے۔ اور وہ دوسرا فرد زیادتی کو انہما کر کے پہلا فرد ہو جاتا ہے۔ پس کثیر کا ہر فرد لازماً کثیر کے دوسرے تمام افراد سے وہی تعلق رکھتا ہے۔ جو وحدت اور کثرت میں ہے۔ یعنی جز ہونا او مجموعہ ہونا پس اگر اس تعلق کی وجہ سے مزدی ہے۔ کہ وحدت بغیر کثرت کے نہ پائی جائے۔ تو ساقط ہی یہ بھی لازم ہوگا۔ کہ جہاں کثیر کا کوئی فرد پایا جائے گا وہاں کثیر کے تمام افراد پائے جائے مزدی ہوں گے۔ پس اگر ذات باری کی وحدت کے لئے اقانیم کی تین والی کثرت مزدی ہے۔ تو اس دلیل سے اس تین والی کثرت کے لئے چھ والی کثرت کا پایا جانا مزدی ہے۔ اور اس طرح پر ذات باری میں صرف تثلیث نہیں۔ بلکہ تسدیس بھی مزدی ہوگی

دلیل دوم کا جواب

(العدد ما یكون نصف مجموعة الطرافین)

مشق اول۔ اگر خدا اتارے کو واحد مانا جائے۔ تو وہ بے عدد ہے گا کیونکہ واحد بھی ایک عدد ہے۔

علا اس کا جواب یہ ہے۔ کہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید یعنی ایک میں تین ہونا اور تین میں ایک ہونا یہ خود ذات باری کا عدد گنا ہے۔ اور جب عدد گنا نے سے ہم مسلمان اس کو بے عدد نہیں سمجھتے۔ تو عیسائی اس فعل کے ارتکاب کی وجہ سے خدا کو بے عدد نہیں قرار دے سکتے۔

علا دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر میسائیوں سے پوچھا جائے۔ کہ اب کتنے میں

تو وہ کہیں گے ایک ہے۔ اس طرح روح القدس اور ابن کو وہ ایک ایک سمجھتے ہیں پس اگر خدا کو ایک کہنے سے ہم اسکو بے حد ہونے سے گرا سکتے ہیں۔ تو ایک روح القدس ایک اب اور ایک ابن کہنے سے ہم نے سب کو بے حد ہونے سے گرا دیا۔ اور جب ذات باری کا کوئی اقنوم بھی بے حد نہ رہا۔ تو خود ذات باری کو بھی بے حد قرار نہیں دیا جاسکتا

شوق ثانی۔ خدا کو ایک کہنے سے وہ بے حد نہیں رہتا

جواب الزامی۔ اگر خدا تعالیٰ کو ایک کہنے سے وہ بے حد نہیں رہتا۔ تو ایک میں تین کہنے سے بھی وہ بے حد نہیں رہ سکتا۔

حقیقی جواب یہ ہے کہ خدا کا غیر محدود ہونا اس کے زمان مکان اور صفات کی وجہ سے ہے پس اگر ایسی ذات جس کے زمانے کا شروع ہو۔ اور نہ اختتام ہو۔ اور جس کے مکان کی محدودی سے متبرک ہو۔ اور جس کی صفات سب کی سب کامل ہوں۔ تو لازماً وہ غیر محدود ہوگا۔ پس اگر ہم یہ فقرہ کہہ دیں۔ کہ ایسے وجود بہت سے نہیں بلکہ ایک ہے۔ تو اس حکم لگانے سے اس کی غیر محدودیت کا مفہوم کس طرح باطل ہو سکتا ہے۔ اور جب ایک ہونا ان غیر محدودیت کا مفہوم ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بھی ہے۔ اور غیر محدود بھی

جواب ۲۔ اکثر ہونے سے بے شک محدودیت ٹوٹ جاتی ہے۔ کیونکہ غیر محدودیت کے مفہوم میں صفات کا کامل ہونا داخل ہے۔ اور صفات میں سے ایک صفت مفنی کل ہونا بھی ہے۔ اگر دو خدا ہوں۔ تو ان میں سے کوئی بھی مفنی کل نہیں ہو سکتا۔ اور مفنی کل کی صفت جب مفقود ہوئی۔ تو غیر محدودیت قائم نہ رہی

جواب شوق ثالث۔ اگر واحد عدد کا بعین ہے۔ اس لئے واحد کہنے سے خدا میں تبیین لازم آوے گی۔ تو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ تین ہونا بھی عدد کا بعین ہے۔ اور جس طرح توحید سے تبیین لازم آتی ہے۔ لازماً تثلیث فی التوحید سے بھی

جواب شق رابع عدد چونکہ کلی متکرر النوع ہے۔ اور متکرر النوع کلی اعتباری ہوتی ہے۔ اس لئے ذات باری کی وحدت بھی اعتباری ہوگی۔ نہ کہ حقیقی۔ یعنی حقیقی وحدت خدا میں نہیں پائی جاتی۔ اس کا یہ جواب ہے۔ کہ تمہیں بھی عدد متکرر النوع ہے۔ اس لئے ذات باری کی تثلیث بھی اعتباری ہو جائے گی۔ نہ کہ حقیقی اس کا حقیقی جواب یہ ہے۔ کہ کلی متکرر النوع ہونا اور پھر اس کا اعتباری ہونا یہ عدد کی صفت ہے۔ اور خدا کو ہم عدد نہیں سمجھتے۔ بلکہ معدود یعنی صاحب عدد سمجھتے ہیں۔ پس جو تعالیں عدد میں ہیں۔ وہ معدودہ میں نہیں ہو سکتے۔

شق خامس۔ محاسبین نے واحد کو عدد قرار نہیں دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک عدد کی تعریف یہ ہے۔ ما یکون نصف مجموعۃ الطرفين اس کا جواب یہ ہے جواب کہ اس سے تمام وہ اعتراضات جو بے عدد اور بے عدد نہ رہنے کے اور تبیین اور کلی متکرر النوع کے پادری صاحب نے کئے تھے۔ وہ سب کے سب دور ہو گئے۔ کیونکہ یہ چاروں اعتراضات واحد کے عدد ہونے کی وجہ سے تھے۔ اور جب واحد عدد ہی نہ رہا۔ تو یہ اعتراض بھی دور ہو گئے۔ لیکن تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث پر یہ چاروں اعتراض اس طرح قائم ہیں۔ کیونکہ تثلیث ہر تعریف کی رو سے عدد ہے۔

شق سادس اگر ذات باری میں کثرت اس لئے میسب ہے۔ کہ وہ افراط ہے۔ تو قلت بھی میسب ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس میں تفریط ہے۔ اس کا جواب یہ ہے

جواب عا دالزامی تثلیث میں بمقابل تدریس کے تفریط ہے اور بمقابل وحدت کے افراط۔ اس لئے تثلیث دونوں الزاموں کے نیچے ہے۔ لیکن وحدت میں افراط کسی وحدت میں نہیں پائی جاسکتی۔ صرف تفریط کا اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ وحدت بہ نسبت تثلیث کے قابل اعتراض نہیں حقیقی جواب عا یہ ہے کہ کثرت اگر میں بے شک افراط پائی جائے گی

کیونکہ الوہیت کے معنی ہیں جامع جمیع کمالات ہونا۔ پس جب ایک وجہ میں تمام کمالات جمع ہیں۔ تو باقی وجودوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور عدم ضرورت کا نام افراط ہے۔ مگر ایک خدا میں کوئی افراط نہیں۔ کیونکہ خدائی کا جب یہ مفہوم ہے۔ کہ سب کمالات اس کے اندر ہوں۔ تو ایک خدا کے ہونے کی صورت میں کوئی کمی باقی رہے گی۔ اور کمی کا نہ ہونا دوسرے لفظوں میں عدم تفریط ہے۔

جواب عا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تفریط یا افراط عدد کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کا انحصار محدود کی حیثیت پر موقوف ہے۔ مثلاً ایک روپیہ باوجود ایک ہونے کے دس آنوں سے باوجود دس گنے کے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ ایک روپیہ کا محدود اپنی حیثیت میں دس آنوں کے محدود سے زیادہ بہتر ہے۔

پس خدائی کا مفہوم چونکہ جامع جمیع کمالات ہونا ہے۔ اس لئے اس مفہوم کو اگر وحدت لاحق ہو۔ تو وحدت کی قلت سے محدود کے کمال میں کوئی نقصان لازم نہیں آئے گا۔

شقی سابع اگر تجزیہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے اجزاء سالمات ہوں گے تو واحد کا تجزیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے اجزاء کسور ہوں گے۔ اس لئے خدا کو واحد ماننے میں اس کی کوئی قوتیت ثابت نہ ہوئی۔

جواب عا۔ کثیر اپنے مفہوم کے لحاظ سے صاحب تجزیہ ہے کیونکہ کثیر مجموعہ افراد کو کہتے ہیں۔ اور وہی افراد اس کے اجزاء ہوں گے۔ مگر واحد کا مفہوم تجزیہ کو نہیں چاہتا۔

جواب عا۔ جس واحد کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایسا واحد ہوگا۔ جو کسی ایک جہت سے واحد ہوگا۔ اور جس جہت سے اس کا تجزیہ ہو۔ وہ جہت اس کی وحدت کی جہت کا غیر ہوگی۔ لیکن ذات باری کی وحدت ہر جہت سے وحدت ہے۔ اس لئے اس کا تجزیہ کسی جہت سے بھی نہیں ہو سکتا۔

شقی ثامن۔ اگر خدا تہا طے میں صرف وحدت مانیں۔ تو وہ مخلوق سے ناقص

ثابت ہوگا۔ کیونکہ مخلوق میں وحدت کثرت دونوں ہیں۔ اور ذات باری میں بقول مسلمانوں کے صرف وحدت ہے۔

جواب عا (الزامی) اس کا پہلا الزامی جواب یہ ہے کہ مخلوق سنتی بھی ہے اور نہیں سنتی۔ دیکھتی بھی ہے۔ اور نہیں بھی دیکھتی۔ بھولتی بھی ہے۔ اور نہیں بھی بھولتی۔ مگر طرفہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ صرف سنتا۔ یاد رکھتا۔ اور دیکھتا۔ دوسرا جواب۔ وہ سراجواب یہ ہے کہ بقول عیسائیوں کے خدا تعالیٰ میں علاوہ وحدت کے کثرت صرف تثلیثی ہے۔ مگر طرفہ یہ ہے کہ مخلوق میں وحدت کے علاوہ کثرت ہر قسم کی ہے۔ پھر اس طرح بھی خدا تعالیٰ مخلوق سے ناقص ثابت ہوگا۔

جواب عا تیسرا جواب یہ ہے کہ وحدت کمال ہے۔ کیونکہ اس کا مفہوم ہے۔ اور اس جیسا نہ ہونا۔ اور کثرت نقص ہے۔ کیونکہ کثرت کے معنی ہیں۔ اس جیسا ہونا۔ اور چونکہ خدا جیسا کوئی نہیں۔ لہذا وہ لیس کشلہ شئی ہے۔ اس لئے کثرت کا ہونا اس میں نقص ہوگا

شق تاسع جس طرح خدا مکان وغیر مکان زمان وغیر زمان دونوں میں ہے اسی طرح وحدت و کثرت دونوں میں ہونا چاہئے

جواب عا (الزامی) عیسائیوں کے اپنے مذہب کی رو سے ان کا یہ اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ذات باری کو مکانات میں سے ہر مکان اور زمانوں میں سے ہر زمان میں مانتے ہیں۔ مگر کثرت کے لانا تھا مصداق میں سے صرف ایک مصداق میں تسلیم کرتے ہیں۔ پس توحید فی التثلیث مع اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ جواب حقیقی عا خدا کا زمان وغیر زمان میں ہونا آپس میں ضد نہیں کیونکہ وہ ایک وقت میں جمع نہیں ہونے۔ اسی طرح مکان اور لامکان میں ہونا آپس میں تضاد نہیں۔ کیونکہ جہاں تک مکان کا دائرہ ہے۔ وہاں پر لامکانیت نہیں ہے۔ اور جہاں لامکانیت ہے۔ وہاں مکانیت نہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ

فی زمان و فی مکان و فی مکان اور فی لامکان ہو سکتا ہے۔ لیکن وحدت اور کثرت
چونکہ ایک جگہ میں جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لئے خدا کو ایک وقت میں واحد اور
کثیر ماننا عقل کے منافی ہے۔

شوق عاشق خدا میں اگر محض وحدت ماننے سے اسے صاحب کیت تسلیم
کرنا پڑے گا۔ تو محض کثیر ماننے سے بھی اس کی کیت معلوم ہو سکتی ہے۔

جواب ۱۔ اس کا یہ جواب ہے کہ جس طرح توحید کے ماننے سے کیت
کا علم پیدا ہو سکتا ہے۔ تثلیث فی التوحید سے بھی کیت کا علم لازم ہو گا۔ کیونکہ
اگر توحید عدوت کو ظاہر کرتی ہے۔ تو تثلیث بھی عدوت کے وجود کو ظاہر کرتی
ہے۔ اور بقول پادری صاحب کے عدوت کا اظہار کیت کا اظہار ہے۔

جواب ۲۔ ایک یا دو یا تین کیت کے اظہار کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ تعدد
کے اظہار کے لئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ کیت وزن اور مساحت کا نام ہے۔ ایک کا
لفظ چونکہ اپنے معدود کی مساحت اور وزن نہیں بیان کرتا۔ اس سے ثابت ہوا
کہ ایک کے لفظ سے معدود کی کیت معلوم نہیں ہو سکتی۔

جواب ۳۔ کہ اگر خدا میں محض وحدت نہیں۔ تو اقنوم آب میں بلحاذا اقنوم
ہونے کے محض وحدت ہے۔ اس سے بھی کیت معلوم ہو سکتی ہے۔ تو آب صاحب
کیت وجود ہو گا۔ اسی طرح ابن ابی روح القدس بھی صاحب کیت ہوں گے۔
اور جب ذات واحد کے تینوں اقنوموں کی کیت ہمیں معلوم ہو گئی۔ تو چونکہ ذات
باری میں چوتھا اقنوم کوئی نہیں۔ اس لئے لاوٹا ہم کو ذات باری کی کیت کا علم
بھی حاصل ہو جائے گا۔

شوق حاوی عشرہ۔ خدا تعالیٰ کی وحدت اس معنی کی ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں
بیشل و بیشنی و بلا شریک و بے مدد و بے سہیم ہے۔ اور کثرت اس کی ذات میں
بہیثیت اتانیم باطنیہ کے ہے۔ نہ کہ باعتبار تعدد و تکثر متخالفہ و متباینہ کے ہے۔
جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اتانیم تلاش میں کوئی امتیاز ہے یا نہیں

اگر امتیاز ہے۔ تو مابہ الامتیاز صفت کمال ہے۔ یا صفت نقص۔ اگر صفت کمال ہے۔ تو معلوم ہوا۔ ایک اقنوم اعلیٰ ہے۔ بہ نسبت دوسرے اقنوم کے۔ اور یہ عیسائیوں کو مسلم نہیں۔

اگر کہو کہ مابہ الامتیاز نقص ہے۔ تو یہی نتیجہ نکلے گا۔ کہ ایک اقنوم دوسرے اقنوم سے ناقص ہے۔ اور یہ بھی عیسائیوں کو مسلم نہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ ان میں مابہ الامتیاز کوئی نہیں۔ اور مابہ الامتیاز کا نہ ہونا کسی حیثیت سے بھی ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ تثلیث اکم بلا سہمی ہے۔ اور جو اکم بلا سہمی ہو۔ وہ بھی چیز ہوگا۔ موجود کا نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ تثلیث کے اتانیم موجود نہیں۔ **تمتہ حاوی عشرہ** پادری صاحب کا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کی وحدت ایک ہونا نہیں ہے۔ بلکہ ہم خدا کو واحد ان معنوں میں مانتے ہیں۔ کہ وہ بے نظیر ہے اس کے پانچ جواب ہیں

جواب ۱۔ واحد کے معنی کسی سخت میں بے نظیر کے نہیں ہیں۔ بلکہ واحد سے مراد ہمیشہ ایک ہونا ہے۔ خواہ ذات میں خواہ صفات میں ہاں بے نظیری ایک ہونے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جس جہت سے کوئی چیز واحد ہوگی۔ اس جہت سے لازماً وہ بے نظیر بھی ہوگی۔ پس واحد کے معنی ایک ہونا ہے۔ بے نظیر ہونا نہیں۔ **جواب ۲۔** بے نظیر ہونا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ کوئی چیز ایک نہ ہو پس اگر ذات باری بے نظیر ہے۔ تو لازماً وہ ایک ہی ہوگی

جواب ۳۔ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث میں توحید کے معنی وحدت عددی کے سوا اور کوئی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ تثلیث کے معنی یقیناً چونکہ کثرت عددی کے ہیں۔ اس لئے لفظ توحید جو اس کے مقابل میں ہے۔ اس میں سوائے وحدت عددی کے اور کوئی معنی نہیں ہوں گے۔

جواب ۴۔ توحید میں جہاں خدا تعالیٰ کو واحد کہا گیا ہے۔ ہاں ۱۔

عددی معنوں میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں اس قسم کے فقرے ہیں جن کا مفہوم ہے کہ تیرا خدا ایک ہے۔ تیرے لئے کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ ایسے فقروں میں خدا کے ایک ہونے کو خدا کے دو ہونے کے مقابل میں لایا گیا ہے۔ اور دو یعنی کثرت عددی ہے۔ پس اس کے واحد ہونے سے مراد واحد عددی ہے۔

جواب ۵۔ اقامیم ثلاثہ کو عیسائی بنے نظیر مانتے ہیں۔ تو چاہئے کہ چونکہ بنے نظیر کا مفہوم لفظ واحد کے ذریعے ادا کیا جاتا ہو۔ اقامیم کو بھی واحد کہا جائے حالانکہ سب عیسائی پوری طرح متفق ہیں کہ اقامیم میں وحدت نہیں بلکہ کثرت ہے۔

دلیل سوم کا جواب

امر اول۔ وحدت اور کثرت کا حکم لگانے کے لئے موجودات کا وجود اور ان میں سے بھی متمازہ کا وجود ضروری ہے

جواب اس کا یہ جواب ہے کہ وحدت اور کثرت کا حکم لگانے کے لئے بے شک وجود ان کی ضرورت ہے کیونکہ ایک ہونے اور زیادہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز ہو جسے ہم ایک یا زیادہ سے متصف کر سکیں۔ اگر کسی چیز کا وجود ہی نہ ہو۔ تو وہ نہ ایک ہوگی نہ زیادہ جیسا کہ لفظ ایک ہونا اور زیادہ ہونے میں لفظ ہونا موجود ہونے کے لئے دلیل ہے۔ لیکن پادری صاحب کے اصول کا دوسرا حصہ کہ وحدت اور کثرت دونوں کے اطلاق کے لئے موجودات متمازہ کا وجود ضروری ہے۔ یہ کثرت کے متعلق تو صحیح ہے۔ کیونکہ کثرت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کئی موجودات کا ہونا ہوگا وحدت کے لئے ضروری نہیں کہ واحد ہی چیز ہو سکتی ہے جس کے بالمقابل اور موجودات خارج میں ہو مثلاً منطق کی رو سے سورج کلی کا جو مصداق (فرد) دنیا میں پایا جاتا ہے۔ وہ واحد بالمشخص ہے حالانکہ اس کلی کا اور کوئی فرد دنیا میں پایا نہیں جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وحدت کے مفہوم کے پائے جانے کے لئے دوسرے افراد کے

پائے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر اس فرد کی وحدت کس کے مقابل میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس کی وحدت ان افراد کی نسبت سے ہے۔ جو افراد کہ وجود نہیں رکھتے۔

امر ثانی۔ خدا تعالیٰ واحد بال شخص ہو گا۔ یا واحد بال صنف یا واحد بال نوع یا واحد بال جنس۔ ان چار صورتوں میں تمام وہ افراد جو اس کلی میں اس کے شریک ہونگے۔ جس کا وہ فرد ہے۔ اس کو حقیقتاً واحد نہیں رہنے دیں گے۔ جواب ۱۔ ہم خدا تعالیٰ کو واحد بال شخص مانتے ہیں۔ اس کے واحد بال شخص ہونے کی وجہ سے اس کی توحید کو ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ وہ واجب الوجود کی کلی کا ایسا فرد ہے کہ اس کلی میں وحدہ الوجود فقط مع امتناع الخیر کی حقیقت پائی جاتی ہے۔ پس امتناع غیر کی وجہ سے اس کو خدا ہونے میں ایک سمجھتے ہیں۔

جواب ۲۔ واحد بال شخص کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ جس کلی کا وہ فرد ہے۔ اس کل کے اور افراد ضرور پائے جائیں۔ جیسا کہ جب حضرت آدم پیدا ہونے لگے۔ وہ واحد بال شخص ہونے کے علاوہ اپنی نوع میں بھی واحد یعنی ایک ہی انسان تھے۔ اسی طرح واحد بال نوع کے لئے بھی ضروری نہیں۔ کہ اسی جنس میں اور انواع بھی پائی جائیں۔ جیسا کہ اگر تمام حیوانات آدم کے بعد پیدا ہو تو آدم واحد بال شخص بھی ہوتا۔ واحد بال نوع بھی ہوتا۔ اور کوئی نوع جنس حیوانات میں نہ پائی جاتی۔ اسی طرح واحد بال جنس ہونے کو بھی ضروری نہیں۔ کہ اس جنس کے ساتھ جنس عالی میں اور اجناس پائی جائیں۔ جیسا کہ اگر آدم کو بنی مرئی کے خدا تعالیٰ نے مخلوقات میں سب سے پہلے پیدا کرنا۔ تو اس وقت آدم واحد بال شخص۔ واحد بال نوع کے علاوہ واحد بال جنس بھی ہوتا۔ اور اس کی جنس کے سوا اور کوئی جنس نہ پائی جاتی۔

الامر الثالث۔ اگر خدا تعالیٰ کو واحد یا کثیر کہا جائے۔ تو وہ محدود و مقید

ہو جائے گا۔ کیونکہ واحد اور کثیر ہونا معقولات ثانیہ سے ہے۔ پس وحدت اور کثرت کا حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے انسان محکوم علیہ کا احاطہ کرے۔

جواب ۱۔ اگر واحد کہنے سے یا کثرت کا حکم لگانے سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے ذات باری کا احاطہ کر لیا جائے۔ بعینہ اسی طرح یہ کہنا کہ خدا نہ واحد نہ کثیر ہے۔ احاطے کو مستلزم ہوگا۔

جواب ۲۔ ہم اگر وحدت کا حکم لگاتے ہیں۔ یا کوئی سند و معنی کثرت یعنی تری صورتی کا حکم لگاتا ہے۔ تو عیسائی توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کا حکم لگاتے ہیں۔ یعنی ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ وہ ایک ہے۔ بعض ہندو کہتے ہیں۔ کہ وہ تین ہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں۔ کہ وہ ایک میں تین اور تین میں ایک ہے اور ان تینوں صورتوں میں احاطہ ہونے میں کوئی فرق نہیں

جواب ۳۔ جو احکام خدا پر لگائے جاتے ہیں۔ وہ محض واحد اور کثیر ہونا نہیں۔ بلکہ ہزاروں احکام ذات باری تعالیٰ پر لگائے جاتے ہیں۔ اور وہ سب معقولات ثانیہ میں۔ یعنی ہم پہلے کسی چیز کا تعقل کرتے ہیں۔ بعد میں اس پر کسی قسم کا حکم لگاتے ہیں۔ مثلاً رحیم ہونا پاک ہونا وغیرہ ان تمام معقولات ثانیہ کا تصور اگر عیسائی لوگ بغیر ذات موضوع کے احاطہ کے کر سکتے ہیں۔ تو وحدت اور کثرت کے حکم کے لئے ذات باری کا احاطہ کیوں لازم ہے۔

الامر الرابع۔ مسلمانوں نے وحدت محض کی تعریف کہیں نہیں کی

جواب ۱۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم ذات باری کی وحدت کو انہی معنوں میں مانتے ہیں جن معنوں میں عیسائی اقنوم اب کی وحدت تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس اصول پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ کہ ذات باری کی وحدت اقنوم اب والی وحدت ہے۔ جو تعریف بھی عیسائی الہائی بحیثیت اقنوم ہونے کے وحدت کی کریں گے۔ بعینہ وہی تعریف ہم ذات باری کی وحدت کی کریں گے۔

جواب ۲: وحدت کا مفہوم تعریف کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ یہ امر بدیہی ہے۔ اور بدیہی کی کوئی تعریف نہیں ہوتی۔ ہاں غلط فہم کی وحدت کی یہ تعریف ہے کہ وہ ذات پاک ہے ہر جہت سے کثرت سے خالی ہے۔ مثلاً ہم زید کو واحد کہتے ہیں۔ مگر محض انسانیت کی جہت سے۔ یعنی اس وجود میں ایک انسان ہے۔ زیادہ نہیں۔ مگر یہ وحدت محض نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسی وجود دوسری جہت سے واحد نہیں بلکہ کثیر ہے۔ اور اس میں کثرت اجزائی پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر اس کو کاٹا جائے تو کئی اجزا اس کے بن سکتے ہیں۔ پس زید واحد بمعنی انسانیت اور کثیر بطحاظ اجزاء لیکن خدا تعالیٰ ہر جہت سے واحد ہے۔

الامر الخامس مسلمانوں کے نزدیک وحدت کی تعریف سورہ اخلاص میں بیان کی گئی ہے۔

جواب ۳: یہ پادری صاحب کی ناش غلطی ہے کیونکہ خلی ہوا اللہ احد میں ہر وہ اللہ ہے نہ کہ الہ۔ پس اس سورہ میں خدا کی تعریف نہیں کی گئی۔ بلکہ اس میں اللہ یعنی اسلامی خدا کو دوسرے مذاہب کے خداؤں سے ممتاز کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے اس سورہ کا نام سورہ اخلاص ہے۔ یعنی اسلامی خدا کو دوسرے خداؤں سے خالص کر کے دکھانا۔ پس اس میں خدا تعالیٰ کے وہ پانچ صفات بیان کئے گئے ہیں۔ جن صفات کو مان کر انسان صرف اسلامی خدا کا قائل ہو سکتا ہے۔ نہ کہ او مذہب کے خداؤں کا مثلاً اللہ احد میں تمام ان مذاہب کی نفی کر دی گئی ہے۔ جو ایک سے زیادہ خدا مانتے ہیں۔ اللہ الصمد میں آریوں کی تردید ہے جو روح اور مادہ کے وجود کے لئے خدا کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ صمد کے معنی ہیں البید المقصود المحتاج الیہ یعنی جو خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور بالی سب اس کے محتاج ہوں۔ لم یلد ولم یولد میں ہندوؤں کی تردید کی گئی ہے۔ جو ذات باری کے جنم لینے کے قائل ہیں۔ اور عیسائیوں کی بھی جو ابن کو مولود اور اسے کو والد قرار دیتے ہیں۔ ولم یکن لہ کفو احداً میں عیسائیوں کی تردید ہے۔

ساتمیوں اور تمام مشرکوں کی تردید ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں جبکا کوئی نظیر نہ ہو یعنی ذات میں صفات میں افعال میں اور عبادات میں پس جو وہ خدا سمجھے گا وہ ذات میں شرک بنائے گا۔ اور جو قدامت میں شرک کرے گا۔ وہ صفات میں شرک اختیار کرے گا۔ اور جو اولاد دینے رزق دینے نذریں پوری کرنے دعائیں سننے میں کسی کو شرک کرے گا۔ وہ مشرک فی الافعال ہوگا۔ اور جو غیر اللہ کو سجدہ کرے گا۔ یا اس کے نام کا روزہ رکھے گا۔ یا اس کے گھر کے سوا کسی کے گھر کا طواف کرے گا۔ یا کسی کے نام کا بکرا دے گا۔ تو وہ مشرک فی العبادت ہوگا پس اس سورۃ میں ایسے امور کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جن سے لازمی طور پر اسلامی خداوند مشرک خداؤں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

الامر السادس۔ سورۃ اخلاص میں جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ اس میں صرف چند سوال کا بیان ہے اور سببی صفات بیان کرنے سے کسی کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

جواب عا۔ پادری صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۶ پر وحدت کی تعریف معنی سببی کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے ۷ اس کی وحدت اس معنی کی ہے کہ وہ اپنی ذات میں بے مثل۔ بے شئی اور بلا شرک و بے مدیل و بے سہیم ہے۔ اس لئے یہ اعتراض خود پادری صاحب پر پڑتا ہے۔

جواب ع ۲ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس میں اللہ کی تعریف نہیں کی گئی۔ بلکہ اللہ کو ان الحاقات سے پاک کیا گیا ہے جو غلطی سے غیر مذہب والوں نے اس کی طرف منسوب کر دیئے تھے۔ اور الحاقات سے پاک کرنے کے لئے سلب کے بغیر اور کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ ماکفہ سلیحین اس کی مثال ہے۔

الامر السابع۔ قرآن مجید کی یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ اس کی تمام سببی صفات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مثلاً لا جوہر ولا معصور ولا مرکب ولا محدود

الجواب۔ جامع تعریف اس کو کہتے ہیں جس میں محدود کے تمام افراد شامل ہو جائیں۔ نہ یہ کہ محدود کے تمام صفات کا ذکر آجائے۔ مثلاً انسان کی تعریف منطق میں حیوان ناطق ہے۔ اور یہ تعریف جامع ہے۔ کیونکہ محدود یعنی انسان کے تمام افراد اس کے اندر آجاتے ہیں۔ باوجودیکہ انسان کی بہت سی صفات کا اس تعریف میں ذکر نہیں کیا گیا۔ مثلاً ضاحک ہونا۔ اسی طرح اس سورۃ میں محدود اسلامی خداوند ہے۔ اس لئے جامع ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تعریف ایسے الفاظ میں کی جائے۔ کہ اس سے صرف اسلامی خدا سمجھا جائے۔ چنانچہ سورۃ اخلاص میں یہ بات بین اور واضح ہے۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ خدا کی تمام صفات کا اس میں ذکر ہو۔ الامر الثامن۔ یہ تعریف مانع بھی نہیں۔ کیونکہ ابلیس اور متنع الوجود بھی اس میں آجاتا ہے۔

الجواب علیہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ تعریف کا پہلا جز احد ہونا ابلیس میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ ابلیس ایسی کلی ممکن الافراد کا فرد ہے۔ جس کے بہت سے فروپائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ اخْتَصَزْ ذُوْهُ وَذَرِیَّتَهُ اُولِیاءَ نِزْوۃِ ہمد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے معنی البعد المقصود المحتاج علیہ اور ابلیس ان میں سے کچھ بھی نہیں۔ نیز لعلیکن لہ کفواً احد کا بھی وہ مصداق نہیں۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں بے نظیر ہونا خود پادری صاحب فرما چکے ہیں۔ اور یہ خاصہ خدا ہے۔

جواب ۲۔ متنع الافراد کو سورۃ اخلاص والی تعریفوں کا محکوم علیہ سمجھنا نہایت بے عقلی کی بات ہے۔ کیونکہ حقیقۃً حل کرنے کے لئے موضوع کے افراد خارج میں پائے جانے ضروری ہیں۔ اور متنع الافراد کہتے اس کو ہیں۔ جس کے افراد پائے جانے ناممکن ہوں۔ پس جس کے افراد پائے ہی نہیں جاتے۔ ان کو واحد کہنا اور مصداق بے نظیر کہنا بالکل ناممکن ہے۔ الامر التاسع لا خَصِیْقَ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ سَمِعَ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

احد کا لفظ ذات باری کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ کے ماسوا کو بھی احد بول سکتے ہیں۔ پس وحدت خدا کی خصوصیت نہری جواب عا پادری صاحب نے غیر اللہ کیلئے احد کا لفظ غیر اللہ کے لئے احد کے استعمال کو چھٹے پارے میں جا کر تلاش کیا۔ حالانکہ اسی سورہ کے آخر میں احد کا لفظ غیر اللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ یعنی کوئی احد خدا کے برابر نہیں

جواب عا خدا تعالیٰ کے غیر پر اگر لفظ احد بولنے سے اس کی خصوصیت باطل ہوتی ہے۔ تو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت بھی ایسی نہیں جسکا استعمال غیر اللہ پر نہ ہوتا ہو۔ مثلاً رحیم۔ کریم۔ حکیم۔ علیم۔ غفور وغیرہ یہ سب صفات غیر اللہ کے متعلق بھی بولے جاتے ہیں۔ بلکہ طرہ یہ ہے۔ کہ وحدت جو معنی پادری صاحب نے کئے ہیں یعنی بنے نظیر و بے مثل ہونا۔ یہ سب روز و شب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ محض لفظ کا استعمال ذات باری کی خصوصیت کو توڑتا نہیں۔

جواب عا یاد رکھنا چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ کی جقدر صفات ہیں۔ ان کے متعلق ایک کلیہ قاعدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ان کے مفہوم میں ہمیشہ لفظ مطلق کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ خواہ لفظاً مطلق کا استعمال کیا جاوے یا نہ کیا جائے۔ اور یہی وہ اصول ہے جس سے ذات باری کی تمام صفات غیر اللہ کی صفات سے ممتاز ہو جاتی ہیں۔ مثلاً علیم کو لو یہ لفظ خدا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر اللہ کے لئے بھی۔ مگر کچھ بھی شرک لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جب ہم انسان کو علیم کہتے ہیں۔ تو وہاں علیم سے مراد علیم کا مفہوم لیتے ہیں۔ یعنی بہت سی باتیں جاننے والا۔ لیکن جہاں خدا کے لئے علیم استعمال کرتے ہیں۔ وہاں مطلق کا مفہوم شامل کر کے یہ معنی لیتے ہیں۔ کہ سب باتوں کو جاننے والا۔ اسی طرح جب کسی غیر اللہ کے متعلق احد کا لفظ بولا جائے گا۔ وہاں مطلق کا مفہوم شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ مراد ہوگی۔ کہ فلاں جہت سے واحد ہے۔ لیکن جہاں خدا کے لئے

احد کا لفظ استعمال ہوگا۔ وہاں مطلق کے مفہوم کو شامل کر کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ذات پاک جو ہر جہت سے یکتا و واحد ہے۔ پس اس مفہوم سے غیر اللہ کے لئے کبھی بھی لفظ احد استعمال نہیں ہوگا۔ اور اسی اصول سے پادری صاحب کا وہ مطالبہ بھی ہم پورا کر دیتے ہیں۔ کہ وحدت محض کی تعریف ہمیں دکھائی جائے اور وہ اصول یہ ہے۔ کہ خدا کی ہر صفت کے ساتھ مطلق کے مفہوم کو شامل کر لیا جائے۔ پس اس اصول کے ماتحت احد کے معنی احد مطلق کے ہوں گے۔ جو دوسرے لفظوں میں واحد معنی ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اس اصول کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ کہ خدا کی تمام صفات میں مطلق کا مفہوم شامل کر لیا کریں۔ اور اس سے بیسیوں اعتراض دور ہو جاتے ہیں۔

دلیل چہارم کا جواب

الامر الاول ذات باری کا مفہوم دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا کلی ہوگا یا جزئی۔ اگر جزئی ہے۔ پھر خواہ جزئی حقیقی ہے۔ یا اضافی وہ کسی نہ کسی کلی کے ماتحت ہوگا۔ اور اس طرح پر تعدد قدام و کثر و جہاں لازم آئے گا۔ جواب خدا تعالیٰ کا مفہوم جزئی نہیں۔ بلکہ کلی ہے۔ لیکن یہ فرض کر کے کہ وہ مفہوم جزئی ہے۔ پھر بھی یہ اعتراض صحیح نہیں۔ اور اس کے ثبوت کے لئے ہم لفظ اللہ کو لیتے ہیں۔ جس کا مفہوم جزئی ہے پس باوجود اللہ کے مفہوم کے جزئی ہونے کے پھر جو نتیجہ پادری صاحب نے نکالا ہے۔ وہ صحیح نہیں کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا مفہوم جو جزئی ہے۔ وہ اللہ کے مفہوم کا جو کلی ہے ایک فرد ہے۔ مگر پھر بھی تعدد الہ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تعدد الہ تب لازم ہو سکتا ہے جبکہ اللہ ایسی کلی ہو جسے منطق میں ممکن الافراد و افرادہ توجہ کثیرہ کہتے ہیں لیکن ہم اللہ کو ممکن الافراد و افرادہ فقط مع امتناع التفریق کہتے ہیں۔ پس منطق کی رو سے باوجود اس کے کہ اللہ کا مفہوم ایک ممکن الافراد کلی کا فرد ہے۔ پھر بھی اس کا ایک مستحکم فرد ہونا عقلاً ناممکن ہے۔

الامر الثاني في . اگر مفہوم واجب تہائی کلی ہو۔ تو وہ یا ممکن الافراد ہوگا۔ یا ممکن الافراد ممکن الافراد
 تو نہیں ہے۔ باقی رہا ممکن الافراد ہوتا۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا واحد نہیں۔ کیونکہ ممکن الافراد
 میں لفظ افراد جمع ہے۔ اور جمع تین اور تین سے زائد کو کہتے ہیں۔ اس سے لازم آئیگا کہ واجب تہائی
 کم سے کم تین فرد ہوں۔ جواب سدا بے شک واجب تہائی کا مفہوم کلی ہے۔ اور کلی بھی ممکن الافراد
 مگر جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ غلط ہے۔ کیونکہ ممکن الافراد کے یہ معنی کہ کم سے کم تین فرد موجود فی الحال
 ہوں۔ یہ نتیجہ منطقی کی اصطلاح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ ممکن الافراد کے معنی منطقی
 میں صرف اس قدر ہیں۔ کہ وہ کلی جس کے افراد محال نہیں۔ اور بس۔ ممکن الافراد کے یہ معنی نہیں۔ کہ اس
 کے ایک یا ایک سے زائد واجب ہوں۔ یا ایک یا ایک سے زائد واجب پائے جائیں۔ پس جب ممکن الافراد
 کے لئے ایک فرد کا پایا جانا ضروری نہیں۔ تو تین یا تین سے زیادہ فرد کا پایا جانا کس طرح ضروری ہوگا
 ہے۔ جواب سدا پادری صاحب نے افراد کی جمع کو تین یا تین سے زیادہ ظاہر کر کے ایک عملی غلطی
 کھائی ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے واقعات نفس الامری کو عربی زبان پر منحصر رکھا ہے۔ حالانکہ
 واقعات نفس الامری طبعی اور قدرتی چیزیں ہیں۔ اور عربی زبان انسانی اصطلاح ہے۔

نتیجہ کا جواب

شق اول کثیر کا صدور واحد سے محال ہے۔ کیونکہ جب کم سے کم دو افراد اس سے صادر ہوں گے
 تو ان ہی سے ہر ایک کی مصدریت دوسرے کی مصدریت سے مختار ہوگی۔ اور اس طرح ذات باری
 اور مصدریتوں سے مرکب ہوگا۔ الجواب۔ مصدریت امر اعتباری اور امور اعتباریہ خواہ لاکھ بھی ہوں
 وہ باعث ترکیب نہیں ہوتے جیسا کہ ایک چیز اگر کسی کمرے میں لٹکائی جائے۔ وہ زمین کے لحاظ
 سے اوپر چھت کے لحاظ سے نیچے اور دیواروں کے لحاظ سے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوگی۔ لیکن باوجود
 ان چھ حیثیتوں کے کوئی فلسفی اس چیز کو چھ باتوں کے لحاظ سے مرکب نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ امور اعتباری
 ہیں۔ ہاں وہ یہی چیز اگر مٹھائی ہو۔ تو اس سے میٹھا۔ گھی اور کھوٹے سے مرکب قرار دیا جائے گا اس
 سے صاف ثابت ہوا کہ ترکیب امور اعتباریہ کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتی۔ بلکہ حقیقتاً حقیقت اجزائی
 کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جواب ثانی شے واحد سے جب دو معلول صادر نہیں ہوتے تھے۔ تو
 بقول پادری صاحب وہ شے واحد ہو سکتی ہے۔ لیکن دونوں افراد کے صادر ہونے کی وجہ سے چونکہ اس
 میں دو مصدریتیں آگئیں۔ اس واسطے وہ مرکب ہوگئی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب تک ان دو افراد کا صادر
 نہیں ہوا تھا۔ جس معنوں میں وہ چیز شے واحد تھی۔ اسی معنوں میں باوجود دو افراد کے صادر ہونے کے

وہ واحد ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس کی ذات میں کوئی چیز خارج سے آکر لاحق نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ اب دو مصدر تین لاحق ہو گئی ہیں۔ جو پہلے نہ تھیں۔ تو ہم کہیں گے کہ دو مصدر تینوں کا لاحق ہونا ایک لفظ سے جس کی حقیقت دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ شے واحد کا دو دفعہ ایک فعل کرنا۔ اور اس کے عیسائی بھی قائل ہیں کہ فاعل کے فعل کرنے سے ترکیب لازم نہیں آتی۔ ورنہ اب اور ابن اور روح القدس کے متعدد مرتبہ افعال کرنے سے ہر ایک اقنوم میں کثرت لازم آگئی۔

شق ثانی واحد سے واحد بھی صادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر ایک چیز صادر ہوگی۔ تو وہ شے واحد مرکب ہو جائے گی۔ مصدر اور مصدریت سے جواب اول۔ یہ لفظی مغایرت ہے۔ کیونکہ مصدریت کوئی وجودی شے نہیں۔ کیونکہ مصدریت کے معنی میں مصدر کا مصدر ہونا۔ جواب ثانی۔ اگر شے واحد کے مصدر ہو جانے پر وہ مرکب ثابت ہوگا مصدریت اور اپنی ذات سے۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح پرتینوں اقانیم اپنی ذات میں واحد نہیں ہیں۔ کیونکہ اب تک بیٹا صادر ہوا۔ تو اب اوداس کی مصدریت دو جدا گانہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ مصدریت ابن کے لحاظ سے ہے۔ پس اب اپنی ذات اور اپنی ابوت سے ملکر مرکب مقرر ہے گا۔ پس اگر واحد خدا سے کوئی واحد چیز بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو واحد اب سے واحد ابن بھی پیدا نہیں ہو سکیگا۔ شق ثالث۔ الواحد لا یصدر عنہ الا واحد سے ثابت ہوتا ہے کہ واحد سے کثیر نہیں پیدا ہو سکتے۔ جواب اول۔ ہم اس دعویٰ کو نہیں مانتے چونکہ یہ ایکٹ مرنے ہے۔ اس لئے دعویٰ کے ذمہ اس کا بار ہو سکتا ہے۔ اور کسی دعوئے کی صحیح تردید اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ دعویٰ کے پاس اسکی دلیل ہو۔ جواب ثانی۔ روح واحد اور مجرد ہے۔ مگر کج بصیرت۔ شتم اور لہو اس سے ثابت ہوتے ہیں۔ جواب ثالث اگر کثرت معلولات کے لہو علت میں بھی کثرت کا پایا جانا ضروری ہو۔ تو جانا چاہیے کہ مخلوقات میں کثیر لا تناسب ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علت یعنی ذات باری میں بھی کثرت اور لا تناسب ہوگی۔ جواب رابع نقطہ اہل فلسفہ کے نزدیک بطل من کل الوجوہ ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم ایک ایسا نقطہ شکل فرض کر سکتے ہیں۔ جس میں ایک نقطہ سے چار خط صادر ہو سکیں۔ جکی شکل یہ ہے۔

دلیل ششم کا جواب

جواب عا اگر ذات باری میں اس سے کثرت مانی جاتی ہے۔ کہ اسکو کثرت کا علم ہے۔ بعینہ اسی طرح اس میں مخلوقات کی تمام باتیں۔ تمام نقائص۔ مثلاً حدوث۔ امکان۔ فنا۔ مخلوق ہونا۔ ناپاک ہونا۔ مرکب ہونا۔ مادی ہونا۔ جاہل ہونا بھی پایا جانا چاہیے۔ کیونکہ ان امور کا علم بھی ذات باری

کو ازل سے تھا جو اب سزا اگر کثرت علم تسلزم کثرت ہے۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ کثرت کا مفہوم
 دوسے الیٰ مالانہایت تک ہے۔ اس لئے چونکہ کثرت کے ہر فرد کا اللہ تعالیٰ کو علم تھا۔ بدینہ
 ضروری ہے کہ اس میں کثرت کا ہر فرد بھی پایا جائے۔ اور اس طرح شلیٹ باطل ہوگی۔ بلکہ ترجیح
 تعمیس۔ تدیس وغیرہ تمام کثرتوں کا وہ جامع ہوگا۔ جو اب مدۃ ذات باری میں عیسائی
 اتانیم کی کثرت ہوتے ہیں لیکن اتانیم میں سے ہر اقنوم میں محض وحدت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن
 ذات باری میں تو اتانیم کثیرہ ہیں۔ اور وہ اب۔ ابن۔ روح القدس ہیں۔ لیکن خود اب
 میں کوئی کثرت نہیں۔ نہ ابن اور نہ روح القدس میں۔ پس اگر وحدت محضہ کا نتیجہ ہے۔ کہ
 اسے کثرت کا علم حاصل نہ ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ اب اور ابن اور روح القدس میں سے
 کسی کو بھی مخلوقات کثیرہ کا علم حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ بقول عیسائیوں کے علم کثیر کے لئے
 ذات کثیر بھی چاہیے پس جب اب۔ ابن۔ اور روح القدس تینوں علم سے خالی ہونے تو
 ذات باری بھی علم سے خالی ہوگی۔ کیونکہ اس میں سوائے اتانیم ثلاثہ کے اور کوئی اقنوم
 نہیں جو اب علم۔ اس امر کے ثبوت میں کہ مجرد عالم کے لئے معلومات کثیرہ کا حصول ہو سکتا
 ہے۔ ہم روح انسانی کو پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ باوجود عیسائیوں کے نزدیک بھی مجرد اور واحد
 ہونے کے معلومات کثیرہ کی عالم ہے۔ اور عیسائی بھی روح انسانی میں محض وحدت تسلیم کرتے
 ہیں جہاں پادری صاحب کا یہ دعوئے کہ کثرت کے علم کے لئے ذات میں بھی کثرت
 متحقق ہونی چاہیے۔ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ اور یہ چونکہ ان
 کا دعوئے ہے۔ اس لئے اس کی دلیل ان کے ذمہ ہے۔ اور کوئی دعوئے بغیر دلیل
 کے قابل قبول نہیں۔ گو ہم نے علم مناظرہ کی قواعد کی اجازت سے نقص علی الدعویٰ
 کر دیا ہے :

دلیل مفسر کا جواب

امراول۔ فاعل ہر گاہ تام لفاعلیۃ ہو۔ اور اس کی تاثیر امر سے از امور پر موقوف
 نہ ہو۔ اور جمیع مایوقفت علیہ التأثير اسکو حاصل ہو۔ اسے علت تامہ کہتے ہیں۔ یہ
 تعریف صحیح ہے۔ مگر جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ علت جب تامہ ہو۔ اس سے مختلف

معلول متنوع ہوتا ہے۔" یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس علت تامہ کے متعلق صحیح ہے۔ جو فاعل بالخاصہ ہو۔ جیسے آگ کا گرمی پہنچانا اور سورج کا روشنی دینا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ہم اور عیسائی دونوں فاعل بالخاصہ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ فاعل بالارادہ مانتے ہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے۔ کہ ذات باری۔ اور عالم موجود نہ ہو۔

امر دوم۔ جو تعریف علت تامہ کی پادری عبدالحق صاحب نے کی ہے۔ اس میں ایک فقرہ یہ ہے کہ اس کی تاثیر امر از امور پر موقوف نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی تاثیر امر از امور پر موقوف ہے۔ اور وہ اس کا ارادہ ہے پس خدا تعالیٰ کا علت تامہ ہونا اس کے ارادہ کو شامل کر کے ہے پس جہاں علت تامہ یعنی خدا موجود ہوگا۔ ضروری نہیں۔ کہ عالم بھی موجود ہو۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ خدا تو موجود ہے۔ مگر عالم کے پیدا کرنے کا اس کا ارادہ نہیں ہے۔

امر ثالث۔ ابتدائے عالم سے لیکر اس وقت تک جو معلومات صادر ہو رہے ہیں۔ باوجود ابن کے صادر ہو جانے کے پھر بھی ترجیح بلامرجح کا اعتراف باقی ہے۔ کیونکہ جو معلومات ابتدائے عالم کے بعد صادر ہوئے ہیں۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ ان کی علت تامہ موجود عقلی۔ اور وہ موجود نہ تھے۔ اور اس طرح مختلف معلول من علت والا محال لادم آ جاتا ہے۔

امر رابع ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اب عدم سے ایک نیا عالم وجود میں لاسکتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے۔ تو خدا خدا نہ رہا۔ اور اگر جواب اثبات میں ہے۔ تو اس بننے والے عالم کی علت کون ہوگا۔ اگر کہو خدا تعالیٰ تو اس پر ترجیح بلامرجح کا اعتراف ملے ہوگا۔ کیونکہ وہ امکانی طور پر بننے والا عالم اپنی علت سے بعد میں ہے۔ حالانکہ مفروض یہ کیا گیا ہے۔ کہ علت سے معلول کا مختلف محال ہے۔

پس جو عقیدہ خدا کے کسی نئی مخلوق کے خالق ہونے کو روکے وہ غلط ہوگا۔ امر خامس علت محدثہ یعنی مسیح کے صادر ہونے پر ہمیں عقلی اعتراض بھی

ہے۔ اور نقلی بھی۔

نقلی اعتراض تو یہ ہے کہ پیدائش باب ۱ آیت ۳ کا جو حوالہ پادری عبدالحق صاحب نے دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام پیدائش عالم کے بعد ہے۔ حالانکہ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ کلام پیدائش عالم سے پیشتر ہے۔ اور نقلی اعتراض یہ ہے کہ اگر مسیح عالم کی علت محدثہ ہے۔ تو ضروری ہے کہ مسیح کے صدور اور عالم کے صدور کا ایک وقت ہو۔ اور اس طرح باقی عالم کو قدیم ماننا پڑے گا۔ یا مسیح کو حادث قرار دینا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں عیسائیوں کے عقائد کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اگر عالم قدیم ہو جائے۔ تو تعدد قدما لازم آدے گا۔ اور اگر عالم حادث ہے۔ تو چونکہ اس کا اور مسیح کا دما نہ ایک ہے۔ اس لئے مسیح حادث ثابت ہو گا۔ اور اس کا نتیجہ مرت مسیح تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ مسیح کے علاوہ اقنوم اب بھی حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک باوجود مسیح کے صادر ہونے کے اب اور ابن میں زمانی تقدم و تاخر نہیں۔ اور اس طرح دونوں صادر اور صادر ازل سے ہیں۔ اور چونکہ بقول عیسائیوں کے مسیح اس عالم کی علت محدثہ ہے۔ اور دنیا معلول ہے۔ اور معلول کا تخلف علت سے جائز نہیں۔ اس لئے یا عالم کو قدیم ماننا پڑے گا۔ اور یا خدا اور مسیح دونوں حادث ٹھہریں گے۔

امر سادس۔ یہ تمام دقتیں جو پادری عبدالحق صاحب نے پیش کی ہیں۔ خدا کو بالخاصہ ماننے سے پیش آتی ہیں۔ حالانکہ ہمارا اور عیسائیوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خدا فاعل بالارادہ ہے۔

امر سابع جو معجزات مسیح سے صادر ہوئے۔ ان کے متعلق عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ ان کی علت تامہ کون ہے۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ان کی علت تامہ مسیح ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہو گا کہ باوجود علت تامہ کے موجود ہو چکے مت تک وہ معجزات صادر نہیں ہوئے حالانکہ معلول کا علت تامہ سے تخلف محال ہے۔ اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ معجزات کا صدور اضطراری امر

نہیں۔ بلکہ صاحب معجزہ کے ارادہ پر موقوف ہے۔ اور یہی جواب ہماری طرف سے
عالم کی پیدائش کے متعلق دیا جاتا ہے۔ اور وہ بھی خدا کے ارادہ پر موقوف ہے۔
دوسری بات یہ ہے کہ معجزات کی علت نامہ مسیح نہیں۔ تو اس پر قباحت یہ
لازم آئے گی کہ پھر وہ مسیح کا کارنامہ نہیں ٹھہریں گے۔ اور الوہیت مسیح کی دلیل
باقی نہ رہے گی۔

امرتا من جو حیثیت مسیح کو اس دلیل میں علت محدثہ ہونے کی حیثیت سے
دی گئی ہے۔ وہی قرآن مجید نے ارادے کے متعلق بیان فرمائی ہے جیسے کہ فرمایا
فَعَالِ لِمَ يُوَفِّدُ يَعْنِي اس کا فعل موقوف بر ارادہ ہے۔ اب اس امر میں فیصلہ کرنے
کے لئے کہ عالم کی پیدائش کے لئے خدا کا ارادہ ضروری ہے۔ یا ایک اقنوم کا
صادر ہونا دنیا کے واقعات پر نظر ڈالو۔ کہ انسان جو منظر اللہ ہے۔ اس کی مصنوعات
اور اس کے معلولات اس کے ارادے سے صادر ہوئے ہیں۔ کسی انسان کو اپنے
معلول کے لئے کسی اقنوم کی ضرورت نہیں۔ صرف اس کے اور اس کے معلولوں
کے درمیان اس کا ارادہ کافی ہے۔ تو خدا تعالیٰ جو انسان سے زیادہ مستغنی ہے
عالم کے بنانے کے لئے کیوں ایک اقنوم کا محتاج ہو۔

امرتا من۔ اگر معلول اور علت کے درمیان علت محدثہ کے واسطے کی ضرورت
ہے۔ تو اس علت محدثہ کے حدوث کے لئے بھی کسی واسطے کا ہونا ضروری ہو گا جانا کہ
عیسائی کسی واسطے کے قائل نہیں۔ اور جیسا کہ پادری صاحب نے ظاہر کیا ہے۔
کہ اس واسطے کا ہم اس لئے انکار کرتے ہیں کہ تسلسل لازم آتا ہے۔ اور تسلسل باطل
ہے۔ اس لئے صرف ایک علت محدثہ تک اکتفا کرنا چاہیئے۔

یہ جواب صحیح نہیں۔ کیونکہ اپنے رسالہ میں پادری صاحب نے یہ دلیلہ اقتیاً
کیا ہے۔ کہ جس امر کا نتیجہ تسلسل ہو۔ اس کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ اور چونکہ عالم اور
خدا کے درمیان مسیح کا علت محدثہ ہونا تسلسل علت کو چاہتا ہے۔ اس لئے باطل
پادری صاحب باطل ہو گا۔ اور مسیح کی علت محدثہ کا باطل ہونا دوسرے لفظوں میں

تشیت کا ابطال ہے۔

دلیل ششم کا جواب

امرا دل خدا تعالیٰ کی ذات میں اگر کسی قسم کی کثرت نہ ہو۔ تو وہ محل صفات کثیرہ نہیں بن سکتا۔ حالانکہ عیسائی اور مسلمان دونوں اس کی صفات میں کثرت تسلیم کرتے ہیں۔ پس کثرت صفات کا محل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ موصوف میں بھی کسی نہ کسی طرح کی کثرت تسلیم کی جائے۔

جواب ۱۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے۔ کہ عیسائیوں کے نزدیک گو ذات باری کی وحدت میں اقانیم کی کثرت ہے۔ مگر اقنوم اب یا اقنوم ابن یا اقنوم روح القدس میں سے کسی اقنوم میں بھی کسی قسم کی کثرت نہیں۔ مگر باوجود اس کے ہر ایک اقنوم محل صفات کثیرہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ صفات کثیرہ کا محل بننے کے لئے محل میں کسی قسم کی کثرت کی ضرورت نہیں۔

جواب ۲۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ روح انسانی مجرد بسیط اور واحد ہے اور اس میں سوائے اس کی ذات کے اور کوئی تشخص نہیں۔ لیکن باوجود اس کے سمج۔ بعد وغیرہ بسیوں صفات کا وہ محل ہے۔

جواب ۳۔ تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ الفاظ کی وجہ سے کوئی اصول نہیں قائم کرنا چاہیے۔ بلکہ مفہوم اور مطلب کو دیکھنا چاہیے۔ ہم جب کہتے ہیں۔ کہ خدا میں صفات کثیرہ ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ صفات باری تعالیٰ کوئی مستقل وجودی شے ہے بلکہ ہماری تمام عبارات کا خلاصہ مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ باری تعالیٰ کی ذات واحد بن بھی سکتی ہے۔ دیکھ بھی سکتی ہے۔ دانا بھی ہے ارادہ بھی کرتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ تمام صفات حسنہ سے متصف ہے۔ اگر صفات کوئی وجودی مستقل اور خارجی وجود ہوتے۔ تو پھر بے شک ان کی کثرت ذات کی کثرت کو مستلزم ہوتی۔

جواب ۱۱۔ چوتھا جواب یہ ہے۔ کہ اگر صفات کثیرہ کا نتیجہ ذات میں کسی قسم کی کثرت کا ہونا تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہیے۔ کہ جبکہ کثرت صفات میں ہے۔ کم سے کم اتنی کثرت اقانیم یا شخصیات میں بھی ہو۔ حالانکہ عیسائی اس امر کو کفر سمجھتے ہیں۔ کہ اقانیم کو تین سے زائد سمجھا جائے۔ پس جو دلیل وحدت ذات کو توڑتی ہے۔ وہی دلیل تثلیث اقانیمی کو بھی توڑے گی۔
امر دوم۔ زید چونکہ واحد نہیں۔ بلکہ مرکب ہے۔ اس لئے وہ متعدد صفات کا محل ہو سکتا ہے۔

جواب ۱۲۔ ہم مثال میں زید کو نہیں پیش کرتے۔ بلکہ زید کی روح کو پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ روح کی وحدت عیسائیوں کو بھی مسلم ہے۔ پس روح کا باوجود واحد ہونے کے صفات کثیرہ کا محل ہونا خدا تعالیٰ کے واحد اور صفات کثیرہ کے محل ہونے کی دلیل ہے۔

امر سوم۔ خدا تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں۔ اور زید کی عرضی
جواب۔ اگرچہ واحد ہے مگر اس کی ذاتی صفات جو عرضی نہیں ہیں۔ وہ کثیرہ ہیں۔ مثلاً سمع۔ بصر۔ نطق۔ ذائقہ وغیرہ
امر رابع۔ یا خدا تعالیٰ کو زرگن یعنی خالی از صفات تسلیم کیا جائے۔ یا کثرت صفات مان کر اس کی ذات میں بھی کثرت کا قائل ہونا پڑے گا۔
جواب۔ بے شک ہم اس کو زرگن نہیں تسلیم کرتے۔ بلکہ اس کو صفات کثیرہ کا محل مانتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے اس کی ذات میں کسی قسم کی کثرت کے قائل نہیں۔ جیسا کہ عیسائی اقنوم اب کو صفات کثیرہ محل مان کر پھر اس کی ذات میں کسی قسم کی کثرت کے قائل نہیں۔

امر خامس۔ اگر اقانیم کی کثرت کو اس لئے نہیں مانا جاتا۔ کہ اس سے تعدد حیثیات لازم آوے گی۔ تو یہ لزوم تو صفت کثیرہ کے ماننے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔

جواب۔ ہم خدا تعالیٰ کی حیثیات کثیرہ کے منکر نہیں۔ کیونکہ تمام حیثیات میں تشخص ایک ہے۔ لیکن عیسائی ذات واحد میں تین تشخصات کے قائل ہیں۔ اور تشخص چونکہ موصوف ہے۔ صفت نہیں۔ اس لئے تثلیث کو ماننے سے تین موصوفت ماننے پڑتے ہیں۔ اور جس کے دوسرے معنی ہیں۔ کہ تین خدا ہوں۔ اور چونکہ تین خداؤں کا وجود خدا تعالیٰ کے مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے ناممکن ہے۔ اس لئے تثلیث جس کے نتیجہ میں یہ ناممکن مستلزم ہوتا ہے۔ خود ناممکن اور محال ہے۔

امر سا دس۔ خدا تعالیٰ کی وحدت فی التثلیث کی مثل تو دنیا میں کوئی نہیں۔ مگر ایک مثال ہے۔ اور وہ سورج کی شعاعیں ہیں۔ کہ ہر شعاع میں نور حرارت اور تاثیر ہے۔ یہ تینوں ہر شعاع میں پائی جاتی ہیں۔ اور تینوں آپس میں متماثر ہیں۔ مگر تینوں کسی شعاع سے الگ الگ نہیں ہو سکتیں

جواب ۱۔ ہر شعاع میں یہ تینوں چیزیں اس کی صفات ہیں۔ اور تثلیثی اقامیم صفات نہیں۔ بلکہ تشخصات ہیں۔ اور خود موصوف ہیں۔ پس یہ قیاس مع الفارق ہے۔

جواب ۲۔ خدا تعالیٰ موجود ہے۔ اس مفہوم کو ہم دوسرے موجودات کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ واحد ہے۔ اس مفہوم کو بھی ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں ہزاروں چیزیں واحد بالخص ہیں۔ خدا تعالیٰ کثیر نہیں ہے۔ یعنی اس میں کثرت نہیں ہے۔ اس کے مفہوم کے بھی ہم قائل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کثیر ہونا یا نہ ہونا دنیا میں پایا جاتا ہے۔ لیکن توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید یہ مفہوم ہم نہیں تسلیم کر سکتے۔ کیونکہ واحد اور تین مسئلہ ریاضی کے افراد ہیں۔ اور ریاضی میں ایک ہونا اور تین ہونا۔ یا ایک نہ ہونا اور تین نہ ہونا۔ یا تین ہونا اور ایک نہ ہونا یہ سارے مفہومات ریاضی میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ایک میں تین ہونا اور تین ایک میں ہونا۔ یا تین ہو کر تین نہیں۔ بلکہ ایک کہلانا۔ یہ مفہوم علم ریاضی میں نہیں پایا جاتا۔ اس لئے ہم اس مفہوم کے قائل نہیں۔

امر صالح اقامیم تلاش میں تماز ان افعال میں ہے۔ جو انجیل سے ثابت ہے۔
مثلاً وہیں باتیں بٹھانا باپ کا کام ہے۔ اور عدالت کرنے کے لئے ابن کی ضرورت
ہے۔ اور مشکل مشکل باتیں کہنے کے لئے روح القدس کے وجود کی ضرورت ہے۔
جواب ۱۔ یہ نقلی حوالے ہم پر حجت نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہیں
باتیں بٹھانا عدالت کرنا اور مشکل مشکل عقیدے حل کرنا یہ سب خدا کے کام ہیں
اس لئے ہمیں اقامیم کی ضرورت نہیں۔

جواب ۲۔ عیسائیوں سے ہم سوال کرتے ہیں۔ کہ تین کام ہر ایک اقنوم
کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر جواب نہیں ہے۔ یعنی نہیں کر سکتا۔ تو کوئی اقنوم بھی خدا
نہیں رہے گا۔ کیونکہ خدائی کا مفہوم ہے۔ فَعَالٌ بَلَّا یَرِیدُ اور علیٰ حیل شئی
قَدِیر۔ اور جواب اثبات میں ہے۔ تو یہ اقامیم میں تماز نہیں رہے گا۔

جواب ۳۔ جو حوالے پادری عبدالحق صاحب نے اپنے رسالے میں تماز
کے دیئے ہیں۔ ان سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوسرے حوالے میں لکھا
ہے۔ باپ کسی کی عدالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے
کے سپرد کیا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے۔ کہ عدالت کرنے کا اختیار باپ
کو حاصل ہے۔ اسی طرح تیسرے حوالے میں لکھا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی ایسی
سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کا
روح آئے گا۔ تو تم کو سچائی کا راہ دکھائے گا۔ اس حوالے سے بھی ثابت ہے
کہ جو راہ روح القدس نے بعد میں دکھائی۔ وہ سچ بھی دکھا سکتے تھے۔ صرف
لوگوں کی کمزوری اس کی مانع تھی۔ پس ان حوالوں میں جو کام مختلف اقامیم
کے دکھائے گئے ہیں۔ انہی حوالوں کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ
سب کام ہر اقنوم کر سکتا ہے۔ پس تماز باقی نہیں رہتا۔ اور جب تماز نہیں رہتا۔ تو
ضرورت ہے۔ اقامیم باقی نہیں رہتے۔

دلیل نہم کا جواب

امراول۔ کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔ کہ ذات الوہیم میں باپ۔ بیٹا اور روح تین اقنوم ہیں (متی ۲۸)۔
جواب ع۔ اس حوالہ میں لکھا ہے۔ "تم جاؤ اور دنیا کو باپ۔ بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو۔" یہ انجیل کی عبارت ہے۔ اس میں قطعاً اشارہ و کنایہ بھی خدا کی ذات میں اقنوم کے ہونے کا ذکر نہیں۔
جواب ع۔ اس حوالہ میں تین نام ہیں۔ اور اسم مسمیٰ کے باوجود پر دلالت کیا کرتا ہے۔ اس اصول کے ماتحت تین مسمیٰ ثابت ہوئے۔ نہ کہ ایک مسمیٰ کے تین اقنوم۔

جواب ع۔ یہ ارکان ایمان ہیں کیونکہ جو تعلیم دنیا کو دی جاتی ہے۔ اس کا نازل کرنے والا بھی مسلمان ہے۔ اور جس پر وہ نازل ہوئی یعنی مسلمان وہ ابن ہے۔ اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان جو پیغام لایا، وہ روح القدس ہے۔ اور یہی اسلام بھی سکھاتا ہے۔ کہ ملائکہ اور خدا اور نبیوں کا ماننا مسلمان ہونیکے لئے ضروری ہے۔

امرتانی۔ امتیاز بطون ذات میں ہے

جواب ع۔ وہ کون امتیاز ہے۔ جو ان تینوں کو ممتاز کرتا ہے۔ کیونکہ اگر امتیاز نہ ہو۔ تو وہ متمیز نہ ہوئے۔ بلکہ ایک ہوا۔ اور پادری عبدالحق صاحب نے اپنے رسالہ کے ص ۱۰ پر جو عبارت لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اقنوم میں آپس میں کوئی امتیاز نہیں۔ کیونکہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ وہ ذات و صفات میں متحد اور صفات فعل میں سمانہ ہیں۔ لیکن تماز افعال کے لئے جو حوالے دیئے ہیں۔ ان سے تماز ثابت نہیں ہوتا۔ پس جب تماز مفقود ہے۔ تو خالص وحدت ثابت ہوئی۔ نہ کہ اقنوم کی کثرت

جواب ۱۔ ہم عیسائیوں سے سوال کرتے ہیں کہ مینوں اقاہیم میں مابہ الاتیان کوئی نقص ہے۔ یا کمال کیونکہ عقلاً مابہ الاستیاذ کی یہی وہ صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا ناقص ہو۔ یا کامل۔ اگر کہو کہ مابہ الاتیاز کمال ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس میں وہ کمال نہیں۔ وہ خدا نہیں۔ اور ذات باری کے اقاہیم خدا اور غیر خدا ہو کہ خود ذات باری کو بھی غیر خدا ثابت نہیں کریں گے۔ اور اگر مابہ الاستیاز امر ناقص ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذات باری کے اقاہیم ناقص ہیں جس کے نتیجہ میں خود ذات باری ناقص ٹھہری۔

امثالث ذات باری کے بطون میں امتیاز ہے

الجواب۔ بطون ذات ایک بے معنی لفظ ہے۔ کیونکہ اگر اس کا مفہوم ذات سے جدا حیثیت رکھتا ہے۔ تو ثابت ہوگا کہ ذات باری مرکب ہے۔ کیونکہ ایک ذات باری خود ہے۔ اور ایک اس کا بطن ہے۔ اور جو مرکب ہوتا ہے۔ وہ حادث ہوتا ہے۔ اور اگر کہو کہ بطن ذات سے خود ذات مراد ہے۔ تو پھر معلوم ہوگا کہ خدا ایک نہیں۔ بلکہ تین ہیں۔ کیونکہ جب اس کی ذات میں تفریق مانی گئی۔ تو ذات کی تفریق کے معنی ہیں تینوں ذاتوں کا ہونا۔ تو اس طرح بجائے ایک خدا کے تین خدا ہوں گے۔ امر رابع۔ اقنوم اول اس لئے باپ ہے کہ اقنوم ثانی یعنی کلام اس سے صادر ہوا۔

جواب ۲۔ جو صادر ہوتا ہے وہ حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ صدور کے لئے حادث کے مفہوم کے بغیر اور کوئی مفہوم ثابت نہیں ہوتا۔ پس اقنوم ثانی صادر ہونے کی وجہ سے حادث ثابت ہوا۔ اور چونکہ ذات باری تین اقاہیم پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے ایک حادث ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ خود ذات باری کو حادث ماننا پڑے گا۔

جواب ۳۔ صدور کے وقت مصدر یعنی اب کی ذات میں روح القدس او اقنوم ثانی شامل تھے۔ یا نہیں۔ اگر شامل تھے۔ تو ہمارے دو اعتراض ہیں۔ ۱۔ تو پھر اب کے معنوں کا مستحق تینوں اقنوم ہیں۔ نہ کہ ایک ہے۔ ۲۔

اعتراف یہ ہے کہ چونکہ ذات واحد میں اقنوم ثانی بھی شامل ہے۔ اس لئے
بسبب صادر ہونے کے وہ صادر من نفس ہوگا۔ اور صدور عن نفس محال
اور ناممکن ہے۔ کیونکہ صدور کے معنی میں نہ ہو کر ہونا۔ اور اپنے نفس سے
صادر ہونے کے معنی میں کہ آپ ہو۔ اور ہونا نہ ہونا دونوں ضدین ہیں۔ اور
اجتماع ضدین محال ہے۔ اور اگر کہو کہ صدور کے وقت اقنوم اول کے ساتھ
اقنوم ثانی اور اقنوم ثالث شریک نہ تھے۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تینوں اقانیم
ذات میں متحد نہیں۔ بلکہ ان میں تفریق ذاتی ہے۔

جواب عطا کہ جب ابن اللہ اب سے صادر ہوا۔ تو اب میں ترکیب
لازم آگئی۔ کیونکہ اب کی مصدریت غیر ہے اب سے۔ کیونکہ وہ اس کے اور اس
کے غیر کے درمیان نسبت ہے۔ اور منسوب اور منسوب الیہ میں مغایرت ظاہر
ہے۔ پس اب مصدریت مسیح سے ملکر مرکب بنا۔ اور جو مرکب ہوتا ہے۔ وہ حادث
ہوتا ہے۔

امر خامس۔ اقنوم ثالث باپ اور بیٹے کی روح ہے۔

جواب عطا۔ اقنوم ثالث کی روح کوئی ہے۔ اگر اقنوم ثالث بنی روح کے
ہے۔ تو چونکہ بحسب بصر وغیرہ روح پر موقوف ہے۔ اس لئے وہ بحسب بصر ثابت
نہ ہوگا۔ اور چونکہ یہ کمالات ہیں۔ اس لئے ان کے سلب کی وجہ سے وہ خدا ہیں
عبرے گا۔ اور اگر کہو کہ اس کو روح کی ضرورت نہیں۔ وہ تو خود روح ہے
تو پھر ابن اور اب کے متعلق اعتراف ہوگا۔ کہ کیا وہ خود روح نہیں ہیں۔ اگر ہیں
تو پھر یہ فقرہ بے معنی ہوگا۔ کہ روح القدس ان کی روح ہے۔ یعنی
باپ بیٹے کی

جواب عطا۔ دو شخصیات کی ایک روح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک انسان
کو باوجود اس کی اجزا کی کثرت کے ایک اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے
اندر ایک روح ہے۔ پس اگر اب اور ابن کی ایک روح ہے۔ تو وہ ایک ہیں

اور اس طرح بھی تثلیث باطل ہوگی۔ کیونکہ تین اقانیم نہیں رہیں گے۔

جواب ۱۳۔ ہماری روح اور ہم میں امتیاز ہے۔ کیونکہ ہم جسم اور روح سے مرکب ہیں۔ پس ہماری روح سے مراد وہ روح ہے جو ہمارے جسم میں داخل ہے۔ اگر روح القدس کے اب اور ابن کی روح ہونے کا یہی مفہوم ہے۔ تو اب اور ابن مرکب ثابت ہوں گے۔ اور اگر خدا کی روح سے مراد خود خدا ہے۔ تو پھر یہ فقرہ بے معنی ہو جائے گا۔ کہ روح القدس اب اور ابن کی روح ہے۔

امر سادس۔ کلام مقدس میں تینوں کو خدا کہا گیا ہے۔

جواب ۱۴۔ اگر تینوں کو خدا کہنا حقیقت پر مبنی ہے۔ تو پھر توحید فی تثلیث ثابت ہوئی۔ بلکہ محض تثلیث یعنی تین خداؤں کا وجود ثابت ہو گا۔ اور اگر خدا کہنا مجازاً ہے۔ تب بھی تثلیث فی التوحید ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب خدائی کا مفہوم خدائی کا غیر ہے۔ تو خدا کے تین اقنوم ثابت نہ ہوں گے۔ اور یوحنا باب ۱۰ میں صریح طور پر یہ علیہ السلام نے اپنے خدا ہونے کا مفہوم اپنا ہی ہونا ظاہر کیا ہے۔

امر سابع۔ مسلمان بھی کلام مانتے ہیں

جواب ۱۵۔ کلام صفت ہے۔ نہ کہ اقنوم

جواب ۱۶۔ کیا ابن کلام نہیں کرتا تھا۔ اگر ابن کلام کرتا تھا۔ تو معلوم ہوتا کہ ابن کا خود کلام ہونا باطل ہے۔ اور اگر کلام نہیں کرتا تھا۔ تو وہ خدا ثابت نہیں ہو گا۔

جواب ۱۷۔ صبح کا مفہوم آوازوں کا محسوس کرنا۔ بصر کا مفہوم کسی کو دیکھنا اور کلام کا مفہوم اپنے مافی الضمیر کو دوسرے پر آگاہ کرنا ہے۔ پس کلام بھی اپنے مفہوم کو مد نظر رکھ کر اقنوم نہیں بن سکتا۔ بلکہ صفت بنے گا۔

امر ثامن۔ صبح بصر وغیرہ زندگی پر موقوف ہیں۔ اور زندگی ان کی شرط ہے۔ اور شرط اپنے شروط سے سابق بالطبع وبالذات ہے۔ اس لئے زندگی مف

نہیں بن سکتی۔ بلکہ وہ اقنوم ہوگی۔ کیونکہ صفت بنانے کی صورت میں چونکہ وہ
سمجھ اور بصیر پر مقدم ثابت ہوگی۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ خدا کی بعض صفات
خدا کی بعض دوسری صفات سے مقدم و مؤخر ہوں۔ حالانکہ واجب کی تمام صفات
بھی واجب ہوتی ہیں۔ اس لئے ان میں تقدم و تاخر نہیں چاہیے۔

جواب ۱۔ جس طرح سمجھ و بصیر حیات پر موقوف ہیں۔ اور حیات ان کی
شرط ہے۔ اسی طرح حیات وجود پر موقوف ہے۔ اور وجود اس کے لئے شرط ہے
پس جس دلیل سے سمجھ اور بصیر صفات قرار دیئے گئے ہیں۔ بعینہ اسی دلیل سے
حیات خود صفت ثابت ہوتی ہے۔ اور جب حیات صفت ثابت ہوئی۔ تو ذات
باری کا تیسرا اقنوم ٹوٹ گیا۔

جواب ۲۔ کلام حیات پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر زندگی نہیں۔ تو کلام
بھی نہیں۔ مگر زندگی بغیر کلام کے ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح پر کلام صفت ثابت
ہو کر معلوم ہو گا۔ کہ اقنوم ثانی بھی کوئی نہیں۔

جواب ۳۔ پادری صاحب کا یہ کہنا کہ قدرت اور تکوین اور الہام کلام پر
موقوف ہیں۔ یہ بالکل واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص میں
کلام نہ ہو۔ مگر قدرت ہو۔ پس قدرت کلام پر موقوف نہیں

جواب ۴۔ بجائے قدرت کے کلام پر موقوف ہونے کے کلام قدرت پر
موقوف ہے۔ کیونکہ کلام دہی کر سکتا ہے جس کو قدرت حاصل ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا
ہے کہ قدرت حاصل ہو۔ مگر کلام نہ کرے

جواب ۵۔ کلام جس طرح قدرت سے متاخر ہے۔ اسی طرح ارادہ سے بھی
بالطبع متاخر ہے۔ کیونکہ کلام دہی کرتا ہے۔ جس کا ارادہ کلام کرنے کا ہو۔ اور جس
کا ارادہ کلام کرنے کا نہ ہو۔ وہ کلام بھی نہیں کیا کرتا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ
کلام کے لئے ارادہ شرط ہے۔ اور بقول پادری صاحب شرط اپنے شرط سے
بالطبع سابق ہوتی ہے۔ پس کلام سے ارادہ بالطبع سابق ثابت ہوتا ہے۔ اسی

طرح پر کلام بھی صفت ثابت ہوگی۔ نہ کہ اقنوم۔

جواب ۱۔ پادری صاحب کا یہ کہنا کہ اگر حیات اور کلام صفات مانے جائیں۔ تو چونکہ یہ بالطبع سمح اور بصر اور قدرت پر مقدم ہیں۔ اس لئے خدا کی صفت کا آپس میں تقدم و تاخر لازم آئے گا۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ تقدم و تاخر تب لازم آتے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں۔ کہ اللہ تعالیٰ میں پہلے حیات اور کلام پیدا ہوا۔ اور پھر سمح بصر وغیرہ۔ مگر معاذ اللہ ہم اس کو کفر تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کو اور اس کی تمام صفات کو قدیم سے مانتے ہیں۔ ان ظہور صفت میں بیشک تقدم و تاخر ہے۔ اور اس کے عیاں بھی قائل ہیں۔ مثلاً وہ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ زکریا کی پیدائش خدا کی صفت خلق نے کی۔ مگر اس صفت خلق کے ظہور سے پہلے خدا کو زکریا کی پیدائش کا علم تھا۔ پس علم خلق سے مقدم ہوا۔ حالانکہ یہ دونوں خدا کی صفات ہیں۔ مگر اس میں کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ حقیقتاً علم خلق سے پہلے نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ خدا ایک زمانے میں عالم تو تھا۔ مگر خالق نہ تھا۔ بلکہ تقدم سے محض یہ مطلب ہے۔ کہ صفت خلق کا جب زکریا کے ذریعہ ظہور ہوا۔ تو اس ظہور سے پہلے علم بھی تھا۔

امرتاسح۔ صفات کے محل کو اقنوم کہتے ہیں۔ پس اقانیم محل صفات کی

مثال ہے۔

جواب ۲۔ اقنوم آب میں صفات کثیرہ ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں۔ تو ان کا محل کوں ہے۔ مگر ان کا محل خود اقنوم اول ہی ہے۔ تو پھر اقانیم کی ضرورت بالکل اڑ جائیگی کیونکہ جس طرح خود اب صفات کثیرہ کا محل بن سکتا ہے۔ اسی طرح ہم مسلمان کہتے ہیں۔ کہ تمام صفات حسنہ کا محل خود ذات واحد ہے۔

امر عاشربہم چونکہ اپنی ذاتیات میں ناقص اور اپنی ہستی میں مفتقر ہیں

اس لئے ہم اسے محل صفت میں اقنومیت یعنی Personality

نہیں ہو سکتی۔ لیکن الوہیم اپنی ذات و صفات میں واجب و کامل ہے۔ اور اس میں

اقنویت پائی جاتی ہے۔ پس اتانیم محل صفات کی مثال ہے۔

جواب ۱۔ جو دلیل پادری صاحب نے انسان میں اقنویت کے نہ ہونے کی دی ہے۔ وہ دلیل بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ اقنویت

Personality کا ہونا ضرورت و احتیاج ہے۔ اور خدا ضرورت

احتیاج سے پاک ہے۔ پس جبکہ انسانی روح محض واحد ہو کر صفات کثیرہ کا بغیر کسی شخص کے خود محل بن سکتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے کیوں یہ ضرورت تسلیم کی جائے۔ کہ وہ صفات کثیرہ کا محل بننے کے لئے اتانیم کی احتیاج رکھتا ہو۔

جواب ۲۔ جس طرح صفات کے متعلق عیسائی یہ کہتے ہیں۔ کہ ان کے لئے ذات باری کے سوا کوئی اور محل چاہیے۔ بعینہ عقلاً یہ سوال اتانیم کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ کہ ذات باری کے اتانیم کا ذات باری میں کونسا محل ہے۔ اگر اتانیم ثلاثہ کا محل خود ذات باری ہے۔ اور کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو صفات کثیرہ کے لئے بھی واجب تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور محل کی کوئی ضرورت نہیں۔

الامر التحدی عشرہ۔ قرآن مجید میں لکھا ہے اِنِّیْ یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَلَہٗ مَکَلُوْنٌ لَّہٗ صَاحِبَةٌ عَلَآئِکَ اِسْمُہٗ اَمْرٌ یُّقَادِرُ عَلَیْہِ کہ بغیر بیوی کے کسی مرد سے بچہ پیدا ہو جائے۔

جواب۔ اس فقرہ میں اور مریم علیہا السلام کے عذر میں کہ اِنِّیْ یَکُوْنُ لِّیْ غُلَامٌ وَلَہٗ یَمْسُکُنِیْ بُشْرًا فِیْ فَرْقٍ ہے۔ یعنی مریم علیہا السلام کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں قابل تولید ہوں۔ مگر اس تولید کے لئے مس رعل کی شرط ہے۔ اور وہ ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ لیکن خدا تعالیٰ اِنِّیْ یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ میں یہ جواب نہیں دیتا۔ کہ گو میں قابل تولید ہوں۔ مگر ولد اس لئے ناممکن ہے۔ کہ اس کے لئے مس زوجہ شرط ہے۔ اور وہ پوری نہیں ہوئی۔ بلکہ اِنِّیْ یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ جملہ تامہ ہے۔ (لیکن مریم کے عذر میں جملہ تامہ نہیں تھا۔) اور استفہام انکاری ہے۔ یعنی

خدا تبارک و تعالیٰ تو لید نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **سُبْحَنَهُ** یعنی ولادت کا مفہوم حدوث اور عہد ور ہے۔ اور خدا کا صادر ہونا یا حادث ہونا خدائی کے مشافی ہے۔ ہاں اس انکار کی ایک مزید دلیل اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور وہ **كَمْ تَكُنْ لَهُ مَاجِبَہ** ہے۔ اور یہ استدلال بالاولیٰ ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس ذات میں تولید کا مادہ اور قابلیت نہ ہو۔ اس کے لئے ولد منسوب کرنا اور اس کی بیوی تجویز کرنا دونوں کفر ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ہستی قابل تولید ہے۔ تو پھر اس کے لئے بیوی تجویز کرنا کفر اور غلط نہ ہوگا۔ لیکن باوجود اس کے کہ عیسیٰ خدا کو قابل تولید سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے صاحبہ کے وجود کو کفر قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ان کے کفر قرار دینے کو خدا نے عدم ولد کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر تم صاحبہ کے وجود کو یعنی ولد کے پالنے والی کو کفر قرار دیتے ہو۔ تو ولد کا ماننا بدرجہ اولیٰ کفر ہوگا۔ کیونکہ صاحبہ کا مفہوم جزر والد کی پرورش کرنے والا وجود ہے۔ پس اگر جزر والد دقوع پذیر ہو۔ تو صاحبہ کے وجود میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر صاحبہ کا وجود محال ہے۔ تو لازماً جزر والد (ولد) بھی محال ہے۔

الامر الثانی عشرہ ابن اللہ کا لفظ منقول شرعی ہے۔

جواب۔ منقول شرعی تب ہوتا ہے۔ جب لغت میں ابن کے معنی کچھ اور ہوتے۔ اور شریعت میں ابن کا مفہوم کچھ اور ہوتا۔ پھر اگر وہ مفہوم واقف کے مطابق اور شریعت کے موافق ہوتا۔ تب بے شک قرآن کا لفظ ابن اللہ پر اعتراض کرنا غلط ہوتا۔ لیکن عیسیٰ اقنوم ثانی کو ابن انہی معنوں میں کہتے ہیں جن معنوں میں ہم اپنے ابناء کو اپنا قرار دیتے ہیں۔ اور چونکہ یہ مفہوم خدا کی شان کے بعید ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس مسئلہ پر اعتراض فرمایا ہے۔ اور چونکہ مسیح کا ابن اللہ ہونا انہی معنوں میں ہے۔ جن معنوں میں ہم کسی کو اپنا ابن کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ یہ منقول شرعی چھوڑ منقول ہی نہیں۔ اور چونکہ خود

بادری عبدالحق صاحب بھی لغوی معنوں میں ابن اللہ کہنے کو کفر سمجھتے ہیں۔ جو
تشریف ابن اللہ کی خود انہوں نے کی ہے۔ یعنی اقنوم اول سے صادر ہونا۔ وہ
یعنی لغوی تشریف ہے۔ اس لئے صادر ہونے کو ماننا کفر ہوگا۔

الامر الثالث عشرہ ہم ابن اللہ کو انہی معنوں میں ابن اللہ سمجھتے ہیں۔
جن معنوں سے وہ خدا کی شان کے شایان ہے۔ یعنی خدا سے صادر ہونے والا
بیوی کے ذریعہ پیدا ہونے والے کو ہم ابن اللہ نہیں کہتے۔ جیسا کہ خدا کی سمج
و بصیر ہم انسانوں کی طرح کان اور آنکھ کے ذریعہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ بنیر کانوں اور
آنکھوں کے تصور کرتے ہیں۔

جواب انسانوں کے سمج اور بصیر میں اور خدا کے سمج و بصیر ہونے میں مفہوم
کے ملنا نہ کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ سمج کے معنی ہیں آوازوں کو معلوم کر لینا اور
بصر کے معنی ہیں رنگوں میں امتیاز کرنا۔ اور یہ مفہوم عیسائیوں کے نزدیک خدا اور
انسان دونوں میں مشترک ہے۔ اسی طرح اگر ذرائع کا فرق ہو۔ لیکن انسانوں کے
ابن اور اللہ کے مفہوم میں بقول عیسائیوں کے کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ان کے
نزدیک اقنوم ثانی بسبب اقنوم اول سے صادر ہونے کے اس کا بیٹا ہے۔ اور
انہی معنوں میں عیسائی اپنے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ پس گو ابن اللہ
اور ابن انسان کے صدور کے ذرائع میں فرق ہے۔ مگر مفہوم کا فرق نہیں۔ اور
چونکہ صدور کے لئے حادث لازم ہے۔ کیونکہ بنیر حدوث کے صدور ہو سکتا ہی نہیں
اور حدوث خدا تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔ اس لئے صدور کا مفہوم خدا تعالیٰ
ذات میں ماننا کفر ہے۔ کیونکہ جو صادر ہے۔ وہ بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ بسبب حادث
ہونے کے اور جس سے صادر ہو۔ وہ بھی خدا نہیں رہ سکتا۔ بوجہ ناقص ہوجانے
کے۔ اگر کوئی کہے۔ کہ صادر کرنے والے نے اپنے حکم سے صادر کیا۔ اس لئے
اس کی ذات میں کوئی نقص نہیں آیا۔ تو اس کا یہ جواب ہے۔ کہ اس طرح تمام
مخلوقات اس کے حکم سے صادر ہونے کے سبب ابن اللہ کہلائے گی۔

اسلام اور ویدک مہم

خدا تعالیٰ جو عظیم اور حکیم ہے۔ اس نے دنیا کو ظلمت و گمراہی کی تاریک قمار گھٹاؤں میں گھرا دیکھ کر اپنی سنت قدیمہ کے مطابق دنیا نے جہالت کو منور کرنے کے لئے نور اسلام ہویدا کیا۔ خدا کا یہ مذہب "ناران کی چوٹیوں پر سے تمام دنیا پر چکا اور گرد پا انسانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے منزل مقصود تک پہنچایا تمام دنیا نے مقدمہ طاقت سے اس نور خداوندی کو نبھانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ بچہ تنواروں کے سایہ میں پلا۔ پھولا اور پھٹا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب دنیا کا کونہ کونہ اس سراج منیر کی ظلمت پاش ضیاء سے منور ہو گیا۔ ہزار ہا مذاہب اس کے مقابل پر آئے۔ مگر اسلام کے دلائل بینہ و براہین ساطعہ کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر ان کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

دید۔ جو ممکن ہے ابتدا سے دنیا میں جب انسانی دماغ نے ابھی نازل ارتقا طے نہ کی تھیں۔ (ستیارتھ پرکاش بے دفعہ ۴، ص ۱۲) ابتدائی تعلیم دینے کے لئے نازل ہوئے ہوں۔ لیکن آج جبکہ ترقی علوم سے انسانی دماغ ارتقا کے بلند ترین مقام پر پہنچ چکا ہے۔ اس تعلیم کو عالمگیر اور قابل جمع قرار دینا وکبر میں گرفت۔ بچنے کے مترادف ہے۔

عالمگیر کمال الہامی کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے عالمگیر الہامی ہونے کا خود دعوئے کرے۔ اور اس کے دلائل بھی خود ہی بیان کرے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **إِنَّا نُنَزِّلُ الذِّكْرَ الْعَرَبِيَّ الشَّارِعَ الْآخِرَ** کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے **نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ (محمد ص ۱۱)** یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ **لِلْعَالَمِينَ نَزِيرًا (الفرقان ص ۱)** کہ یہ قرآن اس لئے نازل کیا گیا ہے۔ تاکہ تمام دنیا کے لئے موجب

بدلتا ہو۔ مگر اس کے مقابلہ میں وید نہ تو اپنے الہامی ہونے کے مدعی ہیں۔ اور نہ وہ اپنے لہجہ کا کچھ اتنا پتہ بتاتے ہیں۔ کہ وہ جتنے کون ؟ انسان تھے۔ یا آگ پانی ہوا۔ سورج ؟ ان کی زندگی کیسی تھی۔ ؟ انہوں نے وید کی تعلیم پر کس طرح پر عمل کیا۔ ؟ کس طرح تبلیغ کی ؟ تاکہ ہمارے لئے وید کی تحقیق کرنے میں آسانی ہوتی۔ مگر ویدوں نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے غیر مکمل ہونے کا کافی ثبوت لہجہ پہنچا دیا۔ اندری صورت آریہ صاحبان کا وید کو کامل الہامی اور عالمگیر کتاب ثابت کرنا "مدعی سست گواہ حیت" بلکہ "مدعی منقود اور گواہ موجود کا مصداق ہے۔"

(۲) وہی کتاب مکمل الہامی کہلا سکتی ہے جو اس نسخہ ہدایت (خدا) کے متعلق نہایت اعلیٰ اور اکمل تعلیم دے۔ جو کتاب خدا تھا لے کو نہایت بھیاں تک محل میں پیش کرتی ہے۔ وہ کبھی الہامی نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف نے خدا تھا لے کی مختلف صفات بیان فرما کر فرمایا۔ *قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ صَمَدٌ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَهُ أَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۝ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ رَبُّ الْمَرْجِ ۝* ہر قسم کی خوبیاں خدا تھا لے میں پائی جاتی ہیں۔ اور خدا تھا لے ہر قسم کی برائی سے پاک ہے۔ کیسی اعلیٰ اور مکمل تعلیم ہے۔ ویدوں کی خدا کے متعلق تعلیم ملاحظہ ہو۔

لاکسم خدا خدا کہتا ہے۔ "اس دنیا میں پاپ اور پرمیہو گئے کے دور سے ہیں۔ ایک عارفوں یا عالموں کا دوسرا علم و معرفت سے معزاکا۔۔۔ میں نے یہ دور سے سنے ہیں۔" (بجور وید ۱۱) بحوالہ رگوید آدمی بھاشا بھو مکامترجم نہال سنگھ (۱۲۲) پھر خدا پوچھتا ہے۔ اے بیابے ہوئے مرد عورتو! تم دونوں رات کو کہاں بٹھہرے تھے۔ اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ اور کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا دھن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ (نیوگن) اپنے دیور (نیوگی خاوند) کے ساتھ شب باش ہوتی ہے۔۔۔ اسی طرح تم کہاں شب باش ہونے تھے۔ (رگوید اشٹک ۱۳) اور حیائے ۸ ورگ ۱۵ منتر ۲ و بھو مکا ۱۲۵) اختیار تھا پر کاش بلم دفعہ ۱۳۰ چور خدا۔ اے اندر دولتوں سے مالا مال پریشور! ہم سے الگ مت

ہو۔ ہماری مرغوب سامان خوراک مت چاہ۔ اور نہ کسی اور سے چروا۔ درگود
اشک اسوکت ۱۹ ترقی عہ آریہ بھونی ص ۵۵ مصنف دیانند، (تفصیل در سری
جگہ درج ہے) ۴

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۳) ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ کہ ہر وہ چیز جو انسانی ہمت کی ایجاد ہو۔

دوسرا انسان اس کی تعمیر کی طاقت رکھتا ہے مگر صانع قدرت کی مصنوعات کو
بنانے کی کوشش تعیض اوقات ہے۔ پس الہی کلام اور انسانی کلام میں یہی بلاتمی

ہے۔ کہ کلام الہی بے مثل ہوتا ہے۔ قرآن شریف نے بیان کیا کہ دہل تمام دنیا کو
اپنے مقابل پر ہلا کر کہا۔ لَئِنْ أَجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی أَنْ يَأْتُوا
بِمِثْلِ هَذِهِ الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ دَلُوْا كَافٍ بَعْضُهُمْ

بِضَعْفٍ ظَهَرَ اٰر بنی اسرائیل ع ۱۱۰ کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر بھی
قرآن کریم کی نظیر لانے کی کوشش کریں۔ تو بھی اس کی مثل نہیں لاسکیں گے
چنانچہ واقعات نے بتا دیا۔ کہ قرآن کا یہ دعویٰ کس قدر روزنی تھا۔ اور ۱۳۰۰

سال تک کوئی اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ پنڈت کالیچرن اور دہرم پھلشنو
نے چند غلط فقرات لکھ کر "اندھوں میں راجا" بنا چاہا۔ مگر ایسی موہنے کی

کھانی۔ کہ بولنے کا نام تک نہ لیا۔ مگر اس کے بالتحال برہمنوں نے انھوں
کو اپنے پاس سے بنا کر درگود۔ سام دید۔ اور بھرود کے ساتھ ایسا ملا دیا کہ

آریہ صاحبان انھوں کو بھی باقی تینوں دیدوں کی طرح الہامی ماننے لگ گئے
حالانکہ باقی دیدوں میں انھوں کا کہیں ذکر نہیں۔ بلکہ وہاں صاف طور پر تین

ہی دیدوں کا ہونا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔
ایک ایک دید کو۔۔۔۔۔ بارہ بارہ سال ملکہ چھتیس سال میں ختم کریں

(ستیا رتھ پرکاش ب ۳ دفعہ ۲۶) فرمائیے جناب دید تین میں۔ یا چار۔ بارہ
سال میں ایک پڑھنے سے ۲۶ سال میں کتنے دید ختم ہوتے ہیں۔ تین یا چار؟

اور سنئے! "جس سبھا میں رگوید یجروید۔ سام وید کے جاننے والے
تین سبھا سے ہو کر آئین بابتھیں" (منو ۱۲-۱۱۲ بحوالہ ستیارتھ پرکاش
باب ۲ ص ۱۲۳)

پھر یجروید ادھیائے ۳۶ کے پہلے منتر میں "رگوید۔ سام وید اور یجروید"
کا نام ہے۔ مگر اتھروید کا کہیں ذکر نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اتھروید بعد میں
برہمنوں نے باقی تینوں میں ملا دیا ہے۔ پس وید بے مثل نہ رہے۔
(۴) کامل الہامی کتاب وہی ہو سکتی ہے۔ جو عین فطرت انسانی کے مطابق
تعلیم دے۔ قرآن کہتا ہے۔ فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیہا (روم ۴)
کہ اسلام عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ مگر اس کے بالمقابل
ویدک دھرم کی تعلیم فطرت انسانی کے سخت خلاف ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہو
(۱) "بچوں سے لاڈ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ تنبیہ ہی کرتے رہیں۔ (ستیارتھ

ب ۲ دفعہ ۲۰)

(۲) پیدائش ہی سے گائیری منتر پڑھنا اچھا ہے۔ (ستیارتھ ب ۳
دفعہ ۱ ص ۵۹) (۳) بالکل ہی شادی نہ کرنا اچھا ہے۔ (۸ نہ ۸ سال کی عمر میں
ستیارتھ ب ۳ دفعہ ۳۴-۳۵)

(۴) وید میں ہے۔ "۲۰ دل جو بمنزل باپ ہے۔ زمین میں جو بمنزل دختر کے
ہے۔ باران کی صورت محل قائم کرتا ہے" (رگوید منڈل ۱۶ سوکت ۱۶۳ منتر ۳۳
بحوالہ رگوید آدی بھاش بھومسکا ص ۱۹۳)

علاوہ ازیں نیوگ کا جیاسوز مسئلہ ایسا ہے۔ کہ فطرت انسانی اسے
دھکے دے رہی ہے۔ صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں

سوامی دیانند صاحب سے کسی نے سوال کیا۔ کہ جب ایک شادی ہوگی۔
اور ایک عورت کے لئے ایک خاوند ہوگا۔ اگر مرد و عورت دونوں جوان ہوں۔
اور عورت حاملہ ہو۔ یا مرد مر جائے ہو۔ تو ان صورتوں میں اگر حاملہ عورت کے خاوند

یا ایک مریض عورت کی جوان عورت۔ یا ایک مریض عورت کے جوان خاوند سے رہانہ جائے۔ تو کیا کرے۔ سوامی جی کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہانہ جائے۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن زندگی بازی یا دنیا کاری کبھی نہ کریں۔ دستیار تھبلم

صلہ ۱۱۴

حضرات! انسانی کائنات میں ایک لمحہ کے لئے یہ قبول کر سکتی ہے کہ ایسی حیا سوز تعلیم دینے والی کتاب کبھی خدا کا کلام ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں "اس کے لئے اولاد پیدا کرے" کا محض ٹھکوسلہ ہے۔ کیونکہ جس صورت میں عورت حاملہ ہوگی۔ اولاد کے حصول کے لئے کہیں اور جا کر نیوگ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پس اصل علاج تو سوامی صاحب نے "رہانہ جائے" کا بتا دیا ہے۔

ہمارے گجرات رینچاب میں سوامی جی تشریف لائے۔ اور آکر لیکچر دیا ایک شخص نے سوامی جی سے سوال کیا۔ "جس عورت کا خاوند کنجری کے پاس جا کر اس کی عورت کیا کرے؟" انہوں نے فرمایا۔ اس کی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھ لے۔ راجپوت چتر مہنت لکھرام و آتھارام (۱۲۵۵) حیرت ہے کہ اس تعلیم کو کامل۔ مکمل۔ بلکہ اکمل اور عالمگیر الہامی قرار دیا جاتا ہے۔

گر یہی دیں ہے کہ جو ہے ان خصال سے عیاں

میں تو اک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار

(۵) خدا عظیم کل ہے۔ اس کے لئے تینوں زمانے یکساں ہیں۔ وہ آئندہ

کے حالات مانتا ہے۔ کیونکہ وہی قدسہ تعذیر کا ناعل ہے مگر انسان ضعیف البنیان کسی علم کی وجہ سے آئندہ کے حالات نہیں جان سکتا۔ پس انسانی اور الہامی کلام میں ایک یہ مابہ الامتیاز ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں

پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ جو اسے کلام انسانی سے ممتاز و بالاثابت کرتی ہیں۔
 ویدوں میں پیشگوئیوں کا نام تک نہیں۔ مگر اس کے بالمقابل قرآن شریف نے
 آئندہ زمانہ کی اخبار بیان فرما کر آئندہ زمانوں کے لئے قرآن کی صداقت
 کے نئے نئے ثبوت مہیا فرمائے۔ قرآن شریف نے فرمایا۔ کہ جب فرعون مصر
 دریائے نیل میں غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت خدا نے اس کی وحدانیت کا
 اقرار کیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اسے کہا۔ **فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ
 لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ**
 (یونس ۹۷) کہ اے فرعون! آج سے تیرے جسم کو محفوظ رکھوں گا۔ نہ اس
 کو دریائی مچھلیاں یا پانی تلف کر سکے گا۔ نہ زمین کے کیڑے یا مٹی اس کی
 تباہی کا موجب ہوں گے۔ بلکہ یہ ہمیشہ محفوظ ہی رہے گا۔ تاکہ تیرے بعد کے
 آنے والوں کے لئے نشان بنے۔ اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے
 غافل ہیں۔

قرآن نے خدا تعالیٰ اور فرعون کی گفتگو کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے ثبوت
 میں اپنا وعدہ بیان فرما کر اس کو بطور پیشگوئی کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔
 آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد فرعون کی لاش صحیح و سالم برآمد ہوئی۔ اور
 مصر کے عجائب گھر کی زینت ہو کر **لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً** کے
 مطابق ہمارے لئے بطور نشان بنی

کیا ایسی عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کے بعد بھی قرآن کریم
 کے الہامی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ مبارک وہ
 جو حق کو قبول کرتے ہیں

تردید قدامت وید (منقولی دلیل)

آریوں کا دعویٰ ہے۔ کہ وید ابتدا سے عالم میں اترے تھے۔

دیدوں کے نازل ہونے سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔

(۱) اے لوگو! جو عالم ہمارے بالتشریح کہتے تھے۔ مذکورہ بالا تعلیم کا اور
یہی پھل و کام کئے تھے۔ الیٰ آخرہ (بجروید اوصیائے ۱۰۴ منتر ۱۳)
(۲) زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راتنی شعار۔۔۔۔۔ گذر
چکے ہیں۔ (عبود کا منہ ۵۶)

(۳) پہلے زمانہ میں جو عالم و فاضل اور بے گناہ (پاک) تھے۔ وہ بے بہت
جلد ہی عاجزی سے تعلیمی فائدہ کے لئے اپنی اولاد کی حفاظت کے لئے طلوع آفتاب
یا صبح صادق کو (لکشیہ) مد نظر رکھ کر اپنے گیارہ آدمی (مذہبی فرائض) شروع کرتے
تھے۔ (رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۹ منتر ۱) اس سے معلوم ہوا۔ کہ دید شروع
دنیا میں نہیں اترے۔

(۴) اے دشمنوں کے مارنے والے۔ اصول جنگ میں ماہر بے خوف و
ہراس پر جاہ و جلال۔ عزیز و اور جو ائمہ و اہم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو
پریشور کے حکم پر چلو۔ اور بد فرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا
سرا انجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے
جو اس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے۔ (رگوید بھاشا عبود کا منہ ۳۲)
منقول از اہمقرون وید کاٹھنبرہ الزاک منہ ۴۷ منتر ۱۳ خط کشیدہ عبارت
ظاہر کرتی ہے۔ کہ وید کے نزول سے پہلے لوگ ہوئے اور لوگوں نے منی لفظوں
پر فتح پائی۔ ورنہ یہ عبارت الحاقی ثابت ہوگی۔

(۵) اے سورج کی طرح ایشورج اور دیا اور سکھ کے دانا ہاتھ عالم ان
جیسے سورج کے اکاش میں چلنے کے صاف راستے ہیں۔ جو آپ کے پہلے ہاتھ
کے عمل میں لائے۔ بلا گرد و غبار راستہ میں ان پر آرام سے چلنے لائق راستوں سے
آج ہم لوگوں کو چلانے۔ اور ان طریقوں سے چلتے ہم لوگوں کی حفاظت بھی
کیجئے۔ اور ہم کو زیادہ تر ہدایت کیجئے۔ اور اسی طرح سے سب کو خبردار کیجئے۔

دیجر دید ۱۳۶ حصہ سوم اوجھائے ۲۴ متر ۲۴

(۶) پاری لوگ زندگوستا کی ابتداء کردڑوں برس ویدوں سے پہلے بتلاتے ہیں

وید کی حقیقت

وید اور قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ضروری ہے۔ اور وید میدان میں نہیں آیا۔ کیونکہ خود تمہارا عقیدہ ہے۔ کہ وید کی زبان کسی قوم کی زبان نہیں۔ کیونکہ اس طرح پکش پات یعنی طرفدار ہی ہوتی ہے۔ اور اس وقت بھی سنسکرت کسی ملک کی زبان نہ تھی۔ اور نہ اترنے کے وقت کسی ملک اور قوم کی زبان تھی۔

سوال ۱۱۱ خاص ایشور کی زبان ہے۔ تو سوال یہ ہے۔ کہ جب کسی ملک اور قوم کی زبان نہیں۔ تو اس کا انکشاف کیسے ہوا۔ اگر کہو۔ کہ ترجمہ کیا ہے تو پھر بھی طرفدار ہی لازم آتی ہے۔ کہ خدا نے کسی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا تو حاصل کلام یہ کہ وید کا انکشاف حقیقتاً نہیں۔ تو مقابلہ کیسے ؟

(۲) سنسکرت مردہ زبان ہے اور اب بھی اس کا فہم مشکل ہے۔ اگر اس کے معنی میں اختلاف ہو۔ تو حل کس طرح کریں ؟

(۳) وید پتک ایسے پراچین (پرانے) زمانہ کی بتائی جاتی ہے۔ جس کی کوئی تاریخ محفوظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے۔ کہ وید کی کیا ضرورت تھی۔

کونسی گمراہی تھی۔ جس کے دور کرنے کے لئے آئی تھی۔ کیونکہ تمہارے خیالات کے مطابق ابتدائے آفرینش سے لوگ کئی خانہ سے لگے تھے۔

تو پھر اس کا اثر قوم پر کیا ہوا۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ اس کے نہ اترنے سے نقصان نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اترنے سے فائدہ ہوا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر

نہ ہوتا۔ تو کوئی نقصان نہ ہوتا

(۴) جن پر دید نازل ہوا۔ ان کا چال چلن کیسا تھا۔ کوئی تاریخ نہیں جس سے ان کے مال باپ اور قومیت و چال چلن معلوم ہو سکے۔

(۵) خود ہندوؤں کے ہاں اختلاف ہے کہ کس پر اترے۔ سناٹن دھرمی برہما پر نازل شدہ اور آریہ چار رشیوں پر نازل شدہ مانتے ہیں۔ پھر کہیں چارویہ اور کہیں تین دید۔ پس جب اصل کتاب میں بھی اختلاف ہے۔ تو وہ ہدایت کیا دے سکتا ہے۔

(۶) وہ الفاظ جن سے وہ رشی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً اگنی۔ والو۔ اوت۔ انکرا چار رشیوں کے نام پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ وہ کئی معانی میں مشترک ہیں۔ اگنی آگ پر اور پرمیشور کا نام اور میسرے نیوگی کا نام بھی اگنی ہے۔ والو ہوا پر انکرا پانی پر بھی اور اوت سورج پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو آیا یہ عنام مراد بک کے نام ہیں۔ یا اجرام کے نام ہیں۔ یا رشیوں کے نام ہیں۔ کوئی تاریخ ہوتی۔ جو بتاتی کہ یہ رشیوں کے نام ہیں۔

(۷) دید کی تعداد میں اختلاف ہے کہ تین ہیں۔ یا چار

(۸) پھر دید جو ہے خود یا اس کے حامل ناکام ہیں۔ کیونکہ اتنی میعاد اس کو ملی ہے۔ کہ تمہارے توان کے مطابق ایک ارب یا ڈیڑھ ارب ملا ہے۔ مگر اب تک نہ شائع ہوئی۔ نہ ترقی کی۔ اور خود ماننے والوں کی تعداد مختصر ہی ہے۔ یہ دھوکہ نہ کھائیے۔ کہ ۲۷ کروڑ ہندو ہے۔ کیونکہ جینی لوگ۔ پھر برہمن لوگ جن کے بشکال بھرا پڑا ہے۔ پھر وام مارگی۔ مائنگی۔ یہ سب دیکھ کے منکر ہیں۔ تو ان سب کو نکال کر محض چند لوگ ہی رہ جاتے ہیں۔

(۹) پھر ماننے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک آریہ دوسرے سناٹن۔ ان کا باہم عقائد میں بہت اختلاف ہے۔ کہ مسلمانوں میں خواہ کئی فرقے ہوں۔ لیکن اصول میں کوئی اختلاف نہیں۔ کلمہ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ سب ایک ہیں۔

(۱) شاتن و صرم واسے خدا کے حلول کے قائل مگر آریہ منکر۔
 (۲) شاتن و صرم روح و مادہ کو حادث اور آریہ لوگ نامادی اور غیر حادث مانتے ہیں۔

(۳) شاتن و صرم مورتی پوجا کے قائل اور آریہ منکر۔
 (۴) شاتن نیوگ کو دنیا کاری اور خلافت وید اور آریہ لوگ مین جائز اور حلال اور فردی اور وید کی مقدس تعلیم مانتے ہیں۔

آریہ رملج کے عیاروں کے مطابق ویدائی نہیں

(۱) ایشور کا گیان ابتداء میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جن چیزوں پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ پر مانتا ہے ان کو انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا۔ اور مکمل پیدا کیا۔ جیسے سورج۔

تر وید اور سورج کے ساتھ وید کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ سورج سے ہر ایک فرد بشر بالغ و نابالغ بڑھا جوان ایک جیسا فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ بخلاف وید کے جس کے پڑھنے کے لئے بڑے بڑے وید و صرم ماننا اور دودان کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

(ب) ویدوں میں ایسے سینکڑوں حشر ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ وید ابتداء دنیا میں نہیں بنے۔ بلکہ ویدوں کے نزول سے پہلے دنیا میں مخلوق موجود تھی۔

(ج) ابتداء میں کال گیان کا نازل ہونا پر مانتا کہ نئے کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابتداء میں جبکہ پر مانتا ہے دنیا کو پیدا کیا۔ لوگوں کی حالت بچوں کی طرح تھی۔ اور اس کو سوامی جی نے اپنی منبری میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ ان سب کو مرث کھانا اور پینا اور بھوک کرنا (جملہ) مرث

آشنا ہی بنا دیتا تھا۔ اُسی رشتی میں سب انسانوں کی حالت بچوں کی سی تھی۔ ان کو پاؤں سے چلنا اور آنکھوں سے دیکھنا اس کے بغیر ان کو کچھ گیان نہ تھا۔

(ایدیش منجری ہندی ص ۸۹)

پس پر مانتا ہو کہ عیلم ہے۔ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بچوں کو کامل گیان دے ایسے بچوں کو جن کو کہ سوائے کھانے اور بھوک کے کچھ سمجھ ہی نہیں۔ اس لئے یہ ضروری ماننا پڑیگا۔ کہ پر مانتا نے ان رشیوں کو گیان دیا۔ لیکن کامل نہیں بلکہ ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق۔

(۵) سوامی جی نے اس کے آگے لکھا ہے۔ کہ ”یہ حالت ان رشیوں کی پانچ سال رہی۔ پھر پر مانتا نے ان کو دیدوں کا گیان دیا۔“ (ایدیش منجری ص ۸۹) یعنی پیدائش کے ساتھ ہی ان کو دیدوں کا گیان نہیں دیا گیا۔ بلکہ پانچ سال دنیا بننے کے بعد ان کو گیان ملا۔

اعتراض۔ اس پر سارے آریہ بھائی کہا کرتے ہیں۔ کہ واقعی انسانوں کو اس وقت اتنا گیان نہ تھا۔ کہ وہ کامل گیان کو جانتے۔ لیکن پر مانتا کا گیان تو کامل ہے۔ اس نے اپنے علم کے مطابق کامل گیان دیا۔

جواب۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ پر مانتا کا گیان کامل ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کو وہ گیان دینا تھا۔ وہ کامل نہیں تھے۔ کہ اس کو سمجھ سکتے۔ یہ تو ایسے ہی ہے۔ جیسے کہ ایک کالج کا پروفیسر جو کہ ایم اے ہے۔ ایک بچے کے آگے جبکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس جائے۔ تو اس کے آگے وہ ایم اے کا کورس رکھ دے۔ اور کہے۔ کہ یہ رٹا کا واقعی اتنی لیاقت نہیں رکھتا۔ کہ یہ ایم اے کا کورس سمجھ سکے۔ لیکن میں تو ایم اے ہوں۔ اور علم کے لحاظ سے کامل ہوں۔ تو سارے لوگ اس کو بے وقوف کہیں گے۔ اور جواب دیں گے۔ کہ تیرا علم واقعی کامل ہے۔ لیکن جس بچے کو تو نے پڑھانا ہے وہ اس قابل نہیں۔ کہ وہ ایم اے کے کورس کو سمجھ سکے۔ اس کے لئے تو وہی

سام وید میں تحریف :- سام وید اجمیر واسے میں 65 منتر زیادہ ہیں
دیکھو ۱۳۱ اور کاشی میں چھپے ہوئے سام وید میں یہ منتر نہیں۔ غٹ
منتروں میں اختلاف :- دیا منڈ کا وید 1824

جوانند	1808	شوشنکر	1549
دیا منڈنکر	219	ساتولیک	70
رگوید میں تحریف :-	سائیں اچار یہ	10000	سے کچھ زیادہ
پنڈت شوشنکر	10402	سوامی دیا منڈ جی	10589
اوداک انوکرمی	10580	چیمند سنگرہ شکوک کے مطابق	10402
گائیتری وغیرہ کے مطابق	10142	پنڈت جگن ناتھ	10452
چرن دیوہ کائیکا کار	10472	مہتہ برت	10442
درتمان سنگھتا کے مطابق	10440		

(وید سروموصنف پنڈت ویدک منی جی ۶۸ مطبعہ اندر پرس پریس ملی)
تیسرا معیار :- اس میں عقل اور اخلاق کے خلاف تعلیم نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق
بھی وید الہامی نہیں ہیں۔ کیونکہ کسی وید منتر میں جن کی تعلیم انسانی اخلاق کو گرانے والی ہو
(۱) مثلاً رگوید کے ایک منتر کا ترجمہ سوامی جی کرتے ہیں۔ بادل کو بمنزلہ باپ قرار دیا ہے
اور زمین کو بمنزلہ بادل زمین میں اس طرح پانی ڈالتا ہے۔ جیسے باپ لڑکی میں نطفہ۔
(رگوید آدمی بھاشہ بھومکا ہندی ۲۹۹)
(ب) لنگ کا صاف کرنا۔ اس لنگ کو صاف کرتا ہوں۔ جس سے رکھشا کی جاتی ہے۔
اس گدا اندری (پافانہ کی جگہ) کو پوتر کرتا ہوں۔

آگے لکھا ہے کہ گرد پتی یعنی استاد کی عورت کرتی ہوں۔ ہے۔ اس پر یہ اعتراض
ہے کہ گرد کی عورت کس طرح لڑکے کے لنگ اور گدا کو صاف کرے۔
ایک شبہ کا ازالہ۔ یہاں پر آریہ مناظر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی عمر کے لڑکے
حالاں کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جتنی دیر بچہ گرد گل میں رہتا ہے۔ اس وید منتر پر ان کو عمل

کرنا ضروری ہے اور گرد کل میں ۲۵ سال کا جوان کچھ بھی ہوتا ہے۔ اس کے گلے کو استاد کی عورت کس طرح صاف کرے گی۔

(۷) ان دونوں منتروں کو پڑھ کے پرش اپنی گر بھنی (حمل والی) استری کے گر بھاشیہ پر ہاتھ رکھے۔ رسکار و دھی ہندی صفحہ ۵۰) آریہ سماجی دوست بتائیں کہ وہاں پر ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟

(د) بیل سے بھوک کرنا۔ بانی کے لئے مینڈھا سے پر م ایشوریہ کے لئے بیل سے بھوک کریں۔ (بجروید پٹیل)

(س) ہے انسانو۔ تم مضبوط رگدا اندری (دپا خانہ کی جگہ) کے ساتھ موجودہ اندھے سانپوں اور کٹل (یعنی سخت موذی) سانپوں کو کام میں لاؤ۔ (س) ٹانگوں کے اوپر چڑھ۔ ہاتھ کا سہا ہا دے۔ اتم من کے ساتھ عورت کو دیر سے ڈالے (اتھرو دید ۴۱-۳۹۰)

غرض آریہ سماج کے اصولوں کے مطابق بھی وید الہامی ثابت نہیں ہوتے۔

ویدوں کی فصاحت و بلاغت

قرآن مجید کا دعویٰ فصاحت و بلاغت ایک ناقابل تردید دعویٰ ہے۔ آریہ سماجی دوست بھی قرآنی اعجاز کا منہ چڑھانے کے لئے دیکھا دیکھی ویدوں کو فصاحت و بلاغت کا بے بہا خزانہ قرار دیا کرتے ہیں۔ گوا بھی تک ان عاملان وید نے خود بھی ویدوں کے سر بستہ خزانہ کو نہیں پایا۔ اور اس غائبانہ محبوب کے مخفی اور مستور حسن و جمال کا شاید انہوں نے بھی اپنی آنکھوں سے نہیں کیا۔ بلکہ محض ”حسن ظن“ کے طور پر وہ دعویٰ بے نظیری وید کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ تاہم ان کے اس بے بنیاد دعویٰ کی تردید کے لئے ویدوں کی فصاحت و بلاغت کے چند عجیب و غریب نمونے بطور مشتمل نمونہ از خروارے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے فصاحت و بلاغت کے علاوہ علم ہیئت۔ منطق و فلسفہ۔ سائنس اور دیگر علوم سے وید کا معرا اور تہید ست

ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

آریہ سماجی دوست جو ویدوں کے حسن نامعلوم و نادیدہ پر لٹو ہو رہے ہیں۔ اور جو
دیکھنا نہ بھالنا صدقے گئی و خالہ

کے مصداق ہیں۔ وہ وید کی فصاحت و بلاغت کے مندرجہ ذیل "شاہکار" ملاحظہ
فرمادیں۔ اور حسن بیان کی داد دیں۔ یاد رہے کہ یہ سب عبارت مسلسل ہے۔ اقتباس
یا انتخاب نہیں۔ خادق۔

۱۔ اتر و وید کا ندھنک سوکت ۱۳۰ منتر ۱ تا ۳ مترجمہ جناب پنڈت راجا رام
صاحب شاستری پروفیسر ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج لاہور۔

- (۱) کو ایا ویدی ماگدانی۔ کون ان دودھ کے خزانوں کو لے گیا۔ منتر ۱
 - (۲) کو۔ آر سکناہ پیہ۔ کون کالی گائے کے دودھ کو لے گیا۔ منتر ۲
 - (۳) کو۔ ار حنیاہ پیہ۔ کون سفید گائے کے دودھ کو۔ منتر ۳
 - (۴) کو۔ کار شنیاہ پیہ۔ کون کالی کے دودھ کو۔ منتر ۴
 - (۵) ایتم پرچم کہہ پیر چھے۔ اسکو پوچھ۔ کہاں پوچھوں منتر ۵
 - (۶) گما کم یکم پیر چھے۔ کہاں کس داناسے پوچھوں منتر ۶
 - (۷) یوانوپ تشنتی کلشم۔ اناج پیٹ میں نہیں آتے ہیں منتر ۷
 - (۸) اکپ پیہ گیا کوہ۔ مطمئن ٹھہر میں نہیں ہیں۔ منتر ۸
 - (۹) امنی کا۔ منی چھہ۔ موتیوں سے خالی اور موتیوں والا منتر ۹
 - (۱۰) دے و ت دایرتی سوریم۔ دیوتاؤں میں سورج کے مخالف منتر ۱۰
 - (۱۱) اپنی ہرک نکا ہری۔ چٹکری ہرنی اور گھوڑا منتر ۱۱
 - (۱۲) پر ددو ددو ددو گھا پرتی۔ قیمتی ہویوں کی طرف دوڑو منتر ۱۲
 - (۱۳) شرنگم ات پتے۔ سینگ کے پیدا ہونے پر منتر ۱۳
 - (۱۴) اتھو ایم ایم اتی۔ تب انہوں نے کہا۔ یہ ہے یہ۔ منتر ۱۴
- ۱۔ ہون کے موقع پر گئی وغیرہ آگ میں جھونکنے کا مصالحہ

- (۱۵) اَتَقُوْا اِيْمًا اَتِي تَب كہا یہ منتر ۱۸
 (۱۶) اَتَقُوْا اَشْوَا اَسْتَحْصُوْری نو بھون۔ تَب ہمار گھوڑے ست نہ ہو منتر ۱۹
 (۱۷) اِی یَتی کا شلاک کا۔ اتنا سلائی بھر بھی منتر ۲۰

اَتھرو وید کا ندن سوکت ۱۳۱ منتر ۱ تا ۲۳

- (۱) تَسِہ کرِت نی بھنج نم وہ بکڑے ہو جاتا ہے منتر ۲
 (۲) وَر نو یاتی و سو بھی۔ ورن دیوتا، و سودیوتاؤں کے ساتھ جاتا ہے منتر ۳
 (۳) شَتَم دا یور بھیشوہ۔ ہوا کی تلوں گامیں ہیں منتر ۴
 (۴) شَتَم اَشْو اِہرن مِیسیا۔ تلو کے سنہری گھوڑے ہیں۔ منتر ۵
 (۵) شَتَم رَتھا ہرن مِیسیا۔ تلو اس کے سنہری رتھ ہیں۔ منتر ۶
 (۶) شَتَم سَمٹھا ہرن مِیسیا۔ تلو اس کے سنہری گدیے ہیں۔ منتر ۷
 (۷) شَتَم نَشکا ہرن مِیسیا۔ سوا اس کے سنہری مار منتر ۸
 (۸) اَہل کش ورتک۔ بغیر ہل کے کش (گھاس) پر گزارہ کرینو اے منتر ۹
 (۹) آوِ نہیں تید فی۔ ملائے سے چمسا۔ منتر ۱۰
 (۱۰) اِرم قہیم مندور کے۔ اے مندور کے یہ میرے لئے ہے۔ منتر ۱۱
 (۱۱) تے ور گھشاہ سیتہ ایشنتی۔ وہ درخت اس کے کھڑے ہیں۔ منتر ۱۲
 (۱۲) پاک بلی۔ پاک بلی۔ منتر ۱۳ شک بلی۔ شک بلی۔ منتر ۱۴
 (۱۳) اَشو کتہ کھدرو دہوا۔ پیل۔ کھیر۔ دھاوا منتر ۱۵
 (۱۴) اَر لو پرناہ اَر لو کا پتہ منتر ۱۶
 (۱۵) شتہ مہت اَو۔ لٹا ہے سرے ہوئے کی طرح منتر ۱۷
 (۱۶) ویا پتہ پر شا۔ گھرا ہوا آدمی منتر ۱۸
 (۱۷) اَو مہن نیت پی یو شم۔ انہوں نے امرت دیا منتر ۱۹
 (۱۸) اَو مہیہ اَر دھشٹ پر سوتہ۔ گریڑھ جنگلی گدھا منتر ۲۰

(۲۰) دوا دوجہ ہستی لا دیرتی ۔ ماتھی کے دو چہڑے منتر ۲۳

اتھرو وید کاندنٹ سوکت ۱۳۲ منتر ۱ تا ۱۶

- ۱) آدلا مگم ایک کم ۔ تب صرف ایک تو نبی منتر ۱
 ۲) آلا مگم نکھات کم ۔ تو نبی گاڑی ہوئی منتر ۲
 ۳) کر کری کو نکھات کہہ ۔ کر کرک گاڑا ہوا منتر ۳
 ۴) تدوات ان مستھایتی ۔ سو ہوا چلتی ہوئی منتر ۴
 ۵) مگلا یم کرن وادتی ۔ وہ گھونسل بنائے یہ دیکھتے ہیں منتر ۵
 ۶) اگر م و فی شدات تم ۔ وہ اسکو مضبوط اور وسیع پائیگا۔ منتر ۶
 ۷) نہ و فی شدات تم ۔ وہ نہ پھیلا نہیں پائیگا۔ منتر ۷
 ۸) گہ ایشام کر کر م لکھنت ۔ کون ان میں سے میں باجہ کو چھوئیگا۔ منتر ۸
 ۹) گہ ایشام دندو ییم ہنت ۔ کون ان میں سے ڈھول بجائے گا۔ منتر ۹
 ۱۰) یدی ہنت کتم ہنت ۔ اگر بجائیگا۔ کیسے بجائیگا۔ منتر ۱۰
 ۱۱) دیوی ہنت کہہ ہنت ۔ دیوی بجائے گی۔ کہاں بجائیگی۔ منتر ۱۱
 ۱۲) پریا گارم پنے پنے ۔ گھر کے ارد گرد پھر پھر۔ منتر ۱۲
 ۱۳) ترینیہ اشترشیہ نامانی ۔ تین اونٹ کے نام ہیں۔ منتر ۱۳
 ۱۴) ہرنیم اتی ایکم آبرو پت ۔ سونا یہ ایک ہے۔ اس نے کہا۔ منتر ۱۴
 ۱۵) مینل شکھند ووا ہنت ۔ نیلے چوڑے والا بجائے گا۔ منتر ۱۵

اتھرو وید کاندنٹ سوکت ۱۳۵ منتر ۱ تا ۳

- ۱) مگم اتی ابھی گتہ شوا ۔ بھگ کہتا۔ سامنے گیا گتا۔ منتر ۱
 ۲) شل اتی آپ کرائتہ پر ن شدہ ۔ شل کہتا ہوا بھاگ گیا۔ پتے کا گرنا منتر ۲
 ۳) پیل اتی ابھی گتہ گو شپتہ ۔ پیل کہتا ہوا۔ دبا کر ٹھیرا۔ گلے کا کھر۔ منتر ۳
 (منقول از اتھرو وید بھاشاں جلد دوم مطبوعہ لاہور)

مگر قرآن مجید

اب ذرا قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے متعلق محققین کی رائے ملاحظہ فرمائیں
 قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت قرآن کی زبان بلحاظ الفاظ عرب نہایت فصیح
 پر غیر مستقیم محققین کی شہادت ہے۔ اسکی انشائی خوبیوں سے اسے اب تک
 بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے احکام استقدر مطابق
 عقل و حکمت واقع ہوئے ہیں۔ کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے۔ تو وہ
 ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے کفیل ہو سکتے ہیں۔ (پاپور انساٹیکلوپیڈیا جلد ۳۲۶)
 کونٹ ہنری دی کاسٹری بھی اپنی کتاب "الاسلام" میں لکھتے ہیں۔ کہ :۔
 "عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا
 ہوا۔ جو بالکل امی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے۔ کہ یہ وہ کلام ہے۔ کہ نوع انسانی
 لفظاً و معنیاً ہر لحاظ سے اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔"

عجیب و غریب پر لطف ویدک دعائیں

(۱) ہے پریشور و راجن! آپ بہت بونے والے کو نزدیک و دیا وائے کے
 لئے (آدن) سے باہر وائے کے لئے گونگے ظاہر کیجئے۔ (یجروید ادھیائے ۳۱)
 دعائیں ہمیشہ مفید اور نیک چیزوں کے حصول کے لئے کی جاتی ہیں مگر ویدک
 فلسفہ ہی الٹ ہے۔ بھلا اگر ویدک الیشور بغیر کرموں کے اللہ کچھ دے ہی نہیں
 سکتا۔ تو پھر دعائیں سکھانا فضول اور لغو ٹھہرا۔ پھر دعائیں سکھائیں بھی تو
 وہ بھی ایسی کہ اگر قبول ہو جائیں۔ تو ایک ہی سال میں آریہ سماجیوں کا خاتمہ
 اپنی ہی دعاؤں کے طفیل ہو جائے۔ خدا دم

(۲) اے پریشور و راجن! آپ آگ کے لئے موٹی اشیا کو زمین کے لئے بغیر
 پاؤں کے ریگنے والے سانپ وغیرہ کو پیدا کیجئے (یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۲۱)

ہم اس دعا پر آمین کہتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صرف آریوں کے ہی گھروں تک محدود رہیں۔

(۳) ہے پریشور و راجن! آپ زمین و آسمان کے درمیان کھیلنے کو (اور) بانس سے ناچنے والے نٹ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔ (یکروید ادھیائے ۳۰ منتر ۳۱)

تاکہ وید کی حقیقت دنیا پر ظاہر ہو، مؤلف

(۴) ہے پریشور و راجن! آپ ہیں بجانے اور ناکتوں سے داد تر بجانے اور تو نونامی باجے کو بجانے والے ان سب کو ناچنے کے لئے اور خوشی کے لئے تال وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجئے (یکروید ادھیائے ۳۰ منتر ۲۰)

وید کی تعلیم پریشور کے متعلق اور پریشور کا تعلیم

پریشور ناقص اور کمزور۔ اسے نہایت ہی قابل عبادت سب طرف سے روشن ایشور و عالم یہ جو آپ کا محیط ہونا اور پرورش کرنا ہے۔ اس سے آپ ترقی کو حاصل کریں۔ اور دوسروں کو بڑھائیں۔ آپ خود مضبوط ہو جائے۔ اور دوسروں کو مضبوط کیجئے۔ (یکروید ادھیائے ۳۸ منتر ۲۱)

وہ سدا بڑھنے والا۔ حیرت انگیز صفات۔ عادات سے متعصّب پریشور ہمارا کس طرح دوست ہوئے۔ الی آخر (یکروید ادھیائے ۳۶ منتر ۴)

پریشور کی بیوی۔ اسے انسانوں میں ایشور جیسے برہمن۔ کھتری۔ ویش۔ شودر اور اپنی استری سیوک وغیرہ کو چار وید رونی بانی کا اپدیش کرتا ہوں۔ ویسے ہی آپ لوگ بھی اچھی طرح اپدیش کریں۔ (منقول از دیانند۔ یکروید بھاشا ادھیائے ۲۶ منتر ۲)

سکھ کی خواہش۔ ایشور کہتا ہے: کہ تمیری یہ خواہش عمدگی سے ٹھہرے۔ اور مجھے وہ غیر میر غائبانہ سکھ حاصل ہو۔ (یکروید ادھیائے ۲۶ منتر ۲)

پریشور کے برابر طاقتور راجہ:۔ اسے بے خوف راجہ بغیر دودھ کی گائیوں

کی طرح ہم لوگ اس متحرک و غیر متحرک کائنات کے منتظم سکھ پور دکھنے
لائی ایشور کے برابر طاقتور۔ آپ کی عزت و احترام کریں۔ (یکروید ادھیائے ۲۷)
منتر ۳۵)

ناچنے والے پیدا کرنے کی دعا۔ ہے پریشور و راجن! آپ میں بچا سداور
ٹاٹھوں سے واد تر بجانے اور تو فونامی باجے کو بجانے والے ان سب کو ناچنے
کے لئے اور خوشی کے لئے تانی وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجئے (یکروید
ادھیائے ۳۰ منتر ۲۰)

پس لوگوں کو چاہیے کہ منسی اور زنا وغیرہ صوب کو چھوڑ کر اور گانے بجانے
ناچنے وغیرہ کی تعلیم کو حاصل کر کے خوش ہوں۔ لیکن ستیارتھ باب ۳
نمبر ۱۸ و باب ۶ نمبر ۱۶ ستیارتھ میں ان افعال کو شہوانی عیب لکھا گیا ہے
آریوں کا پریشور فری ۱۔ اے اندر تو نے سوشا کو فریب سے قتل
کیا (رگوید اشوک اول انوواک ۳ سکت ۴ شرتی ۷)

پریشور کھاؤ پیو پیو :- اندر کا شکم سوم کا دس کثرت سے پینے کے باعث
سمندر کی مانند بھولتا ہے۔ اور تافو کی نمی کے مانند ہمیشہ تر رہتا ہے۔ انہیں
کھانوں سے اندر کا پیٹ بھرتا ہے۔ اور خوت حاصل ہوتی ہے۔ آخو بصورت
زخدان و اندر ان تعریفوں سے خوش ہو۔ (اشوک اول انوواک ۳ سکت ۱)
پریشور کی لاعلمی :- ”اے بیا ہے ہوئے مرد عورتو! تم دونوں رات کو
کہاں بٹیرے تھے۔ اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا
تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ عورت اپنے دیور (دوسرے خاوند)
کے ساتھ شب باش ہوتی ہے۔ یا جس طرح بیا ہوا مرد اپنی بیامتی عورت
کے ساتھ اولاد کے لئے شب باش ہوتا ہے۔ اسی طرح تم کہاں شب باش
ہوئے تھے۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۳۰ بھومکا صفحہ ۱۲۵ مترجم نہال سنگھ)
”اس دنیا میں پاپ اور پن کا نتیجہ بھوگنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک

عارفوں یا عالموں کا۔ دوسرا علم و معرفت سے مبرا انسانوں کا۔ ان کو پتریاں اور دیویاں بھی کہتے ہیں۔ میں نے یہ دورا ستے سنے ہیں۔ یہ تمام دنیا اپنی دورا ستوں پر چلی جا رہی ہے۔ (بکرید ۱۹ ورگوید آدی بھاشا بھوشکا مترجم نہال سنگھ ص ۱۷۲ بیان تناسخ)

ناک آنکھ کان والا پریشور :- برہمن اس (ایشور) کا منہ تھا۔ ایشور کے بازوؤں سے کھشتری۔ رانوں سے دلش۔ پاؤں سے زمین اور کان سے طرفیں پیدا ہوئیں۔ چاند من (دل) سے پیدا ہوا۔ آنکھ سے سورج پیدا ہوا۔ منہ سے اندر اور آگ اور سانس سے ہوا پیدا ہوئی۔ (رگوید منڈل ۱۱ سوکت ۹۱ منتر ۱۲-۱۱)

زیرہ بکت پہننے والا پریشور | اورن (ایشور) اپنی ساری رعایا میں سب پر حکومت کرنے کے لئے آکر بیٹھا ہے۔ سنہری کوچ کو پہنتا ہوا اورن (ایشور) چمکتے ہوئے لباس کو پہنتا ہے۔ اس کے جاسوس چاروں طرف بیٹھے ہیں۔ (رگوید ۱۲۵/۲۳)

ایسا ناواقف اور علم غیب سے بے بہرہ پریشور جو ہر مخفی اور ظاہر امر کے لئے جاسوسوں کا محتاج ہے۔ کس طرح جگدیشور ہو سکتا ہے۔ ایشور چوری کرتا ہے :- ”اے اندر دولتوں سے مالا مال پریشور! ہم سے الگ کبھی مت ہو۔ ہمارے مرغوب سامان خوراک مت چراؤ۔ اور نہ کسی اور سے چراؤ (رگوید اشٹک ۱۱/۱ سوکت ۱۹ شرقی ۱) آریہ بھوشا مصنفہ سوامی دیانند۔

سکھ دکھ برداشت | اے جگدیشور! جس سبب آپ سب دکھ سکھ کے کر نیوالا پریشور | برداشت کر نیوالے ہیں۔ (تفسیر بکرید سوامی دیانند)

خدا علم سیکھنی | اے جگت ایشور! میں اور آپ پڑھنے پڑھانے کے دونوں محبت کا محتاج ہے | کے ساتھ رہ کر عالم را اور دیندار ہوں۔ کہ جس سے دونوں

کی ترقی علم ہمیشہ ہووے (بجروید بھاش جلد اول ص ۱۲۱)

ایشور مجسم اور (۱) ہزاروں سروں والا پرش (ایشور) ہزاروں آنکھوں والا
اسکا حلیہ

ہزاروں پاؤں والا۔ وہ ترلو کی (کائنات) کو سب طرف سے
گھیر کر ٹھہرا ہوا ہے۔ دس انگل پرے (رگوید منڈل ۱۷ سوکت ۱۱ منتر ۱۱)

پریشور کے پاؤں :- دشنو (ایشور) اس سارے جگت (کائنات) پر پاؤں سے
چلا۔ تین طرح پر اس نے پاؤں رکھا۔ یہ جگت اس کے دھولی (دھول) والے پاؤں

میں اکٹھا ہوا۔ (رگوید منڈل ۱۷ سوکت ۱۲ منتر ۱۱)

دشنو جو سب کا محافظ ہے۔ اور کسی سے دھوکا نہیں دیا جاتا۔ وہ سارے کاموں
کو کرتا ہوا یہاں سے تین پاؤں چلا۔

خدا کا دایاں ہاتھ :- ہے خزانوں کے مالک اندر ابھرتے دولت چاہتے ہوئے ہم
تیرے دائیں ہاتھ کو پکڑا ہے۔ (رگوید منڈل ۱۷ سوکت ۱۳ منتر ۱)

ایشور کا فرج :- پر جاتی گرجہ (رحم) میں دھرتا ہوا بہت طرح سے پیدا ہوتا ہے
اسکی یونی (فرج) کو غفلت نہ دیکھتے ہیں۔ (بجروید ۱۱/۳) (دھی چودھی پریشور کا
نام ہے) مگر کے معنی سمجھ نہ سکنے والے غور کریں۔

ایشور کی ترقی :- اے بہت اشیا میں رہنے والے پر ماتمن (خدا) جو یہ میری
زبان ہے۔ آپ کو یقیناً بڑھاوے (بجروید ۱۱/۳)

ایشور سوم لک پتیا ہے :- ہے پریشور دایو (ایشور) اپنی اپ شکتی (محدو طاقت)
سے سوم اوشدھیو کا اتم (عہد) رس طیار کیا ہے۔ اور بھی جو کچھ ہمارے عہد پدارتھ
ہیں۔ دے آپ کے سمرن ہند رکھے گئے ہیں۔ ان کو آپ قبول کریں۔ اور سرو آتما (افرا خدنی)

سے بان کریں۔ (رگوید افشک ادھیائے ۱ - ورگ ۱۱ منتر ۱)

ایشور کا ثانی :- میں ایشور سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں۔ کہ میرے برابر دھرم اتما
صفات و افعال اور عادات و آدمی ہی کی رعایا ہو۔

(ایشور سویتا ہے :- جو برہما (ایشور) تیز رفتار کو مضبوط کرتا ہوا۔ جو کو کھپاتا

اور گھروں یعنی حیووں (ارواح) کے بیج قائم ہوتا ہوا سوتا ہے۔ درگود مندل
 سوکت ۱۶۴ منتر ۳۸ درگود بھاش جلد ۲ صفحہ ۶۳۳ (۶۳۳)

دید کی تعلیم خلاف عقل و سائنس

(۱) بے دینے ہمارے (دائے) جیسے لینے و اسے پڑھانے اور اپدیش کرنے والوں کا
 میل کرے۔ اور وہ آج بکرا وغیرہ جانوروں کے بیج سے لینے لائق چیز کا چکنا حصہ یعنی
 گھی دودھ وغیرہ اُدار (نکالا ہوا) کیا ہوا لیوں۔ اس سے بکرا گھی دینے والا ثابت
 ہوتا ہے (تفسیر دیانندی بھاشا بھروید جلد ۲ ادھیائے ۲۱ منتر ۶۳)

نوٹ:- اس جملہ کے پیش کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ گویا ہمارے خیال میں بکرے
 کے لئے دودھ کا دینا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانون شاذ کے ماتحت یہ
 ممکن ہے۔ چنانچہ اسکا مزید ثبوت اعتراضات مسیح موعود کی ذیل میں اعتراضات میں موجود ہے
 ہمارا اعتراض تو اس امر پر ہے کہ اس دید منتر سے معلوم ہوتا ہے کہ بکرے کا
 دودھ دینا قانون عام کے ماتحت ہے۔ اور بجائے بکری گھائے بھینس کے دودھ
 اور گھی بکرے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر ہمارے روزمرہ کے مشاہد
 کے خلاف ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کبھی شاذ کے طور پر جو "الشاذ کالمعدوم"
 کے مطابق معدوم کا حکم رکھتا ہے۔ اپنی سنت شاذہ کا ثبوت دے۔ مگر گھی دودھ
 وغیرہ کو عام طور پر گھائے بھینس اور بکری کی بجائے "بکرے" کے ساتھ منسوب کرنا
 یقیناً خلاف عقل و سائنس اور معارض مشاہدہ و تجربہ ہے۔ خادق

(۲) ہے رعایا کے مالک الی شور جو روح مادہ وغیرہ اشیا ہیں۔ یہ سب اچھا روپ
 وغیرہ (مراد خواہش) صفات سے متصف ہوں (تفسیر دیانندی بھاشا بھروید جلد ۱
 ادھیائے ۱۰ منتر ۲۰) اس سے مادہ میں خواہش کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا سائنس سے
 یہ ثابت ہو سکتا ہے؟

(۳) اگر بہت جنوں (عیالداروں) کو چاہیے کہ اس طرح کوشش کریں کہ جس سے

تینوں یعنی بھوت (ماضی) بہوشیت (مستقبل) اور ورتمان (حال) زمانہ میں بہت ہی سکھ ہوں (تفسیر ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۳۱)

اس سے آج کا کام کئے ہوئے کا پھل گزشتہ دنوں میں مل جانا چاہیے۔ حال و مستقبل کے لئے تو انسان کر سکتا ہے۔ مگر آج کا پھل پہلے مل چکا ہے۔ یہ کیسے بالکل خلاف عقل ہے۔

۱۴) میں جو سوم لٹا۔ وغیرہ بوٹیوں (کو) جو زمین وغیرہ سے تین برس پہلے مکمل سکھ دینے میں عمدہ ظاہر ہوئیں۔ جو حاصل کرنے والے بیماروں کے تسوا اور سات جہنم اور ناٹیوں کے زخموں کو مفید ہیں۔ ان کو جلدی جانوں۔ (تفسیر ایضاً جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۱)

نوٹ: کیا زمین سے قبل بھی بوٹیاں تھیں۔ اور ان سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا؟

آریوں کے ناقابل عمل اصول

ضروری نوٹ:۔ ستیارتھ پرکاش مصنفہ پنڈت دیانند کے جو حوالے یہاں دیئے گئے ہیں۔ ان میں نمبر صفحہ ستیارتھ پرکاش کے نویں ایڈیشن شائع کردہ راجپال میسجر آریہ پست کالیہ انارکلی لاہور کو مد نظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ یہ ستیارتھ پرکاش کا وہ اردو ترجمہ ہے۔ جس کے مترجمین میں سوامی شرودھانند پنڈت چموتی ایم اے اور ماسٹر آثار ام جیسے آریہ پنڈتوں کے نام ہیں۔ اور آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب ہندو دہلیوچستان کی طرف سے یہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اور سرورق پر لکھا ہے۔ ”مترجمی ترجمہ مستند ہے“

۱) ”بچے از خود اکھنڈ (لا متزلزل) برہمچریہ رکھ کر اور تیسرا اعلیٰ درجہ کا برہمچریہ کر کے مکمل یعنی چار سو سال تک عمر کو بڑھائیں“ (ستیارتھ بٹ دفعہ ۳ ص ۱۷) گویانیک اور با ایمان آریہ کو چاہیے۔ کہ برہمچاری رہ کر چار سو سال کی عمر حاصل کر دیا نند سے بڑھ کر تو با ایمان اور کامل برہمچاری اور کوئی آریہ نہ ہوگا۔ مگر اسکی عمر بھی

ساتھ سال سے متجاوز نہیں ہوئی۔ پس ثابت ہوا۔ کہ یہ تعلیم باطل اور ناقابل عمل ہے
(۲) بقول دیا نند مردہ دفن کرنے میں بہت اقتصادی نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ قبر
کی کھدائی ۸ ہوتی ہے، لیکن جلاسنے میں صندل کی لکڑی۔ عود۔ کستوری سٹے اور
ڈیڑھ من روغن زرد سٹے وغیرہ اشیا کے قیمتی سے تقریباً دو سو روپیہ
کا متحمل ہونا ضروری ہے۔ اگر میسر نہ آوے۔ تو بھیک مانگے۔ یا گورنمنٹ سے
امداد طلب کرے (ستیا رتہ باب ۱۳ دفعہ ۲۷ ص ۶۵۷)

مگر جنگ روس و جاپان میں جہاں ہزاروں مرتے ہیں۔ یہ عالمگیر اصول دریا برد
ہو جاتا ہے۔ جیسے مہا بھارت کی جنگ میں ہوا۔ کیونکہ وہاں یہ اشیا کے قیمتی نہ
مل سکیں۔ اور نہ یہ میسر آسکتی تھیں۔

(۳) جس لڑکی کا خاوند مر جائے۔ تو پھر اس کنیا کو چاہیے۔ کہ کسی شخص واحد سے بیاہ
نہ کرے۔ وہ عمر بھر ایک کی نہ ہو رہے۔ بلکہ دس گیارہ مختلف جوانوں سے تادم آخر
مضبوط اولاد حاصل کرتی رہے (ستیا رتہ باب ۱۴ دفعہ ۱۱ ص ۱۹۱)

(۴) آریہ عورت کے تیسرے نیوگی ختم کو اگنی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حرارت زیادہ ہوتی
ہے (ستیا رتہ باب ۱۴ دفعہ ۱۳ ص ۱۹۲) پہلے دوسرے ختم میں حرارت کیوں کم
ہوتی ہے۔ اور پانچویں دسویں وغیرہ میں کیوں کم دیش نہیں۔ اسکی تشریح مطلوب
ہے)

(۵) بموجب اعتقاد دیا نندی روح و مادہ بمع اپنی تمام قوتوں۔ جسوں اور خاصیتوں
کے ازلی۔ ابدی خود بخود ہیں۔ یعنی اپنے وجود کے آپ خدا ہیں۔ اور پریشور کا کام
صرف ارواح اور مادہ کو جوڑنے جاڑنے کا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا۔ کہ ردوں میں
جوڑنے جاڑنے کی قوت انفصالی و اتصال خواہش بھی ازل سے ہے (ستیا رتہ باب
دفعہ ۵ ص ۲۹۶) اور دہریہ میں کیا فرق ہوا۔ خاک)

(۶) نجات کے طالب اور سچے آریہ کو چاہیے۔ کہ قریباً پچاس سال کا ہو کر بیاہ کرے
یا ۴۴ سال کے بعد (ستیا رتہ باب ۳ دفعہ ۳ ص ۹۳)

مگر پچاس سال تک تو انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ پھر بیاہ کس لئے اور کس کے لئے؟ مضبوط اولاد کیونکر اور کون پیدا کرے گا۔ اس میں کوئی غلطی یا راز ضرور ہے (غالباً اس عرصہ میں بذریعہ نیوگ اولاد پیدا کرنے کی مہلت دی ہوگی) ایسا بیاہ کرنے والا دو سو سے چار سو سال تک عمر حاصل کر سکتا ہے (دستیار تھ ب دفعہ ۹۱ ص ۹۱) مگر تجربہ اس اصول کا دشمن ہے۔ سوائے دیانند کبھی بجائے پچاس کے ساٹھ سال مجبور رہ کر سفید ریش ہو کر بڑھا پنے کے نشان اور آثار دیکھ کر اپنی عالم فناء ہوئے۔ چار سو سال کی عمر والے کو تو ستر سال میں ابھی ڈار بھی بھی نہیں آتی چاہیے۔ اسی لئے سوامی جی منہ سراسر سے صاف رکھتے تھے ملاحظہ ہو (تصویر سوامی)

(۷) ممالک متوسط کی قسمت پچیس گڑھ میں بعض قوموں کی عمر تیس سال تک ختم ہوتی ہے۔ پھر وہاں چار سو سال کی عمر حاصل کرنے کے لئے شرط کیا ہوگی۔ اور ایک آریہ پچاس سال کا ہو کر کیونکر بیاہ کرے (خوب عالمگیر اصول ہیں)

(۸) ۴۸ سال کے بعد شادی کرے۔ بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے (دستیار تھ ب ۳ دفعہ ۳۵ ص ۹۳)

پنجاب کے آریہ اگر ۴۸ سال کے بعد بیاہ کرنا شروع کر دیں۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ نصف صدی میں آریوں کا خاتمہ ہے۔ یا شادی کے نعم البدل نیوگ سے اس وقفہ میں مستفیض ہونے کی کوشش کی جاوے گی۔

(۹) ہون۔ (۱) ہون کرنا سب پر فرض ہے۔ ورنہ پاپ ہوتا ہے (دستیار تھ پرکاش باب ۳ دفعہ ۲۰ صفحہ ۸۸)

(۲) ہون دن میں دو دفعہ صبح و شام کرنا چاہیے (دستیار تھ ب دفعہ ۱۵ ص ۸۶)

(۳) ایک وقت کے ہون میں سولہ آہوتی فی کس گھی چاہیے (دستیار تھ ب دفعہ ۲۲ ص ۸۸)

(۴) ہر آہوتی میں ۶ ماشہ گھی کم از کم ملانا چاہیے (دستیار تھ ب ۳ دفعہ ۲۲ ص ۸۸)

گویا $16 \times 4 = 64$ ماشہ تو ہے۔ قریباً $\frac{1}{4}$ اچھا ناک گھی ایک وقت ایک آدمی کو

جلانا چاہیے۔ اور دو وقت کا کل گھی روزانہ $\frac{1}{2}$ چھٹانک ہوا۔ ماہوار $\frac{1}{2}$ ۳۰
 ۹۶ چھٹانک۔ گویا اگر گھی کا نرخ دس چھٹانک فی روپیہ ہو۔ تو ماہوار ۹-۹ روپے
 کا صرف گھی ہی جلانا پڑے گا۔

دھ گھی کے ساتھ کیسر۔ کستوری۔ خوشبودار پھول۔ عطر اور چندن اور اگر تنگر
 وغیرہ بھی جلانا چاہیے۔ (ستیا رتھ باب ۳ دفعہ ۱۷ اور ۱۸ ص ۱۷)

تو گویا اس حساب سے ہر آریہ کو ہون کرنے کے لئے کم از کم ۱۲ روپے ماہوار
 خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غریب آدمی اسکا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور مشکل تو یہ ہے کہ
 اگر نہ کرے۔ تو پاپ ہوتا ہے۔ دجیا کہ اوپر گذر چکا، اسلام نے اپنے احکام
 میں یہی حکمت رکھی ہے۔ کہ وہ انہیں پر فرض کئے ہیں۔ جو ان کی استطاعت رکھتے
 ہوں۔ پس ویدک تعلیم عالمگیر الہامی نہ رہی۔

(۱۰) نیک نیت اور مذہبی آریہ کو سندھیا اوپاسنا کرنا اور پانچ مہاگیوں کا ادا کرنا
 ایسا ضروری ہے۔ جیسے سانس پر سانس لینا ضروری ہے۔ (ستیا رتھ باب ۳
 دفعہ ۲۰ ص ۱۷) پس جو آریہ سانس پر سانس لیتا مگر سندھیا وغیرہ بطریق مذکور
 بالا نہیں کرتا۔ اور چار سو سال کا نہیں ہوتا۔ کیا وہ نیک آریہ ہے۔ وہ شور ہے
 (بقول ستیا رتھ باب ۳ دفعہ ۳۰) پانچ مہاگیوں (فرالکھن) میں سے دوسرا
 فرض ویدوں کو ان انگوں سمیت باقاعدہ پڑھنا۔ پڑھانا اور سندھیا۔ ادپاسنا
 کرنا فرض ہے۔ چھ انگ یہ ہیں۔ (۱) شکشا علم قرأت (۲) کلپ (سنسکاروں یعنی
 رسوم کے متعلق ہدایات اور ہر سنسکار کے متعلق ویدوں۔ منتروں کا انتخاب)
 (۳) چھند (علم عروض) (۴) ویاکرن (علم صرف و نحو) (۵) نرکت (علم لغت) (۶)
 جوتش (علم ہندسہ و ہیئت) جس میں ریاضی کی تمام شاخیں یعنی حساب۔ مساحت
 وغیرہ۔ علم طہات۔ الارضی (جیا لوجی) اور جغرافیہ باقی تین فرالکھن ہیں۔ جو ہم خوف
 طوالت نہیں لکھ سکتے۔ جبکہ یہ لوگ عملاً آریہ ہی نہیں۔ تو پھر ناحق تفسیر اوقات پر
 (۱۱) جو بطریق مذکورہ بالا سندھیا وغیرہ نہیں کرتا۔ اور چھ سال کے اندر وید کے

تودہ کو ختم نہیں کرتا۔ اسکو گھر بار سے نکال کر شوروروں کے گھروں میں بھیج دینا چاہیے۔ (ستیا رتھ ب ۷ دفعہ ۷ ص ۹)

(۱۲) بعد ازاں بوڑھے والدین اپنی خدمت کے لئے غیروں کے لڑکے گھر رکھ لیں۔ اور انہیں بیٹے تصور کر لیں (ستیا رتھ ب ۱۰ دفعہ ۱۱ ص ۱۸۹) (غیروں کے جوان لڑکے اس بوڑھے کی جوان لڑکیوں سے کیا حسن سلوک کریں گے۔ ناظرین سمجھ لیں)

(۱۳) ساز بجانا۔ ناچنا۔ گیت گانا۔ سرگنا وغیرہ وغیرہ آریوں کو ضرور سیکھنا چاہیے۔ (ستیا رتھ ب ۱۰ دفعہ ۱۰۲ ص ۲) گویا سی ستیا رتھ ایڈیشن چہارم پر سوامی جی ب ۸ دفعہ ۸ ص ۹۱) بجانے ناچنے وغیرہ کو شہوانی عادات قرار دیتے ہیں۔

(۱۴) برہمنوں کے گواہ برہمن اور شوروروں کے گواہ شورور اور عورتوں کی گواہ عورتیں ہی ہوا کریں۔ (ستیا رتھ ب ۶ دفعہ ۶۳ صفحہ ۲۶۳)

اگر کوئی برہمن یا ویش شوروروں کے محلہ میں بجن کسی کنیا کو ناپاک کر نکلے۔ یا کوئی عورت شورور برہمنوں کے محلہ میں کسی کا گلا گھونٹ جائے۔ تو کیا اسکو رٹائی دے دیں۔ کیونکہ کوئی عورت یا اسکی ذات کا گواہ میسر نہیں آسکتا خدا اس قانون والوں کو طاقت نہ دے۔

(۱۵) جو کوئی وید کو برا سمجھے۔ اور اسکی مذمت کرے۔ یا کم از کم وید کے موافق عابد لوگوں کی تصانیف کی تحقیر کرے (یعنی ستیا رتھ وغیرہ کا) اس منکر کو جلا وطن کر کے ملک اور گھر بار سے خارج کر دینا چاہیے۔ (ستیا رتھ ب ۵۲ دفعہ ۵۲ ص ۵۲)

(۱۶) جو دھرم پر قائم نہیں رہتا۔ خواہ استاد ہو۔ یا مائی باپ اس کو راجہ بغیر سزا پر گزینہ چھوڑے۔ یعنی قید و قتل وغیرہ (ستیا رتھ ب ۷ دفعہ ۷ ص ۷۷)

✽ آریہ عورتوں کو ویدک نصائح اور فرائض

(۱) اسے دیورنیوگی (دوسرے قانون) کی خدمت کرنے والی عورت اور اسے

بیایے ہوئے خاوند کی فرمانبرداری بیوی (یعنی دو خاوند والی عورت - مؤلف) تو نیک اور صالح
 والی ہو۔ تو گھر کے کاروبار میں عمدہ اصول پر عمل کر اور اپنے پاسے ہوئے جانوروں کی حفاظت
 کر۔ اور عمدہ کمال و خوبی اور علم و تربیت حاصل کر۔ طاقتور اولاد پیدا کر۔ اور ہمیشہ اولاد
 کی پرورش میں متحد رہ۔ اسے نیوگ کے ذریعہ سے دوسرے خاوند کی خواہش کرنے والی
 تو ہمیشہ سکھ دینے والی ہو کر گھر میں ہون و غیور کی آگ کا استعمال اور تمام خاندانی داری
 کے کاروبار کو دل لگا کر بڑی احتیاط سے کر۔ (رستیا رتھ باب دفعہ ۱۳ صفحہ ۱۹۵)
 تعدد ازواج پر اعتراض کرنا اے دو خاوندوں والی بیوی پر غور کریں۔ حالانکہ
 مردوں کو نطفہ دے سکتا ہے۔ مگر عورت دو کا نطفہ نہیں دے سکتی۔ خلاف فطرت
 و قدرت تعلیم یہ نئی دہن کو پہلی رات کو منانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سرمنڈاتے
 ہی اولے پڑے۔

(۲) استقرار حمل کی کارروائی کا وقت ایک پہر رات گزرنے کے بعد ایک پہر رہنے تک
 ہے۔ جب منی کے رحم میں گرنے کا وقت آئے۔ تب دونوں بے حرکت۔ نہایت خوش دل
 منہ کے سامنے منہ۔ ناک کے سامنے ناک وغیرہ تمام جسم سیدھا رکھیں۔ مرد منی ڈالنے
 کا کام کرے۔ جب منی عورت کے جسم میں داخل ہو۔ اس وقت وہ اپنی مقعد اور جگہ
 مخصوص کو اوپر کھینچے۔ اور منی کو کھینچ کر عورت رحم میں قائم کرے و سنکار و دھی
 مصنفہ دیانند سنگھ و ستیا رتھ باب ۱۴ صفحہ ۱۳۴)

کرکڑوں مخلوقات اس آسن سے بے خبر ہے۔ مگر اولاد خدا کے فضل سے اس آسن
 پر عمل کرنے والوں سے کہیں زیادہ مضبوط پیدا ہوتی رہتی ہے۔

(۳) جیون چتر مصنفہ لکھنؤ رام و آمارام صفحہ ۳۵۵ میں لکھا ہے۔ کہ دوسرے دن سوامی
 دیانند جی نے سورتی پوجا کے کھنڈن (تردید بہت پرستی) پر لکچر دیا۔ اور مندروں میں
 عورتوں کے جانے اور وہاں کی دردشا (بڑی حالت) کا برن فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ سال
 میں ایک ہی بار اپنے پتی (خاوند) کے پاس جاوے۔ یعنی دیپکار (زنا نہ کرے) کسی
 شخص کے مکان کی چھت سے دریافت کیا۔ کہ جس عورت کا پتی طوائف و کنجری کے

پاس جاوے۔ اسکی عورت کیا کرے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اسکی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھنے کے لیے زنا کاری کرے۔ مگر کمزور سے نہیں۔ مضبوط آدمی سے۔ تاکہ اولاد کمزور پیدا ہو کر دیش کا نقصان نہ ہو۔ (مؤلف)

{ اگر یہ حال غلط ہو۔ تو پانسو روپیہ کا انعام پیش کرو۔ اور اس انعام کا ذمہ دار {
کتاب گھر قادیان ہے۔
فخر الدین عثمانی

(۴) اسے بیوہ عورت! اپنے اس مرے ہوئے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیور یعنی دوسرے خاوند کو قبول کر۔ اس کے ساتھ رہ کر اولاد پیدا کر۔ وہ اولاد جو اس طرح پیدا ہوگی۔ تیرے اصلی خاوند کی ہوگی۔ (ستیارتھ بک دفعہ ۱۳۳ ص ۱۹۵) کیونکہ دوسرے خاوند سے نکاح تو نہ ہوگا۔ بغیر نکاح کے ہی اولاد پیدا شدہ مردہ خاوند کی ہوگی۔ جائز ناجائز کا سوال نہیں۔ اولاد کے حصول کی غرض مد نظر ہے۔ (مؤلف)

۱۵) پیرش کا لنگ استری کی یونی میں گھسنے پر خصوصیت سے نطفہ چھوڑتا ہے۔ مگر پیشاب اس سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ وہ نطفہ جھلی سے ڈھکا حمل کی شکل ہو کر پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہونے پر اس ڈھکن کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور سیرونی ہوا جو جھلی کو چھوڑتا ہے۔ وہی قسم قسم کی زندگی کے اسباب کی موجودگی یعنی روح کے متعلق دہن اور اس رس کی برابر۔ ناش رہت پر تنگی وغیرہ گیان کے اسباب آنکھ وغیرہ اعضاؤں سے ملتا ہے۔ یعنی ان کو ترقی دیتا ہے۔ مطلب مرد کا اعضائے تناسل عورت کے اندام نہانی سے ملنے پر نطفہ کو پیشاب سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ (یکروید ادھیائے ۱۹ منتر ۷۶ ص ۳۸۸)

(۷) عورت مرد حمل رکھنے کے وقت بالمقابل اور پریم میں چور ہو۔ منہ کے مقابل منہ۔ آنکھ کے سامنے آنکھ۔ دھیان کے سامنے دھیان۔ جسم کے سامنے جسم کا انتظار کر حمل قائم کریں جس سے بدشکل یا طیرے عضوؤں والی اولاد پیدا نہ ہو۔

دکو کا پنڈت کے بھی کان کتر رہے ہیں۔ (مدت ناسخ کو باطل ٹھہرا رہے ہیں) (یکروید ادھیائے ۱۹ منتر ۸۸ ص ۳۹۳)

(۸) منشیو! جیسے بیل گاؤں کو گام بن کر نسل بڑھاتا ہے۔ ویسی ہی گرہستی لوگ

استریوں کو حمل رکھا پر جاڑھاویں۔ یہ جو یہ بھاشن حصہ ۷۸ اوکھیا ۷۸ منتر ۷۸ رکھا کی لطیف
مشابہت اور طرز میان ہے، بیل گائے ماں بہن کا امتیاز نہیں رکھتا۔ نسل برہانا
مقصود ہوتا ہے۔

(۸) نیوگ شہوت مٹانے کا آلہ ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل :-

مرد عورت کے رند و سے یا بیوہ ہونے سے یا قطع نسل سے بچنے کا علاج دیانند
جی ہمارا ج یوں فرماتے ہیں :-

۱۔ کہ اگر خاندان کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے کسی اچھی ذات کا لڑکا گودے
لیں گے۔ اس سے خاندان چلے گا۔ اور زنا کاری بھی نہ ہوگی۔ اور اگر برہمن پیر نہ رکھ سکیں
تو نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لیں۔ (ستیا رتھ باب چہارم دفعہ ۱۱۰ صفحہ ۱۸۹)

(۹) زنا اور نیوگ کا طریقہ اور قواعد یکساں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے حوالے :-
بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ خاوند کے گھر جاتی ہے۔ اور اس کا باپ
سے زیادہ تعلق نہیں رہتا۔ مگر نیوگ کی صورت میں عورت اسی بیاہے خاوند کے
گھر میں رہتی ہے۔ (ستیا رتھ باب ۱۴ دفعہ ۱۸۹ صفحہ ۱۸۹) یہی (نایں ہوتا ہے)
اور سنو۔

(۱۰) اس بیاہی عورت کے لڑکے اسی بیاہے خاوند کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نیکتا
عورت (جس نے نیوگ کیا ہو) کے لڑکے ویرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں (درآئی لیکہ
عورت نے نیوگ اپنی اولاد کے لئے کیا ہو) نہ اس کا گوتہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس کا اختیار
ان لڑکوں پر ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ستوفی خاوند کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اسی کا گوتہ ذات
ہوتا ہے۔ اور اسی کی جائیداد کے وارث ہو کر اسی گھر میں رہتے ہیں (ستیا رتھ باب ۱۴
دفعہ ۱۸۹ صفحہ ۱۸۹) زنا میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر کسی کی بیوی سے کسی کا نانا جائز
تعلق ہو۔ تو اس عورت کی اولاد اپنے خاوند کی اولاد سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی کی وارث
ہوتی ہے۔ حالانکہ قانوناً اور اخلاقاً جس شخص کا نطفہ ہو۔ اسی کی گوتہ اور وارث ہوتا
ہے۔ مگر مخفی یا راندہ کی وجہ سے چونکہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسا واقع ہوتا ہے۔

در نہ دنیا کے کسی خطہ کا قانون ابھی تک اس قسم کے کرایہ کے نطفہ کو جائز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو ناجائز اور حرام کی ولادت قرار دیتا ہے۔ اس تعلیم کی رو سے تمام آریوں کی ولادت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ابھی اور سنو:-

(۱۱) بیابھی عورت مرد کو باہم خدمت اور پردریش کرنی لازم ہے۔ مگر نیوگ شدہ عورت کا اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا دستیار تھ بام دفعہ ۱۱۱ جواب ۳ ص ۱۸۹

(۱۲) بیابھی عورت مرد کا تعلق دونوں کی موت تک رہتا ہے۔ مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاریہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے۔ ان دونوں حوالوں نے تو معاملہ بالکل صاف کر دیا۔ دستیار تھ بام دفعہ ۱۱۱ جواب ۳ ص ۱۸۹

(۱۳) بیابھی عورت مرد باہم گھر کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں کوشش کرنے اور

نیوگ شدہ عورت مرد اپنے اپنے گھر کے کام کرتے ہیں دستیار تھ بام دفعہ ۱۱۱ جواب ۳ ص ۱۸۹

زنا کاری میں بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ کام کیا اور الگ ہوئے۔ اور نیوگ میں بھی وہی۔

جس طرح زانی زانیہ کے پاس حق محنت ادا کر کے اپنی حاجت ردائی کرتے اور پھر

اگ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اس کو کوئی حق نہیں رہتا۔ کہ اس کو چھو بھی جائے۔ اسی طرح

نیوگ میں بھی یہی ہدایت کی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی سے دل کھینچ لیا جائے۔ تو پھر کوئی ہدایت نامہ

کارگر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بے اختیار ہے۔ پس ایسی بے تعلقی کی حالت میں صرف

کارگذاری تک نیوگ کو محدود رکھنا اور پھر اس کو کسی قسم کے بیاہ سے موسوم کرنا عقل

و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اگر ایسی بے تعلقی میں مجامعت کا نام بیاہ ہے۔ تو

ایسے بیاہ تو روزانہ چار چار آنہ میں ہو رہے ہیں۔ کوئی نئی اور اعلیٰ بات تو اس میں

نہیں۔ بلکہ ان چار چار آنہ والیوں کی تو گورنمنٹ بھی بوقت ضرورت دادرسی کرتی

ہے۔ اور حق تلفی ہونے پر ان کی فریاد کو سنتی ہے۔ مگر نیوگ کے متعلق تو گورنمنٹ

نے بھی خلاف فیصلہ دے کر زنا کاری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فیصلہ اسٹنٹ کمشنر

پشاور سنا تن دھرم گزٹ اپریل ۱۹۰۸ء۔

(۱۴) نیوگ بیوہ کے لئے نہیں۔ بلکہ خاوند یا عورت کی موجودگی میں بھی ہو سکتا ہے۔

سینے فرماتا ہے :-

”نیوگ بھیتے جی بھی ہوتا ہے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب اپنی عورت کو اجازت دے۔ کہ اسے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنیوالی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے تو اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لے۔“

”لیکن اب بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمر بستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب اپنے خاوند کو اجازت دے۔ کہ اسے مالک! آپ اولاد کی امید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجئے۔“ (ستیا رتھ بک دفعہ ۱۳۸ ص ۱۹۸)

اس حوالہ میں الفاظ نیک بخت اور عالی حوصلہ قابل غور ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور نیک بختی کیا ہوگی۔ کہ خود ہی اپنی بیوی کو زنا کی تحریک کر کے اپنے لئے راستہ کھول رہا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر عالی حوصلگی کیا ہوگی۔ کہ اپنی غیرت و عزت کو خیر باد کہہ کر اپنے ننگ و ناموس اور اپنی محبوبہ کو دوسرے اگنی مشندے کے سپرد کر رہا ہے یہ بینظیر عالی حوصلگی قابل آفرین ہے۔ خاوند کی موجودگی میں دوسرے کی بغل میں جا کر سونا اور خاص کار یہ کرانا مذکورہ بالا زنا کے قواعد کے ماتحت آنا نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ اوم شیم! عورت کا نیوگی تلاش کرنا بھی نرالا قانون ہے۔

(۱۵) بغیر اولاد کی ضرورت اور خواہش کے صرف شہوت رانی کے لئے نیوگ جب ثابت ہو۔ اور ہو بھی خاوند کی موجودگی اور اس کے نکاح کی حالت میں۔ تو سوائے زنا کے اور کیا نام رکھا جاسکتا ہے۔ سنئے :-

”اگر بیٹا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو۔ تو عدت آٹھ برس۔ اور اگر علم و نیک نامی کے لئے تو چھ برس۔ اور عدت وغیرہ کے لئے۔ تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد کرے۔ جب شادی شدہ خاوند آوے۔ تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جاوے۔ (ستیا رتھ بک دفعہ ۱۹۸ ص ۱۹۸)

اس حوالہ نے تو پردہ ہی اٹھا دیا۔ مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ صرف اس قدر بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ ۱۲ حوالہ میں سوامی جی نے فرمایا تھا۔ کہ کاریہ یعنی مجامعت کرنے کے بعد تعلق نہیں رہتا۔ مگر اسمیں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جب تک خاوند باہر سے واپس نہ آوے۔ تب تک نیوگی اور نیوگن تعلق قائم رکھیں۔ اس کے واپس آنے پر تعلق قطع کر لیں۔ عجیب فراخ دلی اور عالی حوصلگی ہے۔

۱۱۔ سب سے زبردست پرمان یعنی حکم سوامی جی کا جو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نیوگ ناجائز طور پر شہوت رانی کا زبردست آلہ ہے۔ لیجئے۔ سنئے اور سنائیے۔ فرماتے ہیں

سوال :- جب ایک بیاہ ہوگا۔ ایک مرد کے لئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک مرد رہے گا۔ اس عرصہ میں عورت حاملہ۔ دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو جائے۔ اور دونوں کا عالم شباب ہو۔ اور نہ چلے۔ تو پھر کیا کریں؟
جواب :- اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کر دے۔ لیکن رندی بازی یا زنا کاری نہ کریں۔ (مستیار تھ باب ۱۴ دفعہ ۱۴۶ ص ۲)

”رہا نہ جائے“ کا جملہ قابل غور ہے۔ سوامی جی کا بطور ٹیپ کے مصرعہ کے ہر حکم نیوگ کے آخر میں یہ لکھ دینا۔ کہ نیوگ کر کے اولاد پیدا کر دے۔ صرف نیوگ کی قباحت اور گندگی کا چھپانا مقصود ہے۔ ورنہ اسی حوالہ میں ہی دیکھ لیں۔ کہ جب اس کی عورت حاملہ ہے۔ ضرور ہے۔ کہ اس کے لئے کوئی نوہال جھنے گی۔ پھر اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ وہی ”رہا نہ جائے“ والا مسئلہ ہی حل کرنا مقصود ہے۔ اور یہی زنا اور شہوت رانی ہے۔ جو ثابت ہے۔ اب کہاں ہیں وہ جو اسلام کے پاک مسئلہ تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں۔ تعدد ازواج میں تعدد اور فطرتاً ایک آدمی کسی عورتوں سے کئی رہا کے پیدا کر سکتا ہے۔ مگر ایک

عورت کئی مردوں سے سوائے شہوت مٹانے کے اور کچھ نہیں حاصل کر سکتی۔ اگر مختلف اوقات میں نیوگ کے بہانہ دس مردوں کے پاس تھی۔ اور بدقسمتی سے کسی کا لطفہ ٹھیکر گیا۔ تو وہ مشترکہ اور معجون مرکب بچہ ہوگا۔ جسکا والی وارث وہی ہو سکتا ہے۔ جو اسی طرح پیدا ہوا ہو۔ اوم شیم !!!

ویدک ہندوئیت کے نمونے

بعض دفعہ بعض بد زبان آریہ سماجی احمدی مناظرین کے سامنے بے سرو پا روایات اور تفاسیر کے حوالے پڑھ دیتے ہیں۔ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ تحریر جماعت احمدیہ کی مستحکمات میں سے نہیں ہیں۔ لہذا حجت نہیں۔ تو آریہ سماجی جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ ترجمہ اور تفسیر ہماری طرف سے تو نہیں ہے۔ خود تمہارے ہی ”مسلمان بھائیوں“ کی تحریر کردہ ہے۔ اس کے جواب میں وید کی مندرجہ ذیل تفسیر پڑھی جاسکتی ہے۔ جو پنڈت مہیدھر فاضل وید نے آج سے سینکڑوں سال قبل کی ہے۔ جس طرح آریہ اس تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح احمدیوں کے مقابلہ میں غلط اور بے بنیاد روایات اور تفاسیر بھی حجت نہیں ہو سکتیں۔ بخاری (۱) ”مہشی (ذکر یحمان) رو بروئے جہنم ہستمان یگیہ نزد اسپ افتادہ حی گوید اے اسپ! من در رحم خود لطفہ تو کرو و حمل قرار ہے یا بد میگیرم۔ تو ہم آں لطفہ را در رحم من بینداز۔“ (۲) یجر وید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹ بحوالہ رگ وید آدمی بھاش بھومکا ۱۸۷۷ء صنفہ پنڈت دیانند سرسوتی مترجم اردو نہال سنگھ کرنا لوی صفحہ ۱۸۷۷ء بھومکا اصل ہندی صفحہ ۵۴۵ (۳)

(۴) کارپردازان یگیہ زناں و دوشیزگاں بہ انگشت ہائے خود شکل اندام نہانی سافہ بطریق تمسخر میگویند کہ بوقت زود گامے زناں آواز پلہلا سے خیزد و قیتکہ عضو مرد مثل کنجشک در اندام زن می رود۔ زن آنرا در جسم خود فروئے خورد و انزال میکند۔ در آن وقت آواز گلگلا سے خیزد و دوشیزگاں

بہ انگشت ہائے خود صورت عفو مرد نما نند و میگویند کہ روزن حشفہ بارو
تو مشاہدت وارد (یکبر ویدادھیائے ۲۳ منتر ۲۲ رگوید آدی بھاش
بھومکا مترجم اردو ۱۸۹۷ء ہندی ۱۸۹۷ء)

(۳) "اندام زن را از دست کشیده فراخ بکنند تا کہ آن کشادہ شود۔"

دیکبر ویدادھیائے ۲۳ منتر ۶ بھومکا اردو صفحہ ۱۹۰

آریہ سماج کے عقائد

۱) آریہ سماج کے نزدیک خدا۔ روح اور مادہ تینوں چیزیں قدیم اور ازلی
ہیں۔ ان کے نزدیک خدا ایک ہے۔ روحوں کے افراد اور مادہ کے ذرات سنگھ
سنگھ سے بھی زیادہ ہیں۔ اور گوانسان ان کو شمار نہ کر سکے۔ مگر ان کی تعداد
معیں اور محدود ہے۔ اور خدا کو معلوم ہے۔

۲) ان کا اعتقاد ہے کہ دنیا مادہ کے ان لطیف ذرات سے بنی ہے۔

جن میں ترکیب نہیں پائی جاتی۔ نہ ان میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ ایسے ذرات کو
وہ پرمانو کہتے ہیں۔ ان کی اصطلاح میں ساٹھ پرمانوؤں کا ایک آنو اور
دو آنو کا ایک دونیک ہوتا ہے۔ اور یہ دونیک کشیف ہوتا ہے۔ یعنی
انسان اسکو محسوس کر سکتا ہے۔

۳) ان کے نزدیک قدیم سے خدا تعالیٰ مادہ کے ذرات کو جوڑ کر دنیا بناتا ہے
جو چار ارب بتیس کروڑ برس تک قائم رہتی ہے۔ پھر پرے یعنی قیامت
ہو جاتی ہے۔ اس میں دنیا کی سب چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر سب پرمانو الگ
الگ ہو کر غیر محسوس حالت میں چلے جاتے ہیں۔ اور روحیں بے ہوش سی ہو
جاتی ہیں۔ یہ حالت یعنی پرے بھی چار ارب بتیس کروڑ برس تک رہتی ہے۔
پھر دنیا بنتی ہے۔ پھر بگڑتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ازل سے چلا آیا ہے۔ اور اب
یک رب کے گا۔ ہر دنیا سے پہلے پرے۔ اور ہر پرے سے پہلے دنیا ہے۔ اور ہر دنیا

کے بعد پرلے اور ہر پرلے کے بعد دنیا ہوگی۔ نہ کوئی پہلا پرلے ہے۔ نہ کوئی سہلی دنیا ہے۔ نہ آخری پرلے نہ آخری دنیا۔ ہاں ہر دنیا کی ابتدا اور ہر دنیا کا اختتام ہے۔ مگر سلسلہ دنیا کی نہ ابتدا نہ انتہا۔ اسی طرح ہر پرلے کی ابتدا اور اختتام ہے مگر پرلے کے سلسلہ کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔

(۵) ایک دنیا میں جو لوگوں نے برے بھلے اعمال کئے۔ ان کے اعمال کے مطابق اگلی دنیا میں لوگوں کو دکھ سکھ ہوتے ہیں۔

(۶) ہر پرلے کے بعد جب دنیا بنائی جاتی ہے۔ تو پہلے سورج۔ چاند۔ زمین درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ملک تبت میں ہزاروں لاکھوں آدمی جو ان جوان بغیر ماں باپ کے زمین سے نکلتے ہیں۔

(۷) ہر دنیا میں کوئی نئی چیز نہیں بنائی جاتی۔ بلکہ یہی سورج۔ چاند۔ زمین ستارے سیارے اپنی اپنی شکل اور حجم میں بنائے جاتے ہیں۔ نیز ہماری یہ زمین بھی ہر دنیا میں اسی طرح کی اور اتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔ یہی براعظم یہی سمندر یہی علاقے۔ یہی پہاڑ۔ یہی دریا اس میں ہمیشہ ہوتے ہیں۔

(۸) ہر دنیا کے شروع میں چار سب سے اعلیٰ آدمیوں کے دل میں ایشور رگ۔ بجر۔ سام اور اتھرو چار وید ایک ایک کے دل میں ایک ایک وید الہام کرتا ہے۔ (۹) وید سنسکرت زبان میں نازل ہوتے ہیں۔ جو کہ کسی ملک کی بولی نہیں۔ صرف وید کی زبان ہے۔

(۱۰) کوئی گناہ بغیر سزا کے معاف نہیں ہو سکتا۔

(۱۱) سزا کے لئے یہی دنیا ہے۔ سزا کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) بعض گناہوں کے عوصن درخت اور سبزی ترکاری پھل پھول والے پودوں کا جنم دیا جاتا ہے گیہوں کا ہر پودا ہر بیل گھاس کا ہر تنکہ ایک ایک مجرم روح کا گھر ہے۔ مگر درختوں اور پودوں میں جو روح ہے۔ وہ بے ہوش ہے۔ (۲) اور بعض گناہوں کی پاداش میں جانداروں کی جون دی جاتی ہے۔ ہر گدھا۔ کتا۔ اور سور گنہگار

روح کا ایک قید خانہ ہے (۳۵) اور بعض گنہگاروں کو جو کم گنہگار ہیں۔ انسانی
جون دی جاتی ہے۔ اس میں بھی زیادہ گناہوں کی صورت میں عورت اور کم گناہوں
کی صورت میں مرد کا قالب دیا جاتا ہے۔ اور اس دنیا میں غربت بیماری -
کنڈ ذہنی - بد صورتی - نسیان - دماغ کی کمزوری - بناوٹ کی کمزوری - ہم و غم
وغیرہ وغیرہ جو بھی تکلیف یا مصدمہ یا نقص ہے۔ وہ سب گناہوں کی شامت
سے ہے۔ اور امیری آرام و آسائش خوب صورتی عزت وغیرہ وغیرہ سب
نیک اعمال کا نتیجہ ہیں۔ یعنی جو دکھ سکھ اس دنیا میں بلا وجہ نظر آویں۔ وہ
سب گزشتہ جون کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ہاں اس موجودہ جنم کے اعمال کی
وجہ سے بھی اس موجودہ جنم میں دکھ سکھ ہو سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں جونوں میں سے نباتات میں تو روحیں بے ہوش رہتی
ہیں۔ نیک و بد کچھ نہیں کر سکتیں۔ باقی رہا حیوانات یہ بے شک کام کرتے ہیں
مگر ان کے کاموں کا اچھا یا بُرا کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ عقلمند نہ ہونے کی وجہ
سے مکلف نہیں ہیں۔ ہاں انسان کی جون میں جو روح ہے۔ وہ جو کام کریگی۔ نیک یا
بد۔ اس کا اس جون میں یا آئندہ جونوں میں بُرا یا بھلا بدلہ ضرور ملے گا۔

(۱۳) گنہگار آدمی کو گناہوں کے بدلہ میں مختلف قسم کے قالب اور جونوں میں جانا پڑتا
ہے۔ اور جب سب گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ تب نیکیوں کے بدلہ میں روح کو مکتی دی جاتی
ہے۔ مکتی میں روح جنم مرن کے چکر سے نکل جاتی ہے۔ یعنی جسم سے علیحدہ ہو جاتی
ہے۔ ہاں ایک لطیف جسم اس کو ملتا ہے۔ اس میں مکتی یافتہ روح سورج چاند زمین
ستاروں سیاروں میں خوب گھومتی ہے۔ اور خدا کے کارخانہ کو دیکھ کر آئندہ حاصل
کرتی ہے۔ مکتی میں نیک روح اکتیس^۳ نیل ایک کھرب دس ارب چالیس کروڑ برس
رہتی ہے۔ پھر لازماً باہر نکال کر دنیا میں ابتدا سرشتی کے وقت بغیر ماں باپ کے جوا
ہوان آدمیوں کی صورت میں پیدا کی جاتی ہے۔ یعنی مکتی محدود ہے دائمی نہیں۔

(۱۴) شروع دنیا میں چار وید چار رشیوں کے دل میں الہام کئے جاتے ہیں۔ پھر چار ادب

بتیس کروڑ برس یعنی قیامت تک کسی کو الہام نہیں ہوتا۔

(۱۴) کوئی چیز بغیر علموں یعنی علت فاعلی علت مادی اور علت آلی کے نہ بن سکتی ہے۔ نہ بن کر پھر بگڑا سکتی ہے۔

(۱۵) خدا کی کوئی فاص جگہ نہیں۔ اور نہ وہ لامکان ہے۔ بلکہ وہ ہر جگہ ہے۔ اور ہر روح میں اور مادہ کے ہر ذرہ کے اندر موجود ہے۔ کیونکہ وہ مادہ اور روح سے زیادہ لطیف ہے۔

(۱۶) جس طرح روح مادہ اور خدا ہمیشہ سے ہیں۔ اسی طرح زمانہ اور اکاش یعنی خلا بھی ہمیشہ سے ہیں۔

(۱۷) اگر خدا نہ ہو۔ تو خدا۔ روح اور مادہ نہ رہ سکیں۔

(۱۸) مادہ بے شعور ہے۔ روح میں شعور تو ہے۔ مگر وہ محدود العلم اور محدود القوی ہے۔ مگر ایشور غیر محدود اور علم وغیرہ صفات میں کامل ہے۔

(۱۹) خدا میں ارادہ مرفعی اور خواہش نہیں۔ ہاں گیان یعنی علم ہے۔

(۲۰) قوانین قدرت کے خلاف نہ کچھ ہو سکتا ہے۔ نہ خود خدا اپنے قانون کو بدل سکتا ہے۔

(۲۱) خدا قادر مطلق تو ہے۔ مگر قادر مطلق کے یہ معنی نہیں کہ جو چاہے کرے۔ بلکہ قادر مطلق کا صرف یہ مفہوم ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ بلا مدد وغیرہ کرتا ہے۔

(۲۲) خدا بغیر آنکھوں کے دیکھتا بغیر کانوں کے سنتا بغیر ہاتھوں کے پکڑتا اور بغیر جوارح باطنی کے سب کچھ سمجھتا ہے۔ اور خدا کو چیزوں کے بنانے کے لئے آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲۳) جو نہیں ہے۔ وہ خدا پیدا نہیں کر سکتا۔ اور جو ہے اسکو خدا فنا نہیں کر سکتا۔ ہاں بہت سے بہت کر سکتا اور کرتا ہے۔ یعنی مادہ کے لطیف ذرات سے چیزیں بناتا اور بگاڑتا ہے۔

(۲۴) چار درشیں کو دیکھنا الہام ہر دنیا کے شروع میں ہوا کرتا ہے۔ ان کا نام اگنی

وایو۔ انگرا اور آد تہ ہیں۔

(۲۵) خدا فاعل بالارادہ نہیں۔ بلکہ فاعل بالخاصہ ہے۔ جیسے کہ آگ اپنے ارادہ سے کسی کو گرم نہیں کرتی۔ بلکہ جو سامنے آوے گا۔ خواہ مخواہ اس کو گرمی محسوس ہوگی۔ ہاں فرق یہ ہے۔ کہ آگ کو پتہ نہیں کہ میں لوگوں کو گرمی پہنچا رہی ہوں۔ مگر خدا کو پتہ ہوتا ہے۔ کہ مجھ سے فلاں فلاں کو یہ یہ دکھ یا سکھ پہنچ رہا ہے۔

قدامت روح و مادہ آریوں کے دلائل کی تردید

دلیل اول :- خدا قدیم سے ہے۔ اور اس کی صفات بھی قدیم سے ہیں۔ اور منجملہ اس کی صفات کے مالک کی صفت بھی ہے۔ اور مالک بغیر مملوک کے نہیں پایا جاتا۔ پس ساتھ ہی اس کا کوئی مملوک قدیم سے ہونا ضروری ہے۔ اور وہ روح و مادہ ہے۔ جواب :- ہم بھی مانتے ہیں۔ کہ وہ قدیم سے مالک اور خالق ہے۔ مگر مملوک کو روح و مادہ میں مقید کرنا کونسی عقل ہے۔ ہم بھی قدامت نوعی کے قائل ہیں۔ نہ قدامت شخصی کے۔ یعنی مخلوق کی انواع سے کوئی نہ کوئی قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا تعطل ایک وقت میں ہم نہیں مانتے۔ یہ دلیل آریوں کی بعینہ عیسائیوں کی اس دلیل جیسی ہے۔ جو وہ تثلیث کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ وجود معلولات متعددہ علل متعددہ کو چاہتا ہے۔ پس علل کی کثرت ماننی پڑتی ہے۔ پس تثلیث ثابت (زیادہ علل کیوں نہیں۔ صرف تین کیوں ہیں) اسی طرح آریہ لوگ بھی خدا کی صفت "مالک" ثابت کرنے کے لئے روح و مادہ کو پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ روح و مادہ کے بغیر اور بھی اشیا ہو سکتی ہیں۔

(دلیل دوم) ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علت مادی ضرور ہوتی ہے۔ پس روح اور مادہ کی علت کیا ہے؟

جواب :- ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ ہر چیز کی صانع کے لئے آلات ضروری ہیں۔

مگر تم خود پر میثور کو آلات کے کام کرنے والا مانتے ہو وہ دیکھو رگوید آدی بھاشش
بھومکا صفحہ ۹۵۶)

جواب ۱۲۔ علت مادی مرکبات کی ہوتی ہے۔ کیونکہ مرکب وہ ہے۔ جو دو سے
بنے۔ پس وہ دونوں اسکی علت ہوں گے۔ مگر مفرد تو کسی سے بنا نہیں۔ اسلئے
مرکبات کے قاعدہ کو اس پر چسپان کرنا بالکل فضول ہے۔

(دلیل سوم) نیست سے ہست اس لئے نہیں ہو سکتا۔ کہ نیستی کے معنی ہیں
کچھ بھی نہیں۔ اور جو نہ ہو۔ اس سے ہو جائے۔ یہ محض منہسی ہے۔

جواب ۱۱) ہمارا یہ کہنا۔ کہ عند خلق لکڑی سے بنا ہے۔ اور یہ کہنا۔ کہ مادہ خدا کی
قدرت سے بنا ہے۔ دونوں میں صرف سے میں ہی فرق ہے۔ کہ پہلے میں علت
مادی مراد ہے اور دوسرے میں علت فاعلی (رگوید بھاشش بھومکا صفحہ ۹۵۶)
خدا کے لئے سب ہست ہے۔ نیست اور ہست تو ہم انسان اپنی نسبت سے
بولتے ہیں۔ اسکی علت فاعلی سب کچھ کر دکھاتی ہے۔

اس دلیل کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن مجید کی آیت کُنْ فَيَكُونُ پر اعتراض کہ کُنْ کس کو کہا؟

جواب ۱۔ ۱) زید کا نقشہ پر میثور کو معلوم تھا۔ یا نہ۔ اگر معلوم تھا۔ تو کس کا نقشہ
معلوم تھا۔ نیز یہ محاورہ ہے۔

جواب ۲۔ انسان جب اپنے ذہن میں کوئی نقشہ کھینچتا ہے۔ مثلاً کسی مکان
بنانے کا نقشہ۔ تو بنانے کے وقت اسباب و آلات کی تلاش و پرتال میں لگ جاتا
ہے۔ اور اسے خارجی وجود میں لاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ خود آہے۔ اس لئے وہ ایسا
نہیں کرتا۔ بلکہ وہ صرف امر کن سے بنا دیتا ہے۔

(دلیل چہارم) ہمارا مشاہدہ ہے۔ کہ ہر خلق مادہ سے ہوتی ہے۔

(جواب) موجودہ قانون یا مشاہدہ دلیل نہیں۔ کیونکہ :-

(۱) جس طرح اب ہر چیز مادہ سے بنتی ہے۔ اور پہلے لازماً عدم سے وجود میں آئی

تھی۔ اسی طرح اب انسان مرد اور عورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر پہلے بلا باپ و ماں۔
 کیونکہ ابتدا مانتی لازم ہے (ستیار تہ ب ۸ دفعہ ۲۴ ص ۳۳۶)
 دیکھو خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا یعنی ہر شے عدم سے وجود میں آتی
 ہے۔ مگر بعد میں ایک اندازہ سے آتی ہے۔

(ب) الہام اب نہیں ہوتا۔ ہاں ابتدا میں ہوا۔ اسی طرح خلق کو قیاس کر لو۔
 (ج) ہمارے مشاہدہ میں پرے نہیں۔

(د) ہمارے مشاہدہ میں مادہ اصل حالت میں نہیں۔ (مثلاً دیباچہ ستیار تہ پرکاش)
 آریہ لوگ ابتدا میں مخلوق کا پیدا ہونا اس طرح مانتے ہیں۔ کہ کھیتوں کی طرح
 اگ پڑے تھے۔ پس اگر یہ ایسا ہی ہوا تھا۔ تو اسکی نظیر دو۔ در نہ شرماؤ۔

عقلی دلائل حدوث روح و مادہ پر

(دلیل اول) وہ قادر مطلق ہے۔ سب تسکیتمان ہے۔ پس چونکہ وہ قادر مطلق
 ہے۔ اس لیے یہ کام کر سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔
 اعتراض :- خدا اپنے جیسا خدا نہیں بنا سکتا۔ نہ وہ مر سکتا ہے۔

(ج ۱) تمام صفات مساوی ہیں۔ یہاں اسکی قادر مطلق نہیں۔ کہ اور صفات کٹتی
 ہیں۔ کیونکہ اسکی صفات میں سے حسی ہونا اور واحد ہونا ہے۔ اگر وہ مثل بنائے
 تو واحد نہیں رہتا۔ اپنے آپ کو مار دے۔ تو حسی نہیں رہتا۔ مگر مادہ اور روح میں
 کوئی صفت کٹتی ہے۔

(ج ۲) کوئی معیار پیش کرو۔ ورنہ قادر مطلق نہ مانو۔ ہاں انسان سے زیادہ قادر
 مانو۔ اسی طرح انسان بمقابلہ حیوان کے اور ایک ڈاکٹر بمقابلہ کمپوٹر قادر مطلق ہے
 (دلیل ۲) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللّٰهُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
 (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ اگر وہ بعض چیزوں کا خالق نہ ہو۔ تو واحد
 نہ ہوگا۔ یعنی واحد فی الصفات (۲) اگر وہ ہر چیز کا خالق نہیں۔ تو وہ ان اشیاء

پر غلبہ جائز طور پر پانے کا مستحق نہیں۔ اسی کی تائید کرتی ہے یہ آیت وَهُوَ
الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (انعام ۲۶)

اعتراف :- انسان بھی اکثر اشیاء کا مالک ہے۔ اور اسے غلبہ حاصل ہے۔
بدوں خلق کے (ج ۱) خدا کی اجازت سے (ج ۲) کیسے کبھی شئی ہو اسکی
ملک اور انسان کی ملک میں فرق ہونا چاہیے۔

اعتراف :- ہم بھی موجود ہیں۔ خدا بھی موجود ہے۔ ہم بھی ابدی ہیں۔ خدا بھی
ابدی ہے۔ تو توحید فی الصفات کیسے ہوئی۔ بلکہ اشتراک ثابت ہوا۔
جواب :- ہم اس کے قائم رکھنے سے موجود ہوئے۔ وہ خود قدیم ہے۔ مگر
روح و مادہ کا وجود خود ہے۔

دلیل یہ ہے۔ کہ خدا چاہے۔ تو قائم نہ رکھے۔ یا ابدی نہ بنائے۔ مگر روح کو
مٹا نہیں سکتا۔ دیکھو (ہود ۹۶)
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ۔ حی پر اعتراف تھا۔ مگر قیوم نے دو
کردیا۔

دلیل سوم۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَءَاهُ تَقْدِيرًا۔ یعنی ہر چیز سوائے
باری تعالیٰ کے مخلوق ہے۔ کیونکہ محدود ہے۔ اور محدود کا محدّد چاہیے۔
اور روح اور مادہ بھی محدود ہیں۔ (دیکھو ستیارتھتھ دفعہ ۱ ص ۳۱)
(دلیل ۴) اگر روح پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو لازماً خدا نجات یافتہ لوگوں کو
دنیا میں بھیجے گا۔ اور یہ ظلم ہے۔ دیا نند کو دقت پیش آئی۔ تو وہ مکتی کو قید
سے تعبیر کرنے لگا۔

(دلیل ۵) روح و مادہ کو اور ان کے خواص کو قدیم ماننے سے ذات باری
پر دلیل قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ جب بڑا کام خود ہوا۔ تو چھوٹا کام کیوں خود نہ ہوا
(دلیل ۶) صفات کی فنا ذات کی فنا ہے۔ اس لئے آریوں کے نزدیک جس
طرح روح کی ذات مخلوق نہیں۔ اسی طرح صفات بھی مخلوق نہیں۔

پس اگر ثابت ہو کہ صفات میں تغیر ہے۔ تو ذات میں بھی تغیر ماننا پڑے گا اور ہر متغیر قائم بالذات ہے۔ صفات کا تغیر دیکھو۔ نیک سے بد۔ بد سے نیک۔ جاہل سے عالم۔ عالم سے جاہل۔

(دلیل ۷) خدا ظرف ہے۔ روح منظر و فہم ہے۔ ظرف پہلے ہونا چاہیے (دلیل ۸) روح و مادہ محتاج الغیر ہیں۔ یا نہیں؟ اگر محتاج ہیں۔ تو قدیم نہ ہوئے۔ اگر محتاج نہیں۔ تو پھر ماتحت نہیں ہو سکتے۔

(دلیل ۹) تین چیزیں ازلی ہیں۔ ستیارتہ ص ۲۵۳ پھر پانچ ازلی ستیارتہ ص ۲۵۳ دلیل کہ اکاش ازلی ہے۔ ص ۲۵۳ و ص ۲۵۳ ستیارتہ اکاش مخلوق ہے جو مکاش ص ۲۵۳ پھر زمانہ فانی ہے۔ ص ۲۵۳ ستیارتہ۔ اور اکاش فانی ص ۲۵۳ ستیارتہ۔ سب سے پہلے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ ص ۲۵۳ ستیارتہ زمانہ جس طرح دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ بغیر علت مادی کے۔ اسی طرح مادہ بھی بغیر علت مادی کے پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھو حوالہ جات رگوید جو ص ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶

(دلیل ۱۰) اگر وہ خلق نہیں کر سکتا۔ تو وہ عالم نہیں۔ اگر وہ عالم ہے۔ تو خالق ہی ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یس ۶ آخری) پس جبکہ کامل علم خالق ہونے کا مقتضی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا خالق نہ ہونا اس کے نقص علم پر دلیل ہے۔

(دلیل ۱۱) ستیارتہ ص ۲۵۳ جو اور پر کرتی کے صفات اور فعل اور عادات ازلی ہیں۔

(۱۲) خدا تو مرکب کو بھی بدل نہیں سکتا۔ ستیارتہ ص ۲۵۳۔

(۱۳) جو قدرتی اصول ہیں۔ مثلاً آگ گرم۔ پانی ٹھنڈا وغیرہ ان کی طبعی صفات کو پریشور بھی نہیں بدل سکتا۔ ستیارتہ ص ۲۵۳۔

جہاں جو اور پر کرتی کے صفات دیئے گئے ہیں۔ وہاں مادہ سے تعلق پیدا کرنے

کام حق نہیں۔ یا طریق تعلق پیدا کرنے کا بتاؤ۔

دلیل ۱۲، ستیارت جس مادہ سے روح بنائی جاوے۔ وہ آخر ختم ہو جائیگا۔
 (دلیل ۱۳) اَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ لَهُمُ الْخَالِقُونَ اَمْ خَلَقُوا
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُوْنَ۔ یعنی منکرین حدوث روح و مادہ کہتے
 ہیں۔ کہ رو میں پیدا نہیں ہوئی۔ (۱)، کیا وہ بغیر علل کے خود بخود ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ
 یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے تریح بلا مرجع لازم آتی ہے۔ جو محال ہے (۲) دوسری
 شق یہ ہو سکتی تھی۔ کہ خود علت ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہو۔ تو اس سے تقدم الشی علی
 نفسه لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ (۳)، خود علت العلل ہوں۔ اور آسمانوں و زمینوں
 کے مالک ہوں۔ تو اس سے تعدد لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ علاوہ ازیں خالق
 مخلوق کا محتاج نہیں۔ مگر ہم آسمان و زمین کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہماری مخلوق ہوتے
 تو ہم ان کے محتاج نہ ہوتے۔

دلیل ۱۴، اَيُّكُمْ كُنْتُ عَنِ السُّوْحِ قُلِ السُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا
 لَكُمْ بِتِلْكَ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَلْعِلْمُ الْاَقْبَلُ ۚ اَرَبِیْہِ لَوْ جُوْهُدُ رُوْحٍ وَّمَادَہُ كَے منکر میں کسی
 قدامت میں سوال کریں گے۔ کہ روح کیا چیز ہے آیا حادث ہے۔ یا قدیم ہے۔ جواب
 میں کہہ دے۔ کہ یہ میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔ لَکُمُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ قُلِ لِّیْنَ
 لَا یَسْمَعُ الْجِنَّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
 بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَہِرًا ۚ
 دلیل اس کا (روح کا) علم ناقص ہے۔ اگر قدیم سے ہوتی۔ تو علم کامل ہوتا۔ جیسے
 خدا کا علم کامل ہے۔

پس ان دلائل سے حدوث ثابت ہوا۔ آریوں کے اعتراضات بالکل کچے ہوتے
 ہیں۔ جیسے دہریوں کے ہوتے ہیں۔ دہریہ بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ خدا اگر ہے۔ تو بتلاؤ۔
 وہ کیا چیز ہے۔ یہی سوال ایک دفعہ ایک کبھار اڑا کے نہ کیا۔ جس کے جواب میں کہا گیا
 کہ خدا چیز نہیں۔ کیونکہ چیز دل کو تودہ پیدا کرتا ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے۔ کہ تم سے

پوچھا جاوے۔ کہ تمہارا باپ کونسا برتن ہے۔ تو تم کہو گے۔ کہ برتن تو میرا باپ بنایا کرتا ہے۔ وہ برتن نہیں۔ اسی طرح خدا بھی خالق اسکیا ہے

(دلیل ۱۵) ارواح و مادہ صاحب علم و ارادہ نہیں۔ اگر صاحب علم و ارادہ ہیں تو پھر وہ کیوں آپس میں نہیں مل جاتے۔ اور صاحب علم و ارادہ کے بغیر کوئی خلق نہیں ہو سکتی۔ پس روح و مادہ مخلوق ہیں۔ نہ کہ خود بخود۔

(دلیل ۱۶) اگر روح و مادہ مخلوق نہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ خالق نہیں۔ بلکہ صرف ایک مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ برخلاف مسلمات آریہ ہے۔

(دلیل ۱۷) جب روح و مادہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں۔ تو پھر وہ خود بخود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہونا ان کی فطرتی اور ذاتی صفت ہے تو پھر ہم کہیں گے۔ کہ پھر وہ کیوں اطاعت الہی میں تکلیف محسوس کرتی ہیں۔

(دلیل ۱۸) روحوں کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت رکھنا جیسے مان کو ایک بچہ سے ذاتی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ یہی صاف دلیل ہے۔ کہ یہ اس سے نکلا ہوا ہے۔ اور وہ صرف مخلوق ہونے کی حالت ہے۔

(دلیل ۱۹) روحوں کا اپنی کمزوری کی وجہ ایک عالم اور فیاض ہستی کا محتاج ہونا بھی ان کے مخلوق ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

نقلی دلائل

ویدوں اور اپنشدوں سے حدوث روح و مادہ اثبات پر

۱۔ اے انسانو! میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دنیا کا مالک ہوں۔ میں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں درگوبید منڈل عا سوکت ۸ منتر منقول از ستیارتھ باب ۷ دفعہ ۹ صفحہ ۲۷۷ اس سے معلوم ہوا۔ کہ سب سے اول خدا تعالیٰ تھا۔ اس نے سب کو پیدا کیا۔ وہی سب کی پیدائش کا قدیم باعث ہے۔

کام حق نہیں۔ یا طریق تعلق پیدا کرنے کا بتاؤ۔

دلیل ۱۲، ستیارت جس مادہ سے روح بنائی جاوے۔ وہ آخر ختم ہو جائیگا۔
 دلیل ۱۳، اَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ لَهُمُ الْخَالِقُونَ اَمْ خَلَقُوا
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُوْنَ۔ یعنی منکرین حدوث روح و مادہ کہتے
 ہیں۔ کہ رو میں پیدا نہیں ہوئی۔ (۱)، کیا وہ بغیر علل کے خود بخود ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ
 یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے تریح بلا مرجع لازم آتی ہے۔ جو محال ہے (۲) دوسری
 شق یہ ہو سکتی تھی۔ کہ خود علت ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہو۔ تو اس سے تقدم الشی علی
 نفسه لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ (۳)، خود علت العلل ہوں۔ اور آسمانوں و زمینوں
 کے مالک ہوں۔ تو اس سے تعدد لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ علاوہ ازیں خالق
 حقوق کا محتاج نہیں۔ مگر ہم آسمان و زمین کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہماری مخلوق ہوتے
 تو ہم ان کے محتاج نہ ہوتے۔

دلیل ۱۴، اَيُّكُمْ كُنْتُ عَنِ السُّوْحِ قُلِ السُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا
 لَكُمْ بِتِلْكَ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَلْعِلْمُ الْاَقْبَلُ ۚ اَرَبِیْہِ لَوْ جُوْصَدُوْثُ رُوْحٍ وَّمَادَہُ كَے منکر میں کسی
 قدامت میں سوال کریں گے۔ کہ روح کیا چیز ہے آیا حادث ہے۔ یا قدیم ہے۔ جواب
 میں کہہ دے۔ کہ یہ میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ قُلْ لِّیْنَ
 لَا یَسْمَعُ الْجِنَّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
 بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ ظٰہِرًا ۚ
 دلیل اس کا (روح کا) علم ناقص ہے۔ اگر قدیم سے ہوتی۔ تو علم کامل ہوتا۔ جیسے
 خدا کا علم کامل ہے۔

پس ان دلائل سے حدوث ثابت ہوا۔ آریوں کے اعتراضات بالکل کچے ہوتے
 ہیں۔ جیسے دہریوں کے ہوتے ہیں۔ دہریہ بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ خدا اگر ہے۔ تو بتلاؤ۔
 وہ کیا چیز ہے۔ یہی سوال ایک دفعہ ایک کبھار اڑا کے نہ کیا۔ جس کے جواب میں کہا گیا
 کہ خدا چیز نہیں۔ کیونکہ یہ دل کو تو وہ پیدا کرتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے۔ کہ تم سے

پوچھا جاوے۔ کہ تمہارا باپ کونسا برتن ہے۔ تو تم کہو گے۔ کہ برتن تو میرا باپ بنایا کرتا ہے۔ وہ برتن نہیں۔ اسی طرح خدا بھی خالق اسکیا ہے

(دلیل ۱۵) ارواح و مادہ صاحب علم و ارادہ نہیں۔ اگر صاحب علم و ارادہ ہیں تو پھر وہ کیوں آپس میں نہیں مل جاتے۔ اور صاحب علم و ارادہ کے بغیر کوئی خلق نہیں ہو سکتی۔ پس روح و مادہ مخلوق ہیں۔ نہ کہ خود بخود۔

(دلیل ۱۶) اگر روح و مادہ مخلوق نہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ خالق نہیں۔ بلکہ صرف ایک مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ برخلاف مسلمات آریہ ہے۔

(دلیل ۱۷) جب روح و مادہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں۔ تو پھر وہ خود بخود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہونا ان کی فطرتی اور ذاتی صفت ہے تو پھر ہم کہیں گے۔ کہ پھر وہ کیوں اطاعت الہی میں تکلیف محسوس کرتی ہیں۔

(دلیل ۱۸) روحوں کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت رکھنا جیسے مان کو ایک بچہ سے ذاتی محبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ یہی صاف دلیل ہے۔ کہ یہ اس سے نکلا ہوا ہے۔ اور وہ صرف مخلوق ہونے کی حالت ہے۔

(دلیل ۱۹) روحوں کا اپنی کمزوری کی وجہ ایک عالم اور فیاض ہستی کا محتاج ہونا بھی ان کے مخلوق ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

نقلی دلائل

ویدوں اور اپنشدوں سے حدوث روح و مادہ اثبات پر

۱۔ اے انسانو! میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دنیا کا مالک ہوں۔ میں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں درگوبید منڈل مناسوکت ۸ منتر منقول از ستیارتھ باب ۷ دفعہ ۹ صفحہ ۲۷۷ اس سے معلوم ہوا۔ کہ سب سے اول خدا تعالیٰ تھا۔ اس نے سب کو پیدا کیا۔ وہی سب کی پیدائش کا قدیم باعث ہے۔

(۱۲) جس وقت یہ ذروں سے مل کر دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت یعنی کائنات سے پہلے است یعنی شونیا اکاش (فضا) بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اس وقت اسکا کاروبار نہ تھا۔ اس وقت ست (پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں۔ وہ بھی نہ تھی۔ اور نہ پرمانو تھے۔ اور اٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجے پر آتا ہے۔ وہ بھی نہ تھا۔ بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرہ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر و بے علت ہے۔ موجود تھی (بھاش بھومکا اردو سنک)

دس اس پرش (پریشور نے) پر تھوی (یعنی زمین کے بنانے کے لئے پانی سے رس کو لیکر مٹی کو بنایا۔ اسی طرح آگ کے رس سے پانی کو پیدا کیا۔ اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاش سے اور اکاش کو پرکرتی سے اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا (بھاش بھومکا اردو سنک) پیدا کس عالم کا بیان منتر ۱۱ (۱۱) اس پرش (ایشور) کی فایت درجہ قدرت ہی اس دنیا کے بنانے کا مصالحہ و مواد ہے۔ کہ جس سے یہ سب دنیا پیدا ہوئی ہے۔ سو پریشور سب کے چاہنے والا ہو کر اس دو قسم کی دنیا کو مرصع و مستحج کرتا ہے۔ وہ ایشور اس کا دنیا کا بنانے والا (دنیا میں محیط ہو کر دیکھ رہا ہے۔ (بھاش بھومکا ہندی سنک ۱۲) بحوالہ بھو دید (۱۳)

(۱۵) دیوتاؤں کے پہلے یک میں خستی سے ہستی پیدا ہوئی۔ یعنی دیوتاؤں سے پیشتر زمانہ میں خستی سے ہستی پیدا ہوئی (رگوید منڈل ۱۰)

(۱۶) پرکرتی وغیرہ اعلیٰ و لطیف کائنات اور گھاس مٹی چھوٹے کیرے مکوڑے وغیرہ ادنیٰ مخلوقات نیز انسان کے جسم سے لیکر اکاش تک متوسط درجہ کی کائنات یہ تینوں قسم کی دنیا پرش (پریشور) نے اپنی قدرت سے پیدا کی (بھاش بھومکا اردو سنک ۱۴) منقول از بھومکا

(۱۷) اس کائنات سے پہلے صرف ایک آتما (پریشور) ہی تھا۔ اور کوئی دوسری

(قابل تمیز) چیز نہ تھی (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ۵۳ منقول از نیک اپنشد
 ادھیائے ۱۔ کھنڈا اصلاح وید پر بکٹ)
 (۸) اس سے پہلے محیط کل پر میثور ہی تھا رشت پتہ برہمن کاندھا ادھیائے ۱
 رگوید ۵۳)

(۹) اس سے پہلے دنیا کچھ بھی نہ تھی۔ (ایضاً)

(۱۰) چونکہ وہ پر میثور ان یا مٹی وغیرہ کل کائنات فانی سے الگ اور جینے مرنے
 سے مترا ہے۔ اس لئے وہ بذاتہ غیر مولود اور سب کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی
 (فدا) اس کائنات کو اپنی قدرت سے بناتا ہے۔ اسکی کوئی علت نہیں ہے
 بلکہ سب کی علت اولین علت فاعلی اسی پر میثور کو جاننا چاہیے۔ (رگوید بھاش
 بھومکا ۵۳)

(۱۱) اسے عزیزو! پر میثور اس دنیا میں پیشتر موجود تھا۔ وہ اپنی ذات سے ایک
 اور بے عدیل تھا۔ اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا۔ کہ سب سے اول صرف پر میثور
 ہی اکیلا اور بے عدیل تھا۔ اگر روح و مادہ بھی اسکی طرح قدیم ہوتے۔ تو ان کا
 ساتھ ہی ذکر ہوتا۔ (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو ۵۳ مترجم نہال سنگھ)
 (۱۲) پرے (قیامت) کے وقت یہ کائنات اسی کی قدرت میں سما جاتی ہے
 (بھومکا اردو ۵۳)

(۱۳) اور اسی کی قدرت سے پھر یہ کائنات دوبارہ پیدا ہوتی ہے (ایضاً)
 (۱۴) یہ تمام کاروبار عالم اور روئے زمینی تیری قدرت میں اسی طرح قائم ہے
 جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ (بھومکا اردو ۵۴)

(۱۵) وہی تمام دنیا کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا۔ فنا کرنے والا ہے۔
 (ستیارتھ ۵۴ نواں ایڈیشن)

(۱۶) مجھ پر میثور کو ہی ساری دنیا کا پیدا کرنے والا سمجھو۔ (ستیارتھ پرکاش ۵۴)
 (۱۷) وہ باسانی تمام بلا اعدا وغیرے تمام دنیا کو بناتا ہے۔ تو پھر ساتھ ہی (سکودھ)

اور مادہ کا محتاج ٹھہرانا دو متضاد باتیں ہیں۔ (ستیارتھ ص ۲۰۴)

(۱۸) اس جہان میں جو کچھ ہے۔ اس تمام مخلوق کا بنانے والا ہوں (ستیارتھ ص ۲۰۴)

(۱۹) اس (خدا) کے دل میں خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے اس قسم کی خلقت

پیدا کرنی چاہیے۔ تو اس نے پہلے پانی (رج) کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی میں بیج

ڈالا (منوادھیائے بٹاشوک ص ۱)

(۲۰) چونکہ وہ مستحکم اور ساکن جہان کو زندہ اور قائم رکھتا ہے۔ اس واسطے وہ

تمام قادروں سے قادر ہے (ستیارتھ ص ۲۰۴)

(۲۱) جو چیز ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ازلی ابدی کبھی نہیں ہو سکتی۔ اور

فعل بھی پیدا کش اور فنا سے آزاد نہیں ہے۔ (ستیارتھ ب ۸ دفعہ ۲۸ ص ۳۲۹)

(۲۲) روح میں ترکیب و تفریق ہے (ستیارتھ ب ۷ دفعہ ۵۳ ص ۲۹۷ و ب ۷

دفعہ ۴ ص ۳۰۳ لہذا روح حادث ہوئی)

روح و مادہ۔ زمانہ و خلا کے غیر حادث ہونے پر نوا اعتراضات منطقی و علمی

ہم صرف صانع کو قدیم اور غیر حادث مانتے ہیں۔ مگر آریہ لوگ صانع کے علاوہ

روح و مادہ زمانہ اور مکان یعنی خلا کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ (عقائد آریہ منتویہ

۱۔ منتویہ انادی پدارتھ ص ۴۶)

اعتراضات ۱۔ (۱) کہ سوائے صانع کے دوسروں کو قدیم ماننے سے صانع

کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب یہ مان لیا جائے۔ کہ علاوہ صانع کے روح و

مادہ مع اپنے خواص کے قدیم ہے۔ تو اتصال و انفصال بھی منجملہ خواص کے ہے

پس ترکیب کے لئے حاجت صانع کی نہیں۔

(۲) جو چیز قدیم ہو۔ اس کی ذات ہی اس کی علت ہے۔ اور جس کی ذات اس کے وجود

کی علت ہو۔ اس میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وجود نقص علت حاضرہ کا مستلزم

ہے۔ اور قدیم میں علت قاصرہ ناممکن ہے۔

(۳) یہ کہ استحقاق صانع کے لئے روح و مادہ پر تصرف ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ

دو نو اپنے وجود اور خواہش میں اس کے محتاج نہیں۔ تو یہ ان پر تصرف کیوں کر کیا
 کیونکہ استحقاق تصرف کا باعث ملک ہے۔ اور ملک یا خلق سے یا ورثہ سے
 یا بیع سے یا ہبہ سے اور یا کسی پر غلبہ پانے سے پیدا ہوتا ہے۔ خلق کا عدم
 مفروض ہے۔ اور ورثہ اور بیع اور ہبہ کی شقوق جانب واجب میں خود ساقط
 ہیں۔ باقی رہ گیا غلبہ سے مالک بن جانا۔ سو اس سے لازمی طور پر ماننا پڑے گا۔
 کہ خدا اور انسان کا مفہوم ایک ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ
 پر چڑھا کر کے ایک ملک چھین کر اپنی ملکیت میں کرے۔ اسی طرح خدا بھی کرتا ہے
 حالانکہ انسان اس کے صفات میں قطعاً کسی طرح بھی شریک نہیں۔ پس اس طریق
 سے کسی چیز کو اپنی ملک میں لانا گویا انسان کے برابر خدا کو ٹھہرانا ہے۔ اور وہ محال ہے
 (۳) اگر ایسا ہی مان لیا جاوے۔ تو علم ذات باری تعالیٰ ناقص رہے گا۔ اگر خالق کل
 اسے تسلیم نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ کسی چیز کی خلق سے وہ اسی لئے قاصر ہوگا
 کہ اسے اس چیز کی خلقی ترکیب معلوم نہیں۔ اور جس چیز کا وہ خالق نہیں۔
 اس کے صلاح و فساد سے بھی وہ باہر نہیں ہو سکتا۔ علی الخصوص جب علم
 ذات باری کو نظری مانا جائے۔ پھر تو ذات باری کو ہر روح اور ذرہ
 مادہ کی مشاگردی کرنی پڑے گی۔

(۵) اگر باعث بعض اشیاء کے عدم خلق کا عدم قدرت ہے۔ تو قادر مطلق سب
 صانع نہ رہا۔ اس پر یہ سوال کہ وہ اپنی مثل پیدا نہیں کر سکتا۔ صحیح نہیں ہے۔
 اس لئے کہ مخلوق کو خالق کی مثل قرار دینا محال ہے۔ اور صانع کا اپنے آپ کو
 فنا کرنا علاوہ ازیں اور عیوب میں مبتلا کرنا قدرت نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ خلاف
 قدرت ہے۔

(۶) روح اور مخلوق کے عدم مخلوق فرض کرنے سے ان کو بطش شدید کرنا ظلم
 ہے۔ کیونکہ جس کو استحقاق ہے ہی نہیں۔ اس کو استحقاق بطش کیسے حاصل ہوا۔
 (۷) سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ اور ما سوائے اس کے اس کی قدرت

سے وجود پذیر ہوئے۔ آریوں کی مسلمہ کتب سے ثابت ہے۔ دیکھو حوالہ پر کرتی
کو اپنی قدرت سے پیدا کیا (رگ وید بھاشا بھومسکا ۱۷ طبع سوم) (۲) منوسمرتی
ادھیائے ۱۔ مشکوک ۸۔

(۸) زمانہ اگر مقدار فعل کا نام ہے۔ تب زمانہ فعل کی عرض ہوگا۔ اور فعل فاعل
کا عرض ہوگا۔ پس زمانہ مخلوق ہوگا۔ اسی طرح خلا سے مراد اگر وہ محل ہے جس میں
کچھ نہیں۔ تو موجود نہیں۔ اور اگر خلا اس محل کا نام ہو۔ جس میں کچھ ہو۔ تو وہ حال
کی عرض ہے۔ پس حال کے مخلوق ہونے سے محل مخلوق ہوگا۔ اور اگر خلا محض
فرض کیا جائے۔ تو وہ وجودی چیز نہیں۔ بلکہ عدمی ہے۔ ہماری کلام وجود میں
ہے۔ کہ سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ نہ عدم میں۔ کیونکہ عدم اصلی پر
موجود کا قدیم ہے۔ الا الواجب تعالیٰ۔ کیونکہ اس کا کوئی عدم نہیں۔

(۹) قرآن شریف جو آخری الہامی کتاب ہے۔ وہ ماسوائے اللہ مخلوق قرار دیتا
ہے۔ جیسے فرمایا: (۱۰) اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
(سورہ رعد رکوع ۲) (۲) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَءَا تَقْدِيرًا (فرقان ۴)
(۳) رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى (طہ رکوع ۳)
(۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَشَأْنُنَّ
لَغُوبٍ (ق رکوع ۳) ان آیات میں روح و مادہ وغیرہ سوائے اللہ تمام
چیزیں آگئیں۔

تناسخ

تناسخ کے معنی ہیں گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا۔ ۱۱، آریوں
کی طرف سے اثبات تناسخ کی بڑی اور ایک ہی دلیل انسانوں میں اختلاف کا پایا
جانا ہے۔

اس پر سوال مندرجہ ذیل پڑتے ہیں:-

۱۱، وید سے اس کا ثبوت دو۔ کہ تناسخ کا مسئلہ برحق ہے۔ اور اسکی دلیل اختلاف

(۲) یہ دلیل دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اختلاف کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ پہلے جنم کے اعمال ہیں۔ مثلاً رات کو اگر کوئی جاتا ہو۔ تو اس کے متعلق خیال کیا جائے۔ کہ اسوقت دفاتر۔ ڈاکخانہ۔ مدارس اور شفا خانے سب بند ہیں۔ یہ شخص اسوقت سوائے چوری کرنے کے اور کہیں نہیں جا رہا۔ تو جیسے یہ خیال باطل ہے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ وہ کسی اور ضروری کام کو جا رہا ہو۔ اسی طرح وہ خیال بھی باطل ہے۔ کہ اختلاف دنیا کا باعث کچھلے جنم کے اعمال ہی ہیں (۳) اگر اختلاف کو دلیل مانا جائے۔ تو پھر چاہیے۔ کہ جہاں دلیل پائی جائے۔ وہاں دعویٰ بھی پایا جائے۔ اور جہاں اختلاف پایا جائے۔ وہاں کچھلے جنم کے اعمال کا اسے نتیجہ مانا جائے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں۔ کہ ہم مانتے ہیں۔ کہ خدا میں تین صفیں پائی جاتی ہیں (ست۔ چت۔ انند) اور روح میں (ست۔ چت) اور مادہ میں ست ہے۔ کیا ان کا اختلاف بھی کچھلے جنم کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ خدا ہمیشہ حاکم اور روح ہمیشہ محکوم رہتی ہے۔

دوسری مثال پھر دیکھو۔ فلکی اجرام میں کوئی سورج۔ کوئی ستارہ۔ کوئی چاند۔ کوئی سیارہ۔ کیا ان کا اختلاف بھی وہی وجہ رکھتا ہے۔ یا کوئی اور۔ تیسری مثال بعض ایسی زمینیں ہیں۔ کہ ان سے پیرا اور اعلیٰ نکلتا ہے۔ اور کسی سے سنگ فارا اور بعض سے کچھ بھی نہیں۔ کیا اس اختلاف کا باعث بھی وہی ہے (۴) جنوں کی نوع میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً پھلدار درختوں۔ آم۔ کھجور اور بمبئی کے آم وغیرہ۔ پھر عرب کے گھوڑے اور ہندوستان کی گھوڑیاں۔ کشمیر کے سیب۔ یونپ کے آم وغیرہ۔ کیا مختلف شہروں کے آموں وغیرہ میں مختلف ذائقہ اور خوبی اسی تنازع کی وجہ سے ہے۔ یا کسی اور وجہ سے پھر جنوں کی مختلف قسمیں بعض بہت قیمتی اور بعض بالکل رومی پتھروں میں جوئی جاتی ہیں۔ (ستیا رتھ پرکاش ب ۹)

(۵) آریہ کہتے ہیں۔ کہ ملکتی خانہ میں سنسکرت بولی جاتی ہے۔ بلکہ وید کنٹھ ہوتے

ہیں۔ مگر جب دنیا میں آتے ہیں۔ تو وہ بھول جاتے ہیں۔ سوال اس پر یہ ہے۔ کہ اگر وہاں ایسے اذہر ہوتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ یہاں آکر بالکل بھول جاتے ہیں۔ اور ایسی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ کہ کوئی حرف بھی یاد نہیں رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے۔

(۶) علم طب رائیگاں جاتا ہے۔ کیونکہ اگر تمام امراض وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں اور لولا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ کانا ہونا کسی پچھلے جنم کے اعمال کے نتیجہ میں ہے۔ تو ہم ان کا علاج نہیں کر سکتے اگر علاج کریں۔ تو اس میں خدا کا مقابلہ ہو گا۔ کیونکہ خدا تو انہیں سزا دینا چاہتا ہے۔ مگر ہم اس سزا کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) آریہ لوگ تناسخ کے مسئلہ کے اس لئے قائل ہیں۔ کہ اگر وہ اسے نہ مانیں۔ تو وہ جانتے ہیں۔ کہ ہمارا خدا ارواح کو پیدا تو کر سکتا نہیں۔ پس جب رو میں محدود اور پریشور پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ پھر اگر وہ مکتی یافتہ لوگوں کو بار بار جونوں کے چکر میں نہ لا تو دنیا کیونکر چلے۔ اس طرح تو آہستہ آہستہ تمام ارواح اس کے ہاتھ سے چلے جائیں گے اور وہ خالی ہاتھ ہو بیٹھیں گے۔ (ستیارتھ بھٹ دفعہ ۲۳ و ۲۴ ص ۳۵۸)

(۸) مکتی خانہ سے کرور ہا سال کے بعد نکالا جاتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سچا ہوتا۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ زمین بڑی ہونی چاہیے تھی۔ ورنہ اتنے عرصہ کے لوگ اس پر آسی نہیں سکتے (۹) دنیا کا کارخانہ جو انواع و اقسام کا بڑے تناسب سے قائم ہے۔ اگر اسے کرموں کا نتیجہ خیال کیا جائے۔ اور تناسخ کو برحق خیال کیا جائے۔ تو پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ممکن ہے۔ کسی وقت میں تمام مرد عورتیں ہو جائیں۔ یا تمام عورتیں مرد ہو جائیں۔ مگر ایسا ہوتا نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تناسخ باطل ہے۔

(۱۰) اگر تناسخ برحق ہے۔ تو آریوں کا یہ دعویٰ کہ پریشور بڑا دیا لو کر ہالو ہے۔ باطل ہی کیونکہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے۔ وہ اس کے پہلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ خدا اسے کچھ دے نہیں سکتا۔ مگر وہی جو اس نے پچھلے اعمال کئے۔ اور اس کا بدلہ۔ اگر وہ کرم نہ کرتے تو وہ کچھ بھی نہ دیتا۔ پس پریشور کا ان پر کوئی احسان نہیں۔ اور نہ ہی وہ دیا لو اور

کر پالو ہے۔ بلکہ وہ مجبور ہے۔

(۱۱) تنازع کے ماننے سے دنیا سے پیار محبت اور اخلاق فاضلہ اڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کے ساتھ احسان کرے گا۔ وہ یہی سمجھے گا۔ کہ مجھے اپنے کرموں کے نتیجہ میں مل رہا ہے۔ دوسرا چاہے اپنی جان و مال عزت بھی کیوں نہ قربان کر دے۔

(۱۲) تنازع کے ماننے سے لازم آئے گا۔ کہ ہمیشہ بہت ہی کمزور اور چھوٹی موٹی حکومت کے قابل بھی نہیں۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ داروغہ جیل خانہ میں سے کسی کو یہ بہت نہیں ہوتی۔ کہ اس کے قیدی کوئی بلا تاحاشا آزاد کرنا چلا جائے۔ اور وہ داروغہ جیل چوں تک بھی نہ کرے۔ مگر برعکس اس کے روزمرہ دیکھتے ہیں۔ کہ لاکھوں اور کروڑوں قیدی چھریوں اور بند و قوں کے ذریعہ مسلمان عیسائی اور ہنود آزاد کرتے جاتے ہیں۔ اور کوئی ان کو روکتا تک نہیں۔ پس ایک طرح ذبح کرنے والے لوگ اور بھیڑیے۔ شیر اور چیتے وغیرہ تمام ان جانوروں پر جن کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان کی روحوں کو آزاد کرتے ہیں۔ ان پر احسان کرتے ہیں۔ اور مسلمان تو بہت ہی احسان کرتے ہیں۔

(۱۳) منو سمرتی ادھیائے ۱۲ شلوک ۵۵ میں لکھا ہے۔ کہ برہمن کو قتل کرنے کے نتیجہ میں سور۔ کتا۔ گائے۔ بکرا۔ اونٹ۔ بھیڑیا وغیرہ جنوں میں قاتل کو جانا پڑتا ہے۔ اس پر سوال یہ ہے۔ کہ کیا وجہ ہے۔ کہ برہمن کو قتل کر کے ایک تو سور بن جائے دوسرا کتا۔ اور تیسرا بھیڑیا وغیرہ۔ اسکی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ صورت اول یہ ہے۔ کہ اختلاف چون اس لئے ہے۔ کہ نوعیت قتل میں فرق ہے۔ اگر برہمن کو ننگا کر کے مارا جائے۔ تو سور۔ اور اگر کپڑے سمیت مارا جائے۔ تو بکرا۔ اور اگر جوتے سے مارا جائے۔ تو گائے۔ اور اگر اٹا کر کے یا درخت پر لٹکا کر مارا جائے۔ تو بھیڑیا اور اونٹ۔ دوسری صورت یہ ہے۔ کہ برہمنوں میں فرق ہے۔ اگر تو کسی برہمن بچہ کو مارا جائے۔ تو فلاں جون۔ اور اگر جوان برہمن کو مارا جائے۔ تو فلاں جون۔ اور اگر بوڑھے کو مارا جائے۔ تو فلاں جون۔ تو یا یہ اختلاف نوعیت قتل کی وجہ سے

ہوگا۔ یا نوعیت مقتول کی وجہ سے ہوگا۔ قیسی صورت یہ ہے۔ کہ نوعیت قاتل میں فرق ہے۔ قتل کرنے والا بچہ۔ جوان یا بوڑھا ہو۔ یا نوعیت مقتول میں۔ کہ عورت کو مارے یا مرد کو۔ غرضیکہ اس اختلاف کی وجہ بتائیں۔ کیا ہے (نیز ستیارتھ دفعہ ۷ ص ۳۷)

(۱۴) ہم کہتے ہیں کہ جب ایشور نے ایک انسان کو اس کے اعمال کی وجہ سے سزا بنایا۔ تو سزا کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ گوشت کھائے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ تناسخ کے ماننے سے گوشت خوری اور جیو متیا ماننی پڑتی ہے

(۱۵) اگر مختلف جنوں میں جانا بطور سزا جزا ہے۔ اور سزا اصلاح کے لئے دیکھائی ہے۔ تو پھر سزا و جزا یافتہ روح کو علم ہو جانا چاہیے۔ کہ مجھ کو فلاں عمل کی وجہ سے سزا و جزا مل رہی ہے۔ تاکہ وہ آئندہ کو اس گناہ سے بچے۔ ورنہ یہ اندھیر نگری والا حال ہوگا۔ کیا کوئی آریہ بتا سکتا ہے۔ کہ وہ اندھ یا کانٹا یا لنگوا کس جرم کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔ یا اسکی والدہ یا بیوی کس عمل کی سزا میں عورت بنائی گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۱۶) میں خود ہی (خدا) یہ کہتا ہوں۔ جو دیوتاؤں اور انسانوں کا پیارا ہوں۔ کہ میں جس کے لئے چاہتا ہوں۔ اسکو برا بناتا ہوں۔ جس کو چاہتا ہوں۔ اسے برہما بناتا ہوں۔ جس کو چاہتا ہوں۔ رشی بناتا ہوں۔ اور جس کے لئے چاہتا ہوں اسے عقلمند بناتا ہوں۔ (اتھرو وید) اس حوالے سے تناسخ باطل ہو گیا۔ کیونکہ پریشور کے اختیار میں ہو گیا۔ اعمال کی ضرورت نہ رہی۔

(۱۷) جب اختلاف دنیا کی وجہ یہ نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ جواب قرآن شریف فرماتا ہے
وَكُلُّ نَفْسٍ لَّيْسَتْ بِاللَّهِ بِرَازِقٍ لِّعِبَادِهِ لَبَغْوًا فِي الْآسَافِ
یعنی ہم نے اختلاف دنیا کا اس لئے رکھا ہے۔ تاکہ انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ اگر تمام ایک جیسے ہوں تو کبھی کا یہ سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۸) اگر دنیا کا تمام سلسلہ گناہوں کے سلسلہ پر چل رہا ہے۔ تو پھر پریشور سب

کہاں رہا۔ سب کچھ ہمارے گناہوں کی طفیل ہو رہا ہے۔ پریشور کی کیا ضرورت ہو
 (۱۹) ایشور۔ روح۔ مادہ تین کیوں ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟
 (۲۰) اگر پریشور کے عطیات پچھلے اعمال کے بدلے پر ہی موقوف ہیں۔ تو پھر دیانند
 جی کا رستیا رتھ پر کاش صلیب ۱۶ ب ۴ دفعہ ۴۲ میں بے نظیر عمدہ اولاد حاصل کرنے
 کے لئے یہ طریق جامع لکھنا۔ کہ جب ویرج (دینی) کے گرنے کا وقت ہو۔ اس وقت
 مرد عورت دونوں بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا
 جسم رکھیں۔ اور نہایت خوش دل رہیں۔ بلیں نہیں۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا
 چھوڑے۔ اور عورت بیرج حاصل کرنے کے وقت اپان دایو کو اوپر کھینچے۔ جائے
 مخصوص کو اوپر سکڑ کر ویرجہ کو اوپر کشش کر کے رحم میں ٹھہرا لے وغیرہ وغیرہ
 اس قدر طول طویل آسن لکھنا فضول ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ پچھلے اعمال کی بدولت
 جو کچھ ملتا ہے۔ وہ بہر حال ملتا ہے۔ یہ مفت کی کوشش اور محنت کرنے سے
 کیا حاصل۔

(۲۱) بعض گناہ بتائے گئے ہیں۔ جن سے خاص خاص جنوں میں انسان پڑتا ہے
 کاش سب گناہ بتا دیئے جاتے۔ کہ فلاں گناہ سے فلاں فلاں جنوں میں ڈالا
 جاتا ہے۔ تو ہمیں بہت آسانی ہوتی۔ تاکہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی۔ وہی چیز
 تیار کر دائی جاتی۔ دیکھو بعض جنوں کے گناہ منو سمرتی ادھیائے ۱۲ تا آخر۔
 (۲۲) اگر تشا سنج کو درست مانا جائے۔ تو خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرنا پڑتا
 ہے۔ اس طرح کہ پھر ماننا پڑیگا۔ کہ خدا اور ارواح کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی
 کچھ گناہ معاف کرتا ہے۔ حالانکہ ایک شریف انسان کئی دفعہ قصور معاف کر دیتا
 ہے۔ گویا دریں صورت خدا کو ایک بھیانک اور کینہ ور ماننا پڑے گا۔

(۲۳) اگر تشا سنج درست ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے۔
 ان کا بدلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ مثلاً اس نے ہزار نیکیاں کیں۔ اور ایک بدی کی۔
 اور پھر اس بدی کے عوض میں مثلاً کتے کی جون میں گیا۔ تو پھر تو وہ درجہ بدرجہ گنہگار

ہوتا جائیگا۔ اور آخر کار نجات کا منہ نہ دیکھ سکیگا۔

(۲۴) ہمیں بتلایا جاوے۔ کہ مدار زندگی کیا ہیں۔ پس ظاہر ہے۔ کہ وہ ہوا۔ پانی آگ۔ کھانا وغیرہ ہیں۔ اور ان کا انسانی پیدائش سے پہلے پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر کہو۔ کہ پہلے پیدا ہو گئی تھیں۔ تو پھر بتلاؤ۔ کہ وہ کن اعمال کے بدلے میں تھیں۔

(۲۵) انسان کے رہنے کے لئے جو زمین ہے۔ وہ بھی اسکی پیدائش سے پہلے ہوگی تو پھر وہ کس عمل کے بدلے مانی جائے گی۔

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے جب روح و مادہ کو مرکب کر کے مخلوق پیدا کی۔ تو کیا اسوقت انسان بنایا گیا تھا یا کچھ اور۔ اگر انسان بنایا گیا تھا۔ تو وہ کس عمل کے بدلے میں اگر کوئی اور مخلوق بنایا گیا تھا۔ تو پھر اسکا انسان بننا ایک مہموم بات ہے۔ کیونکہ ان میں اعلیٰ کی طرف ترقی کا مادہ نہیں۔

(۲۷) تناسخ کو مان کر قبول کرنا پڑے گا۔ کہ میوہ جات وغیرہ سب گناہوں کے بدلے میں ہیں۔ تو پھر ان کے کھانے کے متعلق آریہ صاحبان کو خود غور کرنی چاہیئے اور نیز اگر کبھی ہند میں کوئی ایسا رشی آجاوے۔ یا تمام ہندو ہی ہندو ہوں۔ تو کیا پھر میوے نہیں پائے جائیں گے۔ یا نہ پائے گئے ہتھے۔

(۲۸) اگر تناسخ کو صحیح مانا جائے۔ تو گویا ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ پلیدی اور خبا کو پسند کرتا ہے نہ لغو واللہ، کیونکہ تناسخ کی رو سے ممکن ہے۔ کہ ایک آدمی اسی سے شادی کرے۔ جو کچھلی جون میں اسکی والدہ رہ چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ آریہ جواب دیتے ہیں۔ کہ رشتہ جسم سے ہوتا ہے جون بدلنے سے جسم نہیں رہتا۔ اس پر اعتراض یہ پڑتا ہے۔ کہ سات سال کے بعد یہاں جسم بدل جاتا ہے۔ کیا رشتے سات سال کے بعد نہیں رہتے۔ پھر اگر آریہ جواب دیں۔ کہ نکاح کر لیں گے۔ تو اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے۔ نکاح تو کر لیا۔ ماں کو ماں کیسے بتائیں گے۔

(۲۹) اگر تناسخ کو درست مانا جائے۔ تو پھر انسان سوشل تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امکان میں ہے۔ کہ جو اسکا گھوڑا تھا۔ وہ اس کا باپ ہو۔ اور جو اسکی گائے ہو۔ وہ پہلی جون میں اسکی والدہ ہو۔ اور کسی صورت میں نہ اسکو مار وغیرہ سکتا ہے۔ نہ اس پر سواری کر سکتا ہے۔

(۳۰) تناسخ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ سے ہرگز ہرگز محبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسان کو یقین ہوگا۔ کہ وہ مجھ پر کچھ احسان نہیں کریگا۔

(۳۱) اگر تناسخ مانا جاوے۔ تو پھر ایک دفعہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کا موقع نہ ملے گا۔ اور وہ گناہ میں زیادہ بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ جب انسان مایوس ہو جاوے۔ تو پھر گناہ میں ترقی کرتا ہے۔

(۳۲) پھر دعا کرنا فضول ہوگا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

(۳۳) ایک ہی گناہ سے گھوڑا پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر چاہیے تھا۔ کہ تمام گھوڑے ایک قسم اور قد و قامت کے ہوں۔ حالانکہ عربی گھوڑے اور پنجابی گھوڑے میں فرق بن ہے۔ پس بتایا جاوے۔ کہ یہ اختلاف کن اعمال کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ اعمال کا نتیجہ نہیں۔ تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو گیا۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے متعلق قیاس کر لو۔

(۳۴) طبقہ نباتات میں بھی باوجود ایک گناہ کے اختلاف ہے۔ جیسے کابل چنے اور پنجابی چنے اور بھی دیگر نباتات میں اسی طرح ہے۔ اگر یہ اختلاف کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ اور فی الواقعہ بھی نہیں کیونکہ چنا وغیرہ بننا مطلقاً ایک گناہ سے ہوتا ہے۔ تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ پس الشور اور روح اور حیوانات نباتات کا اختلاف جب کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔ تو کیونکر تسلیم کر لیا جاوے۔ کہ انسان کا اختلاف اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

(۳۵) مندرجہ ذیل اشیاء مدار زندگی میں (۱) ہوا (۲) پانی (۳) سورج (۴) زمین (۵) کھانا۔

اب ہر ایک چیز کا پیدائش سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دریں صورت زندگی محال ہے۔ جب باقی اشیاء جو مدار زندگی میں۔ بغیر اعمال کے ہیں۔

تو پھر کھانا بھی بغیر عمل کے ہو۔ اور جب زندگی نہ ہوگی۔ تو کھانا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس شخص کوئی عمل نہیں کیا۔ اور پھر جب تک عمل کرتا ہوگا۔ تو کیا کھاتا ہوگا۔ (۳۶) اگر کسی وقت سارے لوگ نیک ہو جائیں۔ اور بد عملیاں ترک کر دیں۔ تو پھر کیا آرام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سب آسائش کے اسباب تو بد عملیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب بد عملیاں نہ ہوں۔ تو آرام مشکل ہے۔ معلوم ہوا کہ مدعیان تناسخ یہ نہیں چاہتے۔ کہ تمام دنیا نیک ہو جائے۔ لطیفہ:- پھر ہم گھوڑے وغیرہ کی جگہ زیادہ آرام کی سواری مثلاً موٹر وغیرہ بنالیں۔

احمدی۔ گھوڑے کی جگہ تو موٹر بنالی۔ لیکن عورت کی جگہ کیا بنالیں گے؟ (۳۷) اگر چکر ادا گون سزا ہے۔ تو کیوں جرم نہیں بتایا جاتا۔ تاکہ اس سے ہم بچ سکیں۔

(۳۸) اگر چکر سزا ہے۔ تو پھر جب گدھا اس کو محسوس نہ کرے۔ یا ہم غربت کو محسوس نہ کریں۔ تو پھر یہ سزا کیسی ہوئی؟ (۳۹) جب پریشور نے مثلاً کسی کو بکری کے قالب میں جانے کی تکلیف دی۔ تو پھر ہم اس بکری کو ذبح کر کے اس سزا سے نکال سکتے ہیں۔ تو یہ پریشور نے سزا کیسی دی۔ دوسرے پھر گوشت خوری تو اجر اور ثواب کا موجب ہوگی۔ کیونکہ ہم تو اسکو اسکی سزا سے نکالتے ہیں۔

(۴۰) انسانی زندگی کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ نباتات و حیوانات۔ اور ظاہر ہے۔ کہ دونوں سے چیزیں جنہوں کے چکر کے نتیجہ ہی میں ملتی ہیں۔ اگر نباتات و حیوانات نہ ہوتے۔ تو دنیا کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔

پانچ زبردست معقولی دلائل تردید تناسخ پر

(۱) دنیا میں جب کوئی شخص دینی تمدنی۔ سیاسی یا اخلاقی اصلاح کرتا ہے۔ تو لازماً

لوگ اسکو طرح طرح کے دکھ دیتے ہیں۔ اب یہ دکھ اور تکلیف اس اصلاح کے
 نتیجہ میں تو نہیں۔ کیونکہ اصلاح نیک کام ہے۔ اور دکھ گناہوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔
 اس لئے بقول آریہ سماج کے یہ تکلیفیں ضرور کچھلے جنم کے گناہوں کے نتیجہ میں
 ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جو شخص دنیا کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ ضرور کچھلے جنم میں بُرا
 ہوتا ہے۔ مگر یہ نتیجہ آریہ سماج کو مسلم نہیں۔ اور نہ واقع میں عقل کے نزدیک یہ
 درست تلازم ہے۔ کہ اصلاح وہی کر سکتا ہے۔ جو پہلے بُرا ہو۔ مگر یہ نتیجہ تناسخ
 کو ماننے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پس چونکہ یہ عقیدہ آریہ سماج کے نزدیک غلط
 ہے۔ اور عقل کے نزدیک بھی درست نہیں۔ اس لئے اسکا منتهی یعنی تناسخ بھی
 غلط ثابت ہوا۔

دلیل دوم ۱۔ ایک ہے ہمارا مشاہدہ اور ایک ہے آریہ سماج کا مذہب۔ ہم اپنے
 مشاہدے کو جو بالکل واضح اور یقینی ہے۔ ضرور مقدم کریں گے ایک خیالی مذہب
 پر جسکی قانون قدرت میں کوئی دلیل نہیں۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے۔ کہ قطع مسافت
 کے لئے گھوڑا۔ پیٹ بھرنے کے لئے بھیدوں جانور۔ جوتیوں اور خیموں کے لئے چمڑے
 قوت لایموت کے لئے غلہ۔ یہ خدائی ربوبیت کا سامان ہیں۔ پس بجائے اس کے
 کہ ہم اس کا رخائے ربوبیت کو دیکھ کر ان چیزوں کا وجود ربوبیت کی خاطر تسلیم کریں
 کیا وجہ ہے۔ کہ ہم دھمی بن کر ان چیزوں کو گناہ کا نتیجہ قرار دیں۔

دلیل سوم ۱۔ آریہ سماج کے نزدیک جس قدر حیوانات روئے زمین پر پائے جاتے
 ہیں۔ یہ سب مختلف گناہوں کے نتیجوں میں ردھوں کے لئے مختلف قید خانے ہیں۔
 اور کوئی جون بغیر گناہ کے نہیں مل سکتی۔ لیکن علم حیوانات کے ماہرین نے یہ ثابت
 کر دیا ہے۔ کہ جیسوں جانور اس زمیں پر آج سے ہزاروں برس پہلے موجود تھے۔
 مگر اب ان میں سے کوئی بھی دنیا میں باقی نہیں۔ حالانکہ جس قدر گناہ بھی عقلاً ممکن ہو
 سکتے ہیں۔ وہ سب وید میں درج ہیں۔ اور وہ سب کے سب دنیا میں کئے جا رہے
 ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ بن گناہوں کے نتیجہ میں وہ معدوم النسل جانور بن رہے

حضرت اقدس کے خلاف لوگوں نے کئی منصوبے کئے۔ تاکہ آپ کو قتل کر دیں
لیکن خدا نے اس اصول کے مطابق آپ کی حفاظت کی۔ اور آپ کو ان لوگوں
کے منصوبوں سے بچا لیا۔ چنانچہ لیکھرام کے قتل پر آریوں اور ہندوؤں نے
بزدل کو شش کی۔ کہ آپ کو نقصان پہنچے۔ اور آپ کے قتل کے منصوبے
سوچے۔ لیکن خدا نے ان میں دشمنوں کو ناکام رکھا۔ جیسا کہ آپ نے
سراج منیر ص ۱ پر مفصل لکھا ہے۔

چوتھا معیار :- سانب۔ مفتری۔ ڈشٹ دوسرے آدمیوں کا مال
چرانے والے کبھی دنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔

اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ مفتری اور ڈشٹ کبھی دنیا میں کامیاب نہیں ہوتے
بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اگر
حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ اپنے دعوئے میں سچے نہ ہوتے۔ تو یقیناً آپ
کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

پانچواں معیار :- دھرم ایوہتو ہنتی دھرمور کھشتی رکھشتا۔ منو
دھرم ادھرمی کو مار دیتا ہے۔ اور دھرمی کی رکھشا کرتا ہے۔ یعنی جو آدمی
دھرم پر ہوتا ہے۔ وہ تباہ و برباد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی جاتی
ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اگر دھرم پر قائم نہ ہوتے۔ تو اس
اصول کے مطابق یقیناً مٹا دیے جاتے۔ اہل دھرم ان کا سارا کام تباہ کر
دیتا۔ لیکن انہوں نے ترقی کی بخلاف لیکھرام کے کہ وہ چونکہ دھرم پر قائم نہ
تھے۔ اس لئے ادھرم نے اس کو ناکام کر کے مٹا دیا۔ اور اس کی مدد نہ کی۔
چھٹا معیار :- آپ کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی
دیانند کی موت کی پیشگوئی۔ آریہ سماج کے موت کی پیشگوئی۔ دلیپ سنگھ
کی پیشگوئی۔ تقسیم بنگال۔ آریہ سماج کی موت کے متعلق اخبارات میں
بہت سے مضامین نکلتے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔

ویدک دھرم پر سترہ لائحہ سوال

ویدوں کی تعداد { وید تین ہیں۔ یا چار؟ اگر کہیے تین۔ تو پھر چار کا نام کیوں لیا
کے متعلق { جاتا ہے اگر چار کہیے۔ تو بتایا جائے۔ کہ رگ۔ یجر۔ سام میں اتھرو
وید کا نام بھی آیا ہے؟

وید کے ملہم { ویدوں کے ملہم شری برہما جی تھے۔ جیسا کہ سناتنی بھائیوں
کے متعلق { کا اعتقاد ہے یا الگنی۔ والیو آدتیہ انگریز؟ اگر کہیے الگنی والیو الخ
تو پھر اپنی کسی معتبر اور مستند کتاب سے یہ نکال کر دکھائیے۔ کہ ان چار بزرگوں نے
ملہم وید ہونے کا خود بھی دعویٰ کیا ہے؟

وید کے نزول { وید کا ملہم بننا کسی پہلے جنم کے اعمال نیک کا ثمرہ ہے۔ یا ایشور
کے متعلق { شروع دنیا میں جسے چاہتا ہے۔ اس پر وید نازل فرما دیتا ہے؟
اگر کہیے اس کی مرضی جسے چاہے ملہم بنا دے۔ تو پھر یہ بتائیے۔ کیا اس سے آپ کی کرم
تھیوری باطل نہیں ہوتی۔ اگر یہ جواب دیں۔ کہ ملہم بننے کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ
گذشتہ جنم میں نیک اعمال کر چکا ہو۔ تو اب یہ بتائیے۔ کہ جب ملہم وید بننا نیک اعمال
کے نتیجہ میں ہے۔ تو پھر چار کی تخصیص کیوں؟ جب ہر ایک شخص کو آزادی ہے۔ کہ
نیک اعمال بجالا کر ملہم وید بن جائے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں۔ کہ نزول وید کے وقت ایشور
کے سامنے چھ روہیں آکھڑی ہوں۔ اور ملہم وید بننے کے لئے اپنے اعمال نیک کا
حوالہ دیں۔ سماجی دوست بتائیں۔ کیا ایسی حالت میں ایشور دو وید اور رچینگا۔ یا
ان چھ میں سے صرف چار کو ملہم وید بننے کے لئے چن لے گا؟ اگر یہ جواب ملے
کہ دو وید اور رچنے پڑیں گے۔ تو اس انوکھے اور نئے اعتقاد کی سند اپنے مسلمان
سے دکھائیے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ ان چھ میں سے چار ہی کو ملہم بنائے گا۔ تو یہ
ترجیح بلا مرجح ہوگی۔ کہ کیوں چھ میں سے چار کو بلا کسی سبب کے ترجیح دی گئی؟
اور دو ایسی روحوں کو جو نیک عمل کرنے میں ان چار کے مساوی تھیں۔ اس نعمت

سے محروم رکھا۔

وید کی ازلیت کیا رگ بجر سام اور اتھرو ہی ازلی ہیں۔ یا اس صفت میں اور
کے متعلق کتاب میں بھی ان کی شریک ہیں؟ اگر کہیے اور بھی تو پھر ویدوں کی

خصوصیت کیا رہی؟ اگر کہیے کہ صرف وید ہی ازلی ہیں۔ تو پھر یہ بھی غلط۔ کیونکہ
سوامی دیانند جی مہاراج اپنی کتاب رگ وید آدی بھاشن بھومسکا ص ۱۹ میں

فرما چکے ہیں کہ وید اس لئے ازلی ہیں کہ وہ ایشور کے علم میں ہمیشہ سے قائم اور موجود
رہتے ہیں۔ اب جبکہ یہ مسلم ہے کہ وید اس لئے ازلی ہیں کہ وہ ایشور کے علم میں ہمیشہ

سے رہتے ہیں۔ تو کیا یہ ہماری تحریر ازل سے ایشور کے علم میں نہ تھی۔ اگر کہیے نہیں
تو پھر یہ بھی مانئے کہ ایشور علیم کل اور تری کال درشی (تینوں زمانوں کا عالم) نہیں

اور اگر وہ آئندہ کا علم رکھتا ہے۔ تو پھر ضروری ہے کہ اس کے علم میں ہماری یہ
تحریر بھی ہو۔ اور جب ازل سے اس کے علم میں ہماری یہ تحریر موجود ہے تو پھر

کس بنا پر اسے ازلی نہ مانا جائے؟ جب سوامی صاحب کی بیان کردہ دلیل سے وید
ازلی اور اسکی بنا پر یہ تحریر بھی ازلی۔ تو پھر وید کی خصوصیت کیا رہی؟ اور جس

حالت میں کہ آریہ سماج الہامی کتاب کی ضروری شرط اسکا ازلی ہونا بتلاتی ہے۔
تو کیا جب یہی شرط تحریر ہذا نے پوری کر دی۔ تو بتائیے۔ اب یہ بھی الہامی سمجھی جائیگی؟

قدامت وید ویدوں کا نزول کب ہوا؟ اگر کہیے شروع دنیا میں۔ تو اسکی
کے متعلق تاریخی سند پیش کیجئے۔ اور تو اتر سے ثابت کیجئے کہ واقعی یہ

شروع دنیا میں نازل ہوئے۔ اور ساتھ ہی ان لوگوں کی شہادتیں بھی پیش کیجئے
جن کے زمانہ میں ان کا نزول ہوا؟

اور اگر ہو سکے۔ تو اس بات کا بھی جواب دیجئے کہ جب ویدوں میں گزشتہ زمانہ
کے عالموں۔ بزرگوں اور ودوانوں کا بار بار ذکر آتا ہے اور ان کے کارنامے

یاد دلائے گئے ہیں۔ تو پھر کس طرح مانا جائے کہ نزول وید سے پہلے کوئی آباد
نہ تھی۔ اور نہ ہی کوئی بزرگ ان سے پہلے اس دنیا میں گذرا۔

وید کے مقام { ویدوں کا نزول کہاں ہوا؟ اگر کیسے ثابت ہیں۔ تو براہِ گرم کسی شجر
 نزول کے متعلق { تاریخ سے اسکا ثبوت بھی پیش کیجئے۔ اور ساتھ ہی اس امر پر بھی
 روشنی ڈالئے۔ کہ ہمیشہ ثابت ہیں ویدوں کا نزول کیوں ہوتا چلا آیا ہے؟ آخر
 اس جگہ کو کونسی خصوصیت حاصل ہے۔ کہ ایشور ہمشہ اس مقام کو نزول الہام کے لئے
 مخصوص فرماتا ہے؟

ویدک مفہوم { وید کا صرف مفہوم ایشور کی طرف سے نازل ہوا۔ یا الفاظ بھی؟
 الفاظ کے متعلق { اگر کیسے صرف مفہوم۔ تو کیا ایسی حالت میں یہ ممکن نہیں۔ کہ
 اس مفہوم کو ادا کرتے ہوئے اور ردیف و کافیہ کی جکڑ بندیوں میں لاتے ہوئے اس میں
 تغیر ہو گیا ہو؟ اگر ایسا ہے۔ تو پھر وید ایشور کا خالص الہام نہ رہا۔ اگر کیسے وید کے الفاظ
 بھی الہامی ہیں۔ تو پھر اسکا جواب دیجئے۔ کہ جب آپ کے مہامانیہ شری پتینجلی مہنی
 اپنے ”مہا بھاشیہ“ میں تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ ایشور کی طرف سے صرف مفہوم نازل
 ہوا۔ الفاظ رشیوں کے اپنے ہیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھئے مہا بھاشیہ ۱۱/۱) تو
 ایسی حالت میں وید خدا کا خالص الہام کہاں رہا؟

وید کے محرف { جب سے وید نازل یا تصنیف ہوئے۔ اس وقت سے لیکر
 ہونیکے متعلق { تاہم ان میں کسی نے تغیر و تبدل تو نہیں کیا؟ اگر کیسے کیا
 تو پھر یہ بتائیے۔ کہ جو کتاب انسانی تصرف سے محفوظ نہیں رہی وہ اس قابل ہو سکتی
 ہے۔ کہ ہم اس پر اپنی نجات کا مدار رکھیں؟ کیا یہ ممکن نہیں۔ کہ ہم جس بات کو ایشور
 کی طرف سے سمجھیں۔ وہ کسی انسان ہی کے ہاتھ کا کرشمہ ہو۔ اگر جواب میں یہ کہا جائے
 کہ ویدوں میں آج تک کسی قسم کی تحریف یا الحاق نہیں ہوا۔ سب نسخے ایک دوسرے
 سے مطابق ہیں۔ تو پھر یہ بتلائیے۔ بجز وید ادھیائے ۱۹ منتر ۱۱ کی یہ عبارت
 نہ نو بودھی شردھی ہومر شیانوا گھایتا ستمشانت۔ بجز وید مطبوعہ بیسی میں کیوں
 نہیں۔ اور اجمیر داسے نسخے میں کیوں لکھی ہے؟ کیا یہ تفاوت ثابت نہیں کرتا۔
 کہ ویدوں میں کمی بیشی ہوئی؟

وید کی عالمگیری کیا وید عالمگیر کتاب ہے۔ یا صرف ہندوستان کے لئے
 کے متعلق { نازل ہوئی تھی؟ اگر کیے صرف ہندوستان کے لئے! تو
 پھر یہ عالمگیر کیسے؟ اور اگر ساری دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی۔ تو اب بتائیے
 کبھی اسکا پرچار ہندوستان کے باہر کابل۔ ایران۔ عرب۔ شام۔ روم۔ یونان
 یورپ۔ چین جاپان وغیرہ میں بھی ہوا؟ اگر کیے ہوا۔ تو ان ممالک کی تاریخوں یا
 دہان کے تاریخی آثار سے اس کا ثبوت دیجئے۔

وید کے مکمل یا غیر مکمل { وید مکمل کتاب ہی یا غیر مکمل؟ اگر کیے غیر مکمل۔ تو پھر یہ تمام
 ہونے کے متعلق { دنیا کی مادی ورہنما کیونکر ہوگی؟ اگر اسے مکمل کیے! تو
 پھر بتائیے۔ وید نے اس امر کے متعلق کوئی تعلیم دی ہے۔ کہ شادی کس کس سے کرنی
 چاہیے! اور کس کس سے نہیں۔ اور متوفی کا مال اس کے لواحقین میں سے کس کس کو
 ملنا چاہیے۔ اور کس کس کو نہیں۔ اگر حاکم وقت ویدوں کا منکر ہو۔ تو اسکی اطاعت
 کرنی چاہیے۔ یا نہیں؟ اگر ایسے ملک میں جانا پڑے۔ جہاں سوائے گوشت کے اور
 کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی۔ وہاں گوشت کھانا چاہیے یا نہیں؟ جن پہاڑی علاقوں
 کی ہوا صحت اور فرحت افزا اور ہر رنگ میں پاک اور صاف ہو۔ وہاں ہون ضروری
 ہے یا نہیں؟

قدامت مادہ { مادہ قدیم ہے یا مخلوق؟ اگر کیے قدیم تو اب یہ بتلائیے۔ یہ محدود
 کے متعلق { ہے یا غیر محدود۔ اگر کیے غیر محدود۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ سوامی
 صاحب فرما چکے ہیں کہ

”یہ سب عالم..... غیر محدود پر مشور کے مقابلہ میں محدود..... تھا۔ متیار“
 اور جب مادہ وغیرہ محدود ٹھہرا۔ تو پھر قدیم اور ازلی کہاں رہا۔ کیونکہ کپل منی اپنے
 سانکھ ورنش میں فرما چکے ہیں کہ ”پری چتم نہ سرو پایا دتم“ ادھیائے ”ما سوتو“
 کہ محدود جہاں کہ علت مادی نہیں ہو سکتی۔ اور آگے اسکی دلیل دی۔ کہ ”تداپیتی
 سرتیشچ“ کہ محدود کی پیدائش سنی جاتی ہے۔ فرمایا کہ جو محدود ہوگا۔ وہ مخلوق

ہے۔ پس جب مادہ محدود ہے۔ تو حادث بھی ٹھہرا۔ کیونکہ محدود بقول کپل منی مخلوق ہوتا ہے۔

قدامت روح { روح مخلوق ہے یا ازلی؟ اگر کہیے ازلی تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ
کے متعلق { سوامی صاحب فرما چکے ہیں کہ جو محدود ہے۔ اور محدود
کی صفات گناتے ہوئے بتلایا۔ کہ اس میں
”بیداری سپنے کی نیند۔ گہری نیند۔ مرنا۔ جنم لینا۔ ترکیب۔ تفریق۔ جانا۔ آنا“
پائی جاتی ہیں۔ (ستیا رتھ ص ۲۲۳)

پس جب روح میں تفریق پائی گئی۔ تو وہ ازلی کہاں رہی؟ کیا کبھی مرکب بھی
ازلی اور غیر مخلوق ہوا کرتا ہے؟

تناسخ کے متعلق { تناسخ کی کیا غرض ہے؟ اگر کہیے کہ اسکی غرض یہ ہے
کہ بد اعمالوں کو سزا دیکر آئندہ کے لئے ان کی اصلاح کی جائے۔ تو پھر اس کا
جواب دیجئے۔ کہ جب انہیں بتایا ہی نہیں جاتا۔ کہ تم نے یہ گناہ کئے تھے۔ جن کی
پاداش میں ملی۔ کتا۔ سور بنائے گئے ہو۔ تو وہ آئندہ کیا خاک اپنی اصلاح
کرس گئے؟ سوچئے۔ کہ جس حالت میں مجرم کو بتایا ہی نہیں جاتا۔ کہ تم نے یہ جرم
کیا تھا۔ جس کی تمہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ اسے بھگت کر آئندہ احتیاط کرنا
تو اسکی اصلاح کس طرح ہوگی؟ اگر کہو۔ کہ تناسخ کے ذریعہ ایشور مجرموں کی
اصلاح نہیں چاہتا۔ بلکہ انتقام لیتا ہے۔ تو یہ اسکی مشایاں نہیں۔ کہ اپنی
حقیر اور کمزور مخلوق سے اس طرح انتقام لے۔

محدود مکتی { آپ کے نزدیک جو شخص ساری عمر نیک چلن رہا۔ اچھے کام
کے متعلق { کئے۔ بدیوں سے بچتا رہا۔ خدا کی پوری پوری فرمانبرداری
کی۔ اگر ایشور اسے موت دے دے۔ تو کیا اسے ایک خاص وقت تک کے لئے
نجات ملے گی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اگر کہیے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تو کیا یہ ممکن
نہیں۔ کہ آہستہ آہستہ ہر ایک روح نیک عمل کر کے نجات پا جائے۔ اور ایک وقت

ایسا بھی آجائے۔ جب ایک روح بھی اس دارالامتحان میں اعمال کرنے کے لئے باقی نہ رہے؟ اگر کہیے ممکن ہے۔ تو پھر بتلائیے۔ جب تمام ارواح مکتی پاجائیں۔ تو اس وقت ایشورکارخانہ عالم کس طرح چلائے گا؟ اور یہ قسم قسم کے اناج۔ پھل۔ ترکاریاں اور طرح طرح کے حیوان۔ چرند۔ پرند اور انسان کیونکر پیدا ہوں گے۔ کیونکہ آپ یہ مانتے ہیں۔ کہ یہ تمام جو غن گنہگاروں کے بد اعمال کا نتیجہ ہیں۔ تو جب گنہگار ہی نہ رہے۔ تو ان کی تخلیق کیسے ہوگی؟ اگر کہیے۔ کہ خدا اور وہیں پیدا کر لینگا۔ تو یہ سماجی سدھانت کے خلاف ہے۔ اور اگر کہیے۔ کہ محدود اعمال کا بدلہ تو محدود ہی ملیگا۔ اور ایک وقت مقررہ کے بعد نیک روجوں کو اس دنیا میں پھر دھکیلا جائیگا۔ تاکہ کارخانہ عالم بگڑنے نہ پائے۔ تو اب سوال ہوگا۔ کہ ایشور کس بنا پر اسے مکتی خانہ سے الگ کر گیا؟ کیا صرف اس لئے کہ اس کے اعمال محدود تھے؟ مگر اس میں اس کا کیا قصور؟ اس کی نیت تو محدود اعمال کی نہ تھی۔ اسے تو ایشور نے خود ہی موت دی تھی۔ اور اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اگر ایشور اسے زندہ رکھتا۔ تو وہ اور بھی اچھے عمل کرتا۔ پس اس کا کیا قصور؟ اور پھر جب سوامی دیا مندجی مانتے ہیں۔ کہ جو مکتی خانہ میں بھی ایشور کی عبادت کرتے ہیں۔ تو کیا اس عبادت کا بدلہ انہیں نہ ملے گا۔ اگر کہیے ملیگا۔ تو کیا ان کا زمانہ نجات دراز سے دراز تر نہ ہوتا جائے گا۔ اگر جواب ہاں میں ملے۔ تو پھر مان لیجئے۔ کہ مکت روجیں کبھی بھی واپس نہ آئیں گی۔ کیونکہ وہ جیسے جیسے عبادت کریں گی۔ دیسے ہی دیسے ان کی مکتی کا عرصہ لمبا ہوتا چلا جائے گا۔ نہ وہ عبادت چھوڑیں گے۔ نہ مکتی کا سلسلہ منقطع ہوگا۔ پس ہمارا سوال بعینہ قائم رہا۔ کہ جب تمام جیو نجات پاجائیں گے تو پھر ایشور کا کارخانہ عالم بغیر نئی روجیں پیدا کئے کس طرح چلایا جائیگا؟

نکاح ہوگا ان سوامی دیا مندجی فرماتے ہیں۔ کہ جس عورت کا صرف نکاح کے متعلق ہوا۔ مرد سے ہمبستر نہیں ہوئی۔ اور اس کا خاوند مر گیا۔ وہ تو

دوسرا بیاہ کر سکتی ہے۔ مگر جو عورت مرد سے مل چکی۔ وہ بیوہ ہو جانے کے بعد
دوسرا خاوند نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر چاہے۔ تو نیوگ کر سکتی ہے۔ (ستیا رتھ ص ۱۲۹)
وصفہ ۱۳۲

اب سوال یہ ہے کہ باکرہ کو نکاح ثانی کی اجازت اور اس حرم میں نصیب
بیوہ کو اس سے امتناع کیوں؟ کیا دونوں کے جذبات اور حسیات میں فرق
ہے؟ یہ کیا انصاف کہ ایک کو شریفانہ طور پر نکاح ثانی کا اختیار۔ اور دوسری
کو نیوگ کرنے کی آگیا؟ ذرا بتلایئے تو سہی۔ جس عورت کا سہاگ لٹ گیا۔ خاوند
مرگیا۔ بغیر مرد کے نہیں رہ سکتی۔ شریف ہے۔ نجیب ہے۔ باجیا ہے۔ اچھے گھر
کی ہے۔ اسے کس عمل کے بدلہ میں یہ سزا کہ نکاح ثانی کی بجائے نیوگ کر دئے
اور وہ عورت جس کا خاوند سے میل نہیں ہو سکا۔ وہ نکاح ثانی کر دئے؟
نیوگ کے متعلق :- نیوگ کی غرض کیا ہے؟ کیا اولاد پیدا کرنا۔ اگر یہی
غرض ہے۔ تو بتلایئے۔ سوامی جی کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے۔ کہ
مرد حاملہ عورت سے ایک برس ہمبستر نہ ہونے کے زمانہ میں مرد یا استری
سے نہ رہا جائے۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے بیٹا پیدا کر دے۔
دستیا رتھ ہندی بار دوم ص ۱۱۹

ذرا فرمائیے تو جب عورت حاملہ ہے۔ اولاد پیدا ہونے والی ہے۔ تو پھر
یہ غرض کہاں رہی۔ کہ نیوگ صرف اولاد کے لئے جائز ہے۔ اور اس کے ساتھ
ہی ذرا یہ معممہ بھی حل فرما دیجئے۔ کہ عورت حاملہ ہے۔ اولاد پیدا ہونے والی
ہے۔ مگر اس کو بھی سوامی جی اجازت دے رہے ہیں۔ کہ اگر اس عرصہ میں
بغیر مرد کے نہیں رہ سکتی۔ تو کسی اور سے نیوگ کرے۔ کیا آپ کی پاک کاشن
اس حکم کو قبول کر سکتی ہے۔

طریق شہادت { سوامی دیا مندی گواہوں کی اقسام بیان فرماتے
کے متعلق { ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ کس کا کون گواہ ہو۔

”عورتوں کی گواہ عورت۔ دو بھوں (برہمن کشتری ویش) کے دو بیج۔
 شودروں کے شودر۔ اور چندالوں کے چندال گواہ ہوں۔“ (ستیا رتھ ۱۹۲)
 اب فرمائیے۔ کیا یہ طریق شہادت اس قابل ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی مہذب
 اور عادل حکومت اسے اپنے ہاں رائج کرے؟ ذرا غور فرمائیے۔ اگر کوئی
 عورت چند بد معاشوں کے نرغہ میں جا پھنسنے۔ اور بے عزت ہو۔ کیا وہ
 عدالت میں جا کر مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ
 اس حادثہ کی کوئی عورت گواہ ہی نہ تھی۔ اس طرح ایک غریب شودر برہمن
 کے کنوئیں پر چڑھ جائے۔ اور وہ اسے مار مار کر ادھ موٹا بنادیں۔ اور اس وقت
 اسکی حالت زار دیکھنے والا اور کوئی شودر نہ ہو۔ جو اسکی منطو میت کی گواہی
 دے۔ تو کیا وہ داد کو نہ پہنچے گا؟ اسی طرح ایک برہمن چندالوں کے قبضہ
 میں آجائے۔ اور وہ اسکی چھوٹ چھات پسند فطرت سے بدک کر اسکی مرمت
 کر بیٹھیں۔ تو کیا وہ براہمن ان چندالوں کو سزا دلوا سکتا ہے۔ جبکہ اس موقع
 پر کوئی براہمن تھا ہی نہیں؟ رام راجیہ کے شائق بتائیں۔ کیا سوراج ملنے
 پر وہ اسی قسم کے قوانین ملک میں جاری کرنا چاہتے ہیں؟

سناٹن دھرم

سری کرشن جی مہاراج کی آمد کی نشانیاں

- (۱) سری کرشن جی خود فرماتے ہیں۔ کہ ”ہے بھارت جب دھرم کی نیستی اور ادھرم
 کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ تب میں اوتار لیتا ہوں۔“
- (۲) پھر فرماتے ہیں۔ کہ نیک لوگوں کی حفاظت اور بدوں کو نیست و نابود کرنے اور صراط
 مستقیم یعنی دین الہی کو قائم کرنے کے لئے ہر ایک گیک پر میرا اوتار ہوتا ہے۔
 (گیتا ادھیائے ۴م شبہ ۷ و ۸)

(۳) شری دیاس جی پہلی نشانی مہا بھارت کے مصنف مقدس رشی بیان فرماتے ہیں۔ کہ کلجک کے دورے میں اندھا دھند ادھرمی (بے دینی) کی عملداری رہتی ہے۔ جھوٹ۔ فریب۔ ہتیا۔ (ایذارسانی) غصہ۔ لالچ وغیرہ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ انسان کو خراب افعال سے رغبت اور نیک اعمال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جب تپ (عبادت۔ ریاضت) پوجا پاٹ برت ہوں۔ ایسے ایسے تمام نیک کام برہمن تک چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اوروں کا کیا ذکر۔ خوردنی اور نا خوردنی چیزوں کا امتیاز نہیں رہتا۔ چھوٹ چھات کو داسیات سمجھتے ہیں۔ کھشتریوں کو رعیت پروری سے تنفر ہوتا ہے۔ جرأت اور بہادری کھو بیٹھتے ہیں۔ سنتوں کی خدمتگذاری سے کچھ کام نہیں رہتا۔ دولت ہی کی فکر میں اندھے رہتے ہیں۔ غدے بے مزہ پھل بے ذائقہ ہو جاتے ہیں۔ کم عمر صاحب اولاد ہو جاتی ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں حمل ٹھیر جاتا ہے۔ درختوں کی بار آوری کم ہو جاتی ہے۔ گایوں کا دودھ گھٹ جاتا ہے اوقات مناسب پر پانی نہیں برستا۔ امساک باران سے قحط عالمگیر ہوتے ہیں۔ ناخن اور بال بڑھا کر لوگ مہا تما بن جاتے ہیں۔ برہمچاری خوب مال مارتے ہیں۔ عورتوں کا چلن بگڑ جاتا ہے۔ خاوندوں کے ہوتے ہوئے نوکروں سے ملتفت ہوتی ہیں۔ مرتد حسین بی بی سے التفات نہیں کرتے۔ زناں بازاری کو گٹے کا ہار بناتے ہیں۔ شراب خانے آباد رہتے ہیں۔ عبادت خانے سنک۔ جہاں پہلے دھرم تھے۔ وہاں بد فعلیوں کی گرم بازاری رہتی ہے۔ مہا بھارت بن پرپ ص ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸) (۴) جسوقت کلجک آگیا۔ سمجھ لیجئے۔ کہ دنیا کی ہوا پلٹ گئی۔ وہ وہ پاپ وہ گناہ ہونگے۔ کہ زمین کا نیپ اٹھیں گی۔ راکے والدین کو بوقوت سمجھیں گے۔ رہنا جوئی۔ فرمانبرداری کیسی۔ عورتیں لڑائی جھگڑے بکھڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم لائیں گی جب اس طرح سے دھرم کا پیالہ چھینکنے کو ہوگا۔ تو بھگوان جی کو تکلیف کرنی پڑے گی کہ کلجک اوتار میں جلوہ دکھلائیے۔ پاپ کی ناؤ ڈوبے گی۔ دھرم کی بیل ہری بھری ہوگی۔ (مہا بھارت بن پرپ ص ۶۸۹)

(۵) ہنہ کلنکی کی طاقتیں غیبی ہونگی۔ طاقت میں منیظیر عقلمندی میں یکتائے روزگار۔ یوں تو نہ کوئی ہتھیار پاس ہوگا۔ نہ لڑائی کا اوزار۔ مگر ایک اشارے میں سب کچھ موجود ہو جائیگا۔ ذات مبارک دھرم کو از سر نو زندہ کرے گی۔ بد کردار راجے لقمہ تیغ اجل ہو جائیں گے۔ دھرم کی خلاف ورزی عذاب میں داخل سمجھی جائے گی (ایضاً صفحہ ۶۹۰ و ۶۹۱)

سکھ مذہب

اصول بحث

لاذکر می جناب مولانا میر محمد اسحاق صاحب
 سکھوں کے ساتھ بحث کرنے میں ایک اصول مد نظر رکھنا چاہیے۔ کہ جب ایسے اقوال
 اور اعمال پیش کر جاتے ہیں جن سے باوا صاحب کا اسلام ثابت ہوتا ہے۔ تو سکھ مقابلہ
 میں گرنہ صاحب سے ایسے اقوال اور اعمال پیش کرتے ہیں۔ جن سے صاف عیاں ہوتا
 ہے۔ کہ باوا صاحب مسلمان نہ تھے۔ اس تضاد کو دور کرنے کے لئے سکھوں کے سامنے
 یہ پیش کرنا چاہیے۔ کہ ہم باوا صاحب کا ہر قول ماننے کے لئے تیار ہیں۔ مگر باوا صاحب
 کی زندگی پر دو زمانے گذرے ہیں۔ ایک جبکہ وہ ہندو تھے۔ دوسرا جبکہ وہ مسلمان
 ہو گئے۔ پس تمام ایسے اقوال و اعمال جو اسلام کے خلاف ہیں۔ وہ بے شک ان
 کے غیر مسلم ہونے کی دلیل ہیں۔ مگر یہ اس زمانے کے ہیں۔ جبکہ وہ واقع میں ہندو
 تھے۔ اور وہ اقوال و اعمال جن سے ثابت ہے۔ کہ وہ مسلمان تھے۔ وہ یقینی
 دلیل ہیں۔ کہ باوا صاحب مسلمان تھے۔ اور یہ اس زمانے کے ہیں۔ جبکہ باوا صاحب
 مسلمان ہو چکے تھے۔ اس طرح پر بحث کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ کہ تمام اسلام
 کے مخالف حوالے ابتدائی زندگی کے ہیں۔ اور تمام اسلام کی تائید کے حوالے آخری
 زندگی کے ہیں۔

دلیل اول :- پہلی دلیل باوا صاحب کے مسلمان ہونے کی باوا صاحب کا وہ
 چولہ ہے۔ جو ڈیرہ باباناگ ضلع گورداس پور میں ان کی اولاد کے پاس نہایت حفاظت
 سے رکھا چلا آیا ہے۔ یہ چولہ باوا صاحب سے لیکر علی التواتر غیر مسلموں کے قبضہ
 میں ہے۔ اور اس چولہ کی وہ اس قدر حفاظت کرتے ہیں۔ کہ ناممکن ہو کہ کوئی غیر ایک سو ایک
 دفعہ غسل کرنے کے ان رومالوں میں سے ایک رومال بھی ہٹا سکے۔ جو ایک سو سے

زیادہ کی تعداد میں اس کے اوپر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر سال وہاں پر اس کے دونوں
کے لئے ایک میلہ لگتا ہے۔ اس چولہ میں صرف قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں جو اس بات
کا ثبوت ہیں کہ باوا صاحب مسلمان تھے۔

دلیل دوم: سکھوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب باوا صاحب کی وفات ہوئی
تو ہندوؤں اور مسلمانوں میں سخت جھگڑا برپا ہوا۔ مسلمان دفن کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ
ان کے نزدیک باوا صاحب مسلمان تھے۔ اور ہندو جلانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کے
نزدیک باوا صاحب ہندو تھے۔

پس باوا صاحب کے وقت کے مسلمانوں کا پوری طرح سے متفق ہو جانا کہ باوا
صاحب مسلمان تھے۔ آپ کے اسلام کی یقینی دلیل ہے۔ کیونکہ اسلام کچھ اعمال
اور عقائد کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب وہ اعمال اور عقائد اور ان کا اقرار کسی میں
نہ پایا جاوے۔ مسلمان لوگ اسے مسلمان نہیں سمجھتے۔ لیکن برخلاف اس کے ہندوؤں
کا باوا صاحب کو ہندو سمجھنا اعمال کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ پیدائش کی وجہ سے ہو
سکتا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کے نزدیک مذہب پیدائشی امر ہے۔ اور اس میں انسان
اپنے عقائد یا اعمال کی تبدیلی سے کوئی تغیر نہیں کر سکتا۔ اور یہ ہم کو بھی مسلم ہے کہ باوا
صاحب پیدائش کے لحاظ سے ہندو اور عمل کے لحاظ سے مسلمان تھے۔

دلیل سوم: باوا صاحب ہندو تیرتھوں پر بھی گئے ہیں۔ اور مسلمان اولیاء کے
مزاروں پر بھی گئے ہیں۔ سکھوں کی اپنی روایتوں کے مطابق کسی ہندوؤں کے
تیرتھ سے باوا صاحب نے کوئی روحانی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ ہندو طریق پر
اعتراض کیا۔ لیکن برخلاف اس کے مسلمان اولیاء کے مزارات پر انہوں نے چلہ کشی
کی۔ اور اس طرح روحانی فائدہ حاصل کرنا چاہا۔

جس طرح اس زمانہ میں مسلمان صوفیاء میں رواج تھا۔ مثلاً سرسہ ضلع حصار
میں عبدالشکور سلمی کے مزار پر جس کو ٹھہرنی میں باوا صاحب نے چلہ کیا تھا۔ وہ
آج تک سکھوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح ملتان میں باوا صاحب کے

جلد کی جگہ اور باوا صاحب کے ماتھے کا لکھا ہوا موجود ہے۔ نیز اسی طرح بغداد میں جس مسجد میں باوا صاحب نے ڈیرہ کیا۔ اور جس مزار پر وہ روحانی فائدے حاصل کرتے رہے۔ وہاں باشندوں میں اب تک مشہور ہے۔
 دلیل چہارم:۔ ملک عرب میں کوئی شخص اپنے آپ کو غیر مسلم ظاہر کر کے بالخصوص مکہ اور مدینہ میں نہیں جاسکتا۔ لیکن سکھ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ باوا صاحب نے علی الاعلان مکہ کا سفر کیا۔ وہاں حج کیا۔ اور وہاں دیر تک ٹھہرے رہے۔
 اب اس سفر کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ باوا صاحب دل میں ہندو ہوں اور ظاہر میں مسلمان ہوں۔

(۲) دل میں بھی مسلمان اور ظاہر بھی مسلمان ہوں۔ پہلی صورت ماننے میں باوا صاحب پر نفاق اور دھوکہ دینے کا الزام لگتا ہے۔ جو باوا صاحب کی شان کے خلاف ہے دوسری صورت ماننے میں باوا صاحب مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔
 دلیل پنجم:۔ مسلمان اسے کہتے ہیں۔ جو چند مخصوص عقائد کا ماننے والا اور چند مخصوص اعمال کا کرنے والا ہو۔ خود سکھوں کے تسلیم کردہ حوالوں کی رو سے باوا صاحب تمام اسلامی عقائد کے معتقد اور اسلامی اعمال کے عامل نظر آتے ہیں۔ اور وہ عقائد اور اعمال جو ہندو مذہب کے مخصوص ہیں۔ ان سے باوا صاحب بری نظر آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ باوا صاحب ہندو نہیں تھے۔ بلکہ مسلمان تھے۔

سکھ مذہب کے گرو

سکھ مذہب کی ابتدا باوا نانک صاحب سے ہوئی ہے۔ اس مذہب کے گیارہ گرو ہیں۔ (۱) باوا نانک (۲) گرو انگد۔ (۳) امر داس (۴) گورو رام داس (۵) گورو اجن (۶) گرو ہر گوبند (۷) گرو ہر رائے (۸) گرو ہری کشن (۹) گرو تیخ بہادر (۱۰) گرو گوبند سنگھ (۱۱) گرو تھ۔ آگے اس مذہب کی دو شاخیں ہیں۔ (۱) گرو گوبند سنگھ کے بعد کوئی گرو نہیں ہو سکتا ہے۔

کتاب سکھ مذہب :- گرنتھ دوہیں (۱) آدگرنتھ گرونانک صاحب سے لیکر
پانچویں گروتک کے اقوال اس میں درج ہیں۔ پھر نویں اور ۱۵م اور اشخاص کے
نام اس میں درج ہیں۔ (۲) دہم گرنتھ اس میں صرف گرو گوبند سنگھ کے اقوال درج
ہیں۔

گوربانی یعنی کلام :- نام دھاریے یہ مانتے ہیں۔ کہ گوربانی کا سلسلہ جاری
ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ گورو گرنتھ غیر مستدرک چیز ہے۔ یہ ہم کو ہدایت نہیں دے
سکتا ہے۔ اس واسطے مجسم گورو کی ضرورت ہے۔ اور ان کے نزدیک گیارھواں
گورو بھینی ضلع لدھیانہ میں ہوا ہے۔

سکھ مذہب کے متعلق تین خیال ہیں۔ (۱) ہندو یہ کہتے ہیں۔ کہ باوا صاحب
ہندو تھے۔ (۲) اور مسلمان یہ کہتے ہیں۔ کہ باوا صاحب مسلمان تھے (۳) سکھ
یہ کہتے ہیں۔ نہ مسلمان نہ ہندو بلکہ سکھ تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان تینوں
میں سے کون صحیح خیالات پر ہے۔ (۱) سکھ مذہب کی کتاب ان کے متعلق کیا رہنما
کرتی ہیں۔ (۲) باوا نانک صاحب کا طرز عمل کیا تھا۔

اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقائد کو لیتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے یہ
دیکھیں گے۔ کہ باوا صاحب کا عمل کن پر تھا۔

ہندوؤں کے عقائد :- (۱) جنتر منتر کا عقیدہ (۲) سندھیا اور اوپاسنا
(۳) تیرتھ یا تیرا (۴) وید مقدس کو ماننا (۵) دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا کرنا۔
مسلمانوں کے عقائد :- (۱) کلمہ طیبہ (۲) نماز اور روزہ (۳) حج کعبہ (۴)
قرآن مجید پر ایمان لانا (۵) آنحضرتؐ کی ذات پر ایمان لانا۔

حضرت بابا نانکؒ ہندو نہ تھے

ہندوؤں کے اعتقادات سے نفرت :- (۱) وید سمرتی پر ایمان (۲) جاتی ورم

مسئلہ چھوت چھات (۳) تیرتھ یا ترا۔ یعنی ہندوؤں کے مقدس مقامات کا احترام رہ، رسمی جینیو یا زنار (۵) سورتی پوجا یعنی بت پرستی (۶) سوتک پاتک یعنی جس گھر میں کوئی بچہ پیدا ہو اس کا ناپاک ہونا (۷) اوتار یعنی خدا انسانی قالب میں حلول کرتا ہے۔ (۸) مردے کا جلانا۔ گرنتھ صاحب میں ذبیحہ کی اجازت ہے۔ یا جھٹکے کی ۱۰ تنا سنخ ہر ایک کے متعلق باوا صاحب کی رائے اور قول درج ذیل کیا جاتا ہے :-

پہلا عقیدہ :- را، گرنتھ صاحب سورٹھ محلہ پہلا

شامت بید بکے کھڑو بھائی کرم کر ہو سناری
پاکھنڈ میل نہ چوکے بھائی انتر میل و پکاری
ترجمہ :- شاستر اور ویدوں کی تعلیم سے دل دنیاوی کدورتوں سے پاک
نہیں ہوتا۔ خواہ تم ویدوں پر کتنا ہی عمل کرو۔
(۲) ملا محلہ ۳۔

پڑھ پڑھ پنڈت متی تھکے ویدوں کا ابھیا س
ہر نام چت نہ آئے نہہ رخ گھر ہوئے باس
ترجمہ :- پنڈت اور منی بھی ویدوں کو پڑھ پڑھ کر تھک گئے۔ اور حیات
جاودانی حاصل نہ کی۔ وید تو سراسر کہانیاں ہیں۔ جن میں کچھ بھی معرفت نہیں
دوسرا عقیدہ :- گرنتھ صاحب میں کبیر جی فرماتے ہیں :-

جو تو برہمن برہمنی جا گیا تو آن باٹ کا ہے نہیں آیا
تم کت برہمن ہم کت سود ہم کت ہو تم کت دود
تیسرا عقیدہ :- (دگرنتھ)

جل کے مچن جے گت ہوئے نت نت مینڈک نہاوے
ترجمہ :- اگر پانی میں نہانے میں ہی مکتی اور نجات ہے۔ تو سب سے اول مینڈک
کو ملے گی جو ہر وقت پانی میں رہتا ہے۔

چوتھا عقیدہ :- (آد گرنتھ دار آسام محلہ ۱۔ جنم ساکھی بھائی بالا ص ۲)

دیاہ کیاہ سنتو کہ سوت جت گنڈیں ست وٹ

ایہہ جینیو جیو کا ہی تاں پانڈے گت الخ

ترجمہ :- ہم اس تاگے کا جینیو نہیں پہنچتے الخ

پانچواں عقیدہ :- (گرنتھ صاحب بھیروں محلہ ۵)

جو پا تھر کو ہکتے دیو

جو پا تھر کی پائیں

ٹھا کر ہمارا سدالو لٹا

نہ پا تھر بولے نہ کچھ دے

ترجمہ سہل ہے۔

چھٹا عقیدہ :- (گرنتھ صاحب

جل ہے سوتک پھل ہے سوتک سوتک ادیت ہوئے

نچے سوتک ہوئے فن سوتک سوتک پر راج گواے

کھوئے پنڈیا کون ہوتی ایسا گیان جیو میرے بیتا

میںوں سوتک بنیو سوتک سوتک سرور تہی ہوئے

اٹھت بیٹھت سوتک لاگے سوتک پرٹھے رسوئی

بھاسن کی بدھ سب کوئی جانے چھوٹن کی ایک کوئی

کہو کبیر رام روئے بھی چارے سوتک تتے نہ ہوئی

ترجمہ :- اے برہمن! جو سوتک سوتک ہر وقت پکارتے ہو۔ تمہارے خیال

میں تو جل و قہل یعنی بھرو بریں یہی سوتک موجود ہے۔ کیا پیدا الش کے وقت

کیا مرتے وقت تمہارے نزدیک تو سوتک ہر وقت شامل حال ہے۔ اے پنڈت

ذرا غور سے کام لو۔ کیا تمہارے اصول کے مطابق کوئی چیز پوتر (پاک)

ٹھہرتی ہے۔

ساتواں عقیدہ :- (گرنٹھ صاحب آدرام کلی محلہ ۵)

اتارنے جانے نت پر میشر پار برہم نے انت
ترجمہ :- چونکہ اتار انت کو نہیں جانتا۔ لہذا وہ اتار نہیں
دیگر (گرنٹھ بھیروں محلہ ۵)

سو مکہ بلو جت کہ کھٹا کر جونی
ترجمہ :- وہ منہ دوزخی ہیں۔ جو خدا کو چکر میں جاتا ہوا مانتے ہیں۔
آٹھواں عقیدہ :- (گرنٹھ صاحب سنت کبیر)
”گو بر جھوٹا۔ چونکا جھوٹا۔ جھوٹی دینی کارا“
ترجمہ :- گائے کا گوہر ناپاک۔ گائے کے گوہر کی لپین ناپاک
دیگر (گرنٹھ صاحب آسا پٹی محلہ ۳)

”مل موت۔ مموڑ بے مکدھ ہوئے سب لگے تیرے سیو“
(م) جب گھو پجاری بابا صاحب کے پاس آئے۔ تو ان کو اس ناپاک عقیدہ سے
نجات دی۔

نواں عقیدہ :- (جنم ساکھی کلاں صفحہ ۲۲۶)
داغ پوتر دھرتی جو دھرتی ہوئے سمائے
تاں کے نکٹ نہ اوسی دوزخ سندے بھائے
ترجمہ :- جو لوگ داغ سے پاک ہو کر قبر میں جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوزخ کی
ہو اتک نہیں آتی۔
دسواں عقیدہ :-

چونکے اوپر کے نہ جانا	ابھا کھیا کا کٹھا بکرا کھانا
اوپر آئے پیٹے کوڑے آر	دے کے چونکا کڈھی کار
اسے آن اساد ا پھٹے	مت بھٹے دے مت بھٹے

ترجمہ :- ابھیا کھا دے کلمہ جس پر کلمہ نہ پڑھا جائے۔

کٹھا (ذبیحہ) چونکہ دکھانا کھانے کی جگہ، کوڑا (نپاک) بھٹے (بھڑٹ ہو جائے)
گیارہ سوال عقیدہ :- (گرنٹھ صفحہ ۲۱۹)

میرا پرہہ بخشے بخشہار (میرا خدا مجھے بخش دے گا)
دیگر (گرنٹھ صفحہ ۲۵۱)

جو کچھ کرنا سو کر رہیا
بخشنہارے بخش لیا

دیگر (گرنٹھ ملا رکھ صفحہ ۲۱۴)
کہتے نانک کون بدھ کرے کیا کوئی
سوئی مکت جا کو کر پا ہوئی

ترجمہ :- خدا کی مہربانی بغیر نجات نہیں۔
یہ صراحتاً تنازع کی تردید کرتے ہیں۔

حضرت بابا نانک صاحب رحمہماں تھے

(مرتبہ گیانی عبداللہ صاحب اصدی امرتسری)

پہلا عقیدہ - خدا پر ایمان -

(ایک اونکار) وہ ایک ہے۔ (ست نام) وہ حق ہے (کرتا پرکھ) وہ خالق ہے
(نر بھو) اسکو کسی کا خوف نہیں (نرویر) اسکو کسی سے دشمنی نہیں (اکال) وہ
غیر فانی ہے۔ یعنی اسے موت نہیں۔ (آد گرنٹھ صفحہ پہلا)

اکو سمر و نانکا جو جل تھل رہیا سسائے دو جا کا ہے سمریے جو جے تے مر جائے
اکواک خدا ہے جسدا مال نہ باپ

(حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۹)

مطلب :- خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔

دوسرا عقیدہ :- آنحضرت صلعم اور دیگر انبیاء علیہم السلام

”کہتے نور محمدی ڈٹے نبی رسول“
نانک قدرت دیکھ کے خودی گئی سب بھول
جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۱

مطلب :- بابا جی فرماتے ہیں۔ میں نے محمدؐ کے نور سے کسی نبی پیدا ہوئے دیکھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ قدرت دیکھ کر میری تمام خودی جاتی رہی۔

سوالا کہ پیغمبر آئے دنیا ماہ آپو اپنی نوبتی سبو چلائے راہ

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۳

وچ آئے دنی پیغمبراں لکھ ہزار سے

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۳۲

پیغمبر اک لکھ آسی رب آپ اپائے بہو جاتیں جوڑیاں بہو پنٹھ چلائے

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۳۲

بابا جی نبی اکرمؐ کے معراج شریف کے بھی قائل تھے۔ یعنی مانتے تھے۔ (حوالہ جنم ساکھی

بھائی منی سنگھ صفحہ ۳۶۸) (حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۵۶۱)

آٹھ پہر بھوندا پھرے کھاؤ سندھڑے سول دوزخ پوندا کیوں ہے جاچت نہ ہو رسول

(آدگرنتھ صفحہ ۲۹۷)

مطلب :- جس کے دل میں رسول کی محبت نہیں۔ وہ دوزخ کی آگ سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

تیسرا عقیدہ :- خلیفہ وقت یا مرشد کی بیعت کی ضرورت

پیر پچانے بہشتی سوئے عزرائیل نہ دوس ٹھرا

(حوالہ آدگرنتھ صفحہ ۱۰۰)

نانک پر بودھ رچت گیانی ورت (سنگھ جی صفحہ ۲۲)

امر حیات بہشت وچ پاسن سچ اللہ چھٹس سوئی نانکا مرشد جنہاں پناہ

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۹

بے استادان بے مرشداں مدی بہت سزا

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۴

بے مرشداں بے پیراں ڈھوئی کوئی نہ دے راہ وچ فرشتے مال زکاتی دے

رجنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۵۳

ہم مرشد من توں من کتاباں چار من توں اک خداؤں خاصیت و ربار
(جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۲۲)

چوتھا عقیدہ :- بیت اللہ کا حج

بابا پھر کے گیا نیلا بستر دھار بنواری
آسا ہتھ کتاب کچھ کوزہ بانگ مسلہ دھاری
بیٹھا جائے مسیت وچ جتھے حاجی حج گزاری
(دار بھائی گرداسن ۱ - ۳۵)

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل حوالجات سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ بابا جی مسلمان
حاجیوں کی طرح لاکھ میں آسا سر پر کلاہ اور نیلے کپڑے پہنے کے حج کے لئے
گئے۔ اور اپنے ہمراہ کتاب موصلا اور کوزہ بھی رکھتے تھے۔
(حوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۲۲)

(میکالیف صاحب کی تواریخ جلد پہلی صفحہ ۱۴۷)
(گرو نانک پر بودھ رجیت گیا فی دست سنگم جی صفحہ ۲۲۱)
جنم ساکھی بھائی منی سنگم جی صفحہ ۳۴۸

نانک پر کاش رجیت بھائی سنتو کہ سنگم جی
سوال یا اعتراض :- کہ بابا جی نے مکہ شریف میں حج نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے
اپنے چرنوں سے مکہ کو پھیرا تھا۔ یعنی ان کے دل میں مکہ کا کوئی عزت و احترام
نہ تھا۔

جواب :- اس بات کو تو ہر ایک مؤرخ بالاتفاق مانتا ہے کہ بابا جی کے گئے
اور جو پھراوا اور طریقہ ان کا مکے جانے کے وقت تھا۔ اس میں بھی کسی کو اختلاف
نہیں۔ یعنی وہ عام مسلمان حاجیوں کی طرح تھا۔ جس کے حوالہ جات ہم پہلے بیان
کر چکے ہیں۔ مگر اس بات میں ہر ایک کو اختلاف ہے۔
مثلاً جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ بابا جی نے اپنے چرنوں سے

مکہ شریف پھیرا تھا۔ بھائی منی سنگھ صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ مکہ کا محراب پھیرا تھا
میکالٹ صاحب صفحہ ۱۴۸ پر اپنی کوئی رائے بھی قائم نہیں کرتے۔ گیانی دت سنگھ
جی اپنی کتاب نانک پر بودھ کے صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ کچھ بھی
نہیں پھیرا تھا۔

بابا جی کے دل میں مکہ شریف کی عزت

جہنم ساکھی بھائی منی سنگھ صفحہ ۳۵۹ میں یوں مذکور ہے :-
مکہ بزرگی دامکان ہے۔ ایتھے جبرائیل حضرت محمد صاحب نوں پیغمبری
دیاں آیتاں لیا یا سی۔ جنہاں وچوں اک آیت ایہ ہے۔

لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ

اے پیغمبر جے میں تینوں نہ پیدا کراں ہاں۔ تاں آسمان زمین بھی پیدا
نہ کراں ہاں۔

پانچواں عقیدہ :- قیامت اور ملائکہ اللہ پر ایمان

نیکی بدی لکھانیاں ملک الموت حضور

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۳)

قیامت لیکنہاں بڑے چھٹے کیوں نہ یار

(بھائی بالا صفحہ ۱۴۶)

چھٹو سبھی نیامتاں قیامت نوں کریاد جند اڈسی روٹی جیوں جے پلایاٹھے سواد

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۵۲)

جسے مرگ نصیب قیامت تسک بھائے اسرافیل فرشتہ جب پھوکے سی کرناٹے

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۶۲)

دنیا اندر آئی کے عمر گواٹی یار کوڑی مجلس میٹھ کر کیتو مس کوڑ و پار

بنہ چلا یا عزرائیل ساکھی سنگ نہ کوٹے لٹو سرائیں اگلیاں کے سناٹے روٹے

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۵۴)

روز قیامت ڈھیرے تخت بیگیا یار

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۳۲)

روز محشر ڈھیرے پیسی غل کھائے ہو سی قیامت دنی پرانت اور ک تائے

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۹)

اسرائیل - جبرائیل میکائیل پچھان عزرائیل فرشتہ چار موکل جان

نوروں پنج فرشتے رب آپ آپائے

(بھائی بالا صفحہ ۲۳۳)

سے صورت کیتی ملائیکاں رہے آسمانی ہوئے

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۲۸)

چھٹا عقیدہ :- قرآن مجید پر ایمان

کل پروان کتیب قرآن پوتھی پنڈت رہے پران

نانک ناؤں بھیا رحمان کر کرتا تو ایکو جان

(رام کلی محلہ اک آدگرنتھ صفحہ ۸۳۶)

مطلب :- اس کلجگ کے زمانے میں قرآن مجید ہی ایک خدا کی کتاب ہے

پوتھی پنڈت اور پران اب منسوخ ہو گئے ہیں۔

آگے سے خدا کا نام رحمان ہوا ہے۔

کل میں وید اتھرون ہوا ناؤں خدائی اللہ بھیا

(آدگرنتھ صفحہ ۱۳۶)

مطلب :- کلجگ کے زمانے میں وہ کتاب منظور ہوئی ہے۔ جو خدا کا

نام اللہ بتاتی ہے۔

آج تک سوائے قرآن مجید کے کسی بھی کتاب نے خدا کا نام اللہ نہیں بتایا۔

ترجیہء حرف قرآن دے تیتے سپارے کین

تس وچ کجھ نصیحتاں سن سن کرو یقین

(جہنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۲۱)

یعنی بابا جی فرماتے ہیں کہ کلجگ کے رہنے والوں کو قرآن مجید پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جس کی بولی یا زبان سے تیس حروف اور تیس پارے ہیں۔ اور جس میں نصیحتیں درج ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے (منی سنگھ صفحہ ۳۹۱)

ساتواں عقیدہ :- خدا کی عبادت یعنی نماز

لعنت برے تنہا نون جو ترک نماز کریں

تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھوں ہتھ گوہن

رجنم ساکھی بھائی بالاپرائی ایڈیشن صفحہ ۲۲

جمع کر نام دی پنج نماز گزار باہجوں نام خدا یسوی ہو ہیں بہت خواہ

رجنم ساکھی بھائی بالاپرائی ایڈیشن صفحہ ۲۲

پنج وقت نماز گزار یسوی پڑھیے کتیب قرآناں

نانک آکھے گور سیدے ہی رسپیو پیناں کھاناں

(آدگر نکتہ صفحہ ۲۲ آسا محلہ ۱)

فرید اے نماز اکتیا بھلی نہیں ایکھ ربیت

کدے چل نہ آیوں پنجے وقت مسیت

اٹھ فرید استیا صبح نماز گزار سہ

جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کپ اتار

(آدگر نکتہ صفحہ ۱۲۷۸)

کل میں رام نام وڈھیائی

جگ جگ گر نکھ ایکو جاتا بن ناسے مکت نہ پائی

(آدگر نکتہ صفحہ ۱۰۵۰)

مطلب :- کلجگ کے زمانے میں صرف خدا تعالیٰ کی عبادت (نماز) ہی بڑائی

یعنی بزرگی کا باعث ہے۔ اور وہی خدا کا نیک بندہ ہے۔ جس نے خدا کو واحد

یعنی لا الہ الا اللہ سمجھا ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کے بغیر کوئی بھی شخص
نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

بانگ :- بابا جی وقتاً فوقتاً بانگ بھی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل
حوالہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مسٹر میکالف صاحب اپنے اتھاس جلد اول
صفحہ ۱۴۱ پر یوں مذکور ہیں :-

جد کہ می سماں بنیاں۔ تاں گوروجی نے عرب دے پیغمبر حضرت محمد
صاحب نوں منن واسے پکے مسلماناں وانگ بانگ بھی دتی۔
اور اس کے علاوہ بھائی بالا صفحہ ۵۶۳ اور بھائی منی سنگھ صفحہ ۳۷
پر بابا جی کی بانگ دینا تسلیم کرتے ہیں۔
آٹھواں عقیدہ حلال۔

آتش دوزخ یاویے پایا تنہاں نصیب
بہشت حلالی کھاونا کیتا جنہاں پلیت
(بھائی بالا صفحہ ۱۴۳)

مطلب :- جن لوگوں نے حلال کی ہوئی چیز کو پید سمجھا۔ وہ آتش دوزخ
میں جلیں گے۔

نواں عقیدہ :- بابا جی کا دنیا کو آدمی اور اسکا آغاز حضرت بابا آدم سے
ارب عناصر میل کر آدم سر جیا خدائے
(بھائی بالا صفحہ ۲۰۹)

آدم حوا پیدا کیا سب جگت اپائے
(بھائی بالا صفحہ ۲۳۱)

آدم حوا پیدا کیا دوئے نیک خدائے
(بھائی بالا صفحہ ۲۳۳)

بابا جی خدا کو مخاطب کر کے یوں فرماتے ہیں :-

توں جگت دا کرتار ہیں۔ ارتدھ ہی سب کچھ کیتا ہے۔ اور سبحناں صفتاں
تھیں پوتر ہیں۔

تو اس سے صاف طور پر ظاہر اور نمایاں ہے۔ کہ بابا جی خدا تعالیٰ کو مہندوں
کے عقیدہ کے برعکس اس عالم کائنات کا خالق اور مالک مانتے تھے۔

حضرت محمد صلعم کو بابا نانک صاحب اپنا مرشد مانتے ہیں

(از اخیم واحد حسین صاحب المعروف شیر سنگھ گیانی)

گورو گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیوں کے حوالہ جات جن سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ گورو نانک صاحب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر کس قدر
ایمان رکھتے تھے۔

(۱) پیر پیغمبر ساک صادق شہیدے اور شہید

شیخ مشائخ قاضی ملاں دردرویش رشید

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

(دوسری راگ محکمہ پہلا)

مطلب :- گورو جی اپنی پوتر بانی میں فرماتے ہیں :- کہ جس قدر پیر اور پیغمبر

ساک اور صادق - شہید اور شہید اور شیخ مشائخ قاضی ملاں ہوئے

ہیں۔ وہ بے شک خدا کی درگاہ میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اور برکت

ہے اس انسان پر جو درود شریف پڑھے

(۲) آگے گرنتھ صاحب میں لکھا ہے۔ کہ :-

آٹھے پیر بھوند اچھے کھاؤن سنڈے سول

دو جک پوند اکیوں ہے جاں چت نہ ہوئے رسول

دیکھو گرنتھ صاحب صفحہ ۲۹۷

مطلب :- گورو جی فرماتے ہیں۔ کہ وہ لوگ ہر وقت تکلیفوں میں مبتلا رہتے

ہیں۔ اور بہت دکھ اٹھاتے رہتے ہیں۔ اسے دوزخ میں گرنے والے۔ اگر
کچھ کو رسول پر یقین ہوتا۔ تو تو دوزخ میں گرتا۔ اس کا بھاؤ یہ ہے۔ کہ رسول
کا چہت انسان کو دوزخ سے بچا دیتا ہے۔ میرے بھائیو! کیسی صاف
شہادت ہے۔ کہ تم رسول پر ایمان لانے کے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتی
(۳) پھر جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۲۰۶ سطر ۲۶ میں فرماتے ہیں:-

اول آدم لشن ہوئے دو جا برہما ہوئے

تجا آدم مہادیو محمد کھے سب کوئے

مطلب:- گورو جی فرماتے ہیں:-

پہلا آدم لشن جی اور دوسرا آدم برہما جی مہاراج ہیں۔ جو ہندوؤں
کے نہایت برگزیدہ بزرگ ہوئے۔ اور تیسرا آدم مہادیو یعنی دیوتاؤں
کا دیوتا بزرگوں کا بزرگ رشیوں کا رشی جسکو لوگ محمد صاحب کہتے ہیں۔
پھر دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۵۶۱ مطبوعہ منشی گلاب سنگھ

تاں پھر پیغمبر نوں جبرائیل لے گیا۔ اور وٹاں پر پردے وچ پیغمبر ناں
گلاں ہوٹیاں۔ جیسے پیغمبر باہر نگڑی باہند داسی۔ اور پردے وچ خدا

دی شبیہ دسدی سی۔ تاں آواز ہوئی۔ اے پیغمبر میری تیری شبیہ نہیں
توں میری شبیہ میں۔ تاں تے اپنے روپ دی صورت سب جگہ ہے۔ تے

صاف شیشے وچ نظر آندی ہے۔ ایسے طرح میں سب جگہ ہاں۔ تیرا
آئینہ صاف ہے۔ اور تیرے وچ میری شبیہ نظر آندی ہے۔ مطلب یہ

ہے۔ کہ تو میری محبت میں استعد رنگین ہے۔ کہ جس طرح لوہا آگ میں
رہ کر آگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ گو میری صورت سب جگہ ہے۔ مگر آپ

کا دل شیشہ کی طرح صاف ہے۔ اس لئے میری شکل آپ کے صاف
شیشے میں سے نظر آتی ہے

(۵) دیکھو جنم ساکھی بھائی منی سنگھ صفحہ ۳۷۔

”اور کلجگ میں بھرم کر سارا جگت بھول گیا۔ تاں مہاراج نے اپنی شکستی کو محمد میں پائکر عرب ویش کا پیغمبر اتیت کیا۔ جہاں بہت پنتھ کلجگ میں ورت گئے۔ تاں محمد پیغمبر کو پاپ کے مٹاؤن واسطے اور نام کے جپاون واسطے اور اپاسنا کے ورکر کرن واسطے اتیت کیا۔ اور اگیانیاں جیاں نے تس کا اپدیش نہ مانیاں۔“

مطلب :- کہ جب کلجگ کی وجہ سے تمام لوگ بھول گئے۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنی طاقت کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈال کر عرب میں پیدا کیا۔ اور جب بہت پنتھ دنیا میں رائج ہو گئے۔ تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاپوں کے مٹانے اور نام کو جپانے کے لئے پیدا کیا۔ تو نالائقوں نے ان کا حکم نہ مانا۔ دیکھو یہاں پر گوروجی نے فیصلہ ہی کر دیا۔ کہ جنہوں نے بنی کے حکم کو نہ مانا وہ اگیانی یعنی احمق اور نالائق ہیں۔

آنحضرت کے الہام الہی کی تصدیق

(۶) جنم ساکھی بابا منی سنگھ جی صفحہ ۴۲۸ فرماتے ہیں :-

”تاں اگے قادر دی درگاہ گئے۔ تاں چادر دے باہر جواب سوال ہندا اسی تاں پیغمبر نے چادر اٹھا دتی۔ تاں کیا دیکھے۔ جو میں جیسا باہر کھڑا پگڑی باندھتا تھا۔ ویسا ہی اندر میری شبیہ وچ خدا دی شبیہ ہے۔ تب خدا کا فرمان ہوا۔ کہ میں تیری شبیہ نہیں۔ توں میری شبیہ میں۔ میری صورت سب جگہ ہے۔ پر صاف شیشہ وچ نظر آوندی ہے۔ میں سب جگہ ہوں۔ پر تیرا آئینہ صاف ہے۔ اور تیرے میں میری صورت نظر آوندی ہے۔“

مطلب :- فرماتے ہیں کہ آنحضرت خدا کی درگاہ میں گئے۔ اور باتیں کیں۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے پیغمبر تیرا آئینہ صاف ہے۔ اور تم میں میری صورت نظر آتی ہے۔

آنحضرت کی دعا کی قبولیت

(۷) جنم ساکھی بابا منی سنگھ صفحہ ۴۵۴ سطر ۱۸ پر فرماتے ہیں :- کہ
 ”پیغمبر صاحب نے مکے وچ تپ کیا تھا۔ تو اکاشش بانی ہوئی۔ کچھ درنگ۔
 تو پیغمبر نے کہا۔ کہ الیاندھرب چلے جو سب اسیں شریک ہوں۔ وہ قبول ہووا۔
 گورو جی فرماتے ہیں، مطلب :- کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندگی کی۔ تو
 آپ کو الہام ہووا۔ کہ اے پیغمبر مانگ کیا مانگتا ہے۔ تو حضور نے عرض کی کہ ایسا
 مذہب چلے۔ جس میں سب لوگ داخل ہوں۔ سو قبول ہووا۔
 مستحانے کہا :-

اول نام خدا یکا دو جانبی رسول
 نانک کلمہ جے پڑھیں تان درگاہ پویں قبول
 تان بابے جواب دتا :-

اول ناؤ خدا یکا در درجان رسول
 راس کرتاں درگاہ پویں قبول
 (پورا تن جنم ساکھی صفحہ ۱۱۱)

(۸) گورو نانک جی ہمیشہ بانگ دیتے تھے جنم ساکھی صفحہ ۲۰۳ اور سنگھ
 کی تردید کرتے تھے۔

(۹) السلام علیکم :- گورو نانک جی ہمیشہ مسلمانوں سے السلام علیکم ہی کہا کرتے
 تھے۔ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ و ۱۳۹

(۱۰) چولہ بابا نانک رحمتہ اللہ علیہ

آخری وقت میں ہم کو گورو صاحب کیا چیز دے گئے۔ سو پیارو وہ پاک چولہ
 ہے۔ جو آج ڈیرہ بابا نانک میں موجود ہے۔ جس کا ہر سال بڑا بھاری میلہ لگتا ہے
 اور لاکھوں جاتری آکر مستحائے کرتے ہیں۔ اس کی کتنا جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۷ میں
 اس طرح لکھی ہے :-

”اے نانک تم پر میں بہت خوش ہوں۔ اور ایک خلعت تجھے عطا کرتا ہوں۔ تب سری گورو جی نے عرض کی ہے۔ نہ نکارجی۔ جو آپ کی رضا ہو۔ مجھے منظور ہے۔ پھر گورو صاحب نے مراقبہ میں ہو کر سجدہ شکر کیا۔ تب ایک خلعت مرحمت فرمایا۔

مطلب۔ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے بادانانک کو چولہ صاحب عطا کیا۔ جس پر اسلامی نماز اور صرف اسلام کو ہی سچا اور نجات دینے والا بتایا۔ اور اس میں صاف لکھ دیا۔ کہ میں پہلے بت پرست مشرک ہندوؤں میں سے تھا۔ اور اب ایک خدا کا بکاری ہو گیا ہوں۔

وقت مسیح موعود آئے روسکے مذہب

پرگنہ بٹالہ کا گورو

شری نہہ کلنگ اوتار مرزا مہدی ہوگا

جس طرح تمام قوموں کے بنی اور بزرگ ایک بڑے بنی اور اوتار کا پتہ دیتے گئے۔ اسی طرح گورو نانک دیو جی اور نیز گورو گوہند سنگھ جی سکھوں کے لئے پیشگوئی کر گئے ہیں کہ پرگنہ بٹالہ واقع پنجاب میں ایک گورو پیدا ہوگا۔ اور وہ مسلمان جامہ میں مبعوث ہوگا۔ وہ زمیندار اور قوم مغل سے یعنی مرزا ہوگا۔ آدن اٹھترے جادن ستانوسے ہو رہی اٹھسی مرد کا پیلا (شری گرنٹھ تلنگ محلہ ۱۳۷ صفحہ ۱۳) اور جب تمام مذہب و ملت کے لوگ دین دھرم چھوڑ بیٹھے ہوں گے۔ اس وقت اسکا ظہور ہوگا۔ اور اس کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ (ایک دفعہ ان کے اندر) چاند گرہن سورج گرہن ہوگا۔ اور اسکی (پہلی) بیوی مخالف اور غیبت گو ہوگی۔ اور وہ جگت کا عیسیٰ کر کے مشہور ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱) تاں مردانے پھیا۔ گورو جی۔ کبیر جگت جیہا کوئی ہو رہی ہو یا ہی۔ سری گورو

لے پن را پس کا کا تا سیا۔ سری اسکیت جگت کے عیسیٰ

نانک جی آکھیا۔ مردانیاں۔ اک جھپٹا ہوسی۔ پر اسان توں پچھے سو برس توں بعد
 ہوسی۔ پھر مردانے پچھیا۔ جی کیہڑے تھامیں اتے ملک وچ ہوسی؟ تاں گورو
 نے کہا۔ مردانیاں وٹا لے دے پر گنے وچ ہوسی۔ سن مردانیاں۔ نرنکار
 دے بھگت سب اکو روپ ہندے ہن۔ پر اوہ کبیر بھگت نالوں وڈا ہوسی۔ دیکھو
 جنم ساکھی بھائی بالادالی وڈی ساکھی صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس نشی
 گلاب سنگھ اینڈ سنز۔

ترجمہ ۱۔ تب مردانے نے پوچھا۔ گورو جی! کوئی بھگت کبیر جیسا بھی ہوا ہے؟
 گورو صاحب نے فرمایا۔ اے مردانے ایک زمیندار لیکن ہم سے سو سال کے بعد
 ہوگا۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ گورو پر گنہ بٹالہ یعنی تحصیل بٹالہ میں ہوگا۔ اے مردانے!
 سنو۔ خدا کے بھگت سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ (لَا فَرْقَ بَيْنَ أَحَدٍ
 مِّنْ رُّسُلِهِ) لیکن وہ بھگت کبیر سے بھی بڑا ہوگا۔ (فَقَدْ نَأْبِقُضْرَمُ إِلَى
 بَعْقِنِ) یعنی ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے
 پس یہ گورو مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہیں۔ جو حسب حدیث
 (حَارِثُ حَوَاتِ) معزز زمیندار ہیں۔

اعتراض ۱۔ بھائی سیوا سنگھ جی کہتے ہیں۔ کہ بابا ہنڈال جٹ کے چیلوں
 نے یہ ساکھی جنم ساکھی میں ڈال دی۔ اور کہ آنے والا گورو ہنڈال جٹ ہوگا
 اس کے مصداق حضرت مرزا صاحب قادیانی نہیں ہیں۔
 جواب ۱۔ صفحہ ۲۵۱ میں ہنڈال کا نام و نشان بھی نہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہنڈال
 کے مریدوں نے یہ پر سنگ خود ڈال دیا ہے۔ تو بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہنڈال
 جٹ یا لہ ضلع امرت سر میں ہوا ہے۔ نہ کہ پر گنہ بٹالہ میں۔ دیکھو تاریخ گورو
 خالصہ صفحہ ۷۰۶۔ پس اس پر سنگ سے ہنڈال اور اس کے مریدوں کو
 کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

آینو والا گورو نہہ کلنک مسلمان ہوگا

(۲) نقل مطابق اصل :-

چکنا چور کرے گرو پورا تانکا لیکھ نہ مٹیا جائی
مسلمان صفت شریعت سچے کی وڈیا ئی

ارکھ :- ایہہ ورتارا اورت جاو یگا۔ سنار کے بکھے کون کون گورو کہاؤ گے
جوگی۔ سنیا سی۔ جنگم برہمچاری۔ برہمن کلجک کے بکھے گورو کہاؤ گے۔ تنہا
کے باب ایہہ ہووے گی۔ چکنا چور کرے گورو پورا تانکا لیکھ نہ مٹیا جائی۔
انہاں دے باب ایہہ ہووے گا۔ سو مٹنے کا نہیں۔ اور اک جو بندہ صاحب
کا اٹھے گا۔ تسدا نام ریسد ہوگا۔ یعنی (خدا رسیدہ رشی ہوگا) سو گورو
کے حکم سے اٹھیک گا۔ پر جامہ اس کا مسلمان کا ہوو یگا (خدا تعالیٰ) اسنوں
اپنی بندگی بخش گے۔ اوہ اکال پرکھ نوں جائے گا۔ اور دوسرے کو نہ
جانے گا۔ جہاں جہاں جھوٹ ہوو یگا۔ سو اسکو چوائے کر یگا۔ سو پا برہم کے
حکم کے ساتھ چکنا چور کر یگا۔ جتیاں جھوٹیاں ٹھوڑاں ہن۔ تیرکھ۔ مٹریاں
دیہورے۔ پیراں دے ٹھکانے۔ راج رنگ کٹیاں ٹھوڑاں ہن۔ جہاں
جہاں جھوٹ ہوو یگا۔ سو سزا پاؤں گے۔ اس وقت دھندو کا ورت جاو یگا
پڑھن گے۔ پر کہاؤں گے نہیں۔ (وڈھی جنم ساکھی صفحہ ۴۳)

اردو ترجمہ :- کامل گورو وڈشتوں کا ناسخ کر یگا۔ کیونکہ نوشتہ تقدیر مل
نہیں سکتا۔ وہ گورو مسلمان ہوگا۔ اور صادق ہوگا۔ صدق کی ہی بڑائی
ہو ا کرتی ہے۔ گورو صاحب خود تفسیر کرتے ہیں۔ کہ زمانہ کی یہ حالت ہوگی۔
کہ ہر قسم کے لوگ گورو کہلاؤں گے۔ یعنی جوگی۔ سنیا سی۔ جنگم۔ برہمچاری۔ برہمن
وغیرہ۔ یہ سب کلجک کے گورو کہلاؤں گے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا۔ کہ
سچا اور کامل گورو ان کو مٹیا مٹیت کر دیکھا۔ یہ نوشتہ تقدیر کا مل نہیں سکتا۔

سہ یہ پیشگوئی نئے ایڈیشن میں سے نکال دی گئی ہے۔

اس وقت ایک بندہ خدا کا مبعوث ہوگا۔ جسے خدا تعالیٰ بندگی کی توفیق بخشے گا۔ وہ خدا پر ہی توکل کرے گا۔ اور دوسرے پر اس کا تکیہ نہ ہوگا۔ جہاں جہاں جھوٹ ہوگا۔ ان کے منہ پر مارے گا۔ سو خدا تعالیٰ کے حکم سے مخالفوں کو پیس ڈالے گا۔ جتنے جھوٹ کے اڈے ہوں گے۔ یعنی تیرتھ۔ مڑیاں دیہورے۔ پیروں کے مقام۔ راگ رنگ رلیوں کے مقام میں۔ اور جہاں جہاں جھوٹ ہوگا وہاں جھوٹوں کی گنت ہوگی۔ اور کاذبوں کو سزا دی جائے گی۔ اس وقت ظلم و فساد سے آسمان دھواں دار ہو جائے گا۔ اس پیشگوئی کو اکثر لوگ پڑھیں گے۔ مگر اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے خوش قسمت بہت تھوڑے ہوں گے۔

اے خالصہ جی! مسلمانی لباس میں گورو مرزا غلام احمد قادیانی پر گنہ بٹالہ میں آگیا ہے۔ اسے مان کر گورو جی کے پیارے بن جاؤ اور بے مکہ ہو کر اس کے سرالوں کا شکار نہ ہو جاؤ۔

نہہ کلنک اوتار مسلمان ہوگا پیشگوئیاں کریگا
اور کتابوں کے ذریعہ خلق اللہ کی اصلاح کرے گا

(نقل مطابق اصل)

(۳) دھند و کار جو در کسی نہ ہند و نہ مسلمان

رام رحیم نہ جان نہ کہے کلام

ناں گایتیری نہ ترپنوں نہ فاتحہ نہ درود

نہ تیرتھ نہ دیہورا نہ دیوی کی پوج

گورمکھ کوئی نہ جان سن نہ کوئے اپدیش

اکوورتن دریتے نہ کوکرے ادیس

بید کتیب نہ جان سن نہ دوارہ نہ مسیت

روزرہ بانگ نہ درت نہ نیم نہ کوکرے حدیث

کوئی نہ کس کی جان سی نہ کو کرے سلام
نانک شبہ ورتدا اس کوئی مدھی جان

اس کا مطلب خود گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا زمانہ جو روز ظلم کا آنے والا ہے کہ ہندو مسلمان دونوں اپنے دین و دھرم کو ترک کر دیں گے۔ ہندو گائتری اور ترین کو بھول جاویں گے۔ اور مسلمان فاتحہ اور درود کی حقیقت سے بے خبر ہوں گے۔ دیوی اور تیرتھ جاترا کو ترک کر دیں گے۔ سرت گورو کو کوئی بھی نہ پہچانیگا اور نہ کوئی نصیحت دے گا۔ سب پر ایک ہی طرح کی ابا حتی حالت وارد ہو جائیگی ہندو اور مسلمان اپنی اپنی کتب اور مقامات مقدسہ کو بیکسر فراموش کر دیں گے مسلمان نماز روزہ کو جواب دے دیں گے۔ اور مسجد کو دور سے سلام کریں گے۔ یہ تقدیر اسی طرح پر جاری و ساری ہوگی۔

(تسدا پر مارا تھ) بھائی اجیتیا! جدوں گورو ایس دھرتی پر اوشٹ ہو جاوے گا تاں پچھے سنسار وچ ایسی ورت جاویگی۔ کوئی کسے نوں جانیکا نہیں۔ اتے دھندو کا ورت جاسی۔ اجیہ من مکھ ہون گے۔ جو کوئی نہ ہندو رہیگا۔ نہ مسلمان رہیگا۔ نہ رام کو منن گے نہ رحیم کو منن گے۔ نہ گائتری ترین۔ اشٹنان دھرم نہ نیم۔ نہ تیرتھ نہ پوجا۔ نہ دیوی نہ دیہورا نہ دھرم سالہ نہ مسیت۔ نہ بانگ۔ نہ نماز۔ نہ فاتحہ نہ دعا نہ سلام۔ نہ کوکے دھیائے سی۔ نہ دیوی کی پوجا سنسار کرے گا۔ تس سے جو کوئی کتے جائیکے پر میثور دانام لوگیگا۔ تس کو مارن گے۔ ایسا ورتا راورت جاویگا۔ دوہاں دھراں داناس ہو جاویگا۔ تاں اس سے اک بھگت پیدا ہو جاویگا۔ سونیل بستر پھر یگا۔ اتے انٹر و شبہ پوتھیاں اوچار یگا تاں اس دے واسطے پر میثور آپ اتاری ہوئے کر سہا سٹا کرے گا۔ اتے شبہ الپ رہ جاویگا کوئی ورلا ہی جانے گا۔ اس پاس کوئی ورلا ہی جاوے گا۔ تاں جیتے رندھاوے ارداس کیتی۔ سچے پاوشاہ جی! اوہ کون بھگت ہوو یگا؟ تاں بچن ہو یا ہے بچہ اجیتیا تو سن!

شوگ :- ہنہ کلنگ ہوئے اترسی مہاں بلی اوتار
 سنت رچھیا جگ جگ دشٹاں کرے شنکار
 نواں دھرم چلائی جگ ہوم ہوئے وار
 نانک کلجگ تارسی کیرتن نام اودھار
 (جنم ساکھی بھائی بالا کلاں صفحہ ۶۶)

ارتھ :- گورو صاحب خود فرماتے ہیں کہ :- تسدا پرمارتھ بھائی اجیتیا۔ جو
 گورو کلجگ وچ آیا ہے۔ اتے جاں گورو جاماں پہن سی۔ تاں دھندو کارورت
 جاو گیا۔ اس سے اک بھگت پریشور دی پوجا کرے گا۔ اسدے گھر اک استری
 بہت چندری ہووے گی۔ اوہ نار جائے لوکاں اگے چغل کرے گی۔ بت
 کر کے سنت کو دیت دکھ دیون گے۔ تاں اوہ سنت واسطے گورو جامہ پہن
 سی۔ جہاں تک اس سنت دے دوکھی ڈشٹ ہوون گے۔ انہاں نوں چن
 چن کر مارے گا۔

مطلب :- اسے اجیتیا! جب گورو اس سرزمین سے گزر جائیں گے۔ تو
 باہمی ہمدردی درمیان سے اٹھ جاوے گی۔ ظلم سے آسمان ایسا تاریک
 ہو جاوے گا۔ کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اپنے فرائض منصبی کو بالائے طاق
 رکھ دیں گے۔ اور جو کوئی الگ ہو کر یا دہلی میں مشغول ہوگا۔ لوگ اسے ایذا دینے
 ایسا زمانہ آجاوے گا۔ کہ ہر دو فریق کا ناش ہوگا۔ یعنی ہندو و مسلمان دونو
 آپس میں لڑ لڑ کر مر جائیں گے۔ پس ایسے زمانہ میں ایک بھگت پیدا ہوگا۔
 جو مسلمانی لباس پہنے گا۔ یعنی مسلمان جامہ میں گورو آئے گا۔ اور غیب کی
 باتوں والی کتابیں تالیف کرے گا۔ یعنی پیشگوئیوں کی اشاعت کر کے نبی اللہ
 کہلائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ خود زمین پر اتر کر اس گورو کی نصرت فرمائے گا۔ اسکی
 تعلیم اور حقائق و معارف جاننے والے قدرے قلیل لوگ ہوں گے۔ اور اس کے
 پاس جاننے والے بھاگو ان بہت مقبورے ہوں گے۔ پھر جیتے زندہ جاوے

نے دست بستہ عرض کی کہ اے سچے پادشاہ! وہ بھگت کون ہوگا؟ تب گورو نانک نے فرمایا:۔ سنو۔

ترجمہ شلوک:۔ وہ آنے والا گورو شری نہہ کلنک اوتار ہوگا۔ بھلے لوگوں کی بھلائی کرے گا۔ اور ڈشٹوں کو چن چن کر ہلاک کرے گا۔ اور وہ ازسرنو مذہب جاری کرے گا۔ کیونکہ دوسری قومیں اپنے اپنے مذہب کو فراموش کر چکی ہوں گی۔

اس گورو کی بعثت کے قریب فساد عظیم برپا ہوگا۔ ایسے وقت میں وہ بھگت ایشور کی پوجا کرے گا۔ اس کی بڑی بیوی چندری یعنی حق کی مخالف ہوگی۔ اور لوگوں اور شریکوں کے ہاں جا جا کر عیبت کیا کرے گی۔ اور بڑے لوگ اس بھگت کو ایذا دیں گے۔ اور وہ گورو ڈشٹوں کو چن چن کر (دعا سے مباہلہ سے) ہلاک کرے گا۔ چنانچہ امریکہ کا ڈوئی اور لیکھرام آریہ مباہلہ سے ہلاک ہوئے

(۴) مرزا مہدی ہوگا اور کرن اوتار

(دسم گرنتھ گورو گو بند سنگھ جی کا)

تو مرچھند۔ جگ جیتیو جب سرب تب باڈھیوات گرب
دیا کال پڑکھ بار ایہہ بھانت کیں بچار
جگ جیت کیں غلام اپنا جیاوت نام۔
(دجال کا حال)

یعنی دنیا میں دجال عام طور سے غلبہ حاصل کرے گا۔ اور بہت غصہ میں آکر سب کو زیر کر کے غلام بنائے گا۔ اور خدا کو چھوڑ کر اور دنیا کو غلام بنا کر اپنا نام جیاوتے گا۔

جگ ایس ریت چلائے سراتر پتر پھیرائے

نہیں کال پر کھ چنٹ
تب کال دیور سائے
نہیں دیو جاپ بھنٹ
اگ اور پر کھ بنائے
رے انس مہدی میر
تہ ٹول کو بدھ کین
جگ جیت آپ نہ کیں
ایہ بھانت پورن سدھار
بھٹے چو بیس اوتار

(مرزا امام مہدی اور کرشن اوتار ہوگا۔ دجال کو قتل کرے گا)

مہدی میر سے مہدی مرزا مراد ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی کے صفحہ ۷۷ پر
ساکھی میر بابر میں بابر مغل بادشاہ کو سری گوردانک جی نے میر بابر
کئی بار کہا ہے۔

مطلب :- گورو گوبند سنگھ جی دسم گرنٹھ میں فرماتے ہیں۔ کہ جب دنیا
میں لوگ خدا کو چھوڑ دیں گے۔ اور ہر ایک اپنی بڑائی کرتے گا۔ اور دوسرے
کو حقارت سے دیکھے گا۔ اور لوگ خدا کی عبادت چھوڑ دیں گے۔ اور دہریہ
ہو جاویں گے۔ تب خدا کی صفت تہاریت جوش میں آدے گی۔ اور وہ
ایک شخص کو اصلاح خلق کے لئے مبعوث فرمائے گا۔ وہ

امام مہدی قوم مغل سے ہوگا

وہ مستقل مزاج اور خلیق ہوگا۔ دجال کو بدھ یعنی قتل کر دیگا۔
آخر کار لوگ عاجز آجائیں گے۔ اور وہ آہستہ آہستہ دنیا پر فتح پائے گا
اور جو بیواں اوتار درشن ثانی، یعنی مشی نہہ کلنک اوتار وہی ہوگا
جسکی قومیں منتظر ہوں گی۔ جیسے کہ خود حضرت مسیح موعودؑ قادیانی نے
لیکچر سیانکوٹ ص ۲۳ میں دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کے لئے مسیح موعودؑ
ہوں۔ اور ہندوؤں وغیرہم کے لئے نہہ کلنک اوتار درشن ثانی ہوں
گرنٹھ صاحب میں لکھا ہے کہ :-

”بلے چھلن سبل ملن بھگت پھلن کاہن کر نہ کلنک بجی ڈنکہ چڑھے چڑھو
دل روند جیو“ دیکھو گرنتہ صاحب صفحہ ۱۲۹۸۔

بھاٹ جی فرماتے ہیں کہ مہاراج نے باون روپ ہو کر راجہ بل کو پھلن کیا۔
اعد پاپیوں اور ظالموں کا نشٹ کیا۔ اور بھگتوں یعنی تابعداروں کو ترقی دی۔
سر سبز کیا۔ اور مہاراج کرشن جی جب نہ کلنک ہو کر دوبارہ تشریف لادیں
تو اس وقت رد (سورج) اور اند بمعنی چاند اس کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی
اس کے گواہ ہوں گے۔ یہ پیشگوئی ۱۸۹۲ء میں پوری ہو چکی ہے۔

”جے کوناؤں لے بدنامی کل کے لکھن ایسی کل کلاواں شرع بیٹری قاضی
کرشنا ہوا“ صفحہ ۸۳۶ گرنتہ صاحب ترجمہ :- گورو صاحب یہ فرماتے ہیں
کہ کلنک کی یہ علامت ہے کہ اگر کوئی خدا کا نام لے گا۔ تو لوگ اسے بدنام کریں گے
اور کلاواں یعنی مذہبوں کی لڑائی کا فیصلہ کرنے کے لئے کرشن جی مہاراج قاضی مسلمان
ہو کر آئیں گے۔ اور شرع محمدی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

بابانک صاحب اور حج کعبہ

مخواب

گورنانک صاحب و طواں کو مصنفہ ایدیر خالصہ سماج

بھائی سیوا سنگھ صاحب ایدیر اخبار خالصہ سماچار امرت سرا اپنے ٹریکٹ ”گورنانک صاحب
اور طواں کعبہ“ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”معلوم ہوتا ہے کہ جب مردانہ نے گورو صاحب کو ہندوؤں کے تیرتھوں اور

لے گرنتہ صاحب میں صرف اسلامی شریعت کو ہی کافی اور کامل بتایا گیا ہے۔ اسی لئے گورو
صاحب نے کوئی شریعت پیش نہیں کی۔“ مسلمان صفت شریعت پڑھ پڑھ کریں وچار“ ص ۱۳۱
پھر فرمایا: ”شرع شریعت کریمہ وچار۔ بن بوجھ کیسے پاوینہ پار“ صفحہ ۸۷ نمبر ۱

پنڈتوں۔ پجاریوں۔ سنیاسیوں جو گویوں کو راہ راست پر لاتے دیکھا۔ تو اس کے
دل میں خیال آیا۔ کہ کاشش یہ عرب کے امی نبی کے ملک میں تشریف لے جاتے
اور دن میں پانچ دفعہ منارے پر چڑھ کر "اللہ اکبر" کی آواز دینے والوں کو سنگ
اسود کی پرستش سے ہٹاتے اور خدا کا کعبہ کی چار دیواری میں ہونے کا خیال غام
مسلمانوں کے دلوں سے اٹھاتے۔" (گورو نانک صاحب اور طواف کعبہ ص ۱۲۳)
جواب ۱۔ اس اعتراض کے تین حصے ہیں (۱) سفر مکہ حج کی نیت سے نہ تھا۔
بلکہ مردانہ کے کہنے پر تھا۔ (۲) سنگ اسود کی پوجا سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے
تھا۔ (۳) خدا تعالیٰ کو کعبہ کی چار دیواری میں ہونے کے خیال کی تردید کرنا مقصود تھا
نمبر اول کے جواب میں عرض ہے۔ کہ جنم ساکھی بالا میں تو لکھا ہے۔ کہ سفر مکہ مقصد
آپ کے الہام کی بنا پر تھا۔ چنانچہ لکھا ہے:-

(۱) "ہن حکم پائی کر خدا یسکا درویش نانک کو آیا ہے۔ جو آگے شیخاں کو ہوں حکم
دیا سا جو تیس سج دے دل پر چلو..... ہن عمل نانک درویش تمہارا چلیا ہے۔
توں آپس کو سمبھال دنیا اندر جا سب تھاں مقام جیتے توں کھنڈ پر تھوی اوپر
ہن تیناں کی زیارت کر کے حضرت مکہ مدینے حج کر۔" (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۷۷)
یعنی حضرت باوا صاحب کو الہام ہوتا ہے۔ کہ اے نانک تم کو وہی حکم دیا جاتا
ہے۔ جو پہلے شیخوں کو دیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ نماز روزہ حج
زکوٰۃ وغیرہ اسلامی احکام ہی تھے۔ جو شیخوں کو دیئے گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے
عمل چھوڑ دیا ہے۔ تم کو بھی وہی حکم دیا جاتا ہے۔ اور سب مقاموں کی زیارت کر کے
مکہ مدینہ کا حج کرو۔ اب صاف معلوم ہو گیا۔ کہ باوا صاحب کا یہ سفر مردانہ کے کہنے
پر نہ تھا۔ بلکہ حکم خداوندی حج بیت اللہ کے لئے تھا۔ پھر دوسرے مقام پر
باوا صاحب کی زبانی لکھا ہے:-

(۲) "سردانیاں ایناں عاجیاں نوں جان دے۔ جے ساڈے نصیب حج کعبہ
دی ہے۔ تاں اسیں بھی کرواں گے۔ سردانیاں اے راہ ایسا ہے جے بہر خدمت

گودیاں جائیئے۔ تاں فیض پاوی دا ہے۔ اتے بے حجت ہا سہ منکری رنج کردیاں
 جائیئے۔ تاں حاجی نہیں ہویدا۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۶۶)
 بادشاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر ہمارے نصیب میں ہوا۔ تو ہم بھی حج کر لیں گے کیا
 صاف ہے۔ کہ آپ صرف حج کے لئے ہی مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور
 راستہ میں نہایت متقیانہ روش اختیار کی۔ جو قرآن مجید کی آیت فَلَا رَفَثَ
 وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کے ماتحت تھی۔ پھر لکھا ہے :-
 (۱۶۷) کے دے نزدیک آئے گے حاجیاں دانیلا بانا کیا۔ اور ہتھ میں عصا لیا۔ اور
 ایک ہتھ میں تسبیح لی۔ سر پر مصلیٰ پر یا بگل وچ کتاب رکھی۔ حاجی درویش ہو سکر
 جائے کے دی حج کو بھٹے۔ تب کے مسیت وچ بیٹھے گئے سورہ کلام دی صفت
 کرن۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۶۸)

مندرجہ بالا جنم ساکھی کے بیان سے کہ بادشاہ صاحب کا مکہ معظمہ کے نزدیک جا کر حاجیوں
 کا لباس پہننا تھا میں تسبیح بغل میں قرآن شریف رکھنا اور الفاظ "لے کی حج کو بھٹے"
 ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ حج کے لئے ہی مکہ شریف میں گئے تھے۔ اور مسجد میں ٹھہرے
 کلام اللہ یعنی قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اس عبارت کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آپ
 حج کی نیت سے نہ گئے تھے۔ کسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ پھر اس جنم ساکھی اور
 کئی ایک ساکھیوں میں لکھا ہے۔ کہ آپ کو حاجی کہا گیا۔ لیکن آپ نے اس کی تردید
 نہیں کی۔ پھر جنم ساکھی بالادرد میں لکھا ہے :-

(۱۶۸) "تب گورو صاحب نے وہی مقام کیا۔ اور مردانہ کو کہا۔ کہ مردانہ ان حاجیوں
 کو جانے دو۔ اگر ہمارے نصیب میں حج کعبہ ہے۔ تو ہم بھی جاویں گے (جنم ساکھی
 بالادرد صفحہ ۱۶۹)

پس اس عبارت کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آپ حج کی نیت سے مکہ معظمہ نہیں
 گئے۔ کسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ بحکم خداوندی حج کے لئے جانا اور پھر کعبہ
 کی طرف پاؤں کر کے سونا کم از کم بادشاہک جیسی عظیم الشان ہستی کی طرف منسوب

کرنا ایک طرح توہین کرنا ہے۔ اس لئے مکعبہ پھرنے وغیرہ کا واقعہ فرمائی ہے۔ جو بعد میں جہنم ساکھی میں داخل کیا گیا ہے۔ پھر لکھا ہے۔ باوا صاحبؒ مردانہ کے پوچھنے پر جواب دیتے ہیں:-

(۵) پھر مردانے نے کہا۔ کہ وہ پتھر مکہ شریف میں کیسا ہے۔ تو گورو جی نے کہا۔ مردانیاں یہ پتھر مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور سیاہ اسوا سٹے ہوا ہے۔ کہ مسلمانوں کے گناہ اس پر لگ جاتے ہیں۔ جو صدق دل سے اگر حج کرے۔ اس کے پچھلے گناہ سب دور ہو جاتے ہیں۔ اور الیا ہو جاتا ہے۔ کہ جیسے مادر سے بچہ بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر مردانے نے کہا۔ کہ ہمارا کیا حال ہے۔ ہم تو کراہت سے زیارت کو گئے تھے۔ تو گورو جی نے کہا۔ مردانہ اس بات سے باز آ۔ جو کراہت سے اگر زیارت کرے۔ وہ اللہ اور اس کی رسول کا چور ہے۔
(جہنم ساکھی بالا اردو صفحہ ۱۷۶)

ناظرین! اب تو باوا صاحب کا عقیدہ صاف ظاہر ہے۔ جس میں ذرا بھی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس حوالہ نے توفیق صمدی کر دیا۔ کہ جو شخص کراہت سے زیارت کرے۔ وہ اللہ اور رسول کا چور ہے۔ پھر گورو صاحبؒ مردانہ کو فرماتے ہیں۔ (۶) اے مردانہ خوب یاد رکھو۔ جو مکہ شریف کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ خواہ کون ہو۔ (جہنم ساکھی بالا اردو صفحہ ۱۷۹)

اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں عرض ہے۔ کوئی مسلمان سنگ اسود کی پوجا نہیں کرتا۔ پرستش کے معنی میں۔ کہ اپنی حاجتیں پیش کرنا۔ دکھوں سے نجات مانگنا۔ اور نفع حاصل کرنے کے لئے دعا کرنا۔ لیکن حجر اسود سے نہ کوئی مدد مانگتا ہے۔ اور نہ ہی اس سے نفع چاہتا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کسی اسلامی عبادت میں ذکر ہے۔ پتھر تو ایک پتھر ہی ہے۔ جو نہ کسی کو نفع اور نقصان دے سکتا ہے کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کا لٹکایا ہوا ہے۔ بطور سیارے کی یادگار کے اس کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اور یہ تصویری زبان میں پیشگوئی ہے۔

کم از کم سکھ صاحبان تو یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ جبکہ یہاں مقامات کو جہان گورو صاحبان بیٹھے۔ یا ان کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا ہو قابل عزت سمجھتے ہیں۔ اور ساتھ صاحب کا لفظ بولتے ہیں۔ مثلاً مستحق صاحب بن صاحب۔ میری صاحب۔ ٹالی صاحب۔ کیاری صاحب۔ تھڑا صاحب۔ ہٹ صاحب وغیرہ۔ حالانکہ صاحب کا لفظ سوائے ذی شعور کے نہیں بولا جاتا۔ پس پیارے دوست سنگ اسود کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا بت پرستی نہیں۔ شاید آپ نے بوسہ دینے کو ہی عبادت سمجھ لیا ہو۔ سو یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ کہ وہ جیہ پیارے کے خط یا تصویر کو دیکھتا ہے۔ تو محبت سے چوم لیتا ہے۔ بھائی جی کے خیال کے مطابق تو وہ اس تصویر یا خط کے پوجک کھڑے گئے۔ اور بوسے اور بچوں کے بوسے لینے والے ان کے عابد اور خدا کو مسجدہ کرنے والے تھیں کے پجاری ماننے پڑیں گے۔ سینے آپ کے ہاں تو لکھا ہے۔ کہ مورتی پوجا سے دھن و نام دیو جی وغیرہ بھگتوں کو خدا مل گیا۔ چنانچہ بھگت سری نام دیو جی مہاراج کے متعلق ہے :-

دودھ کٹوے گڈوے پانی	کیل گائے نالے دوہے آنی
دودھ پیو گو بند راے	دودھ پیو میر و من پتیاے
نہیں تہ گھر کو باپ رسائے ۴ رباؤ	
سوئن کٹوری امرت بھری	لے نامے ہر آگے دھری
ایک بھگت میر ہر دے بسے	نامے دیکھ نارائن ہسے
دودھ پیٹیاے بھگت گھر گیا	نامے ہر کا درشن بھیا ۴

(بانی بھگت سری نام دیو جی)

ترجمہ ۱۔ بھگت سری نام دیو جی نے ٹھاکر بہت کو بھوک لگانے کے لئے سکائے گا دودھ دودھ کر سونے کے کٹورے میں ڈال کر بہت کے سامنے رکھ

التجائی۔ اے گوبند رائے (ایشور) اس دودھ کو پیو۔ ورنہ باپ تھا
 ہوگا۔ اور بہت التجائی کیں۔ تب مورتی نے دودھ پی لیا۔ اور نارائن
 جی منے۔ اور بھگت نام دیو جی نے ایشور کے درشن کئے۔ اس قصہ کو
 بھائی گوداس جی نے اس طرح لکھا ہے :-

کم کیتے پیو چلیا نام دیو نوں آکھ سدھایا
 ٹھاکر دی سیوا کرین دودھ پیاون کہ سمجھایا
 نام دیو اسنان کر کپل گائے دوہے کے لے آیا
 ٹھاکر کو ہنوال کے چرنو دک تلک چڑھایا +
 ہاتھ جوڑ بنیتی کرے دودھ پیو جی گوبند رایا
 بچوں کو ارادھیا ہوئے دیال درکس دکھایا
 بھری کٹوری نام دیو نے ٹھاکر نوں دودھ پلایا
 گائے موئی جوالین نام دیو دا چھپر چھپایا +

(دارا پوری ۱۱ صفحہ ۸۷)

ترجمہ :- نام دیو کا باپ کہیں کام کو چلا۔ تو نام دیو کو کہ گیا۔ اے نام دیو
 ٹھاکر کی سیوا کرنا اور دودھ پلانا۔ باپ کے بعد نام دیو نے اسنان کر کے
 کپل گائے کا دودھ لے کر بت کو نہلا کر تلک وغیرہ لگا اس کے آگے دکھا اور
 ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ ایشور جی مہاراج دودھ پیو۔ جب نام دیو نے نہایت
 عقیدت سے ٹھاکر کی پوجا کی۔ تو پریشور نے ظاہر ہو کر درشن دیا۔ اور نام دیو
 جی نے ٹھاکر کو دودھ کا کٹورا پلایا۔ پھر لکھا ہے :-

برہمن یو جے دتو تے دھنا گئو جیرون آوے
 دھنے ڈٹھا چلت ایہ پوچھے برہمن آکھ سناوے
 ٹھاکر دی سیوا کرے جوا چھا سوئی پھل پاوے
 دھنا کر دا جوڈری میں دیہ اک تدھ بھاوے
 پتھر اک پلیٹ کر دے دھنے نوں گیل چھوڑے

ٹھا کر نوں نہوال کر چھا روٹی لے بھوک چڑھاوے
 ہتھ جوڑ منت کرے پیریں پے بہت مناوے
 ہوں بھی موہے نہ جو کھا لساں توں روٹھا میں کہو نہ سکھاوے
 گوسائیں پر نکھ ہوئے روٹی کھائے چھاہ موہ لائے
 (دار ۱۵ پوری ۱۳ صفحہ ۸۸)

ترجمہ :- دھنا بھگت گائیں چار رہا تھا۔ تو اس نے ایک برہمن کو مورتی پوجا
 کرتے دیکھا۔ دھنے کے پوچھنے پر برہمن نے کہا کہ مورتی پوجا کرنے والا جو
 مراد چاہیگا۔ وہی پائیگا۔ دھنے کے مانگنے پر اس نے ایک بت اسکو دیدیا
 تب دھنا نے اس بت کو نہلا کر روٹی اور چھاچھ اس کے آگے رکھ کر پوجا کرنے
 لگا۔ اور پاؤں پر سر رکھ کر منانے لگا۔ بڑی مشکل سے ایشور اس بت سے
 ظاہر ہوا۔ اور اس نے (ایشور نے) چھاچھ پی لی۔ اور روٹی کھالی۔ کیا بھائی
 سیوا سنگ صاحب غور فرمائیں گے۔

چھپکے کلنے دیوی پوجا

گور بلاس میں مرقوم ہے۔ کہ جب سری گورو ہر گوبند صاحب کو چھپکے کلے
 تو ان کے پتا سری گورو ارجن صاحب نے دیوی پوجا کی۔ چنانچہ لکھا ہے :-

گورو ارجن پر تھے سنگ لینوں	آئند دھار دان بہو دینوں
باج بجات چلے اپارا	درگیانے دیوی دربارا
درگیانے درگا کا بھون	درگا نام پجاری برہمن
باج بجات گورتہ گے	درگا بھون دیکھ بگیئے
دھجا نریل سون درب اپارا	بھٹیا درمی دیو دربارا
دیوی کی پرکھاں کینی	دیہور کی ات سے چھپ چینی الخ

گور بلاس پاتشاہی چھ ادھیانے ۲ صفحہ ۲۱۵۲

مطلب :- جب سری ہر گوبند صاحب کو چھپک نکلی۔ تو گوروارجن صاحب نے
براہمنوں کو بلا کر دیوی کی تعریف میں گیت سنے۔ اور باجے بجاتے ہوئے
درگیا نے دیوی ماتا کے مندر پر گئے۔ اور دان کیا۔ اور بہت نذر نیا زدی۔
اور خود طواف کیا۔ اور دیوی کی پوجا کی وغیرہ۔ پھر سورج پر کاش میں بھی
یہ واقعہ ہے۔ یہ دونوں کتابیں سکھوں کی مستند ہیں۔ گور بلاس پاتشا ہی چھ
سمت ۱۹ لکھا گیا۔ ان ہر دو مستند تاریخوں میں گوروارجن صاحب
کا دیوی پوجا کرنا لکھا ہے۔ اور سورج پر کاش پتہ پر کاش وغیرہ کتب
میں سری گوبند سنگھ جی مہاراج کا دیوی پوجا کرنا بھی لکھا ہے۔

اعترض نمبر ۳ کے جواب میں گذارش ہے۔ کہ کوئی مسلمان خدا تعالیٰ کے کعبہ
کی چار دیواری میں محدود ہونے کا قائل نہیں۔ کعبہ کو بیت اللہ کہنے کا یہ مطلب
نہیں۔ کہ وہ وہاں محدود ہے۔ وہیں آپ کو آپ کے گھر سے ہی سمجھاتا ہوں۔
سری امرت سر در بار صاحب میں ”ہر مند“ اکال تخت یا اکال بنگہ یا ہر کی
پوڑی وغیرہ استھان موجود ہیں۔ سنو غور سے سنو! ہر مند کے معنی ہیں خدا
کا گھر۔ اور اکال تخت کے معنی ہیں۔ خدا کا تخت۔ اسی طرح اکال بنگہ کے
معنی ہیں خدا تعالیٰ کا گھر اور ہر کی پوڑی۔ یعنی خدا کی سیڑھی۔ اگر کوئی سکھ صاحب
یہی اعتراض کر دے۔ کیونکہ ایسے اعتراض سوائے سکھ بھائیوں کے اور
کسی کو نہیں سو جھتے۔ کہ کیا ہر مند میں ایشور جی مہاراج براہمن ہیں۔ یا اکال
بنگہ میں خدا رہتا ہے۔ اور وہ محدود ہے۔ یا اکال تخت پر خدا بیٹھا ہے۔ یا
ہر کی پوڑی یعنی داگور وکی سیڑھی تو کیا داگور واس سیڑھی سے اترتا چڑھتا
رہتا ہے۔ اور کیا وہ محدود ہے۔ پس جو جواب اس کا آپ دیں۔ وہی ہمارا
سمجھیں۔ قرآن مجید تو فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيُّ الْفَر_جِ
تَوَلَّوْا فَشَمَّوْا وَجْهَ اللّٰهِ۔

حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر پر اعتراض کا جواب۔ سوال۔ ضرور

بابا نانک صاحب حج کے لئے مکہ میں گئے تھے۔

اعتراض :- ... مرزا صاحب نے گورو نانک صاحب کے مکہ میں تشریف لے جانے کی علت غائی ج بتائی ہے۔ لیکن اپنے دعوئے کے ثبوت میں جو عبارت جنم ساکھی سے رقم فرمائی ہے۔ وہ یوں ہے۔

” ایک سے مردانے نے سری گورو جی اگے مستھامیکیا۔ اور ارادہ اس کی پستی۔
 سچے پاتشاہ جی۔ عرب دیش کیسا ہے۔ تاں سری گورو کیہا۔ مردانیاں دیکھنا
 ہے تاں تینوں دکھالیاواں گے۔ تاں پھر گورو انگد جی سری گورو جی نے میرے
 تائیں آکھیا۔ گورو جی جیویں تسادھی رضائے۔ تاں گورو نانک جی انھوں جاند
 جاندے عرب دیش وچ جائے ہر اپت ہوئے۔ مرزا کی پیش کردہ گواہی بتاتی
 ہے۔ کہ گورو نانک صاحب نے حج کرنے کے خیال سے سفر مکہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ
 مردانہ کی استدعا پر انہوں نے کیا۔ (گورو نانک صاحب اور طواف کعبہ ص ۴۴)
 جواب :- اول تو معترض نے حضرت صاحب کی اس تحریر کا حوالہ نہیں دیا۔
 حضور کی کسی کتاب کے دکھائیں۔ کہ آپ نے اس عبارت کو باوا صاحب کے حج کی دلیل
 ٹھہرایا ہو۔ حضرت صاحب نے تو اس عبارت کو چولہ صاحب کے متعلق پیش کیا
 ہے۔ نہ کہ حج کے متعلق۔ یہ عبارت تو باوا صاحب کے دوبارہ عرب میں جانے
 کے متعلق ہے۔ جب یہ عبارت ہی حضرت صاحب نے باوا صاحب کے حج کے
 ثبوت میں نہیں لکھی۔ تو معترض کا اعتراض باطل ہو گیا۔“

طواف کعبہ کے خلاف دلائل

دلیل ۱۔ اسکے صاحبان فتوحات مکیہ سے حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ کا
 ایک کشف پیش کر کے بتاتے ہیں۔ کہ کعبہ کا پھرنا خلاف عقل نہیں۔ کشف یہ ہے۔
 ”بند کعبہ زمین سے اپنی بنیادوں سمیت ایسا مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ انسان جبکہ
 اپنے مکان سے اٹھنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اپنے کپڑے جمع کر لیتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم

ہوا۔ کہ کعبہ نے اپنی دیواریں جمع کر لیں۔ تاکہ مجھ پر حملہ کرے۔ اور اس وقت ایک ایسی حسین عورت کی شکل میں نمودار ہوا۔ کہ میں نے ایسی حسین شکل کبھی نہ دیکھی تھی۔ (صفحہ ۸)

جواب :- حضرت ابن عربی کے کشف کی طرح کشفی حالت میں بابا نانک صاحب نے کعبہ پھرتا دیکھا ہو۔ تو میں ماننے میں کوئی عذر نہیں۔ ایسے واقعات اولیاء اللہ سے ہوا کرتے ہیں۔ اور کئی ایک ایسے قصے تذکرۃ الاولیاء میں درج ہیں۔ پس اس طرح ماننے سے تو سارے اعتراض بے بنیاد ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ایک نئی دلیل بابا صاحب کے مسلمان ہونے کی قائم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایسے واقعات مسلمان صوفیاء سے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح حضرت ابن عربی نے کشف میں دیکھا۔ تو نتیجہ صاف نکل آیا۔ کہ دونوں ہی کشفی نظارہ ہیں۔ ظاہر نہیں۔

دلیل ۱۲۔ ایک مسلمان شاعر کا مصرع نقل کرتے ہیں۔ ج
تو وہ کعبہ ہے کہ کعبہ نے کیا تیرا طواف

جواب :- اس کا جواب اوپر کے کشف کے جواب میں آچکا ہے۔ اسی طرح کعبہ نے باوا صاحب کا طواف کیا۔ جس طرح حضرت ابن عربی اور کئی ایک بزرگوں کا کیا۔ باوا صاحب کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ آپ کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔

جنم ساکھی میں تحریف

جن مصنفوں نے باوا صاحب کا مکہ معظمہ جانا یا خانہ کعبہ کا پھرنا وغیرہ لکھا ہے ان میں سے کسی کا بھی باوا صاحب کے ہمراہ جانا ثابت نہیں۔ بلکہ بھائی بالا جی کو بھی جاتے وقت چھوڑ گئے تھے۔ دیکھو جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۳۔ پھر بھائی گرو اس جی نے بھی آپ کے مغربی ماکہ کے سفر میں صرف مردانہ کا ہی ذکر کیا ہے تو اب صاف ظاہر ہے۔ کہ بھائی بالا جی نے جو کچھ سری گوردانگد صاحب کے حضور لکھوایا۔ وہ صرف سن سنا کر ہی تھا۔ چشم دید نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسیں کچھ

مبالغہ بھی ہو۔

اور پھر جنم ساکھی بالائیں بھی تحریر کی گئی۔ کیونکہ جنم ساکھی بالائیں ۱۵۹۴ء میں لکھی گئی
لیکن اس میں شلوک محلہ ۴ و محلہ ۵ کے یعنی گورو رام داس صاحب و سری گورو
ارجن صاحب کے ملتے ہیں۔ جو بادا صاحب کی وفات کے کافی عرصہ بعد تصنیف ہوئے
اور پھر ان شلوکوں کو بابا نانک صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حالانکہ
سری گورو گرنتھ صاحب میں وہی شلوک محلہ ۴ اور محلہ ۵ کے ہیں۔ دیکھو جنم ساکھی
بالا صفحہ ۲۹۴ و صفحہ ۳۷۲ اور پھر اس جنم ساکھی کی بھومکامیں اس کی تحریر کا
اقرار کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ بھائی بالاجی نے نہ لکھوایا ہو۔ بعد میں
جنم ساکھی میں ملا دیا گیا ہو۔ پھر بھائی منی سنگھ جی نے اپنی جنم ساکھی کے صفحہ ۱
میں جنم ساکھی بالا کے تحریر ہو جانے کا اقرار کیا ہے۔ اور پھر بھائی سنتو کو سنگھ
جی نے اپنی کتاب نانک پر کاشی میں توہپاں تک لکھ دیا ہے۔ کہ اصل ساکھی کو
بعض لوگوں نے دریائے بیاس میں بہا دیا تھا۔ اور پھر بعد میں ایک اپنے مطلب
کی جنم ساکھی تیار کی۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہے۔ کہ یہ واقعہ بعد میں ملا یا گیا
ہے۔ ورنہ ایک آدمی کے دو قول نہیں ہو سکتے۔ ایک طرف تو یہ کہے۔ کہ آپ حج
کی نیت سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ دوسری طرف یہ کہے۔ آپ نے وہاں
پہنچ کر بیت اللہ کی طرف پاؤں کر کے الہی شعائر کی بے ادبی کی۔ تو صاف ظاہر
ہے۔ کہ پاؤں کر کے سونے کا قصہ فرضی اور بناوٹی ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے۔ کہ
ہو سکتا ہے۔ کہ حج کرنے وغیرہ کا ذکر الحاق ہو۔ تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ ہندو
یا سکھ کو بادا صاحب کو حاجی ثابت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ یہ ان
کے مخالف ہے۔ اگر کہو یہ عبارت مسلمانوں نے ملا دی۔ تو یہ درست نہیں۔
کیونکہ جنم ساکھی کسی وقت بھی مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آئی۔ سکھ معنفوں
کا رویہ اسلام کے متعلق ہمہ داند نہ تھا۔ دیکھو جنم ساکھی بالا جو ۱۹۰۶ء میں
چھپی۔ اس کے صفحہ ۲۵۱ پر ایک پیشگوئی درج تھی۔ کہ ایک زمیندار قوم کا شخص

پر گنہ بٹالہ میں مبعوث ہو گا۔ نئے ایڈیشن میں یہ سب سطور ہی غائب ہیں۔ پھر پرانی ساکھی کے صفحہ ۵۲۷ میں لکھا تھا۔ کہ وہ آنے والا بھگت مسلمان ہو گا۔ اس کا نام ریڈ یعنی خدا رسیدہ ہو گا۔ برعکس اس کے نئے ایڈیشن میں لکھا ہے۔ کہ اس کا نام بیراگی ہو گا۔ اور وہ مسلمان ہو گا والی ساری سطور ہی غائب ہے۔ یہ تو سکھ برادران وطن کی مہربانی کا تازہ نمونہ ہے۔

بھائی گرداس جی کی واروں میں تحریف

معزز ناظرین! ہم مختصر سا ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ کہ کتبہ کے پھرنے کا قصہ بعد میں جنم ساکھی میں ملایا گیا ہے۔ اس کتاب کے بعد بھائی گرداس جی نے اسی تحریف شدہ ساکھی سے ہی یہ قصہ اپنی واروں میں درج کیا ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے بعد میں آپ کی تصنیف میں شامل کر دیا ہو۔ کیونکہ سکھ صاحبان کو ان کی بانی میں تحریف کا اقرار ہے۔ چنانچہ پروفیسر تپا سنگھ صاحب ایم۔ اے۔ خالصہ کالج امرت سرانی کتاب "سری گورو گرنتھ صاحب دیچ سبدا تک نگا ماتراں دے گو بے بھید" کی بھومکا پر تحریر فرماتے ہیں:-

"پر چونکہ انہاں دی بانی (بھائی گرداس جی) ساڈے تک اس سنبھال نال نہیں پہنچی۔ جس نال سری گورو گرنتھ دی بانی پہنچی ہے۔ اس لئی اس دیچ (دلائل بدلی ہو گئی ہے صفحہ ۹)

یہاں پر پروفیسر صاحب اقرار کرتے ہیں۔ کہ بھائی گرداس جی کی بانی (کلام) میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ اور پھر داران بھائی گرداس جی جس کو بھائی سیر سنگھ بازار مائی سیواں امرت سر نے گیانی اندر سنگھ جی سے درست کر دیا کر شائع کیلئے ہے۔ اس کے اخیر میں لکھا ہے۔ "کہ ۳۹ داران بھائی گرداس جی کے جیلے جی کی میں اور چالیسویں وار اور کسی دودان کی تصنیف ہے۔ اور اکتالیسویں وار کسی اور گرداس جی کے ہے۔" ممکن ہے۔ کہ اسی طرح کتبہ کے پھرنے کا واقعہ بھی کسی نے

بعد میں ملا دیا ہو۔
 اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں۔ کہ یہ بھائی گرداس بھلے کی ہی تصنیف ہے۔
 تو لغو و لازم آتا ہے۔ دیکھو لکھا ہے:-

بابا پھر ملے گیا نیل بستر دھارے بن واری
 عصا ہتھ کتاب کچھ کوزہ بانگ مصیبتی دھاری
 بیٹھا جائے مسیت وچ جتے حاجی حج گذاری
 جاں بابا ستار ات نوں دل محرابے پائیں پساری
 جیون ماری لت دی کیڑا سٹا کفر کفاری
 لتاں دل خدائیدے کیونکر پائیا ہوو بجکاری
 ٹنگوں پکڑ گھسیٹیا پھر یا مکہ کلا دکھاری
 ہوئے حیران کرین جو داری + +

(دارپہلی پوڑی ۳۲)

ترجمہ:- پھر بابا جی مکے گئے نیلے کپڑے یعنی مسلمانوں کا لباس پہن کر اور
 ہاتھ میں عصا اور بغل میں کتاب یعنی قرآن کریم اور کوزہ لپکے مصیبت پر کھڑے
 ہو کر بانگ دے دی۔ اور اس مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ جہاں حاجی لوگ حج کرتے
 ہیں۔ جب بابا جی رات کو محراب کی طرف پاؤں کر کے سو گئے۔ تو جیون نامی ایک
 شخص نے کہا۔ تم نے خدا کے گھر کی طرف پاؤں کیوں کئے ہیں۔ الغرض اس نے
 پاؤں پکڑ کر دوسری طرف کئے تو ساتھ ہی مکہ پھر گیا۔ اور وہ حیران ہو گئے۔
 معزز ناظرین! قابل غور بات یہ ہے۔ کہ باوا صاحب کا اسلامی لباس
 پہننا مسجد میں قیام کرنا جہاں کہ حاجی لوگ حج کرتے ہیں۔ شاید اس سے
 مراد عرفات کا میدان ہو۔ جو مکہ معظمہ سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔
 کیونکہ وہیں حج کا سب سے بڑا رکن ادا کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید بغل میں رکھنا
 اور مصیبت پر کھڑے ہو کر اذان کہنا وغیرہ۔ یہ سب امور باوا صاحب کو مسلمان

ثابت کر رہے ہیں۔ یا مخالف۔ کیونکہ اگر کوئی مسلمان ہندوانہ یا سکھوں کا لباس پہن کر کیس۔ کڑا۔ کچھ۔ کرپان دھان کر کے جب جی صاحب کا پاٹھ یا ست نام سری داگورو پڑھتا ہو یا امرتسر دربار صاحب میں چلا جائے۔ اور اندرونی طور پر اسکا مقصد سکھ مذہب کا کھنڈن کرنا ہو۔ تو ایسے شخص کے متعلق بھائی سوانگ صاحب کیا فتویٰ دیں گے۔ ایک طرف یہ لکھا جائے۔ کہ آپ اسلامی لباس میں باتگ دے کر مکہ شریف میں گئے۔ دوسری طرف اس کے خلاف لکھا جائے۔ بہر حال دونوں میں سے ایک ضرور غلط ہے۔ ممکن ہے کہ جو اشعار اسلام کے خلاف ہیں وہ بعد میں ملائے گئے ہوں۔

جنم ساکھی کی مضحکہ خیز رخی غلط بیانی

جنم ساکھی میں تحریف کرنے والوں نے بابا نانک صاحب کی بڑائی کے لئے عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔ کہ بابا صاحب کی ملاقات ہنومان اور بھیم پتھی سے ہوئی۔ دیکھو جنم ساکھی بالا صفحہ ۵۵۹ حالانکہ ہنومان جی تربتے جگ میں سری رام چندر جی کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ ایسا لکھنے والے کا مدعا صرف یہ تھا۔ کہ دیکھو بابا نانک صاحب کتنے بزرگ تھے۔ کہ ان کو ہنومان نے بھی سجدہ کیا۔ پھر لکھا ہے۔ کہ بابا نانک صاحب کی بحث حضرت پیران پیر محی الدین صاحب سے ہوئی۔ دیکھو جنم ساکھی بالا صفحہ ۵۶۱۔ حالانکہ حضرت پیر صاحب بابا صاحب سے کئی سو برس پیشتر گذر چکے ہیں۔ پھر بھائی گورو داس جی نے بھی لکھا ہے۔ کہ بابا صاحب کی ملاقات حضرت پیر دستگیر سے ہوئی۔ دیکھو دار پہلی پوری ۳۵ و ۳۶۔ پھر جنم ساکھی منی سنگھ میں بھی یہی لکھا ہے۔ کہ بابا نانک صاحب کی بحث پیر محی الدین سے ہوئی۔ دیکھو صفحہ ۵۶۹۔ پھر گیانی گیان سنگھ جی مصنف تواریخ گورو فالہہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ کہ بابا صاحب کی بحث حضرت پیر عبد القادر صاحب سے ہوئی۔ دیکھو تواریخ گورو فالہہ مصنف

گیان سنگہ جس کو خالصہ ٹوکیٹ سوسائٹی نے شائع کیا ہے سنگہ پھر سردار
سندر سنگہ صاحب ایم اے پروفیسر گورو نانک کالج گوجرانوالہ نے بھی لکھا
ہے۔ کہ جب باوا صاحب بغداد پہنچے۔ تو آپ کی ملاقات پیر عبد القادر سے ہوئی
دیکھو تواریخ گورو خالصہ مصنفہ سندر سنگہ ص ۵۸۔

معزز ناظرین یہ ہے ہمارے سکھ مورخوں کی علمی قابلیت جو یک زبان ہو کر
کہتے ہیں۔ کہ باوا صاحب کی ملاقات حضرت پیران پیر دستگیر می الدین عبد القادر
رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ حالانکہ حضرت پیر صاحب باوا صاحب سے کئی سو برس
پہلے وفات پا چکے ہیں۔ اگر ایسے تعلیم یافتہ تاریخ کے ماہر یہ کہہ دیں۔ کہ باوا صاحب
کے قدموں کے پیچھے مکہ پھرا۔ تو کونسی تعجب کی بات ہے۔

بابا صاحب کی امام جعفر و امام شافعی سے ملاقات

پھر لکھا ہے۔ کہ بابا نانک کا مباحثہ امام جعفر صاحب سے ہوا۔ دیکھو تواریخ
گورو خالصہ صفحہ ۲۴۲ و تواریخ گورو خالصہ اردو ص ۶۔ حالانکہ حضرت امام
جعفر صاحب باوانانک صاحب سے کئی سو برس پہلے وفات پا چکے تھے۔ پھر
مجاہدی منی سنگہ جی نے لکھا ہے۔ کہ باوا صاحب کی ملاقات امام شافعی سے ہوئی
دیکھو جنم ساکھی منی سنگہ ص ۲۳۲۔ حالانکہ حضرت امام شافعیؒ تو باوا صاحب
سے کئی سو برس پہلے گذر چکے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ باوا صاحب کی ملاقات حضرت
امام اعظم سے ہوئی۔ دیکھو تواریخ گورو خالصہ اردو صفحہ ۶۰ و جنم ساکھی منی سنگہ
ص ۲۳۲ و تواریخ گورو خالصہ گوردکھی صفحہ ۲۴۲۔

کیا مکہ یورپ میں ہے ؟

سکھ قوم کے مایہ ناز گیانی گیان سنگہ جی مہاراج اپنی تواریخ گورو خالصہ میں
تخریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”جیسے یورپ میں حضرت مسیح حضرت موسیٰ حضرت محمد صاحب ہندستان میں رام چندر کرشن پر سرام۔ بودھ وغیرہ علی ہذا گورو نانک سے لیکر گورو گوبند سنگھ صاحب ہوئے ہیں۔“ تواریخ گورو خالصہ ص ۷۔

جوابات کی خدا کی قسم لا جواب کی۔ کیوں صاحب۔ حضرت مسیح اور حضرت موسیٰ اور حضرت نبی کریم صلیم یورپ میں پیدا ہوئے ہیں؟ جن لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں۔ کہ یورپ اور ایشیا میں کیا فرق ہے۔ اور یہ پتہ ہی نہیں۔ کہ مکہ معظمہ یورپ میں ہے۔ یا ایشیا میں۔ اگر وہ یہ مکہ پھر تا کہہ دیں۔ تو ان پر کیا افسوس ہو سکتا ہے

گواہوں میں اختلاف

آخر جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ کہیں کچھ لکھ دیا۔ کہیں کچھ۔ مثلاً جنم ساکھی بالا مطبوعہ فحشی گلاب سنگھ کے صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے۔ کہ باوا صاحب مکہ معظمہ میں پہنچ کر ایک مسجد میں لیٹ گئے۔ تب ملاں جیون صبح کی نماز پڑھنے آیا۔ تو باوا صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر خفا ہوا۔ لیکن برعکس اس کے پورا تن جنم ساکھی کے ص ۱۶۵ میں مرقوم ہے۔ جب باوا صاحب مکہ کی طرف پاؤں کر کے سو گئے۔ تو پیشی (ظہر) کی نماز پڑھنے کے لئے قاضی رکن دین آیا۔ اور باوا صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر ناراض ہوا۔ ناظرین غور فرمائیں۔ ایک مصنف تو صبح کی نماز کا وقت بتاتا ہے۔ اور دوسرا ظہر۔ پھر ایک ملاں جیون بتاتا ہے۔ لیکن دوسرا قاضی رکن دین۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ جس گواہی میں گواہوں کا اختلاف ہو۔ وہ مقدمہ خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہاں پر بھی یہی حالت ہے۔

جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے۔ کہ باوا صاحب مکہ معظمہ پہنچ کر قبیلے کی طرف پاؤں کر کے لیٹ گئے۔ تو ملاں جیون نے جب آپ کے پاؤں پھرے تو ساتھ ہی مکہ کا مکہ پھرا۔ بقول سکھوں کے کعبہ پھرا۔ لیکن برعکس اس کے جنم ساکھی بالا اردو صفحہ ۱۷۶ میں لکھا ہے۔ کہ جب قاضی رکن دین نے آپ کو

اس حالت میں دیکھا۔ تو اس نے باوا صاحب کے پاؤں کو پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔ تو پھر پاؤں اس طرف ہو گئے۔ پیارے دوستو! خدا غور کرو۔ تعصب کی پٹی اتار کر دیکھو۔ ایک تو کہہ رہا ہے کہ آپ کے پاؤں کے پیچھے پیچھے کعبہ گھوما لیکن دوسرا کہتا ہے کہ نہیں پاؤں ہی واپس اس جگہ آجاتے تھے۔ اب بھائی سیوا سنگھ صاحب بتائیے۔ کہ ان دونوں میں کون سچا ہے۔ تو صاف کہنا پڑیگا چونکہ بیانون میں اختلاف ہے۔ اس لئے دونوں ہی غلط ہیں۔ پھر گیانی دت سنگھ جی نے اپنی کتاب ”نانک پر بودھ صفحہ ۲۲۲ میں اس واقعہ کو لکھتے ہوئے کعبہ پھر گاہیں ذکر تک نہیں کیا۔ پس اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا۔ تو گیانی صاحب ضرور اسکا ذکر کرتے۔ پھر سردار دھنا سنگھ صاحب آفس قانونگو سپرور لکھتے ہیں:-
کہ جب ملاں باوا صاحب کے پاؤں کو دوسری طرف پھیرنے لگا۔ تو اسکو سوچ آئی۔ کہ ادھر بھی تو خدا ہے۔ پھر تیسری طرف پاؤں کئے۔ ادھر بھی اسکو خدا نظر آیا۔ دیکھو رسالہ امرت بابت ماہ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۶۳ کالم ۷۔

معزز ناظرین غور فرمائیے۔ ایک کہتا ہے۔ کہ باوا صاحب کے پاؤں کے پیچھے پیچھے کعبہ گھوما۔ دوسرا کہتا ہے۔ نہیں پاؤں واپس اس طرف آجاتے تھے۔ تیسرا ذکر تک ہی نہیں کرتا۔ چوتھا کہتا ہے۔ کہ پاؤں پکڑ کر گھمانے والے کو ہی ہر طرف خدا نظر آیا۔ ان اختلافوں کی موجودگی میں اس واقعہ کو اتنی اہمیت دینا کس حد تک درست ہو سکتا ہے۔

ایک انگریز کی شہادت (دلیل ۴)

مسٹر میکالین صاحب جن کی تحریروں کو سکھ مذہب میں نہایت احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:-

”دیکھا ہے کہ گورو جی دے سرمد دے نال ہی مگر مگر اس پا سے مکہ بھی پھر گیا۔ کئی اس داروہانی بھاؤ ارتھ سمجھدے ہیں۔ اتے کہندے ہیں۔ کہ

مکہ پھرنے توں مطلب ایہہ ہے۔ کہ گورو جی نے مکہ دے لوکاں نوں اپنے اپدیش
 دل پھیریا۔ دیکھا لے اتھاس پہلا حصہ صفحہ ۱۲۸
 میکا لے صاحب فرماتے ہیں۔ باوا صاحب کے جسم کے پیچھے پیچھے مکہ
 پھرتا رہا ہے۔ کئی لوگ اسکو روحانی خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ
 مکہ پھرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ مکہ معظمہ کے لوگوں کو اپنے اپدیش کی طرف
 پھیر لیا۔

دلیل ۱۵ سوال حضرت مسیح موعودؑ

”اگر کعبہ پھرنے سے ان کا مقصد کرامات دکھانا تھا۔ تو کعبہ کو اپنے
 مقام مخصوص سے دس بیس قدم ادھر ادھر کر آتے۔“

جواب بھائی سیوا سنگھ

”مرزا صاحب کی مسلمہ جنم ساکھی بتاتی ہے۔ کہ جدھر ملاں نے گورو صاحب
 کے پاؤں پھیرے۔ ادھر کعبہ پھرتا رہا۔ اگر ملاں گورو صاحب کے پاؤں
 کو دس بیس قدم ادھر ادھر کر کے رکھ دیتا۔ تو کعبہ اپنی جائے مخصوص
 سے دس بیس قدم ادھر ادھر ضرور ہو جاتا۔ مرزا صاحب کی بد قسمتی
 سے یہ غلطی اس کے دینی بھائی سے ہوئی۔ جس کا جواب بدہ سکھ نہیں۔ بلکہ
 کعبہ کے مجاور ہیں۔ دگورو نانک صاحب اور طواف کعبہ صفحہ ۱۰

ناظرین یہ جواب جو بھائی صاحب نے دیا ہے۔ کیا غلط ہے۔ سوال
 تو یہ ہے۔ کہ کعبہ شریف اسی مقام پر ہے۔ جہاں پہلے تھا۔ یعنی حضرت
 ابراہیمؑ یا حضرت نبی کریم صلیم یا صحابہ کرام رضہ تبع تابعین کے وقت
 تھا۔ اگر کرامت دکھانا باوا صاحب کا مقصود تھا۔ تو دس بیس قدم کافرق
 ڈال دیتے۔ تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے باوا صاحب کی کرامت کا نشان

ہو جاتا۔ لیکن بھائی سیوا سنگھ صاحب کہتے ہیں کہ ملاں جیون نے جس طرف پاؤں کئے۔ اسی طرف کعبہ ہو گیا۔ اگر وہ کچھ فرق پر رکھ دیتا۔ تو کعبہ وہاں ہی ٹھہر جاتا۔ گویا کعبہ اس لئے وہیں کا وہیں ہے۔ کہ ملاں نے جہاں سے قدم اٹھائے۔ وہیں واپس آکر رکھ دیئے۔ اور کعبہ ساتھ ساتھ پھر کر وہیں کا وہیں آگیا۔ جہاں سے گیا تھا۔ جناب بھائی سیوا سنگھ صاحب جنم ساکھی میں تو لکھا ہے۔ کہ پہلے کعبہ کا دروازہ پورب یعنی مشرق کی طرف تھا۔ بعد میں اتر کی طرف ہو گیا۔ اور وہیں اس (فرغی) ملاں نے قدم چھوڑ دیئے۔ چنانچہ اس طرح لکھا ہے:- ”تاں ملاں جیون بابے دیاں لتاں پکڑا کر پھیر دتیاں تاں تانے ہی سکے دامکھ پھیریا۔ تاں ملاں جیوں دیکھے تاں اگے پورب دشا منہ تھیں ہن پھر کر اتر دشا ہوئے کھلوتا ہے۔“ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۲)

گویا پہلے سکے کا منہ یعنی دروازہ پورب (مشرق) کی طرف تھا۔ جیسا کہ اب بھی ہے۔ اور بعد میں اتر یعنی شمال کی طرف ہو گیا۔ اور پھر اس کا واپس پورب کی طرف اپنے اصلی مقام پر آنے کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ ملاں جیون نے اتر میں ہی پاؤں چھوڑ دیئے تھے۔ اور کعبہ بھی وہیں ٹھہر گیا۔ واپس اپنے اصلی مقام پر نہیں آیا۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ کعبہ کا ایک سمت سے دوسری سمت کو بدلنا اور وہیں کا وہیں ٹھہر جانا جنم ساکھی میں درج ہے۔ لیکن برخلاف اس کے بیت اللہ شریف کا دروازہ پورب یعنی مشرق کی طرف جیسا کہ پہلے تھا۔ دیا ہی اب بھی ہے۔ اور جنم ساکھی تحریف کرنے والے کو کیا معلوم تھا کہ اس طرح لکھنے سے بھائی سیوا سنگھ کو ندامت اٹھانی پڑے گی۔

مکہ معظمہ مسلمانوں کا مقدس مقام ہے۔ جہاں پر ساری دنیا کے حاجی لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوتا۔ تو ضرور تھا۔ کہ کوئی مورخ اس کا ذکر کرتا۔ لیکن کسی مستند پوران تواریخ میں اس قصہ کا کوئی ذکر

نہیں پایا جاتا۔

دلیل ۶۔ جنم ساکھی بالا و جنم ساکھی بابا منی سنگھ میں لکھا ہے۔ کہ مکہ معظمہ میں بغیر مسلمان ہونے کے اور کلمہ پڑھنے کے کوئی نہیں جاسکتا۔ اور ہندو کا جانا بالکل ناممکن ہے۔ دیکھو جنم ساکھی بالا ص ۱۲۱ میں سنگھ ص ۱۰۷، ۱۰۸ و جنم ساکھی بالا اردو ص ۱۰۱۔ ناظرین غور فرمائیں۔ اگر باوا صاحب مسلمان نہ ہوتے۔ تو مکہ شریف میں کس طرح جاسکتے تھے بقول جنم ساکھیوں کے دہاں پر کوئی غیر مسلم نہیں جاسکتا۔ پس صاف ظاہر ہے۔ کہ بابا گورو نانک صاحب بحکم خداوندی بہ نیت حج مکہ معظمہ میں تشریف لے گئے۔
دلیل ۷۔ جنم ساکھی بالائیں مرقوم ہے۔ کہ مکہ معظمہ میں جو کوئی اندر جاتا ہے۔ اندھا ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:- ”پھر مردانے نے کہا۔ کہ میں جب مکہ میں گیا۔ تو اندھا نہ ہوا۔ یہ کیا اسرار تھا۔ تب باوا صاحب نے جواب دیا۔ مکہ میں وہی اندھے ہوتے ہیں۔ جو دین رسولی کے انکار میں ہوں۔“ (جنم ساکھی بالا اردو ص ۱۰۷، ۱۰۸)

جنم ساکھیوں سے ثابت ہے۔ کہ باوا صاحب اور مردانہ دونوں مکہ معظمہ میں گئے۔ تب ہی تو بقول بھائی سیوا سنگھ صاحب آپ نے کعبہ پھرایا۔ جنم ساکھی کے بیان کے مطابق جو مکہ کے اندر جائے۔ وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ لیکن باوا صاحب اور مردانہ اندھے نہیں ہوئے۔ کیونکہ بقول جنم ساکھی وہی اندھا ہوتا ہے۔ جو دین رسولی کا منکر ہو۔ پس نتیجہ صاف ہے۔ کہ باوا صاحب کا اندھا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ آپ دین رسولی کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ پیروکار اور سچے مسلمان تھے۔

بابی یا بہائی مذہب

یہ فتنہ اگرچہ پرانا ہے۔ مگر چونکہ کبھی مقابل میں نہیں آیا۔ اس لئے دوبارہ۔ اور اسکی تردید و تنقید کی طرف چنداں ضرورت پیش نہ آئی۔ مگر چند سالوں سے دو تین شخصوں کے بابی ہو جانے کے باعث اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ اور چونکہ بامیوں کا وتیرہ ہے۔ کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ بظاہر بھیڑ اور صلح کل بنتے ہیں۔ لیکن باطن میں بھیڑیے۔ اور نسل انسانی اور حق کے دشمن قاتل ہیں۔ اور بالخصوص اسلام اور نبی اسلام کے دشمن ہیں۔ اور بظاہر اپنے تئیں مسلمان بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کے کذب اور ملمع سازی کی پردہ دری کرنے کے لئے ان کی کتب سے ان کے مذہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آویں۔

ان میں ایک بڑا مرض یہ بھی ہے۔ کہ اپنی کتب کی اشاعت عام نہیں کرتے جس طرح قرآن کریم بوجہ ایک کامل اور سچی شریعت ہونے کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اور صد ہا زبانوں میں اشاعت پاتا ہے۔ اور کوئی مسلمان بھی قرآن کریم کو پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ اسی طرح بابی اپنی کتابوں کو شائع نہیں کرتے بلکہ ڈرتے ہیں۔ تاہم بڑی دقت اور مشکلات سے کرمفرما مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان کی کتب کو دستیاب کر کے یہ ذخیرہ بہم پہنچایا ہے۔ جس میں سے کچھ درج کرتا ہوں۔ خاکہ رملتانی

بہاء اللہ کا دعویٰ خدائی

بابی یا بہائی عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ کہ وہ مسلمان ہیں۔ حالانکہ بہاء اللہ

کی اصل کتابوں کی رو سے وہ اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم اولاً بہاء اللہ کا دعویٰ خدائی کے ۱۶ حوالجات پیش کرتے ہیں۔ دعویٰ خدائی اور اسلام ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

(۱) کتاب اقدس مطبوعہ مطبع ناصری بمبئی کے صفحہ ۱۶۲ پر جناب بہاء اللہ اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے لکھتے ہیں :-

یا اکبر یذکرک مالک القدر فی حین احاطۃ الاحزان من الذین کفی و ابالرحمن۔ کہ اے اکبر! تجھ کو قضا و قدر کا مالک ایسے وقت میں یاد کرتا ہے۔ جبکہ اسکو غموں نے گھیرا ہوا ہے۔

اس عبارت میں قضا و قدر کے مالک سے مراد بہاء اللہ خود ہے۔ اگر دعویٰ خدائی نہ ہوتا۔ تو اپنے تئیں قضا و قدر کا مالک نہ کہتے۔ (۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۲۵۔

الذی ینطق فی السجین الاعظم انه الخالق الاشیاء و موجد حمل البلیا لا حیاء العالم و انه لہو الاسم الاعظم الذی کان مکتوباً فی ازل الازال۔ کہ وہ شخص جو عکہ کے بڑے قید خانہ میں بولتا ہے۔ وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی ان کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔ اس نے مصیبتوں کو دنیا کے زندہ کرنے کے لئے اپنے اوپر اٹھایا ہے۔ اور وہ اسم اعظم ہے۔ جو ہمیشہ سے مخفی تھا۔

یہ بہاء اللہ خود عکہ کے قید خانہ میں سے اپنے متعلق لکھ رہا ہے۔ جلی الفاظ قابل غور ہیں۔

(۳) وَالْمِکْتَبُ یَقُولُ قَدْ جَاءَ مِنْزِلِی (کتاب اقدس صفحہ ۲۴۰)

کہ کتاب بیان پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ میرا اتارنے والا آگیا ہے۔

یہ کتاب بیان خدا کی طرف سے اتاری ہوئی بتلائی جاتی ہے۔ بہاء اللہ کہتا ہے۔ کہ اس کے اتارنے والا میں آگیا ہوں۔

(۴) یا عیسیٰ افرح بما یذکرک مالک العرش والثری (کتاب اقدس ص ۸)
یہ بہار اللہ کے ایک خط بنام مرید کا فقرہ ہے۔ اس میں عرش و فرش کا مالک بہار اللہ
اپنے تئیں قرار دیتا ہے۔

(۵) کتاب اقدس ص ۶۹ پر بہار اللہ نے محیط کل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جو خدا
کی صفت ہے۔

(۶) کتاب اقدس صفحہ ۵۸ پر مہمیں۔ قیوم۔ رسولوں کو بھیجنے والا اور معبود ہونے
کا دعویٰ کیا ہے۔

(۷) کتاب اقدس ص ۱۸ پر عالم کل یعنی محیط کل علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۸) کتاب اقدس باب شریعت میں عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح انسانی سبیل میں
خدا تھے۔ کیونکہ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ انسانوں کی ہر حال میں مدد کرنے پر قادر ہوں۔
اور یہ صرف خدا کا کام ہے۔

(۹) کتاب اقدس باب شریعت میں تمام بادشاہوں کو پیدا کنندہ قرار دیا ہے۔ اور
یہ صفات خدائی ہیں۔

(۱۰) کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ پر ہے۔ ینکرون نقطة البیان ویفتون علی
رسلہ ویقتلون الایات وینکرون منزلہا۔ اس میں بہار اللہ باقی گروہ
کے اس حصہ کو جو بہار اللہ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتا۔ مخاطب کر کے اپنی حیثیت یہ
قرار دیتے ہیں۔ کہ باب کو بھیجنے والے اور اس پر کتاب بیان اتارنے والے خود بہار اللہ
ہیں۔ اور کتاب اور رسول کا اتارنا خدا کا کام ہے۔

(۱۱) کتاب مبین (سورۃ میکہ) میں بہار اللہ اپنے منکروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے
ہیں۔ ایاکم ان تفعلوا بی ما فعلتم بمبشری اذا نزلت الیکم آیات اللہ
من شطر فضلی لا تقولوا انہا ما نزلت علی الفطی ان الفطی قد
خلقت بقولی۔ اس میں بہار اللہ نے اپنے تئیں خالق فطرت بیان کیا ہے۔ اور
یہ صفت خدائی ہے۔

(۱۲) کتاب مبین صفحہ ۲۹ میں بہار اللہ لکھتے ہیں :- حملنا الشدا من کل
دنی بعد اذ کان فی قبضتنا ملکوت السموات والارض منین کہ ہم نے
ہر ایک ذلیل سے ذلیل آدمی سے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ باوجودیکہ تمام آسمانوں اور
زمینوں کی بادشاہت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

(۱۳) کتاب مبین صفحہ ۲۳۳ (الاقدرس الا عظم) بہار اللہ لکھتے ہیں :- کہ :-
”یہ کتاب اتاری گئی ہے۔ عزیز حکیم کی طرف سے جو کہتا ہے کہ میں عکہ کے قید
میں قید ہوں۔“

(۱۴) اقتدار صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں :- ”قلم اعلیٰ نے اسی طرح پر نطق فرمایا۔ جبکہ
مخلوق کا قدیمی مالک ظالموں کی شرارت سے قید خانہ میں پڑا تھا۔“
اسی بہار اللہ مالک قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۱۵) اقتدار صفحہ ۱۱۴ میں لکھتے ہیں :- کہ

”بہار اللہ کو دیکھنے والا شخص ظاہر میں اسکو انسانی شکل میں دیکھتا ہے لیکن
جب کوئی شخص اس کے باطن پر غور کریگا۔ تو آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق
کا اسکو محافظ پاتا ہے۔“

(۱۶) اقتدار صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں :- کہ

”اے مخاطب دیکھ! خدا کا فضل اس حد تک پہنچا ہے۔ کہ تو اپنے گھر میں آزاد
ہے۔ اور خدا تعالیٰ جو یہ مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ قید خانہ میں تجھ کو
بناد کرتا ہے۔“

مشتے از خردارے حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے۔ کہ جس طرح عیسائی مسیح
کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ وہ کامل انسان بھی تھے۔ اور کامل خدا بھی تھے۔ جو دنیا
کو نجات دینے کے لئے انسانی شکل میں ظاہر ہوئے تھے۔ اسی طرح بہار اللہ
اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔

اس عبارت سے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کہ بہار اللہ کی کتابوں میں ایسی عبارتیں

بھی موجود ہیں۔ جن میں وہ اپنے تئیں انسان بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے جیسا کہ بہار اللہ سے پہلے کسی گزر چکے ہیں۔ اس رنگ میں دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ اس میں کچھ نہ کچھ معقولیت کا رنگ بھی لوگوں کو نظر آئے۔ کیونکہ ان کی ظاہری حالت کھانے پینے پگھلنے موتنے اور بشری لوازمات ایسے مانے ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے خصوصاً اس زمانہ میں کوئی بھی خالص خدا نہیں منوا سکتا۔ جیسا کہ عیسائی اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انسانی ہیکل اور خدائی صفات ملا جلا کر ایسا گورکھ دھند پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ زیادہ تر بہائی امریکہ اور یورپ کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی دو عمل کے رنگ سے بہار اللہ نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اپنی کتاب میں صفحہ ۵۳ پر لکھتا ہے۔

لقد ظهرت الكلمة التي سترها الابن انها قد نزلت على هیکل الانسان في هذا الزمان تبارك الرب الذي هو الرب قد اتى لمجدته الاله بن الامر کہ وہ کلمہ جسے بیٹے نے پردہ میں رکھا تھا۔ وہ ظاہر ہو گیا ہے۔ اور وہ اس زمانہ میں ہیکل انسانی پر اترا ہے۔ مبارک ہے وہ رب جو اپنی عظمت کے ساتھ امتوں کے درمیان آیا ہے۔

اس حوالہ میں بہار اللہ نے وہی باپ۔ بیٹے۔ روح القدس کا گورکھ دھند پیش کر کے خدا اور انسان ہر دو حالتیں پیش کر کے دھوکہ دیا ہے۔ پس جہاں باقی لوگ بہار اللہ کی انسانیت والی عبارتیں پیش کریں۔ وہاں ان کو یہ حوالہ پیش کر کے ملزم کرنا چاہیے۔ اور یہ سب کچھ عیسائیوں کی کاسہ لیبی ہے۔ یا عیسائیوں کو پھنسانے کی ترکیب ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کا لچر عقیدہ رکھنے کے عادی ہیں۔

۱۶۷/۱۵۹ میں بہار اللہ ملا را علی کو حکم کرتا ہے۔ "ان دنوں تمام مخلوقات کے رب بہار اللہ کی زیارت کر لو۔ اور اسکا طواف کرو۔"

۱۷۱/۱۵۹ میں اوج مبارکہ صفحہ ۱۴ میں ایران کے بادشاہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بہار اللہ لکھتے ہیں۔

”حال آنکہ شانِ حق نیست کہ بہ نزو اعدے حاضر شود جمیع از بروئے اطاعت
ادخل شدہ اند و لیکن نظر ہاں اطفال صغیرہ جمع از نسا کہ ہمہ از یار و دیار دور
ماندہ اند ایں آرزو قبول نمودیم۔“
یعنی خدا کی شان نہیں کہ کسی کے پاس جائے۔ مگر در افتادہ بچوں اور عورتوں
کی خاطر میں نے ایسا کرنا پسند کیا ہے۔
(۱۹) اقتدار صفحہ ۱۳۰ پر لکھتے ہیں:-

و نفسی عندی علم ما کان وما یکون کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ
مجھے گزشتہ اور آئندہ سب کا علم ہے۔
اس میں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ ہے۔
(۲۰) الروح مبارکہ ص ۵۱ میں اپنے مریدوں کو کہتے ہیں:-

”ترجمہ یہ ہے“ اے اللہ کے دوستو! تم فرشتہ پر آرام نہ کرو۔ جب تم
نے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان لیا۔ اور جو معائب اس پر وارد ہیں۔ ان کو سن
لیا۔ تو اسکی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

بہاء اللہ کے نزدیک آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء کا درجہ

بانی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ اور آنحضرت علی اللہ
علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ یا آپ کو افضل الانبیاء مانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان
میں بھی شیعوں کی طرح تقیہ جائز ہے۔ اس لئے اس دھوکا دہی کو بھی وہ مذہباً
جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بالکل جھوٹ ہے۔ اس کے لئے ذیل کے حوالہ جات
ملاحظہ ہوں۔

(۱) کتاب ایتقان صفحہ ۲۰۵ میں بہاء اللہ علی محمد باب کے متعلق لکھتا ہے:-
”و قدر ورتبہ آنحضرت باب را ملاحظہ فرما۔ کہ قدرش اعظم از کل انبیاء و
امرش اعلیٰ و ارفع از عرفان و ادراک کل اولیاء است“

اس میں باب کو بہاء اللہ نے اپنے متعلق صرف بشارت دینے والا ظاہر کیا ہے
تو جب خود دعویٰ خدائی کیا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اپنے تئیں اولیاء سے کس قدر
بزرگ تر سمجھتا ہوگا۔ چنانچہ ذیل کے حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

۱۔ بہاء اللہ اپنی کتاب (لوح رئیس) میں صفحہ ۱۳۵ کی ایک طویل عبارت میں
لکھتا ہے۔ کہ آنحضرت کا قول ماعنا فناک الحق مع رفعتک کہ اے
خدا جیسا حق تھا۔ ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ اگر وہ تیرے زمانے میں ہوتے۔
تو فوراً بول اٹھتے۔ کہ اے رسولوں کے مقصود! ہم نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور
حضرت ابراہیم کا یہ قول کہ رَبِّ ارْنِیْ کَیْفَ تَخْرِجُ الْمَوْتِیْ کہ اے رب
دکھا۔ کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ تو جواب ملا۔ اَوَلَمْ تَوْمِنْ؟
کیا تو اس بات پر ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا۔ وَلَکِنْ لَّیَطْمِئِنَّ قُلُوبِیْ۔ اطمینان
قلب کے لئے۔ اگر ابراہیم میرے زمانے میں ہوتے۔ تو اقرار کرتے۔ کہ میرا
دل مطمئن ہو گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا۔ کہ رب ارْنِیْ۔ وہ
بھی میرے زمانے میں ہوتے۔ تو ان کی مراد پوری ہوتی۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ بہاء اللہ تمام نبیوں کے متعلق اپنا زمانہ مبارک
قرار دیتا ہے۔

(۲) مبین صفحہ ۹ لوح ملک روس میں بہاء اللہ لکھتے ہیں۔ قد ارتفعت
ایادی الوسل للقاء۔ کہ تمام رسولوں کے ہاتھ میری زیارت کے لئے اٹھتے
ہیں۔

(۳) مبین صفحہ ۷ ما نزلت الکتاب الا لذكری۔ کہ رسولوں پر جو تمام
کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کے نازل کرنے سے صرف میری ذات کا ذکر کرنا
مقصود تھا۔

(۴) مبین صفحہ ۲۸ :- ظہر نشان ما ظہر فی الا بلاء شبہہ کما رأیت
وسمعتہم کہ بہاء اللہ اس شان سے ظاہر ہوا ہے۔ کہ وہ بے نظیر ہے۔

جیسا کہ خود تم نے اسکو دیکھا۔ اور سننا ہے۔“

(۵) مبین سورۃ ہیکل :- تعترضون علی الذی شعرة منه خیر عند
ممن فی السموات والارض کہ تم اس پر اعتراض کرتے ہو۔ کہ جسکا ایک
بال خدا کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات سے بہتر ہے۔
آسمان زمین کی مخلوقات میں ملائکہ رسل سے افضل ہونے کا دعویٰ۔

(۶) مبین صفحہ ۶۱ لہوچ رئیس :- ”مالکم اعرضتم من الذی خلقکم فی
بامرہ۔“ اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا۔ جو تم اس ذات رہا واللہ سہو گردا
کرتے ہو جس کے حکم ماننے کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔“

(۷) مبین صفحہ ۲۱۔ عمرات السموات والارض باسمہ کہ
آسمانوں اور زمینوں کی آبادی اسی بہا واللہ کے نام سے ہے۔“

(۸) کتاب اقدس صفحہ ۷۵۔ انا خلقنا الخلق لهذا الیوم کہ ہم نے
تمام مخلوقات کو بہا واللہ کے ظہور فرمانے کے دن کے لئے پیدا کیا ہے۔“

(۹) مبین صفحہ ۲۱۵۔ ”لو لا ما نزل الوحي فی ازل الا ذال کہ اگر
یہ بہا واللہ نہ ہوتا۔ تو ازل سے ابد تک کسی پر بھی وحی کا نزول نہ ہوتا

(۱۰) بہا واللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفحہ ۱۱۵ باب کی نسبت لکھتا ہے کہ۔
”انہ سلطان الرسل“ باب تمام رسولوں کا بادشاہ ہے۔ یہ دوسری

طرف باب کی عبارت الواح مبارکہ صفحہ ۱۹۰ میں بہا واللہ نے نقل کی ہے کہ
”محمد رسول را مبعوث مے فرمودیم“

کہ آنحضرت کو میں نے مبعوث کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ باب رسولوں
کا بادشاہ اور آنحضرت کو بنی بنا کر بھیجنے والا مانا جاتا ہے۔ تو بہا واللہ

جو اپنی کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵۔ صفحہ ۱۹۵ میں لکھتا ہے کہ باب کو بھیجنے والا
میں ہوں۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت اور دوسرے انبیاء کا کیا درجہ

ہو سکتا ہے۔

شریعت بابیہ شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دیا

اہل بہار کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جو وعدہ قیامت کا دیا گیا ہے۔ وہ وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک قیامت صغریٰ سے مراد علی محمد باب کا زمانہ ہے۔ جو ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا۔ اور قیامت کبریٰ سے مراد بہار اللہ درمزا حسین علی (ایرانی) کا زمانہ ہے۔ جو ۱۳۰۹ھ میں فوت ہوا۔ چنانچہ بہائیوں کی مسلمہ کتاب بحر العرفان کے صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے:-
 ”قیامت صغریٰ ظہور حضرت اعلیٰ روح ماسوا فداہ بودہ کہ درس ستین ظاہر شدہ و قیامت کبریٰ اس ایام است کہ درس قیامت جمال قدم جل ذکرہ الاعظم ظاہر گردیدہ۔“

اسی طرح کتاب نقطۃ الکاف صفحہ ۳۹ میں جو بابیوں اور بہائیوں کی معتبر کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ ”مراد از قیامت قیام و ظہور اوست“

کہ قیامت سے علی محمد باب کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ ثواب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی مقرر کردہ قیامت باب اور بہار اللہ کی آمد پر آگئی۔ ثواب جہاں کہیں بھی قیامت کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس سے باب اور بہار اللہ مراد ہے۔ اس سے آگے نیا دور ہو گا اب وہ حوالے پیش کئے جاتے ہیں کہ جن سے باب اور بہار اللہ کے آنے سے شریعت محمدیہ منسوخ ہو گئی۔

(۱) بحر العرفان صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ :-

”حلال محمد حلال الی یوم القیمة و حرام محمد حرام الی یوم القیمة“ یعنی آنحضرت کے حرام طلال کئے ہوئے قیامت یعنی آمد باب اور بہار اللہ تک حرام و طلال تھے۔ اب نیا دور ہے۔

(۲) بحر العرفان صفحہ ۱۱۷ ”میکوئند قائم کہ ظاہرے شود بشریعت مقدسہ نبوی رفتار سے فرمایند و احکام را تغیر و تبدل کے وہد و برہم نے زند پس ظاہرے شود از برائے“

چہ و شغلش چیست

یعنی شیعہ جو کہتے ہیں کہ جب قائم آل محمد ظاہر ہوگا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقلد شرعیات کا پیرو ہوگا۔ اور احکام شرعیات میں کوئی تبدیلی نہیں کریگا۔ تو ہم اہل بہا کہتے ہیں کہ اگر قائم نے اگر شرعیات میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی۔ تو اس کا آنا کس لئے اور اس کے آنے سے کیا مطلب؟

مدعا یہ کہ قائم آل محمد (علی محمد باب) کے آنے کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ شرعیات اسلامی کو منسوخ کر کے ایک نئی شرعیات کو قائم کرے۔

(۳) بحر العرفان صفحہ ۱۱۸۔ ”البتہ شکے نیست کہ بہ دین و آئین جدید ظاہرے شوو“ کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ قائم آل محمد نیا دین اور نیا طریقہ لیکر آئیگا۔

(۴) بحر العرفان صفحہ ۱۲۶ ”اینکہ جمع ادیان را یکے سے فرمائیڈ۔ یعنی نسخ سے فرمائیڈ شرعیات قبل را“ یعنی وہ قائم آل محمد تمام دینوں کو ایک یعنی پہلی شرعیات (شرعیات محمدیہ) کو منسوخ کر دیگا۔

(۵) بحر العرفان صفحہ ۱۴۱ میں لکھا ہے کہ: ”ناز کا حکم جو قرآن میں ہے۔ وہ ۱۲۶۱ھ تک ہے۔ اس کے بعد اسلامی ناز کا حکم منسوخ ہوگا۔ اور اسوقت نئی شرعیات اور نئے احکام جاری ہوں گے۔“

(۶) اسی طرح بحر العرفان صفحہ ۱۳۵ و کتاب الغرائد صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۳۰۲ و نقطۃ الکاف^{۱۵} سے ظاہر ہے کہ شرعیات اسلامی منسوخ اور نئی شرعیات بابیہ قابل عمل ہے۔

شرعیات بابیہ بہائیہ کی اتباع کرنے کی تاکید

(۱) بہار اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفحہ ۱۹۵ میں لکھتے ہیں: ”یا قوم فاتبعوا

حدود اللہ التي فرضت فی البیان من لدن عزیز حکیم قل اللہ

بسلطان الرسل و کتابہ لام الکتاب“ اس حوالہ میں کتاب البیان کو تمام کتابوں

کی ملل اور اسکی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

(۲) کتاب ایتقان معصر صفحہ ۱۶۶ پر بہاؤ اللہ لکھتے ہیں: ”در عہد موسیٰ توریت بود در زمن عیسیٰ انجیل و در عہد محمد رسول اللہ فرقان و دریں عصر بیان صاف نسخ قرآن موجودی“
 (۳) کتاب اقدس صفحہ ۱۶۱ میں لکھتے ہیں: ”دکن“ اخذ کتابی الذی اذا نزل خضعت له کتب العالم۔ اے میرے متبع! میری کتاب کو پکڑ دے۔ جس کے اترنے پر دنیا کی تمام کتابیں اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔ یعنی اللہ کی تمام کتابیں اس کے آنے سے منسوخ ہو گئی ہیں۔

(۴) اسی طرح کتاب مبین صفحہ ۳۷ و کتاب اقتدار صفحہ ۴۳ و مکاتیب کی تیسری جلد صفحہ ۵۰۰ سے نسخ شریعت محمدیہ ثابت ہے۔

شریعت بابیہ و بہائیہ کے منکر و پر فتویٰ کفر

بابی علیہ السلام کل کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔ مگر ذیل کے فتوؤں سے ان کی حقیقت ظاہر ہے
 (۱) علی محمد باب نے روح المعانی میں مفتی بغداد شہاب الدین السید محمود السوسی کے نام خط میں لکھا کہ جب تک تم البیان کی شریعت کے احاطہ میں داخل نہ ہو جاؤ۔ تمہارے اعمال کچھ بھی قبول نہ کرے گا۔ خواہ تم ہر ایک چیز قربان کر دو۔ اور سب کچھ خرچ کر دو۔ تو خدا سرگرم سے راضی نہ ہوگا۔ سوائے اس تعلیم کے ذریعہ جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ جو لوگ میرے اس دین میں داخل نہ ہوں گے۔ ان کی وہی حالت ہی جیسی ان کی جو اسلام کے زمانہ میں اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ (یعنی کفار)
 آج مسلمانوں کو ان کا دین اور اعمال اسی طرح نفع نہ دیں گے۔ جس طرح محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونے کے بعد یہود و نصاریٰ کو ان کا دین کوئی نفع نہیں دے سکتا۔
 (۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۴۸ میں بہاؤ اللہ لکھتے ہیں: ”انہ یاخذ من کفر بہ و یحذب الذین انکروا و ساظہر“ کہ خدا ہر اس شخص سے مواخذہ کریگا۔ جس نے اس بات کو نہ مانا۔ اور ان کو عذاب دے گا۔ جنہوں نے ان باتوں کا انکار کیا۔
 اسی طرح کتاب المبین صفحہ ۱۸۱ پر منکرین بہائیت کو گمراہ اور صفحہ ۲۸۳ پر مکذبین

یابیت کو خاسرین اور الواح مبارکہ صفحہ ۷۸ میں مکذبین کو دوزخی کہا ہے۔

چند احکام شریعت بابیہ

(۱) کتاب البیان باب دہم واحد اور چہام کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ باب کی کتاب البیان کے سوا کوئی دوسری کتاب پڑھے یا پڑھائے۔ اور یہ کہ جس قدر علوم مستداولہ میں۔ ان کو حاصل کرے یا آگے ان کی تعلیم دے۔

(۲) ایضاً۔ سوائے ان کتب کے جو بابیہ مذہب کی تائید میں ہیں۔ باقی سب کتب کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جاوے۔

(۳) جو لوگ علی محمد باب پر ایمان نہیں لاتے۔ وہ پلید اور واجب القتل ہیں۔ نقطۃ الکاف مقدمہ ص ۱۱ میں لکھا ہے۔

”ایشان کسانے را کہ مومن بیاب نبودند نجس و واجب القتل سے دانستند۔“
اسی کی تائید میں بہار الشد کے بیٹے اور جانشین عبدالبہا اپنی کتاب مکاتیب جلد صفحہ ۶۶۶ میں لکھتے ہیں۔

”در یوم ظہور حضرت اعلیٰ منطوق بیان منرب اعناق و حرق کتب و ادراق زبد بقرع و قتل عام الامن آمن و صدق بود۔“ کہ حضرت باب کا یہی حکم ہے۔ کہ جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ان کی گردنیں اڑادی جائیں۔ ان کا قتل عام کیا جاوے۔ علوم فنون اور مذاہب عالم کی سب کتابیں جلادی جائیں۔ اور ان کا ہر ایک ورق نذر آتش کیا جائے۔ اور تمام مقامات مقدسہ اور قبور انبیاء وغیرہ سب گرا دیئے جائیں۔ تاکہ باقی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب دنیا میں نہ رہے۔

(۴) کتاب فروع میں علی محمد باب نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ ”اسے اصحاب ہرچہ را در بازار گرفتید۔ بیاورید من نظر نمایم تا حلال شود۔“ یعنی ہر ایک حرام چیز باب کے نظر کرنے سے حلال ہو جاتی تھی۔

اس حکم کی تفصیل نقطۃ الکاف صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۵۱ میں ملتی ہے۔ کہ مریدین غیر

اجازت دکانوں سے چیزیں اٹھا لیتے تھے۔ اور علی محمد باب کے سامنے لا کر
اسکی نظر سے گزار کر حلال کرا لیتے۔

(۵) دلائل العرفان صفحہ ۲۴۷ مصنفہ مرزا حیدر علی بابی میں لکھا ہے :-

”الباب التاسع من الواحد التاسع في حرمة الصلوة الجماعة
الاصلوة الميتة . برخلاف شریعت اسلام کے نماز باجماعت سوائے
نماز جنازہ کے حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

(۶) نقطۃ الکاف صفحہ ۲۳۰ میں مرزا جانی بابی لکھتے ہیں کہ میں نماز جمعہ پڑھا
کرتا تھا۔ مگر جب علی محمد باب نے دعویٰ کیا۔ اور اپنی کتاب فروع میں نماز جمعہ کو
حرام ٹھہرایا۔ تو میں نے نماز جمعہ چھوڑ دی۔

(۷) کتاب اقدس میں لکھا ہے۔ کہ باب نے لڑکوں کے معاملہ نکاح میں
کسی ولی یا کسی وکیل یا گواہ کی ضرورت نہیں رکھی۔ بلکہ لڑکے کی باہمی رضامندی
کافی رکھی ہے۔ لیکن بہاء اللہ ان کی رضامندی کے ساتھ والدین کی رضامندی بھی
ضرور قرار دیتا ہے۔ ان ہر دو متضاد حکموں سے ظاہر ہے کہ باب اور بہاء اللہ
دونوں کے حکموں کا منبع ایک نہیں ہے۔ اور دونوں حکم خود ساختہ ہیں۔ ان مشتے
از خوارے احکام سے شریعت بابیہ کے معقول و غیر معقول ہونے کا بخوبی
پتہ لگ جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان سے نسخ شریعت محمدیہ بھی ثابت ہر
مزید چند حوالے بھی ذیل میں دیئے جاتے ہیں :-

بہاء اللہ کی تعلیم خلاف اسلام

اسلام کی تعلیم ہے۔ کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔ مگر اسکی
مقابل بہاء اللہ کی تعلیم ملاحظہ ہو۔

۱) اطرائات اطراز ششم صفحہ ۱۳ مطبوعہ آگرہ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں :-

”اننی انا الله لا اله الا انا المهيمن القيوم“ پھر (۲) تجلیات (تجلی چہارم)

صفوہ میں لکھتے ہیں :- انا اللہ لا الہ الا انارب کل شیء وان
 مادونی خلقی ان یا خلقی ایا ی فاعبدون - کہ میں خدا ہوں - میرے سوا
 تمام مخلوق ہے - اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو -
 (۱) کتاب میں بہار اللہ لکھا ہے :-

” لا الہ الا انا المسجون الفسید ” کہ کوئی خدا نہیں - مگر میں اکیلے بہار اللہ
 جو قید ہوں -

بہار اللہ کے مرید بہار اللہ کے روضہ کی پرستش کرتے ہیں - دیوان نوش ص ۶
 بہار اللہ کے روضہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے -

جز خاک آستان تو معبود خلق نیست

اے سجدہ گاہ جان درواں روضہ بہا

گردید انبیاء ہمہ ساجد بر این تراب اے قبلہ گہ کر تو بیاں روضہ بہا

اے مقصد و مقصود زمان روضہ بہا اے معبود و معبود جہاں روضہ بہا

اے معنی اسرار نہاں روضہ بہا اے سجدہ گاہ عالمیاں روضہ بہا

(۲) شریعت اسلامیہ میں جن عورتوں سے نکاح حرام ہے - ان کی تفصیل دی
 گئی ہے - مگر برخلاف اس کے شریعت بہائیہ کتاب الاقدس میں صرف ماں سے
 نکاح حرام کیا گیا ہے - باقیوں کا ذکر نہیں -

(۳) اسلامی شریعت میں چار تک نکاح کو جائز رکھا ہے - مگر برعکس اس کے

شریعت بہائیہ میں دو سے زیادہ عورتیں ناجائز ہیں - دیکھو کتاب الاقدس -

(۴) شریعت اسلامی میں مہر حسب توفیق و حیثیت جس قدر چاہی مقرر کیا جاسکتا

ہے - مگر شریعت بہائیہ کتاب اقدس میں مہر کی مقدار شہروں میں ۱۹ مثقال سونا

اور دیہات میں ۱۹ مثقال چاندی - اور زیادہ سے زیادہ ۹۵ مثقال سونا اور

۹۵ مثقال چاندی علی الترتیب ہو سکتا ہے - اس سے زیادہ مہر باندھنا حرام ہے

(۵) اسلامی شریعت میں تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا - مگر شریعت بہائیہ

کتاب اقدس میں تین طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔

(۶) اسلامی شریعت میں سود حرام اور خدا سے جنگ کرنے کے برابر ہے۔ مگر شریعت بہائیہ میں جائز ہے۔ دیکھو اشراقات (اشراق نہم صفحہ ۷)

(۷) اسلامی شریعت میں سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کا استعمال (مردوں کے لئے) ناجائز ہے۔ مگر شریعت بہائیہ میں جائز کیا گیا ہے۔

(۸) ڈاڑھی کی بابت تو بہار اللہ نے کوئی پابندی نہیں کی۔ مگر سر کا منڈوانا جو شریعت اسلامیہ میں جائز تھا۔ اسکو بہار اللہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ دیکھو کتاب اقدس:

”لَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ قَدْ زَيَّنَّهَا اللَّهُ بِالشَّعْرِ“۔ اے اہل بیا۔ اپنے سروں کو ہر گونہ منڈوانا۔ کھیا لوں سے ان کی زینت ہے۔

(۹) شریعت اسلامیہ میں کھلے طور پر گانے بجانے کی ممانعت ہے۔ مگر برخلاف

اس کے کتاب اقدس میں لکھا ہے۔ انا حملناکم اصغاء الاصوات والنفما کہ ہم نے تمہارے لئے گانا بجانا جائز کر دیا ہے۔

(۱۰) شریعت بہائیہ میں مسافر خاوند کی بیوی زواہ کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں۔

بہائیت

(از کرم جناب میر محمد اسحاق صاحب فاضل پروفیسر جامعہ احمدیہ)

اصول ۱: ہر سچا مذہب اپنے سے پہلے سچے مذہب کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مذہب اپنے سے پہلے سچے مذہب کی تصدیق نہ کرے۔ تو وہ مذہب خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

اس اصول کے ماتحت بہائیت کی بنیاد اسلام ہے۔ چنانچہ بہائی اس اصول اور اس بنیاد کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام کے مسدق ہیں۔ مگر اسلام ایک لفظ کا نام نہیں۔ بلکہ مجموعہ معانی کا نام ہے۔ جن معانی میں سے ایک معانی البوکر

دعمر رضا کا وجود اور ان کی خلافت ہے۔ پس آئندہ سچے مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اسکی بنیادیں اہلسنت مذہب پر قائم ہوں۔ لیکن بہائیت کی بنیادیں تشیع پر قائم ہیں۔ نہ اہلسنت پر۔ علی محمد باب نے اپنی کتابوں میں حضرت ابو بکر رضا و عمر رضا کے متعلق خطب جہنم وغیرہ الفاظ لکھے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید کو مانتے ہوئے ہم بہائیت کی تصدیق نہیں کر سکتے۔

اصول ۱۔ ہر نبی جس طرح اپنے سے پہلے نبیوں کا مصدق ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے مابعد آئینوالوں کا مبشر۔ محمد رسول اللہ جن کا وجود بہائیوں کو مسلم ہے۔ مگر اپنے بعد آپ کسی شریعت کے مبشر نہ تھے۔ بلکہ منکر تھے۔ اس لئے ہم آپ کے بعد کسی شریعت کے مصدق نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ آپ کے بعد بہائیوں کے نزدیک دو شریعتیں آچکی ہیں۔ اور یہ امر آنحضرت کی تبشیر کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم ان کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

اصول ۲۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اَفْکَلَمَآ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰی اَنْفُسُکُمْ اَسْتَكْبَرْتُمْ فَفِیْ قُلُوْبِکُمْ وَفِیْ قُلُوْبِیْ تَقْتُلُوْنَ۔ یعنی نبی ہمیشہ ایسی تعلیم لے کر آتے ہیں۔ جو نفس امارہ اور آزادی کے بجا استعمال کو روکنے والی ہوتی ہے۔ اسی اصول کے ماتحت اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہائیت یورپ کی آزادی اور نفس امارہ کی مدد ہے۔ مثلاً سود کی اجازت۔ پردہ کا فقدان۔ طلاق کی کثرت۔ بین الاقوامی شادی۔ ہندو مسلمان وغیرہ مذاہب کی عورتوں سے۔ گانے بجانے کی اجازت ڈاڑھی منڈانا۔ تعدد ازواج سے روکنا۔ تخفیف روزہ نماز۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ تعلیم خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

اصول ۳۔ شریعت کے ناسخ منسوخ کا سلسلہ بیشک قدیم سے چلا آیا ہے۔ اور ہر صاحب شریعت نبی اپنے سے پہلے نبی کی شریعت کو منسوخ

کرتا رہا ہے۔ مگر اس نسخہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ زمانے کے حالات میں ایسا تغیر عظیم ہو۔ جس سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جائے۔ کہ اب پہلے احکام نہیں رہنے چاہئیں۔ لیکن کتاب بیان کو کتاب اقدس کا منسوخ کرنا نہ باطنی میں نہ بعد غور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور کوئی حکمت اور معقول وجہ بیان منسوخ کی معلوم نہیں ہوتی۔ اور بغیر کسی معقولی وجہ سے خدا کی شان کے شایاں نہیں۔ اس لئے ہم اسے باطل اور کھیل سمجھتے ہیں۔

اصول ۵ :- خدا تعالیٰ کی شریعت اسی وقت منسوخ کی جاتی ہے۔ جب وہ قابل عمل نہ رہے۔ اور اسکی جگہ ایسی شریعت آتی ہے۔ جس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک شریعت منسوخ بھی ہو۔ اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔ اور ایک شریعت ناسخ ہو۔ اور اس پر عمل نہ کیا جائے۔ لیکن باوجود ۔۔۔۔۔۔ قرآن کے منسوخ کرنے کے عبد البہا ساری عمر قرآن مجید پر عمل کرتا رہا۔ اسلامی نمازیں پڑھتا اور اسلامی روزے رکھتا اور قرآن مجید کا درس دیتا تھا۔ نیز آج تک شریعت اقدس کو رائج نہیں کیا گیا اور نکاح۔ طلاق اور ورثہ کے معاملات میں پوری طرح اسلامی احکام پر عمل کیا جاتا ہے۔ ان سے معلوم ہوا۔ کہ بہائیت باطل ہے۔

اصول ۶ :- بے شک ایک شارع نبی اپنے سے پہلے نبی کی شریعت کو منسوخ کر سکتا ہے۔ مگر نسخہ جو مَانَسَخَ مِنْ اٰیٰتِہٖ اَوْ نَسِیَہَا نَاتَ بِخَيْرٍ مِنْہَا اَوْ مِثْلِہَا یعنی جو احکام پہلی شریعت کے نئی شریعت منسوخ کرتی ہے۔ لازماً ان کی جگہ ان سے بہتر احکام لاتی ہے۔ اس اصول کے تحت تمام وہ احکام جو بہائیت نے اسلام کے منسوخ کئے ہیں۔ دیئے ہوئے چاہئیں۔ جو اب قابل عمل نہ ہوں۔ اور وہ احکام جو بہائیت نے دیئے ہیں۔ قابل عمل ہوں۔ لیکن معاملہ برعکس ہے۔ اور ذیل میں دو کالموں کے ذریعہ اس فرق کو ظاہر کرتے ہیں۔

ناسخ	منسوخ	ناسخ	منسوخ
۱۔ بے پردگی	۲۔ گانا بجانا	۳۔ بے پردہ	۴۔ ممانعت غناء
۲۔ ۱۹ طلاق	۵۔ تقسیم ورثہ بہائی	۴۔ تین طلاق	۶۔ تقسیم ورثہ اسلامی
۳۔ جواز سود	۷۔ محرمات بہائی	۵۔ ممانعت سود	۸۔ محرمات اسلامی

پر دہ

قرآن مجید نے ایک اصول قائم کیا ہے۔ وَلَا يُبْدِيَنَّ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ یہ اصول عمل کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ یہ بدعت ثابت ہے کہ جو کشش قدرت نے مقناطیس میں لوہے کی رکھی ہے۔ اس سے بڑھ کر عورت اور مرد میں کشش رکھی ہے۔ بڑھ کر اس لئے کہ لوہے اور مقناطیس میں یک طرفہ کشش ہے اور مرد اور عورت میں دو طرفہ۔ اس کشش کو اگر کسی حد بندی کے اندر نہ لایا جائے۔ تو دنیا کا تمدن قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اس امر پر عیسائیوں کا بھی اتفاق ہے۔ وہ حد بندی پر دے کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی۔ پردہ کا مفہوم جو قرآن کریم نے قائم کیا ہے۔ وہ آیت مذکورۃ الصدر سے مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی وہ امور جو ایک عورت کی طرف مرد کی کشش کے باعث ہوں۔ ان کو حتی الوسع عورت ظاہر نہ ہونے دے۔ اس کے نتیجہ میں چہرہ جو باعث زینت اور کشش ہے۔ اسکا چھپانا جس اعتراض کا مورد ہو سکتا۔ شرمگاہ کے چھپانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید سے چہرہ اور ہاتھ پاؤں چھپانا ثابت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ "وَلَا يُبْدِيَنَّ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" میں چہرہ شامل ہے۔ کیونکہ وہ بھی زینت ہے۔ تصریحاً قرآن مجید میں بِخُمُوهِنَّ عَلَىٰ رُءُوسِهِنَّ کے الفاظ سے چہرہ کا چھپانا فرض قرار دیا ہے۔ اور تعامل جو کسی

بات کے ثبوت کے لئے سب سے بڑی دلیل ہے۔ آج تک مسلمان عورتوں کا یہی رٹا ہے کہ وہ گھونگھٹ یا برقعہ کے ذریعہ اپنے چہرہ کو غیر مردوں سے چھپاتی رہی ہیں پردہ پر دو اعتراض عقلاً وارد کئے جاتے ہیں۔ (۱) عصمت کی حفاظت جبر سے نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اسکا صحیح ذریعہ یہی ہے کہ عورت خود نیچے۔

(۲) کہ ہمیں تمام ان ذرائع سے جن کی وجہ سے عورت اپنے آپ کو بچا سکتی ہے۔ انکار نہیں۔ پردہ تو ان تمام ذریعوں کے علاوہ ایک ذریعہ ہے۔ جس طرح ایک شخص بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے بچتا ہے۔ یا ایک شخص اپنے لڑکے کو برے دوستوں کی صحبت سے روکتا ہے۔ اسی طرح عورت کے پردہ کا مفہوم ہے کہ جس بات سے مرد کو کسی عورت کی طرف کشش ہو۔ اسے چھپایا جادے۔ اور اس مفہوم کا کوئی شخص منکر نہیں۔ کہ عورت باعث کشش امور کو مردوں سے مخفی رکھے۔

۲۔ پردہ کرنے سے عورت اپنے فرائض کو ادا نہیں کر سکتی۔ وہ نوکری نہیں کر سکتی جنگ نہیں کر سکتی۔

(۳) قدرت نے مرد اور عورت کے جداگانہ فرائض مقرر فرمائے ہیں۔ اگر دونوں کے فرائض مساوی ہوتے۔ تو حیض۔ نفاس۔ ایام حمل اور ایام رضاعت میں بھی مساوات ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے فرائض جداگانہ ہیں۔ بچے پیدا کرنا۔ ان کی تربیت کرنا۔ خانہ داری کے امور کو سرانجام دینا۔ عموماً عالم برس تک عورت قابل تولید رہتی ہے۔ اگر ایک عورت اپنے فرائض کما حقہ ادا کرے۔ تو اس کا سب وقت گھر میں گذر سکتا ہے۔ نوکری اور جنگ عورت کا فرض نہیں۔ وَبِمَا أَنْفَقُوا یعنی وہ بجائے کسی نوکری کے اپنے فائدہ کے گھر کا تمام کام کرے۔ اور تنخواہ لے اور وہ فرائض ہوں گے۔ جو قدرت نے اس پر عائد کئے ہیں۔ مگر بیرونی نوکری میں یہ فرائض نہ ہوں گے۔ قرآن مجید نے گھر کے نظام کو اس طرح پر پیش کیا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ دِل میں اسکی دو وجہیں ہیں۔ (۱) بِمَا أَنْفَقَ اللَّهُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ کہ مرد اپنے قوی دماغیہ و عقلیہ جسمانیہ میں عورت سے

بالا ہے۔ (۲) وَبِحَا انْفِقُوا اس لئے جس کا روپیہ خرچ ہوگا۔ اس کو نگرانی اور تصرف کا حق ہونا چاہیے۔

بعض لوگ پردے پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس سے عورت کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہ اثر غالباً ہندوستان کے بعض خاندانوں کی متشدد دانہ کاردائیوں کو دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔ ورنہ اسلامی پردہ زینت اور باعث کشش امور کو چھپانے کا نام ہے۔ نہ کہ سیر اور تفریح کی ممانعت اور ناک اور آنکھ کو بند رکھنے کا حکم وغیرہ ہے۔

پس اسلامی پردہ حفظان صحت کے خلاف نہیں۔ بلکہ لَا تَبْرَجْنَ تَبْرَجُ الْجَاهِلِيَّةِ کے خلاف ہے۔ عورت اپنے عزیزوں اور خاوندوں کے ہمراہ سیر گاہوں باغات اور تفریح کے مقامات میں چا سکتی ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور آپ سفر میں اپنی بیویوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ دو دفعہ آپ اور حضرت عائشہ دونوں مقابلہ دڑے بھی تھے۔ آپ نے ان کو جیشوں کا تاشہ بھی دکھایا تھا۔ اور وہ ملنے جلنے کے لئے باہر جاتی تھیں۔ ہاں مردوں سے اختلاط اور اپنی زینت کا اظہار نہیں کرتی تھیں۔ ایک بات پردے کے متعلق یہ بھی یاد رکھنی چاہیے۔ کہ ہر چیز اپنے نتائج سے پہچانی جاتی ہے۔ جن قوموں میں پردوں کا رواج ہے۔ ان عورتوں کی عفت بہ نسبت ان قوموں کی عورتوں کے جن میں عفت و عصمت نہیں۔ بہت زیادہ محفوظ ہے۔ اس پر یورپ کی آزادی شاہد و صادق ہے۔

سود

لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً فرما کر سود کی حرمت کی ایک دلیل دی ہے۔ کہ سود کی ابتدا تو معلوم ہوتی ہے۔ مگر اسکی واقعی انتہا نہ معلوم ہوتی ہے نہ معین۔ اس لئے ایسی قوم کی ادائیگی جن کی میزان نہ ہمیں معلوم ہو۔ نہ ہمارے اختیار میں ہو۔ ہمارے لئے ناممکن ہوگی۔ لیکن برخلاف اس کے تجارت میں گواہی

میں رأس المال کا علم نہیں ہوگا۔ مگر رأس المال مع منافع کی میزان کا علم ہوتا ہے
 اور بڑھنے کی وجہ سے معین ہوتی ہے۔ اس لئے تجارت جائز ہے۔ انگریزی
 عدالتوں میں کئی ایسے فیصلے ہوئے ہیں کہ زر قرضہ دستہزار تھا۔ اور پچیس لاکھ
 کی ڈگری عمل میں آگئی۔ دوسرا نقص سود میں یہ ہے کہ اس میں مبیع روپیہ ہے
 لیکن تجارت میں مبیع عروض ہوتا ہے۔ اور خواہ کیسا ہی اعلیٰ ہو۔ وہ انسانی ضرورت
 میں سے ایک ضرورت ہوگا۔ مگر سود میں مبیع روپیہ ہوتا ہے۔ جو تمام انسانی ضرورت
 کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لئے جب قدر فضول خرچی عروض میں ہو سکتی ہے۔
 اس سے کئی گنا روپیہ میں ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو انسانی طبیعتوں سے
 واقع ہے۔ اسکو بند فرمایا۔ اسکا عملی مشاہدہ کرنے کے لئے یوں کہا جاسکتا
 ہے کہ ایک مجلس میں عروض میں سے کوئی پیش کر کے یہ کہا جاسکتا ہے۔ ایک سال
 کا ادھار پر اس میں سے کوئی جتنا چاہے۔ بطور قرضہ لے سکتا ہے۔ تو اپنی ضرورت
 کے لئے کوئی شخص نہایت کثرت کے ساتھ اس عروض کو لینے کے لئے تیار
 نہ ہوگا۔ گوا سے قرضہ ملتا ہے۔ لیکن اگر ایک کروڑ روپیہ پیش کیا جائے۔ تو
 بلا استثناء ہر شخص کی طبیعت اس طرف مائل ہو جائے گی کہ میں نے لوں۔
 اور چونکہ دنیا میں اکثر لوگ ناقص اندیش ہوتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ
 نے روپے کو مبیع بنانے کی اجازت نہیں دی۔ گو بعض صورتوں میں یہ کہا جاسکتا
 ہے کہ میونسپلٹیاں یا حکومتیں سود پر روپیہ دے کر اس قسم کا رد بار کر سکتی
 ہیں۔ کہ علاوہ قرض اور سود کی ادائیگی کے پھر اس کا رد بار سے روپیہ پیدا کر
 سکیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شاذ و قاعدوں سے جبکہ اکثر حالات
 میں نقصان پہنچتا ہو۔ اس فائدے والے کام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔
 کیونکہ اکثر محکمہ الملک۔

اور یہ امر واقعات کو دیکھ کر معلوم کرنا چاہیے۔ اس لئے اگر حکومت یا بعض
 میونسپلٹیاں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ تو کروڑوں شخص اس اجازت سے فائدہ

اٹھانے کی وجہ سے سود کے بوجھ کے نیچے اس طرح دب گئے کہ کوئی انسانی
کوشش ان کو نہیں بچا سکتی۔ اندازہ لگایا گیا تھا کہ پندرہ کروڑ روپیہ پنجاب
کے لوگ سالانہ اپنے قرضوں کو سود ادا کرتے ہیں۔ پس واقعات کی روشنی
یہ ثابت ہے کہ فائدہ اٹھانے والے نہایت قلیل اور نقصان اٹھانے والے
نہایت کثیر تعداد میں ہیں۔ تو ایسے امر کی اجازت دینا عقلمندی کے خلاف
ہے۔ حلت اور حرمت میں ہمیشہ کثرت اور قلت کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اس
اصول کو قرآن مجید نے شراب کے معاملہ میں بیان فرمایا ہے کہ فِیْہِمْا مَنَافِعٌ
لِّلنَّاسِ وَ اِثْمٌ کَبِیْرٌ مِّنْ نَّفْعِہِمَا۔ پس گو سود سے بعض لوگ فائدہ اٹھا
سکتے ہیں۔ لیکن تجربہ سے چونکہ اکثر آدمیوں نے نقصان اٹھایا۔ اس لئے
اس کا ممنوع ہونا نہایت ہی مناسب ہے۔

سوال۔ اگر یہ نقصان رساں ہوتی۔ تو پھر یورپ اور امریکہ کے لوگ جو نہایت
عقلمند ہیں۔ اسکو کبھی جائز قرار نہ دیتے؟

جواب ۱۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَسِّرَ لَارِیْبَ فِیْہِ یعنی کامل قانون اور
کامل ضابطہ اللہ ہی بنا سکتا ہے۔ جو کہ اعظم ہے۔ پس وہ کتنے ہی عقلمند ہوں
پھر بھی ان کا علم محدود ہے۔ اور وہ بہت سے مسائل میں ٹھوکریں کھانے کے
بعد اسلام کی طرف رجوع کر چکے ہیں۔ رَبِّمَا یُودُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ اَتُوْا
مُسْلِمِیْنَ۔ جنگ عظیم سے پیشتر یورپ اور امریکہ میں شراب کی ممانعت نہ تھی
اور سینکڑوں سال سے وہ لوگ شراب کے عادی تھے۔ اب ان کی عقلمندی
کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شراب میں کوئی نقص نہیں۔ مگر امریکہ کے سارے
براعظم نے بالاتفاق اپنے ملک میں شراب کو ممنوع قرار دیا۔ اسی طرح یورپ
امریکہ طلاق بالکل ممنوع تھی۔ سوائے زنا کی صورت کے۔ مگر آہستہ آہستہ چند
سالوں سے انہوں نے بہت سی صورتوں میں طلاق کی اجازت دیکر اسلام
کی طرف رجوع کیا۔ یہی حال سود کا ہے۔ گو اس وقت تک اکثر ممالک میں سود

کاروانج ہے۔ مگر شراب اور طلاق کی طرح بالآخر یورپ اور امریکہ اسی نتیجہ پر
 پہنچ جائے گا۔ جس نتیجہ پر آج سے تیرہ سو برس قبل اسلام پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ
 اسکی ابتدا یورپ میں ہو گئی ہے۔ روس میں بالشویک نے سود کو بالکل ممنوع
 قرار دیا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر سود کے تجارت نہیں
 چل سکتی۔ یہ اس حد تک تو ٹھیک ہے کہ کوئی تاجر بغیر سودی کاروبار کرنے
 کے یورپ کے تاجروں سے بغیر قرضہ اسباب نہیں منگا سکتا۔ مگر یہ درست
 نہیں کہ تجارت بغیر سود کے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ جس طرح آجکل یورپ کی تجارت
 دنیا میں ترقی پذیر ہے۔ اسی طرح آج سے چند سو برس پہلے ساری دنیا میں
 اسلامی تجارت ترقی پر تھی۔ اور سب ممالک میں مسلمان ہی تمام چیزوں کی
 سپلائی کرتے تھے۔ مگر سارا کاروبار بغیر سود پر چلتا تھا۔ اسکی معلوم ہوا۔
 کہ تجارتی کاروبار کے لئے سود لازم و ملزوم نہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ
 افیم کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جس شخص کو افیون کی عادت ہو جائے۔
 اس کے لئے عادت چھوڑانا نہایت مشکل ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص
 یہ نتیجہ نکالے کہ افیم انسانی بدن کے لئے ضروری ہے۔ تو یہ نتیجہ غلط ہوگا۔
 یہی حال موجودہ تجارتی کاروبار میں سود کے لین دین کا ہے۔ کیونکہ یورپ کے
 سوداگر کسی کو کوئی چیز بغیر سود کے نہیں دیتے۔ اس لئے اس شخص کی طرح
 جس کو افیون کی عادت ہو گئی ہو۔ لوگ تجارت اور سودا کو لازم و ملزوم قرار
 دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ ایسے زمانے میں مسلمان کس طرح تجارت
 میں ترقی کریں۔ تو اس کے لئے دو تدبیریں ہیں۔ (۱) وہ اپنی تجارت کو صرف
 اتنے پیمانہ پر رکھیں۔ جتنے میں وہ یورپ سے نقد چیزیں منگا سکیں۔ اور اس طرح
 بھی آہستہ آہستہ اسکی تجارت بڑھ سکتی ہے۔ جتنی قرض لینے کی صورت میں۔
 یہ تدبیر گوشہ نشین ہے۔ مگر پھر بھی سود لینے سے کم گناہ ہے۔ وہ یہ ہے۔
 کہ یورپ سے سامان منگا کر اس کا سود دینا گو گناہ تو ہوگا۔ مگر ہمارا زیر بحث

مضمون سود لینا ہے۔ کیونکہ فرمایا: لَا تَقْرِبُوا إِلَىٰ الرِّبَا سُدًّا لَّو۔

طلاق

حدیث شریف میں لکھا ہے: خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا۔ اور اس مقولہ کو دنیا کا ہر عقلمند تسلیم کرتا ہے۔ کہ ہر امر میں افراط و تفریط دونوں مذموم ہوتے ہیں۔ صحیح طریق وہی ہے۔ جو حد اعتدال کے اندر ہو۔ اس عقلی معیار کے ذریعہ ہم بہائیت کی طلاق کی تعداد کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور اس معیار کی رو سے ہم آریہ سماج اور سناتن دھرم کے مذہب یعنی عدم طلاق کو درست نہیں سمجھتے۔ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے۔ کہ جس سے بڑھکر مقدس کوئی اور معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے حدیث شریف میں ہے: أَحَقُّ الشَّرَاطِ أَنْ تَوْفُوا بِهِ مَا اشْخَلْتُمْ بِهِ الْقُرُوحَ۔ کیونکہ دنیا میں بہت سے معاہدہ کے نتیجہ میں مال مٹتا ہے۔ بہت سے معاہدہ کے نتیجہ میں جسم انسانی مٹتا ہے۔ مگر نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے۔ جس سے کسی کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔ اور عزت سے بڑھکر دنیا میں کوئی چیز نہیں پس ہم بہائیت کی انیس طلاقوں کو اس لئے تسلیم نہیں کرتے۔ کہ اس سے نکاح کا معاہدہ ایک کھیل ہی جاتا ہے۔ نیز عقلاً جو تعلق طبعی نہ ہو۔ اور قانون قدرت نے اس کو نہ جوڑا ہو۔ بلکہ وہ ہمارے ارادہ سے قائم ہوا ہو۔ اس کو ہم خود چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ اس لئے اسلامی طریق نہایت صحیح ہے۔ کہ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِنْ سَاكَ بِالْمَقْرُوفِ أَوْ تَسْرِیْهِمْ بِإِحْسَانٍ۔ کہ ایک مرد اپنی ساری عمر میں اپنی ایک بیوی کو صرف دو دفعہ طلاق دے سکتا ہے۔ اور اس کے بعد پھر اس معاہدہ کو قائم کر سکتا ہے۔ اگر قیصری دفعہ توڑے۔ تو پھر آپس میں نہیں مل سکتے۔ پس طلاقوں کا انیس ہونا چونکہ اس مقدس معاہدہ کی نہایت کو دور اور اہمیت کو دور کرنے والا ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

غناء

کتاب المقدس میں تصریحاً لکھا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے گانے بجانے کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اسلام جیسا کہ احادیث میں تصریحاً اور قرآن مجید میں اجمالاً ذکر آتا ہے۔ وَمِنْ النَّاسِ مَنُ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ - غناء ممنوع ہے۔ ہمارے نزدیک بہائیت کی یہ اجازت انسان کے اخلاق کے لئے نقصان دہ ہے۔ جب طرح اللہ تعالیٰ نے وَلَا يُبْدِيَنَّ زِينَتَهُمْ میں یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ عورت تمام ایسے امور سے احتراز کرے۔ جن سے غیر مرد کو اس کی طرف کشش ہو۔ اس اصول کے ماتحت اسلام نے غناء کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور اِنَّكُمْ كُنْتُمْ اَكْبَرُ مِنْ نَفْسِهِمَا کے موافق اس فعل میں نقصان زیادہ اور فوائد کم ہیں۔ بہت سے انسانی جذبات جو مخفی ہوتے ہیں۔ اس سے بھرپک اٹھتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ دل پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اثر قوائے شہوانیہ پر ہوتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کچنیاں جن کا تمام کام قوائے شہوانیہ کو بھرکانا ہوتا ہے۔ اگر اس پیشہ کو کسی نے باقاعدہ کیا ہے۔ تو کچنیاں ہیں۔ جنہوں نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے اور باقاعدہ گانا بجانا استاد مقرر کر کے سیکھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یقیناً اس فعل کا نتیجہ سوائے قوائے شہوانیہ کو بھرکانے کے اور کچھ نہیں۔ اگر اس فعل کا کوئی اور نتیجہ بھی ہوتا۔ تو کچنیوں کے سوا کوئی اور بھی اس پیشہ کو سیکھتا۔ اور یہ امر صرف ہندوستان میں نہیں۔ بلکہ یورپ میں بھی گانا بجانا ہے۔ جہاں مرد اور عورت کے تعلقات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ مثلاً نارج کے وقت تھیٹروں میں۔ سینما میں۔ جن کی اصل روح عشقیہ پلاٹ ہے۔ ان میں بھی اس لئے یہ رکھا جاتا ہے۔ درود جو کارروائیاں متانت یا نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔ ان میں یہ نہیں۔ مثلاً

پارلیمنٹ میں یا کسی مجلس شوریٰ یا کانفرنس میں کبھی بھی گانے بجانے کا شغل نہیں۔ معلوم ہوا۔ یہ فعل متانت اور شائستگی کے خلاف ہے۔ اور عیش و عشرت کے وقت اس کو قائم مقام کیا جاتا ہے۔ ایسے زمانے میں جبکہ دنیا کا میلان عیش و عشرت کی طرف ہو رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس تعلیم کا آنا جو قوائے شہوانیہ کو بھڑکانے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدوسیت کے خلاف ہے۔ لیکن غنا اور شراب کی حرمت میں فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شراب چونکہ مصنوعی چیز ہے۔ کہ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا۔ اس لئے اس کو بالکل ممنوع کیا۔ مگر غنا کی بنا یعنی خوش آوازی ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے کوئی شریعت اس کو بالکل بند نہیں کر سکتی۔ جس طرح سننے کو۔ دیکھنے کو۔ ہاں ایک حد تک حد بندی کر سکتی ہے۔ کہ دیکھو۔ مگر بد نظری سے نہ دیکھو۔ سناؤ مگر بری باتیں نہ سناؤ۔ کہو مگر غیبت نہ کرو۔ پیو مگر مسکرات نہ پیو۔ اور وہ حدود جو غنا میں شریعت اسلامیہ نے مقرر کی ہیں۔ یہ ہیں وہ امور جو قرآن شریف و احادیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ ہیں :- (۱) قرآن شریف کو متانت اور خوش الحانی سے پڑھو۔ (۲) کسی نظم کا جس کا مضمون مفید ہو۔ کبھی کبھی خوش الحانی سے پڑھنا۔ حضرت حسانؓ نے آپؐ کے سامنے نظمیں پڑھیں۔ (۳) شادی بیاہ کے موقع پر ادنیٰ عورتوں کا اچھے مضامین والے گیت گانا (۴) عید یا اور ایسی خوشیوں کی تقریب پر لونڈیوں یا نوکرا نیوں کا صحیح مضامین والے گیت گانا۔ وہ امور جو ممنوع ہیں۔ یہ ہیں :- (۱) اس شغل (غنا) کو پیشہ بنانا۔ (۲) مداومت کے طور پر سننا (۳) عورتوں کا گانا مردوں کا سننا (۴) اس کو ایک تفریحی شغل مستقل طور پر بنانا۔ مجلس قائم کرو۔ نظمیں پڑھو۔ اور تفریح کرو۔

مذہب شیعہ

کتاب شیعہ

کتاب حدیث و تفسیر - کافی - مجمع البیان - عمدة البیان - الروضة البهیة
شرح عرشیه - تاج البلاغة - شرح پنج البلاغة مؤلفه عبد الحمید بن ابی الحدید
شیخی - المصافی - بحار الانوار - کتب الخصال - غرر الفوائد - اکمال الدین
اسرار التنزیل - انالی - انارة البصائر - بشری بالحسن - حقائق لدنی
الصراط السوی - کشف الغمّة - کلینی - حیات القلوب - ناسخ التواریخ -
حجاج السالکین -

کتاب رد شیعہ

سر التخلّاف - خلافت راشدہ - تحفہ اثنا عشریہ - شرائط المذاہب - آیات
بیینات - براہینی قاطعہ - تشریف البشر - رسالہ فدک - معیار المذاہب -
اسباب مقاطعہ در میان سنی و شیعہ - تحقیقات و اوقات کربلا -

اسماء ائمہ شیعہ

۱، حضرت علی رضی اللہ عنہ - ۲، حضرت حسن بن علی - ۳، حسین بن علی
۴، ابو محمد علی بن حسین زین العابدین ۵، ابو جعفر محمد بن علی الباقر ۶، ابو محمد صادق ۷، موسیٰ کاظمی ۸، علی رضا ۹، ابو جعفر محمد بن علی الجواد
۱۰، ابو الحسن علی بن علی بن محمد اتقا ۱۱، ابو محمد حسن بن عسکری ۱۲، امام مہدی علیہ السلام

خلفائے ثلاثہ کا ایمان

از روئے قرآن

۱، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوا وَجَاحِدُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (بقرہ ۲۷۶)

ترجمہ:۔ تحقیق جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے جہاد کیا راہ خدا میں وہی امید رکھتے ہیں رحمت الہی کی۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲) وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

(مائدہ ۸۶) ترجمہ:۔ اور جو دوست رکھے اللہ اور اس کے رسول کو اور ان کو جو

ایمان لائے۔ پس یقیناً گروہ اللہ کا ہی غالب ہے۔

(۳) الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْثَرُ دَرَجَةٍ عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَالِبُونَ (نار ۸۶)

ترجمہ:۔ جو کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اپنے مالوں اور

اپنی جانوں سے بڑے درجے میں اللہ کے حضور اور یہی ہیں مراد پانے والے۔

ہر سہ خلفاء و مہاجر اور مجاہد تھے۔ ضروری تھا کہ اس وعدہ الہی کے مطابق

وہ درجات ملتے۔ اور چونکہ آخر تک کامیاب ہوئے۔ اس لئے رُحْمُ الْمُفْلِحُونَ

کا وعدہ پورا ہوا۔

(۴) فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُذُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

(۵) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا أَوْفَى

بِهِمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (توبہ ۱۰۶) ترجمہ:۔ اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں

سے اور سختی کر ان پر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے۔ اور بری ہے جگہ پھر جانے کی۔

(۶) لَنْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُشْرِكُونَ

فِي الْمَدِينَةِ لَنْفُخَ بَنَافِثِكُمْ لَمْ لَا يَجَادُوكُمْ وَلَكِنْ فِيهَا إِلَّا قَلِيلٌ

(۱) جواب ۸۶) ترجمہ:۔ اگر باز رہیں گے منافق اور وہ کہ جن کے دلوں میں بیماری

ہے۔ اور بد خیال رہیں گے شہر میں البتہ لگا دیں گے تم جبکہ ان کے پیچھے پھرنے

قریب پہنچنے پاویں گے تیرے اس شہر میں مگر بہت کم۔

اگر خلفاء و خیال شیعوں کے منافق تھے۔ تو ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے

جہاد کرتے۔

(۷) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا يُؤْمَرُ
بِحُجَّتِهِمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ مگر چونکہ اس قسم کا کوئی جہاد ثابت نہیں۔ اور نہ ہی
یہ خلفاء آپ سے تا وفات الگ ہوئے۔ بلکہ وفات کے بعد بھی تا ایندم قبری
بھی ساتھ رہے۔ اس لئے ثابت ہوا۔ کہ بموجب قرآن یہ مومن تھے۔ (توبہ ۱۶)
(۸) لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ فَأَسَٰبَهُمُ فَتَحَاقَرْنَا فِيهِمْ
چونکہ تحت الشجرہ کے حاضرین میں سے یہ خلفاء بھی تھے۔ اس لئے ثابت ہوا۔
کہ آپ ہی کو رضی اللہ کا سر ٹیفکیٹ ملا۔

(۹) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي أَرَادُوا تَغْيِي لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي
لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ (نور ۷۷) چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ان خلفاء کے عہد میں سلام
عور دراز ملکوں میں پھیلا۔ اور اسلام نے وہ موعودہ زور اور عروج پکڑا۔ اور
وعدہ الہی تھا۔ کہ مومنوں کے ذریعہ اسلام ممکنت پکڑے گا۔ پس خلفاء کا ایمان
ثابت ہے۔

(۱۰) وَآيَدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ طَوَيْدٌ خَلَقَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
جن کی روح القدس سے تائید کی۔ ان میں یہ خلفاء بھی تھے۔ اور یہی حزب اللہ تھے
(۱۱) إِلَّا تَنْصَرُوا فَقَدْ أَنْصَرَ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا أَثْنَيْنِ
إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ
كَفَرُوا السُّفْلَى طَو كَلِمَةَ اللَّهِ مِنَ الْعُلِيَّاءِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (توبہ ۲۶)

یہ یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکینت اتاری
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گواہی و رفیق الطریق بنایا۔

شیعہ مفسرین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی اس وقت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں موجود تھے۔ اور ”صاحبہ“ سے مراد آپ ہی ہیں۔ دو کھو
تفسیر مجمع البیان و تفسیر صافی سورہ توبہ رکوع ۶ زیر آیت ”إِذَا خَرَجْتُمْ
الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْخ“

اصحاب ثلاثہ کے ایمان کے دلائل کتب شیعہ سے

۱۔ اگر اصحاب ثلاثہ مسلمان نہ ہوتے۔ تو ان کے عہد خلافت میں قیصر و کسریٰ کے ساتھ
جو جہاد ہوئے وہ بھی ناجائز ٹھہرے۔ اور جو مال غنیمت ان جہادوں میں مسلمانوں
کے قبضہ میں آیا۔ وہ بھی حلال نہ ہوا۔ اور جو لونڈیاں ان جہادوں میں بنائی گئیں۔
وہ بھی حلال نہ ہوئیں۔ شہر بانو خسرو پرویز کی لڑکی جو حضرت حسین کے قبضہ میں
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسیر ہو کر آئی۔ وہ بھی جائز نہ ہوئی۔ اور اس کے
جو اولاد ہوئی۔ اس کے متعلق کیا فتویٰ شیعہ حضرات لگائیں گے؟

(۲) قیصر و کسریٰ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو جہاد ہوا۔ وہ خدا کے
حکم کے مطابق تھا۔ جیسا کہ فروغ کافی باب ”مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجِهَادُ“

میں ابو عمیر زبیری نے حضرت امام جعفر صادق سے روایت کی ہے۔
”وَأَنَّهُ لَيْسَ كَمَا ظَنَنْتُمْ وَلَا كَمَا ذُكِّرْتُمْ وَلَكِنَّ الْمُهَاجِرِينَ
ظَلَمُوا مِنْ جَهَنَّمِينَ ظَلَمَهُمْ أَهْلُ مَكَّةَ بِأَخْرَاجِهِمْ مِنْ
دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ فَقَاتَلُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ لَهُمْ فِي ذَلِكَ
ظَلَمَهُمْ قَيْصَرُ وَكِسْرَى وَمَنْ كَانَ دُونَهُمْ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ
وَالْعَجَمِ بِمَا كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ مِمَّا كَانَ الْمُسْلِمُونَ أَحَقُّ بِهِمْ
مِنْهُمْ فَقَدْ قَاتَلُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذَلِكَ وَلِحُجَّةِ هَذِهِ

الْأَيَّةُ يُقَاتِلُ الْمُؤْمِنِينَ أَكُلَ زَمَانٍ۔ یعنی جس طرح تو نے سمجھایا۔ کہا۔ (یعنی یہ کہ
قیصر و کسری کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیاں ناجائز تھیں۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں
پر ظلم نہیں کیا تھا۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ مہاجرین پر دو طریقوں سے ظلم کیا
گیا۔ ان پر اہل مکہ نے ان کے گھروں اور مال و دولت سے نکال کر ظلم کیا۔ پس مسلمانوں
نے ان کے ساتھ خدا کے حکم سے جہاد کیا۔ اسی طرح قیصر و کسری اور دیگر عربی
و عجمی قبائل نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ اس ملک اور حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ
سے جس پر ان سے زیادہ مسلمانوں کا حق تھا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ
خدا کے حکم کے ساتھ جنگ کی۔ اور اسی آیت کے مطابق (یعنی اَوْنِ لِلَّذِينَ
يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ) ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کرتے ہیں۔

(۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے وقت پہلی مرتبہ پتھر پر کدال مار کر فرمایا۔
”اللہ اکبر شام کی کنجیاں مجھے دی گئیں“۔ دوسری دفعہ کدال مار کر فرمایا ”اللہ اکبر
فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دی گئیں“۔ پھر تیسری کدال پر فرمایا ”یمن کی کنجیاں
مجھے دی گئیں“۔ (دیکھو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۷۶ نو لکھنؤ و تاسخ التواریخ
کتاب ۲ جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ ایران) یہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی
گئیں۔ گویا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکر و عمرؓ کی فضیلت

(۴) ”وَكَانَ أَفْضَلُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا رَضِيتَ وَأَنْصَحَهُمْ يَتَوَدَّ
لِرَسُولِهِ الْخَلِيفَةُ الْقَسِيَّةُ نَقِيٌّ وَخَلِيفَةُ الْفَارُوقُ وَكَعْمَرِي وَابْنُ
مَكَاثِمٍ فِي الْإِسْلَامِ لِعَظِيمٍ وَإِنَّ الْمَقَابِلَ بِهَذَا الْجُزْءِ فِي الْإِسْلَامِ
شَدِيدٌ يَرْحَمُهُمَا اللَّهُ وَجَزَاَهُمَا اللَّهُ بِأَحْسَنِ مَا عَمِلَا“ (بخاری
ابتداء خط۔ ”فَارَوْ قَوْمًا قَتَلَ نَبِيَّتَنَا“)

اور خلفاء میں سے اسلام میں سب سے افضل اور خدا اور رسول کے لئے

سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فاروق
تھے۔ اسی طرح سے جس طرح تیرا خیال ہے۔ اور بخدا! ان کا مقام اسلام
میں بہت بلند ہے۔ اور ان کی (جدائی کی) وجہ سے اسلام کو سخت زخم لگا
جسے۔ ان دونوں پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو۔ اور خدا تعالیٰ ان کے اچھے اور
اعلیٰ کاموں کا ان کو اجر دے۔

(۵) "وَلَا رَيْبَ أَنَّ الْمَسْجِدَ أَنَّ عَلِيًّا كَانَ هُوَ السَّابِقُ وَإِنَّ
أَبَا بَكْرٍ هُوَ أَوَّلُ مَنْ أَظْهَرَ إِسْلَامَهُ" (شرح بیج البلاغہ مؤلفہ
عبد الحمید ابن ابی الحدید شیعہ ج ۴ صفحہ ۲۱۳)

اور بے شک جس بات کا ابوعمر نے ذکر کیا ہے۔ سچ ہے۔ کہ گو علی نے پہلے اسلام
قبول کیا۔ لیکن ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا۔

(۶) "عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ أَبُو بَكْرٍ" (شرح بیج البلاغہ
جز ۱ ص ۱۳۱) ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام
لائے۔

(۷) "عَنْ أَبِي نَعْرِ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعَلِيٍّ أَنَا أَسْلَمْتُ قَبْلَكَ فِي حَدِيثٍ
ذَكَرَهُ فَلَمْ يَنْكَرْهُ عَلَيْهِ" (شرح بیج البلاغہ جز ۱ ص ۲۱۳) ابونصر کہتے
ہیں۔ کہ کسی گفتگو میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ کہ میں آپ سے پہلے
مسلمان ہوا تھا مگر حضرت علیؓ نے اس کے خلاف کچھ نہ کیا۔

(۸) "وَقَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ مَا قَضَيْنَا إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَإِنَّا لَنَرَىٰ أَبَا بَكْرٍ
أَحَقَّ النَّاسِ بِهَا إِنَّهُ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَإِنَّا لَنَعْرِفُ لَهُ سُنَّةً وَلَقَدْ
أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيْهِ عَلَى الْفُلُوقِ بِالنَّاسِ وَهُوَ خَيْرٌ" (شرح بیج البلاغہ
مؤلفہ ابن ابی الحدید شیعہ جز ۲ صفحہ ۴۵) حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیرؓ
نے فرمایا۔ کہ ہم نے سوائے اس مشورے کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ
ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو اپنوں میں سب سے زیادہ اس امر کا مستحق

خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ صاحب غار ہیں۔ اور ہم ان کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں۔ اور آنحضرت معلوم نہ جیکہ آپ زندہ تھے۔ ابو بکر رضی کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(۹) کتاب "کشف الغمّہ فی مَحَرِّقَةِ الْأَنفُسِ" میں ہے۔

عَنْهُ سَمِعَ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ حَمِيْدِ الشَّيْبِ قَالَ نَعَمْ حَتَّى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ سَيِّفُهُ بِالْفِضَّةِ فَقَالَ الرَّادِيُّ "تَقُولُ هَكَذَا" فَوَثَبَ الْإِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ - فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيقُ فَلَا مَدَقَّ فِي اللَّهِ قَوْلُهُ فِي الدُّنْيَا "کہ امام ابو جعفر سے پوچھا گیا۔ کہ کیا تلوار کو سونا چڑھانا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں جائز ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی نے اپنی تلوار کو سونا چڑھایا تھا۔ اس پر راوی نے متعجب ہو کر کہا۔ کہ آپ ایسا دینی ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں؟ تو امام اپنی جگہ سے اٹھ کر کھینے لگا۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ اور جو ان کو صدیق نہ کہے۔ خدا دنیا میں اس کی بات کو سچا نہیں کریگا۔ (۱۰) حضرت علی حضرت عثمان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :-

"وَاللّٰهُ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لَكَ مَا أَغْبَيْتُ شَيْئًا تَجْهَلُهُ وَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَمْرٍ لَا تَعْرِفُهُ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاكَ إِلَى شَيْءٍ فَتُبَلِّغْهُ وَقَدْ رَأَيْتَ كَمَا رَأَيْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَمَجِئْتَ رَسُولَ اللَّهِ كَمَا مَجِئْنَا وَمَا ابْنُ أَبِي قَعْفَرَةَ وَمَا ابْنُ الْخَطَّابِ أَوَّلِي يَحْمِلُ الْحَقَّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَقْرَبُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ وَقَدْ بَلَّغْتُ مِنْ مِهْرٍ مَا كُنْتُ يَتَلَا "رَبِّهِ الْبَلَاغَةُ مُشَبَّهٌ بِمَنْكَ"

بچہ میں نہیں جانتا۔ کہ میں آپ کے سامنے کیا بیان کروں مجھے کوئی ایسی نئی بات معلوم نہیں۔ جو آپ نہ جانتے ہوں۔ اور میں آپ کو کوئی ایسی نئی بات نہیں بتا رہا۔ جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ میرا علم آپ سے زیادہ نہیں۔ ہم آپ سے

کسی امر میں سبقت نہیں رکھتے۔ کہ ہم آپ کو اسکی اطلاع دینے کے قابل ہو
اور نہ ہم کسی امر میں منفر دہی ہیں۔ کہ وہ امر آپ تک پہنچائیں۔ بے شک آپ نے
وہ سب کچھ دیکھا اور سنا۔ جو ہم نے دیکھا اور سنا۔ اور آپ بھی اسی طرح آنحضرت
صلعم کے صحابی رہے۔ جس طرح ہم تھے۔ ابو بکر رضی اور حضرت عمر رضی آپ سے
کسی امر میں سبقت رکھنے والے نہ تھے۔ اور آپ آنحضرت صلعم کی دالہ
کے باعث آنحضرت کے ان دونوں سے زیادہ مقرب ہیں۔

(۱۱۸) "وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ يَأْيَعُنِي الْقَوْمُ الَّذِينَ بَايَعُوا
أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ عَلَى مَا بَايَعُواهُمْ عَلَيْهِ... وَإِنَّهُمْ أَلَمَسُوا
إِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ وَسَمَوْا إِمَامًا كَانَ ذَلِكَ بِدِينِهِ رِضًا"
رنج البلاغہ مشہدی صفحہ ۱۸۸

حضرت علیؑ نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط میں (اپنی خلافت کا یہ ثبوت) لکھا
کہ میری بیعت اپنی لوگوں نے کی ہے۔ جنہوں نے ابو بکر رضی و عثمان رضی
کی بیعت کی اور اسی امر پر کی ہے۔ جس پر ان کی کی تھی..... یہ ایسے لوگ ہیں
کہ اگر ایک شخص پر مجتمع ہو کر اسکو اپنا امام کہیں۔ تو یہی امر خدا کے ہاں بھی
موجب رضا ہوتا ہے۔

(۱۱۹) "يَتَوَهَّلُ فُلَانٌ فَقَدْ قَوْمٌ الْأَوْدَادُ وَدَاوُدُ عَلَى الْعَمَدِ خَلَفَ الْفِتْنَةَ
وَأَقَامَ السُّنَّةَ ذَهَبَ نَقِيَّ الشُّؤْبِ قَلِيلُ الْعَيْبِ أَصَابَ خَيْرَهَا وَسَهَوُ
شَرِّهَا أَذَى إِلَى اللَّهِ طَاعَتُهُ وَالْقَاءُ بِحَقِّهِ" (رنج البلاغہ مشہدی ص ۱۸۹)
"فلاں آدمی کیا ہی اچھا تھا۔ کیونکہ اس نے کجی کو درست کیا۔ اور دلوں کی بیماریوں
کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا۔ اور سلت کو قائم کیا۔ اور انتقال کیا۔ ایسی حالت
میں کہ وہ پاک اور بے عیب تھا۔ خلافت کا اچھا حصہ پایا۔ اور اس میں پیدا ہونے والے
شر سے پہلے گذر گیا۔ اللہ کی اطاعت گزاری کی۔ اور اس کے حقوق میں تقویٰ
سے کام لیا۔ یہ سب عبارت حضرت علیؑ نے حضرت عمر رضی کی نسبت کہی۔

چنانچہ اس خطبہ کے حاشیہ میں عبد الحمید بن ابی الحدید شیعہ نے لکھا ہے۔
کہ فلاں سے مراد عمر رضی ہیں۔

(۱۳) امام جعفر صادق سے حضرت ابو بکر رضی و عمر رضی کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

”هُمَا إِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَا تَأْخُذُ بِهِ
فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ در سالہ اَدَلَّة نَقِيَّة فی ثبوت تَقِيَّة
مؤلف سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد

کہ ”وہ دونوں امام تھے۔ عدل اور انصاف کر نیوالے وہ دونوں حق پر تھے۔ اور
حق پر ہی ان کی وفات ہوئی۔ اور قیامت کے دن ان پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔“
نوٹ: شیعوں کا اس قول کے متعلق یہ کہنا کہ امام جعفر نے دوسرے دن
اس قول کی تشریح یہ کی تھی کہ ”إِمَامَانِ“ سے مراد میری ”اہل جہنم کے امام“
تھی۔ غلط ہے بوجہات ذیل:-

(۱) ”هُمَا إِمَامَانِ“ سے مراد اہل جہنم کے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عربی زبان
اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ ”هُمَا إِمَامَا أَهْلِ النَّارِ“ کہنا چاہیے تھا۔
کیونکہ تشبیہ یا جمع کا صیغہ جب مضاف ہو تو اس کے آخر سے ”ن“ گر جاتا ہے
جیسے ”هُمْ مُسْلِمُونَ مَكَّةَ“ (یعنی وہ مکہ کے مسلمان ہیں) ”هُمْ مُسْلِمُونَ
مَكَّةَ“ نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام سے جس شخص نے فتویٰ پوچھا۔ اس کو تو اپنے مندرجہ بالا صاف الفاظ
میں جواب دے دیا۔ وہ تو اب اس فتویٰ کے مطابق حضرت ابو بکر رضی و عمر رضی
کو مومن ہی سمجھ گا۔ اس کے چلے جانے کے بعد دوسرے دن اس قول کے
الفاظ کی ظاہری مفہوم کے خلاف غلط تاویل کر دینا بالکل غیر معقول ہے۔ اس
شخص کی ”گمراہی“ (بقول شما) کا باعث تو حضرت امام جعفر ہی کا یہ قول ہوگا۔
امام جعفر نے اگر کوئی تشریح اپنے الفاظ کی کرنی ہوتی۔ تو اس شخص کے سامنے

ہی کرنی چاہیے تھی۔

(۱۴) علامہ کاشانی اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھتے ہیں:-

”آنحضرت فرمود بدو زرخ نرو دیک کس ازاں مومناں کہ در زیر شجر بیعت کردند و ایں را بیعت الرضوان نام نہادہ اند بجهت آنکہ حق تعالیٰ در حق ایشان فرمود کہ ”لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ“

کہ آنحضرت نے فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے سب کے سب جنتی ہیں۔ کیونکہ خدا نے ”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ“ کا ان کو خطاب دیا ہے۔

(۱۵) کشف الغمہ معرفت الائمہ میں روایت ہے:- ”از جابر بن عبد اللہ انصاری روایت است کہ مادر آن روز ہزار و چار صد (یعنی چودہ سو) کس بودیم در آن روز من از آنحضرت معلّم شنیدم کہ آنحضرت خطاب بکافران نمود و فرمود کہ ”شما بہترین اہل روسے زمین اند“ و ماہمہ در آن روز بیعت کردیم و کہے از اہل بیت نکث نہ نمود مگر اجد بن قیس کہ آن منافق بیعت خود را شکست“

گویا بیعت رضوان کر نیوالے چودہ سو مسلمان تھے۔ اور سوائے اجد بن قیس کے سب کے سب جنتی ہیں۔ مگر شیعہ تو صرف پنجتن یا ساڑھے چھ تن کو جنتی سمجھتے ہیں۔

(۱۶) حضرت عثمان اس بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ بلکہ بطور سفیر مکہ میں گئے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے:- ”فَلَمَّا انْطَلَقَ عُثْمَانُ وَبَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ الْمُسْلِمِينَ وَفَرَّبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيْهِمُ بِأَحَدِي يَدِيْهِ عَلَى الْاُخْرَى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ طُوبَى لِعُثْمَانَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَلَّى بَيْنَ الْقَفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيْهِمُ مَا سَأَلْتَنَ لِيَفْعَلَ

فَلَمَّا جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ "ءَطُفْتُ بِالْبَيْتِ" فَقَالَ مَا كُنْتُ
 لِأَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَطُفْ بِهِ. (فروع کافی جلد ۲
 کتاب الرہقہ صفحہ ۵۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے۔۔۔۔۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور آنحضرت نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ
 پر حضرت عثمان کی بیعت لینے کے لئے رکھا۔ اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمان رضی
 اللہ عنہ خوش قسمت ہے کہ اس نے کعبہ کا طواف بھی کر لیا۔ اور صفا اور مروہ کے
 درمیان بھی سعی کر لی۔

نوٹ ۱: یہ واقعہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو بطور سفیر چلے گئے
 اور باقی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کفار نے روکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 مسلمانوں کی یہ بات سن کر فرمایا کہ "عثمان رضی اللہ عنہ تو ایسا کرنے والا نہیں ہے۔"
 (یعنی اس نے ایسا نہیں کیا ہوگا) پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آئے۔
 آنحضرت نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے کعبہ کا طواف کیا؟ انہوں نے
 جواب دیا کہ یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ میں طواف کر لیتا۔ اس حالت میں کہ آنحضرت
 نے طواف نہ کیا ہو۔

دلائل ومطالعین شیعہ کا جواب

شیعہ ۱: اَلْأَمَّا وَلِيُّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (مائدہ رکوع ۸)
 "وَالَّذِينَ آمَنُوا" سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ لہذا وہ خلیفہ بلا فصل ہوئے۔
 الجواب ۱: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ (اگر "وَالَّذِينَ آمَنُوا" سے مراد حضرت
 علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ تو شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔ کیونکہ پھر سوا
 اللہ۔ رسول اور علی رضی اللہ عنہ کے کسی اور کی امامت ممتنع ہو جائیگی۔
 (۲) "وَالَّذِينَ آمَنُوا" جمع کا صیغہ ہے۔ اس کے علی رضی اللہ عنہ (واحد) مراد
 نہیں لیا جاسکتا۔

۱۳) اس کے آگے ہیں۔ ”يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ“ حضرت علیؑ کا زکوٰۃ دینا ثابت نہیں
 (۱۴) ”وَالَّذِينَ آمَنُوا“ سے مراد اگر حضرت علیؑ ہوں۔ تو اس کے آگے ان کے
 ساتھ دوستی کرنے والے گروہ کو غالب قرار دیا گیا ہے۔ مگر بقول مشاعر علیؑ کا معاملہ
 اس کے برعکس ہے۔

۱۵) اہل سنت کی تفاسیر میں جہاں ”وَالَّذِينَ آمَنُوا“ سے مراد حضرت علیؑ
 کو لکھا گیا ہے۔ وہاں علمائے اہل سنت نے شیعوں کا قول نقل کر کے اس کے
 آگے اس کی تردید کی ہے۔ پس وہ تمہارے لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔

(۱۶) لفظ ”ولی“ دوست۔ ناصر اور حاکم کے معنوں میں مشترک ہے۔ اس کے
 معنی صرف ”حاکم“ لینا حجت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے لئے دلیل نہ دی جائے
 (۱۷) اس آیت میں ”ولی“ کے معنی ”محب و ناصر“ کے ہیں۔ کیونکہ اس آیت

سے پہلے مومنوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا ہے۔ اور اس کے
 بعد اس آیت میں اللہ رسول اور مومنوں کو دوست بنانے کی تلقین کی گئی ہے

(۱۸) یہ آیت اصحاب ثلاثہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت
 میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ“ ہے۔ کہ اسے مسلمانوں اگر

تم میں سے کوئی مرتد ہو جاوے۔ تو خدا ایک اور قوم کو لائے گا وغیرہ۔ آنحضرتؐ
 کی وفات پر ”ظہور عرب“ جو ہوا۔ یعنی تمام عرب واسے مرتد ہو گئے۔ ان کو حضرت

ابوبکرؓ اور ان کے اصحاب کے سوا اور کون مسلمان بنانے والا ہوا۔
 (۱۹) ”وَالَّذِينَ آمَنُوا“ سے دوستی رکھنے والوں کو خدا نے غالب گروہ قرار دیا

ہے۔ اور وہ اصحاب ثلاثہ اور ان کے اصحاب ہیں۔
 شیعہ: ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَعَلَيْكَ مَوْلَاكَ“

نعم غدیر کے موقع پر ایک لاکھ بیس ہزار صحابہؓ کے سامنے خلافت علیؑ کا
 آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا۔

جواب:۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے:۔ جو مجھ سے محبت کرے وہ علیؑ سے

بھی محبت کرے۔

یا
”جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ علی بھی اس سے محبت کرتا ہے۔“
”موتی“ طرف ہے۔ جس کے معنی محل محبت کے ہیں۔

(۲) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کے سامنے اعلان کیا۔ تو اس کے دو تین ماہ ہی بعد آنحضرت صلیع کی وفات کے دن وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کہاں گئے تھے؟ ان میں سے ایک بھی تو خلافت کے لئے حضرت علی کا نام نہیں لیتا۔
(۳) حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش نہیں کرتے۔
(۴) یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کی وفات پر حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ تو حضرت معاویہ نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو اپنی خلافت منوانے کے لئے متعدد دلائل دیئے۔ مگر خم غدیر کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا لہذا ثابت ہوا۔ کہ یہ بعد کا اختراع ہے۔

”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا“

جواب :- (۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھو (ترمذی جلد ۱ کتاب المناقب)
(۲) اس کا ترجمہ ہے۔ ”میں علم کا شہر ہوں۔ اور اس کا دروازہ بہت بلند ہے“
کہاں ہے ذکر علی؟

(۳) کبھی ایک دروازہ والا بھی شہر ہوا ہے؟ ہاں جیل خانے اور کوٹھڑی کا ایک دروازہ ہوتا ہے۔ شہر کے کم از کم چار دروازے ہونے چاہئیں۔
ہمارے نزدیک آنحضرت صلیع کا شہر ہے۔ اور ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ علیؓ رضی اللہ عنہم اس شہر کے چار دروازے ہیں۔ حضرت علیؓ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ یاد رہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں ایک دروازے کا حصر نہیں۔

(۴) خود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو فرمایا۔ اَلَيْسَ لَتَعْلَمَ مَا نَعْلَمُ

(بیچ البلاغہ مشہدی صفحہ ۱۱۲)

کہ اے عثمانؓ تو اتنا ہی عالم ہے۔ جتنا میں۔ پس حضرت عثمانؓ کی حضرت علیؓ سے مساوات علمی ثابت ہے۔ اگر وہ علم کا دروازہ ہیں۔ تو حضرت عثمانؓ بھی بوجہ مساوات علمی رکھنے کے علم کا دروازہ ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کا جنازہ

اعترافِ شیعہ :- حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ نہیں پڑھا۔
جواب :- غلط ہے۔ حضرت عثمانؓ کے جنازہ پر حضرت علیؓ حاضر ہوئے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

(۱) ”وَقِيلَ شَهِدْ جَنَازَتَهُ عَلِيٌّ وَ طَلْحَةُ وَ زَيْدُ ابْنِ ثَابِتٍ وَ كَعْبُ ابْنِ مَالِكٍ“ (کامل ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۷۶)

اور کہا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے جنازہ پر حضرت علیؓ، طلحہؓ، زید بن ثابتؓ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے۔
(۲) اسی طرح شیعوں کی ”ناسخ التواریخ“ میں ہے :-

حسن بن علی با عبد اللہ بن زبیر و ابو جهم بن حذیفہ و چند تن جسد اور ابر تختہ پارہ نہادند..... وحش نام بستان است در آنجا بخاک سپردند۔
”ناسخ التواریخ“ کتاب دوم جلد ۲ صفحہ ۸۳۸) گویا حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ بوساطت امام حسنؓ کرایا۔

نیز جو امر حضرت علیؓ کو (بقول شما) جنازہ عثمانؓ پڑھنے سے مانع تھا۔ وہ حضرت حسنؓ کو کیوں مانع نہ ہوا۔

حضرت ابو بکر و عمرؓ کا جنگ سے بھاگنا

اعترافِ شیعہ :- حضرت ابو بکر و عمرؓ جنگ سے بھاگے۔
جواب :- غلط ہے۔ طبری میں ہے :-

(۱) "وَنَهَمْنَ نَحْوَ الشَّعْبِ مَعَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَبُو بَكْرٍ
 أَبِي قَحَافَةَ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ" (طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ ص ۱۲۰)
 اور گھاٹی پاس آنحضرت صلعم کے ساتھ۔ حضرت علی حضرت ابوبکر اور
 حضرت عمر کھڑے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔

(۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْصَرَفَ كُلُّهُمْ عَنْ
 رَسُولِ اللَّهِ فَكُنْتُ أَوَّلُ مَنْ فَاءَ" (تاریخ الخلفاء ص ۳۵)

حضرت ابوبکر رضا فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب آنحضرت ص کے پاس
 سے سب لوگ ادھر ادھر چلے گئے۔ تو سب سے پہلے میں آپ کے پاس پہنچا۔
 (۳) وَ مِمَّنْ يَثْبُتُ مَعَهُ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ
 (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ مطبوعہ لندن)

کہ جنگ حنین میں حضرت ابوبکر رضا آنحضرت صلعم کے ساتھ ثابت قدم
 رہے۔

(۴) وَ ثَبَتَ (ابوبکر) يَوْمَ أُحُدٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶)
 کہ حضرت ابوبکر جنگ احد اور حنین میں ثابت قدم رہے۔

(۵) اسی طرح جنگ خیبر کے متعلق لکھا ہے۔
 "وَ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ أَخَذَ رَأْيِيَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ثُمَّ نَهَمْنَ فَقَاتَلَ قِبَالَ
 شَدِيدٍ أَهْوَأَ شَدِّ مِنَ الْقِتَالِ الْأَوَّلِ (طبری جلد ۳ ص ۱۵۸ مطبوعہ لندن)
 کہ خیبر میں جب آنحضرت صلعم بیمار ہو گئے۔ تو حضرت ابوبکر رضا و عمر رضا
 نے یکے بعد دیگرے آنحضرت صلعم کا جھنڈا لے کر ایک دوسرے سے
 بڑھ کر کفار سے جنگ کی۔

(۶) اسی طرح تاریخ الخلفاء میں حضرت ابوبکر رضا کے متعلق حضرت
 علی رضا کی شہادت موجود ہے :-

"فَوَاللَّهِ مَا دَنَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا أَبُو بَكْرٍ شَاهِدًا بِالسَّيْفِ عَلَى

رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ أَشْجَعُ النَّاسِ“۔ (تاریخ الخلفاء) ۲۵
 کہ خدا کی قسم! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی ہم میں سے آنحضرت
 کے قریب نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر تلوار سونت کر آنحضرت کے سر
 پر پہرہ دے رہے تھے۔ پس آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ پس
 کتب اہلسنت سے اصحاب ثلاثہ کا جنگوں کے مواقع پر ثابت قدم
 رہنا ثابت ہے۔ اسی لئے اہلسنت کے بالمقابل یہ طعن کوئی وقعت
 نہیں رکھتا۔

باب غفک

۱۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلعم کے ترکہ سے کچھ نہ دیا
 حالانکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لَا نُورِثُ وَلَا نُورِثُ والی حدیث کے
 پیش کرنے پر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی آیت پیش کی کہ یَوْمَئِذٍ اللَّهُ فِي
 أُولَادِكُمْ بِذَكِّكُمْ مَشْهُلٌ حَظًّا الْأُنثِيَّاتِ۔

جواب ۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منہ سے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ
 آنحضرت کی حدیث سنی ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم کو آنحضرت صہ ہی زیادہ
 سمجھتے تھے۔

جواب ۲۔ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے منہ تھی۔ تو دیگر ازواج مطہرات اور
 خصوصاً اپنی لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وراثت دیتے۔ اور انہوں نے
 اس سے نہ مانگی۔ کہ ان کو مندرجہ بالا حدیث مانع تھی۔ اگر یہ کہیں۔ کہ ان کو
 اس سے نہ دی۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دعویٰ نہ کر بیٹھیں؟ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا تو بہت جلد فوت
 ہو گئیں۔ بعد ان کے دے دیتے۔ مگر ایسا نہ کیا۔

جواب ۳۔ لَا نُورِثُ وَلَا نُورِثُ والی حدیث شیعوں کے نزدیک
 بھی درست ہے۔ چنانچہ اسی مغہوم کی حدیث شیعوں کی کتاب کافی میں
 محمد بن یعقوب رازی نے ابوالبحری سے وہ ابو عبید اللہ جعفر بن صادق

سے روایت کرتے ہیں: **إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَذَلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا فِي نَسَبِهِمْ لَمْ يَرِثُوا دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَإِنَّمَا أُورِثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ وَإِنْ أَخَذَ بَشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ بِحَقِّهَا وَافِي** کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ اور یہ اس لیے ہے کہ انبیاء نے وراثت نہیں چھوڑی اور ایک نسخہ میں ہے: "نہ وارث ہوئے" کسی درہم یا دینار کے بلکہ وارث کئے گئے ان کے کلام میں سے کلام کے۔ اور اگر اسمیں سے کسی نے کچھ لیا۔ تو گویا اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔

جواب نمبر ۴: اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مذکورۃ الصدور حدیث حضرت کے منہ سے نہیں سنی تھی۔ تو ان کو فاطمہ کو ورثہ سے محروم کرنے سے کیا فائدہ ملا؟ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین خود سے لی۔ یا اپنے خاندان کو دے دی۔ اگر ایسا نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد سوائے شریعت کے حکم کو پورا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔

جواب نمبر ۵: اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو انہوں نے اس حدیث کی وجہ سے محروم کیا۔ تو اس وجہ سے اپنی اور اپنے دوست حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم کیا۔

جواب نمبر ۶: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ ہوئے۔ تو کیوں انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ نہ دلایا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ قابل تقسیم نہ تھا۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس واسطے غاصب ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کا حصہ نہ دیا۔ تو بعینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ویسے ہی غاصب ہیں۔

(۲) اعتراض ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے فدک کی وصیت کی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بغاوت و صیت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک پر تصرف

نہ دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سخت ناراض ہوئیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي یعنی جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب ۱: شیعہ لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صرف حضرت ابو بکرؓ نے اس وصیت اور یہ نامہ کو جاری نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی جاری نہ فرمایا تھا۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو واسطے اس کا اجرا نہ فرمایا۔ کہ انہوں نے یہ حدیث سنی تھی۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ جو ہم چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا۔ لیکن پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چند روزہ خلافت میں کیوں اسکو جاری نہ کیا؟ پس معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ روایت چونکہ پہنچ چکی تھی۔ اور وہ اسکو درست تسلیم کرتے تھے۔ اسی واسطے آپ نے بھی اسکو ویسے ہی رکھا۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں چلی آتی تھی۔

باقی ناراضگی کے متعلق یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ آپ نے اسوقت فرمائے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑائی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپ نے اسوقت کھڑے ہو کر ایک خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا:-

أَلَا إِنَّ فَاطِمَةَ بَضْعَةٍ مِنِّي يَوْمَ ذِي نِجْيٍ مَا أَذَاهَا فِيرِيْبِي مَا أَرَاهَا
فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر اسے تکلیف ہوئی۔ تو مجھے بھی ہوئی۔ پس جس نے اسکو ناراض کیا۔ اس نے مجھے بھی ناراض کیا۔

حدیث میں آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا کہ جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچی تھی جس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی تکلیف پہنچی۔ اور آپ نے تکلیف اور جوش میں ہی ایک خطبہ بھی پڑھا۔
 جس میں پہلے مورد جناب علی رضی ہی ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی سے اگر وہ ایک
 بات پر جو واقعہ میں حق تھی۔ ناراض ہو گئیں۔ تو آپ اس حدیث کے سچے نہیں
 آسکتے۔ کیونکہ یہ بعد کا واقعہ ہے۔ اور آپ نے یہ کوئی قانون نہیں باندھا تھا
 بلکہ ایک خاص واقعہ پر فرمایا تھا۔ کہ فاطمہ رضی کو جس تکلیف دی ہے۔
 اس سے مجھے بھی تکلیف دی ہے۔

جواب ۱۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فاطمہ رضی نے بعد میں حضرت
 ابو بکر رضی سے صلح کر لی تھی۔ اور انہوں نے جب اپنی سادگی سے فرمایا۔ کہ میں
 آنحضرت کی رشتہ داری کو اپنی رشتہ داری پر ترجیح دیتا ہوں۔ تو وہ
 آپ کی باتوں اور آپ کی حق پسندی کو سمجھ گئیں۔ اور ان سے راضی ہو گئیں۔ اور
 ان سے راضی ہو گئیں۔ اور اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ شیعہ کتب میں بھی اسکی تصدیق
 موجود ہے۔ چنانچہ حجاج الکلبی میں ایک روایت یوں نقل کی ہے:-

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَأَى فَاطِمَةَ انْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ
 بَعْدَ ذَلِكَ فِي أَقْرِ فِدْلٍ كَبُرَ ذَلِكَ عَلَيْهِ فَأَرَادَ اسْتِزْوَاءَ هَافَاتِهَا
 فَقَالَ لَهَا يَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ مَدَقْتُ فِيمَا دَاغَيْتِ وَلَكِنِّي رَأَيْتُ
 رَسُولَ اللَّهِ يَقْسِمُهَا فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ
 بَعْدَ أَنْ يُؤْتِي مِنْهَا ثَوْبًا وَالثَّانِيَيْنِ بِهَا فَقَالَتْ أَفْعَلُ فِيهَا
 كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَفْعَلُ فِيهَا فَقَالَ ذَلِكَ اللَّهُ عَلَيْهِ أَنْ أَفْعَلُ
 فِيهَا مَا كَانَ يَفْعَلُ الْبُؤْسُ فَقَالَتْ وَاللَّهِ لَا أَفْعَلَنَّ فَقَالَتْ اللَّهُمَّ
 اشْهَدْ فَهَرَضْتُ بِذَلِكَ وَأَخَذْتُ الْعَهْدَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ
 يُعْطِيهِمْ مِنْهَا قَوْلَهُمْ وَيُقْسِمُ الْبَاقِي فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ
 وَابْنَ السَّبِيلِ.

ترجمہ ۱۔ ابو بکر رضی نے جب دیکھا۔ کہ فاطمہ رضی اسکی دل تنگ ہوئیں۔ اور معاملہ

فدک میں اس کے بعد ان سے بات کرنا ترک کر دیا۔ تو یہ بات ان پر گراں گزری۔ اس لئے ان کو راضی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور ان کے پاس آئے۔ اور کہا۔ اے رسول اللہ کی بیٹی! تم نے جو کچھ دعویٰ کیا۔ سچا تھا۔ لیکن میں نے حضرت کو دیکھا۔ کہ آپ اس مال کو فقیر اور مساکین اور مسافروں پر تقسیم کر دیتے تھے۔ تمہاری خوراک کے مطابق نکال کر کے اور کام کرنے والوں کے لئے نکال کر پس فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ کرو۔ جو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم! ایسا ہی کیا کر دنگا۔ جیسے آپ کے باپ کیا کرتے تھے۔ پھر وہ کہنے لگیں۔ تم کو قسم ہے خدا کی کہ تم ایسا ہی کرو۔ انہوں نے تصدیق کی۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اے خدا! تو گواہ رہ۔ پھر راضی ہوئیں۔ اور عہد کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے۔ اور وہ ان کو گدارہ کے مطابق دیتے تھے باقی فقیروں مساکین اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ عبارت اس کتاب میں ہے۔ جو شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں۔ جن سے اس دعویٰ اور الزام کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ جواب کتاب ۱۔ کتاب پنج البلاغۃ میں شیخ ابن مطہر نے ایک بات کہی۔ جس سے تمام جھگڑا دور ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

اِنَّهُ لَتَاَوْعَطَتْ فَاَطِمَةً اَبَا بَكْرٍ فِيْ فِذِيْ كَتَبَ لَهَا كِتَابًا وَرَدَّ عَلَيْهَا۔ یعنی جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فدک کے معاملہ میں بہت نصیحت وغیرہ کی۔ تو انہوں نے اس کو نوشتہ لکھ دیا۔ اور

اس کو دے دیا۔ اگر یہ روایت درست ہے۔ تو پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر طعن کا کوئی موقع ہی نہ رہا۔

”فَاَقْسَمَ عَلَيْهَا لَتَرَدُّنِيْ فَرَسًا ضَيْيْتُ“ (تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر) کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی ہونے کے لئے قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہو گئیں۔

فَمَشَى إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ بَعْدَ ذَلِكَ وَشَفَعَهُ لِعُمَرَ وَطَلَبَ إِلَيْهَا
فَسَأَلَتْ عَنْهُ (شرح پنج البلاغۃ جزء دوم ص ۶)

کہ حضرت ابو بکر رضی حضرت فاطمہ رضی کے ماں گئے۔ اور حضرت عمر رضی کی
سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی حضرت عمر رضی سے بھی راضی ہو گئیں۔
پھر آیت مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَالرَّسُولِ
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ لَكُمْ لَا يَكُونُ
دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ
وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
(حشر ۱۶) ترجمہ ۱۔ جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں
سے پس اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں
کے لئے ہے۔ تاکہ نہ ہووے ہاتھوں ہاتھ لینا درمیان دولتمندوں کے
تم میں سے اور جو کچھ دے تم کو رسول اور جو منع کرے تم کو تو باز رہو۔ اور
درو اللہ سے۔ یقیناً اللہ سخت عذاب کر نیا والا ہے۔ اس سے ظاہر ہے
کہ فدک کے مال میں کتنے حصہ دار تھے۔ یہ باغ فدک مال فخر میں ہو تھا۔

تردید دلائل تقیہ

تقیہ کی تعریف از کتب شیعہ

”جو مومن باطمینان قلب موافق شرع کے رہ کر بخوف دشمن دین فقط
ظاہر میں موافقت کرے دشمن دین کی تو دیندار ممدوح و متقی ہے“

(قول فیصل مصنفہ مرزا رضا علی صفحہ ۱۳)

قولہ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقیہ کیا۔ جبکہ صلح حدیبیہ میں
رسول اللہ اور تبسم اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

اقول۔ یہ تقیہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ دونوں فرقوں کا لحاظ ہونا تھا۔ اس واسطے آپ نے کفار کا لحاظ رکھتے ہوئے بسم اللہ کی بجائے بسمک الہم لکھوایا۔ اور آپ نے یہ انکار نہیں کیا۔ کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں۔ بلکہ اقرار کیا ہے۔ اور فرمایا تھا۔ اَنَا مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولُ اللَّهِ۔

قولہ۔ (الْأَوْسَىٰ أَكْبَرُ) وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ الخ (پہا ۴۰۴) کہ کافر کے غلبہ کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اقول۔ جواب ۱۔ کفر دو قسم کا ہے۔ (۱) عقائد (۲) اعمال عقائد انسان کے دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اکراہ ممکن نہیں کیونکہ کسی کے عقائد کو کوئی دوسرا شخص جبراً نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ ”جبراً“ اور ”اکراہ“ کے معنی تو یہ ہیں۔ کہ ”قوت فیصلہ“ کو معطل کر دیا جائے۔ عقائد میں اکراہ اس لئے ممکن نہیں۔ کہ ان کے بدلنے یا نہ بدلنے میں بہر حال ”قوت فیصلہ“ کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً :-

زید اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے۔ بکواسکو کہتا ہے۔ کہ اگر تم خدا کا انکار نہ کرو گے۔ تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اب زید کو دو چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ یا تو خدا کی ہستی پر ایمان کو مقدم کرے۔ یا اپنی زندگی کو۔ اگر وہ اپنی زندگی کو مقدم کر کے خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ ”الْأَوْسَىٰ أَكْبَرُ“ میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ انکار اس کی ”قوت فیصلہ“ کے استعما کے نتیجے میں ظاہر ہوا ہے۔

کفر کی دوسری قسم ”اعمال“ کے متعلق ہے۔ اس میں جبر اور اکراہ کئی صورتوں میں ممکن ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے۔ کہ کسی شخص سے جبراً بعض ایسے اعمال سرزد کرائے جائیں۔ جن میں اس کی قوت فیصلہ کا ایک ذرہ بھی دخل نہ ہو۔ مثلاً اگر زید۔ بکر اور عمر پکڑ کر خالد کو جبراً شراب پلانا چاہیں

یا کسی اور نا جائز فعل کا ارتکاب چاہیں۔ تو گویا خالد اس سے بچنے کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ پھر بھی ممکن ہے۔ کہ اسے لٹا کر جبراً شراب اس کے منہ میں ڈال دی جائے۔ اب اس طریق پر شراب پینے میں خالد کے ارادہ اور اسکی "قوت فیصلہ" کا اک ذرہ بھی دخل نہیں۔ یوں تو شراب پینا یا زنا کرنا ایمان کے خلاف ہیں۔ مگر مندرجہ بالا طریق پر ان کا ارتکاب کرایا جانا یقیناً "إِلَّا مَسْنُ الْكُفْرَةِ" کے ماتحت آتا ہے۔ کیونکہ وہ باوجود اپنے انتہائی طور پر مصمم اور غیر متزلزل ارادہ کے اس سے بچ نہ سکا۔ کسی شخص کی زبان کو کوئی دوسرا شخص زبردستی پکڑ کر چلا نہیں سکتا۔ کہ وہ اپنے عقائد کے خلاف کہے۔ مگر اعمال کا صدور جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعض اوقات جبراً کرایا جاسکتا ہے۔ پس آیت مندرجہ بالا میں لفظ ایمان "کفر" کے بالمقابل ہے۔ اور "کفر" کے معنی زبانی انکار ہی کے ہیں۔ بلکہ اعمال کے رنگ میں بھی نافرمانی کے ہیں جیسا کہ لغت میں ہے :-

لَا أَكْفَرُ لَزِمَ الْكُفْرُ وَالْعَصِيَانُ بَعْدَ الطَّاعَةِ وَالْإِيمَانِ
(المنجد صفحہ ۴۹۷ زیر لفظ کفر)

اس نے کفر کیا۔ یعنی کفر اور عصیان سے وابستہ ہوا۔ فرمانبرداری اور ایمان کے بعد۔

گویا لفظ کفر میں ہر قسم کا عصیان داخل ہے۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ "عقائد" کے متعلق "اکراہ" ممکن ہی نہیں۔ اور اس زبردستی یا "جبر" کو "اکراہ" کہا ہی نہیں جاسکتا۔ جو عقائد کے تبدیل کرانے کے لئے کسی شخص پر کیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں دو مشکل راہوں میں سے ایک کو دوسری پر مقدم کرنے کا فیصلہ خود اس شخص کے ماتحت میں ہوتا ہے۔ جس پر "جبر" کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ ”ایمان“ کے مقابلہ میں ”جان“ کی کوئی حیثیت نہیں۔ پس جو شخص ”جان“ کے خوف سے ”ایمان“ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی بجائے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے دنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس نے یہ فیصلہ ”اکراہ“ کے ماتحت کیا ہے۔ کیونکہ اکراہ تو اس صورت میں ہوتا۔ جب وہ یہ کہہ سکتا۔ کہ یہ جو کچھ ہو یا میرے ”فیصلہ“ سے نہیں ہو یا۔ ہاں بعض ”اعمال“ ایسے رنگ میں دوسرے شخص سے جبراً صادر کرائے جاسکتے ہیں۔ جن میں اس کے اپنے فیصلہ کا دخل نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر مثال دی گئی ہے۔ پس شیعوں کا تقیہ اس آیت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ وہ ”اعمال“ کے متعلق اس رنگ میں استثناء نہیں مانتے جس رنگ میں اوپر بیان ہوا۔ بلکہ وہ عقائد کو کسی کے خوف سے چھپانے اور اس کے خلاف کہنے کا نام ”تقیہ“ رکھتے ہیں۔

اگر عقائد کو اس طریق پر چھپانے کی اجازت مل جائے۔ تو کسی نبی کی جماعت بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر اس رنگ میں تقیہ جائز ہوتا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین صحابہ جن کو محض اسلام لانے کی وجہ سے سخت تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ضرور اس سے فائدہ اٹھاتے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے۔ تو مسلمان کون ہوتا؟ پس ان بزرگوں کا انتہائی مصیبتیں اٹھا کر بھی انکار نہ کرنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک ”عقائد“ کے متعلق ”اکراہ“ ممکن ہی نہیں۔ اور یہ کہ اگر عقائد کو تبدیل کرنا ”إِلَّا مَنِ الْكِبْرَاء“ کی استثناء میں نہیں آتا۔

جواب ۲ :- تقیہ کے متعلق ایک نہایت ضروری سوال ہے۔ اور وہ یہ کہ :-

”تقیہ کرنا اچھا ہے یا بُرا؟“

اگر کہو برا تو وہاں یہ عقائد شیعہ کے خلاف ہے۔ (۲) حضرت علی رضی نے کیوں کیا (بقول شما) اگر کہو کہ اچھا تو حضرت امام حسین رضی نے یزید کے بالمقابل کیوں نہ کیا؟

جواب ع۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ نے جو "اکراہ" اور "جبر" کے نتیجے میں استثناء بیان فرمائی ہے۔ جسکی تفصیل جواب ع میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو بھی مستحسن قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے بھی ایک قسم کا گناہ ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کے آگے ہی فرمایا۔ "ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ" کہ پھر اس کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو بعض اعمال اور افعال کے متعلق "جبر" اور "اکراہ" کے ماتحت استثناء ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو بخشش کے ماتحت لایا ہے۔ پس صاف طور پر ثابت ہے کہ یہ "اکراہ" اور "جبر" کی حالت اعلیٰ درجہ کے مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ "عوام کمزور ایمان والوں" کے متعلق ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور خواص مقربین کی ملائکہ کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے۔ اس لئے کفار کو ان پر اس رنگ میں تصرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ وہ ان سے جبراً اذراہ "اکراہ" اعمال خلاف شریعت کا ارتکاب کرا سکیں۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ڈر کر بیعت کر لی۔ اور اپنے عقائد کے خلاف عقائد ظاہر کئے۔ اور نعوذ باللہ جھوٹے اور خائن اور غاصب "خلفاء پر ایمان لے آئے" انتہائی طور پر حضرت علی رضی کی ہتک ہے۔

جواب ع۔ ۲۔ اگر فی الواقعہ حضرت علی رضی نے تقیہ کیا تھا (بقول شما) تو بعد میں ان کو بطور احتجاج ہجرت کر کے خلفائے ثلاثہ کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا جنہوں نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور کیا تھا۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس کے قائل تھے۔ خادم

قوله: وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَتَكَ (۹۶)

کہ آل فرعون میں سے ایک شخص حزقیل نامی نے تقیہ کیا، فرعون موسے سے تو وہ مدوح خداوند ہو گیا۔ حالانکہ یہ تقیہ توحید خدا میں تھا۔ اور شیعہ کا تقیہ ولایت اور خلافت علی میں تھا۔ تو اس سے بڑھکر مدوح خدا میں۔

اقول۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے قتل کی دھمکی دی۔ تو حزقیل بول اٹھا۔ اَلْقَتْلُوْنَ رَجُلًا مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ اِسَاقَتْ کَیَا مُوسٰی نے تقیہ کیا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسوقت بھی موسے نے خدا ہی سے پناہ مانگی۔ نہ کہ فرعون کے آگے جھٹکے۔ پس جسوقت موسے علیہ السلام کو قتل کا خطرہ تھا۔ اسوقت بھی انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ اور اگر تقیہ کوئی اچھی بات ہوتی۔ تو حضرت موسے علیہ السلام بھی اسکو اختیار کرتے۔ اب رہا حزقیل تو اس نے کتم ایمان کیا نہ کہ تقیہ۔ اور کتم ایمان اور تقیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ یکتہ ایمان نہ کہ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ آدمی اسدن سے پہلے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اور اسدن اگر اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ تو اس نے اظہار ایمان کیا نہ کہ تقیہ اور یہ بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ایمان چھپاتا تھا۔ یعنی کتم ایمان کرتا تھا۔ یعنی وہ یہ نہیں کہا کرتا تھا۔ کہ میں کافر ہو گیا ہوں۔

قوله: جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ نے اصنام باطلہ کو الہ برحق تعبیر کیا۔ اور فرمایا۔ فَرَاغَ اِلٰی الْیَقِیْنِمُ الخ پ ۲۳ رکوع ۴ اور ایسا کرنے سے الہ حق میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس طرح اگر امام حق نے مصلحتاً شریعتاً خلیفہ باطل کو خلیفہ یا امام کہا۔ تو نہ قائل کو کوئی ضرر ہے۔ اور نہ خلیفہ باطل کو کوئی شرف حاصل ہوا۔

(قول فیصل صفحہ ۱۲)

اقول۔ الْیَقِیْنِمُ میں ھُم سے مراد وہ کافر ہیں۔ جو ان کو مہبود سمجھتے تھے۔ تو یہ تمہاس مع الفارق ہے۔ کہ الْیَقِیْنِمُ میں تو مشرک ان کو مہبود مانتے تھے۔ اب اگر حضرت علی رضا حضرت ابوبکرؓ کو امیر المؤمنین کہتے تھے۔ تو آپ حضرت ابوبکرؓ

کو برحق مانتے تھے۔ تو اسی میں کوئی تقیہ نہیں۔ اگر کہو کہ آپ ان معنوں میں ایمان نہیں
 امیر المؤمنین کہتے تھے۔ کہ آپ ان لوگوں کے خلیفہ تھے۔ جو ان کی خلافت پر
 ایمان لائے تھے۔ تو اس صورت میں بھی آپ تقیہ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو
 خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے۔ اور خلیفہ برحق نہ ماننے کی صورت میں تقیہ نہ رہا۔
 ما، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک جو کہ
 پچیس سال کا عرصہ ہے۔ کافر خلفاء کی بیعت کرنا اور ان کی اطاعت کرنا اور
 ان کو سچا خلیفہ ماننا بسبب تقیہ کے ہو سکتا ہے۔ تو اگر کوئی خارجی یہ کہے کہ
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ۲۳ برس تک رسول مقبول کو ماننا بھی تقیہ کے سبب
 سے ہے۔ تو جو جواب اسکا شیعہ دیں گے۔ وہی جواب ہمارا بھی ہوگا۔ پس
 تقیہ ماننے کی صورت میں دلیل اسکا ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اڑ جائیگی۔
 (۲) یہ طبعی قاعدہ ہے۔ کہ ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔
 اگر کسی شخص کے دل میں کسی کا بغض ہو۔ لیکن ظاہر میں اس سے محبت کرے۔
 اور تعظیم سے پیش آوے۔ تو آہستہ آہستہ وہ بغض دور ہو جائیگا۔ یہی حال ایمان
 کا ہے۔ اگر اس کے مطابق نیک عمل نہ کیا جاوے۔ تو وہ آہستہ آہستہ دل
 سے مفقود ہو جاتا ہے۔ پس تقیہ اس لئے ناجائز ہوا۔ کہ اس پر عمل کرنے
 کی صورت میں ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔

(۳) عقلاً کفر اور ایمان کے بارے میں چار گروہ ہو سکتے ہیں۔

(الف) دل میں اور ظاہر میں دونوں میں ایمان ہو۔

(ب) دل میں کفر اور ظاہر میں بھی کفر۔

(ج) دل میں کفر اور ظاہر میں ایمان۔

قرآن شریف نے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر چوتھا گروہ "کہ دل میں ایمان
 اور ظاہر میں کفر ہو" کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ گروہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایمان
 ایسی چیز نہیں ہے۔ جو دل میں چھپ سکے۔ سوائے اس کے کہ وقتی طور پر ہو۔

وہ بھی کمزور ایمان والا کر گیا۔ اور وہ مجرم ہو گا۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ
كَتَبْنَا مِنْ بَعْدِ هَٰذَا لَنُفْخِرَنَّ بِرَحْمَتِنَا (نحل رکوع ۱۴)

(۴) منافق اور کافروں بلحاظ کفر کے کوئی فرق نہیں۔ مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي السَّعِيرِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافقوں کو سب سے زیادہ سزا ملے گی۔ اسکی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ ان لوگوں نے دلی عقیدہ کو چھپایا۔ پس جب کفر کے چھپانے پر سزا بڑھ جاتی ہے۔ تو ایمان کے چھپانے پر بدرجہ اولیٰ بڑھ جانی چاہیے۔

(۵) حضرت علیؑ نے مکہ کی زندگی میں دل میں اسلام رکھا۔ اور ظاہر میں بھی اسلام رکھا۔ اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو ظاہر میں بت پرستی کرتے۔ کیونکہ وہاں زیادہ خطرہ تھا۔

(۶) حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو جب مکہ میں کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچی۔ تو انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے وہاں سے ہجرت کر لی۔ اگر مدینہ میں بھی کسی وقت ان کو ایمان کے بچانے کی ضرورت پڑتی۔ تو وہ ضرور وہاں سے ہجرت کرتے۔ مگر انہوں نے خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک وہاں سے ہجرت نہ کی۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ ان کو وہاں ایمان بچانے کی ضرورت نہ پڑی۔ اگر کہو کہ انہوں نے کوفہ میں ہجرت کی تھی۔ تو وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں کی تھی۔ جب کہ ڈر نہیں رہا تھا۔

(۷) جبر کی صورت میں ایمان چھپانا جائز ہے یا فرض۔ اگر کہو جائز ہے۔ تو پھر وہ افضل ہے۔ یا کہ اسکا غیر افضل ہے۔ اور اگر فرض ہے تو اسکی عدم تعمیل یقیناً گناہ کا موجب ہوگی۔ اور پھر اگر فرض ہے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی۔ پس معلوم ہوا۔ کہ تقیہ فرض نہیں۔ اور اگر جائز ہے۔ تو وہ اولیٰ ہے یا اس کا غیر اولیٰ ہے۔ قرآن مجید
وَإِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِ هَٰذَا لَنُفْخِرَنَّ بِرَحْمَتِنَا کہہ کر جبر کی وجہ سے تقیہ کو حلال

کو گنہگار قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ کا غیر اولیٰ ہے۔ اور امام کو یہی سزا دار ہے۔ کہ وہ اولیٰ پر عامل ہو۔

(۸) حضرت عمار بن یاسر کو اگر تقیہ کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ تو ان کے ماں باپ کو شیعہ کیا سمجھتے ہیں۔ یقیناً ان کو نیک اور شہید جانتے ہیں۔ پس ایک بات جو کسی کی غلطی ہو۔ اسکو ائمہ کے حق میں تجویز کرنے سے یہ بہتر ہے۔ کہ ائمہ کے حق میں اولیٰ بات تجویز کی جائے۔

(۹) جس طرح اسلام میں کمزوروں کی رعایت کے لئے اُور کے مارے ایمان چھپانے کو کفر قرار نہیں دیا ہے۔ اسی طرح کامل مومنوں اور نبیوں کے لئے شجاعت اور بے خوفی کو لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ لَا يَخَافُونَ كَوْمَةً لَا يَمُوتُونَ إِلَّا بِاللَّهِ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ لَا يَخَافُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ. لَا تَخَفْ إِيَّايَ لَا يَخَافُ كَذِبِي الْمُؤْمِنُونَ (انبیاء رکوع ۲)

پس عجیب بات ہے۔ کہ جو بات کمزوروں کے لئے جائز ہے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں پائی جاوے۔ اور جو بات کامل مومنوں کے لئے لازم تھی۔ وہ آپ میں مفقود ہو۔

(۱۰) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتُ اسْتِخْلَافٍ جَبِيں صِرَافِ خَلْفَاءِ كَذَرَبَ۔ ایں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی ایک پہچان بتائی ہے۔ کہ وَلَيُجْبَدَنَّ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ یعنی ایام خلافت میں خوف کے معاملے پیش آئیں گے۔ مگر وہ دور ہو جائیں گے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔ کہ ان کا دین پوشیدہ نہیں ہوگا۔ اور فرمایا۔ کہ يَعْْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا۔ یعنی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ پس اس میں خلفاء کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

(الف) ان سے خوف کا دور ہونا (ب) ان کا اپنے دین کو ظاہر کرنا۔
(ج) عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

اگر ہم علی رضی کو تقیہ باز سمجھیں۔ اور ان کو پہلا خلیفہ سمجھیں۔ تو ان تینوں میں سے کوئی علامت بھی حضرت علیؓ میں پوری نہیں ہوتی۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی میں یہ تینوں پوری ہوئی ہیں۔ اگر تقیہ نہ ہو۔ تو پھر تینوں باتیں حضرت علی رضی میں پوری ہوئی ہیں۔

نوٹ:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ بَعْدَ إِيمَانِهِ إِلَّا مَسَّ أَكْرَهُ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ۔ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ صَدْرَهُ بِالْكَفْرِ فَعَلَيْهِمْ غَضَبُ اللَّهِ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مکہ کو وہ سزا نہیں ملے گی۔ جو کفر بعد الایمان اور کافر بالشرح صدر کو ملے گی۔ یہ کہاں سے ثابت ہے۔ کہ مکہ کلمہ کفر کہے۔ تو جائز ہے۔ اور گناہ نہیں۔ آیت تو کہہ رہی ہے۔ کہ گناہ ہے۔ تبھی اس کا تدارک فرمایا۔ کہ تَمَّ إِنَّ رَبَّكَ يُتَذِّبُ الْهَاجِرُونَ اگر یہ گناہ ہی نہ ہوگا۔ تو تدارک بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ پس تقیہ جائز نہیں۔

مسئلہ وراثت

يَوْمَ يُصْعَقُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِي كَرِهْتُمْ خَطَا الْأَنْثَيْنِ (نساء ۶)
اس مسئلہ لال شیعہ ۱۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اسلامی قانون پیش کیا ہے۔ کہ ہر شخص کی وارث اس کی اولاد ہے۔ چونکہ تمام احکام قرآنی میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں بھی آپ کا کوئی استثناء نہیں بدیں وجہ حضرت ابو بکر رضی نے فاطمہ رضی کو وراثت سے محروم کر کے ان کی حق تلفی کی۔

جواب :- بے شک یہ آیت عام ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلعم بھی شریک ہوں۔ جیسا کہ **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ** میں باوجودیکہ خطاب عام ہے۔ پھر بھی رسول کریم صلعم کی بیویاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح یوحیکم اللہ والی آیت میں آنحضرت صلعم کا استثناء ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ **انکحوا الا یامی** والی آیت میں اس واسطے استثناء مانتے ہیں کہ اس استثناء کا خود قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر ہے۔ جہاں فرمایا۔ **وَلَا تَنْكِحُوا اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِہَا اَبَدًا** (احزاب) لیکن یوحیکم اللہ والی آیت کا استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی عمومیت میں استثناء و ضرور قرآن ہی کے ذریعہ ہو۔ بلکہ حدیث یا تعامل کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ **لَا تَقُلْ لِّهِنَّ اُفٍّ وَلَا تَنْهَرْنَهُنَّ** (یعنی اپنے والدین کو اف نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو) کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام ہے۔ مگر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں۔ اور یہ استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہے۔ کیونکہ آپ کے والدین بچپن ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اسی طرح **يَوْمَ مَبِيكُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوَّلَادِکُمْ** والی آیت میں جو استثناء ہے۔ وہ آپ کی اسی صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو بخاری اور مسلم بلکہ تمام صحاح میں موجود ہے۔ **لَنْحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ** جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

حدیث القرقاس

شیعہ اور سنیوں کے درمیان ایک بحث قرقاس کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی بناء بخاری کی ایک حدیث پر ہے۔ جو یہ ہے (بخاری جلد ۱۰)

صفوحہ باب مرض النبی صلیہ وسلم ووفاتہ، عن ابن عباس قال لما حضر
رسول اللہ صلیہ وسلم و فی البیت رجال فقال النبی صلیہ وسلم هل من
اكتب لکم کتابا بالی تفضلوا بعدہ فقال بعضهم ان رسول اللہ
صلیہ علیہ وسلم الوجعہ و عندکم القران حسبنا کتاب اللہ
فاختلف اهل البیت و اختلفوا فمنہم من یقول
قریبوا ینتہ لکم کتابا لا تفضلوا بعدہ و منهم من یقول
غیر ذلک فلما اختلفوا للفظ و الاختلاف قال رسول اللہ
قوموا عني لا ینبغی عند النبی التنازع۔

ترجمہ :- ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت کی وفات قریب
ہوئی۔ آپ کے گھر میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آپ نے
فرمایا کہ آؤ۔ کہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھوا دوں۔ جس کے بعد تم ہرگز گمراہ
نہ ہو گے۔ بعض لوگوں نے کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیماری
کا سخت غلبہ ہے۔ اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اللہ کی کتاب
ہے۔ اور میں کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور وہ
آپس میں جھگڑنے لگے۔ کوئی کہتا تھا۔ قلم دوات۔ کاغذ لاؤ۔ تاکہ آپ وہ
بات لکھوا دیں۔ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اور بعض اسکی خلاف کہتے
تھے۔ پس جب شور و شغب زیادہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس
سے چلے جاؤ۔ بنی کے پاس باہم جھگڑانا نہیں چاہیے۔

۱۱، اس کے متعلق ایک بات یہ یاد رکھنی چاہیے۔ کہ یہ روایت صرف ابن
عباس رضی کی ہے۔ جو عمر کے لحاظ سے صرف گیارہ برس کے تھے۔ اور بالغ نہیں
تھے۔ اس لئے بہت امکان ہے۔ کہ واقعات میں اس قدر انضباط نہ ہو
جتنا کہ ایک عاقل بالغ کی روایت میں ہو سکتا ہے۔

۱۲، دوسری بات یہ کہ مخاطب حکم رسول کا کوئی خاص شخص نہیں ہے۔

اس واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عمر رضی قلم دوات نہ لانے کے ایک جیسے مجرم ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جاوے۔ تو وہ گروہ جو کہتا تھا۔ قلم دوات نہ لاؤ۔ وہ حق پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ نے یہ امر غلبہ مرض کی وجہ سے فرمایا تھا۔ لیکن دوسرا گروہ جو قلم دوات لانے کا حامی تھا۔ وہ بے شک ملزم ہیں۔ کہ باوجود یہ سمجھنے کے کہ حضرت حقیقتاً حکم دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے قلم دوات لا کر تعمیل نہ کی۔

(۳) تیسری بات یہ ہے۔ کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔ کہ ۱۔ قَوْمُوا عَنِّي لَا يَنْبَغِي عِنْدَ النَّبِيِّ التَّنَازُعُ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قلم دوات نہ لانا آنحضرتؐ کے نزدیک کوئی بری بات نہیں۔ بلکہ آپؐ کو یہ بات بری لگی۔ کہ یہ لوگ آپس میں میرے سامنے جھگڑاتے ہیں۔

(۴) اگر رسول مقبول واقعہ میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے۔ تو کیوں نہیں آپؐ نے باوجود چار دن زندہ رہنے کے نہ لکھوائی اگر لکھوانے کا موقع نہیں ملا۔ اور وہ بات نہایت ضروری تھی۔ تو کم از کم زبانی طور پر آپؐ لوگوں کو وہ بات بتا دیتے۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ۔

یعنی کوئی ایک پیغام نہ پہنچانا بھی رسالت کے منافی ہے۔ پس اگر وہ قرطاس والی حدیث الہی منشاء کے ماتحت تھی۔ اور حضرت اس کو پہلے نہیں پہنچا چکے تھے۔ تو اب آپؐ کا فرض تھا۔ کہ آپؐ باوجود حضرت عمر رضی قلم دوات نہ لانے کے روکنے کے لکھوا دیتے۔ یا کم از کم زبانی یہ پیغام پہنچا دیتے۔ اگر کہو۔ کہ حضرت عمر کا ڈر تھا۔ تو قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَاللَّهُ يَعِصُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی پیغام الہی کے پہنچانے میں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

(۶) قرطاس میں ایسی بات حضرتؐ نے لکھوائی تھی جس سے مسلمان گمراہی

سے بچیں۔ تو اگر کسی جگہ قرآن مجید میں لکھا ہے۔ کہ قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے۔ جس سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا کہ اس قرطاس میں حضرت نے قرآن کریم ہی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا تھا۔ تبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ اور قرآن میں ہے۔ کہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُنْزُوا كِتَابَ اللَّهِ کہ قرآن مجید کے ذریعہ سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔

(۷) آنحضرتؐ اپنی وفات سے دو ماہ پیشتر حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے خیمہ غدیر کے مقام پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ تَارِیْتُ فِیْکُمْ الثَّقَلِیْنِ کِتَابُ اللَّهِ وَعِزَّتِیْ۔

یعنی میں تم میں وفات پا کر دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک قرآن مجید اور دوسرے اپنے حقیقی متبع (خلفاء) اس سے معلوم ہوا کہ رسول مقبول اپنی وفات کے بعد اگر کسی تحریر کے پکڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو وہ کتاب اللہ ہے۔

(۸) یہ عجیب بات ہے۔ کہ کلام اللہ جو تیس سال تک نازل ہوتا رہا ہے۔ جس میں اختتام پر یہ کہہ دیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ اس سے تو گمراہی کا سد باب نہ ہوا۔ مگر آپؐ کی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔

(۹) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ رسول مقبولؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول بنانے لگے تھے مگر اس میں لَنْ تَفْضَلُوْا کی نفی غلط ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ سنی لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول نہیں سمجھتے۔ مگر شیعہ سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے خود شیعوں کے آپس میں بیسیوں فرقتے ہیں۔ مثلاً آغا خانی۔ بوہرے۔ زیدی۔ علی الاضحیٰ۔ نصیری۔ اسماعیلی وغیرہ (۱۰) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قلم دوات نہ لانا اس لئے کفر و فسق ہے کہ آپؐ نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے علاوہ اس حکم کی عدم تعمیل کے حدیبیہ کے موقع پر بھی ایک حکم کی قولا و فعلا عدم تعمیل کی ہے۔ جہاں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز آپ کا نام نہیں مساؤں گا۔ باوجودیکہ رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ "اَمْعُرُوْا اَشْجِیْ" مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ وَاللّٰهِ لَا اَمْعُوْکَ اَبَدًا حَتّٰی مَحَا لَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کہ خدا کی قسم میں آپ کا نام کہیں نہیں مٹاؤں گا
یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مٹا دیا۔

تردید متعہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو عرب میں آنحضرت
دس قسم کے نکاح رائج تھے جن میں سے ایک متعہ یعنی میعاد می نکاح بھی
تھا جس طرح باوجود خود اپنے نقائص کے شراب ایک مدت تک حرام نہیں
ہوئی۔ اسی طرح متعہ بھی جنگ خیر تک حرام نہیں ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کی روایت بخاری میں پائی جاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ متعہ
حرام کر دیا گیا ہے۔ پھر جنگ اوطاس پر جو فتح مکہ کے دنوں میں ہوئی تھی رسول
مقبول صلعم نے متعہ کی اجازت تین دن تک کے لئے دی تھی۔ اس کے بعد ابد
تک کے لئے حرام ہو گیا۔ اس لئے پہلی حرمت کے قبل کے واقعات یا تین
دن کے واقعات حجت نہیں ہو سکتے۔ ورنہ شراب پینا بھی اس دلیل سے جائز
ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابن عباسؓ یا ابن مسعودؓ یا بعض اور اصحاب
اخیر تک حلت متعہ کے قائل تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ کے دگر وہ
میں ایک حرمت کا قائل اور ایک حلت کا قائل۔ چونکہ حرمت کا قائل گروہ بغیر
حضرت سے حرمت کے سننے کے ایک حلت کو حرمت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔
اور حلت کا قائل گروہ حرمت کے فتوے کے نہ پہنچنے کی وجہ سے حلت کا اظہار
کر سکتا ہے۔ اس لئے حرمت کے گروہ کو حلت کے گروہ پر ترجیح دیکھا و گئی۔ اور وہ
احادیث جن میں لکھا ہے کہ حضرت کے عہد میں متعہ تھا۔ مگر ایک شخص نے
اپنی رائے سے جو چاہا کر دیا۔ وہاں متعہ الحج مراد ہے۔ نہ کہ متعہ النساء۔

اور حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ مَتَّعَتَانِ کَانَ تَا عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی
فَاَنَّا اَحَبُّ مَہْمَا یَہَاں پر احرم سے مراد اعلان اور اظہار حرمت ہے۔ جیسا کہ

حدیث اَنَا اَحْسَرُّمُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَسَرَّمُ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ میں ہے۔ یعنی
 متعہ الحج اور متعہ النساء کو جو حضرت کے زمانے میں ایک وقت تک ہوتے
 تھے۔ مگر بعد میں وہ حرام ہو گئے۔ اور کئی لوگوں کو اس کی حرمت معلوم نہ ہوئی
 اس لئے میں لوگوں پر ان دونوں کی حرمت ظاہر کرتا ہوں۔ اور وہ احادیث جن
 میں جنگ و طاس کے تین دن کے متعہ کا ذکر ہے۔ شیعوں کی کتابوں میں اس کے
 پہلے ٹکڑے دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ پوری حدیثیں یوں ہیں۔ کہ تین دن کے بعد
 متعہ حرام قرار دیا گیا۔ فَفَقَّوْا الْحَرَامَ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ اور یہ کہنا۔ کہ
 اہلبیت کا اتفاق ہے۔ کہ متعہ حلال ہے۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ بارہ اماموں میں
 سے پہلے امام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث بخاری شریف میں
 موجود ہے۔ کہ متعہ حرام ہے۔ نیز حدیث میں ہے۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے متعہ کو حرام کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو :-
 ”اِنِّي كُنْتُ اَحْلَلْتُ لَكُمْ الْمُتْعَةَ وَاِنَّ جِبْرِيلَ اَتَانِي فَاَخْبَرَنِي اَنَّهَا
 حَرَامٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۱۳ سطر ۷)
 کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے تمہارے لئے متعہ
 حلال کیا تھا۔ مگر جبرائیل ع میرے پاس آیا۔ اور اس نے مجھے اطلاع دی۔
 کہ متعہ قیامت تک حرام ہے۔“

(نوٹ :- دیلمی کے صفحہ اور سطر کا حوالہ ”فردوس الاخبار“ کے اس نسخے کے
 مطابق ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ خادِم)
 پس حضرت عمرؓ کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کے فتویٰ اور حکم کے مطابق کیا۔ اور یہ کہنا کہ اگر متعہ کا رواج ہو جاوے
 تو زنا مفقود ہو جاوے گا۔ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کوئی کہے۔ کہ اگر شریعت نہ اتاری
 جاتی۔ تو کوئی شخص گنہگار نہ ہوتا۔

اب ہم قرآن مجید سے پہلے وہ مقام دیکھتے ہیں۔ جہاں سے شیعہ لوگ

متعہ نکالتے ہیں۔ اور وہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ
 فَرِيضَةً. وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرَاءَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا کے الفاظ میں۔ لیکن اگر اس آیت کے ماقبل
 اور مابعد میں تدبیر کیا جاوے۔ تو یہ آیت متعہ کی تائید میں نہیں۔ بلکہ متعہ کے خلاف
 ہے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ
 یعنی ماؤں اور ان تمام عورتوں سے ہمبستر ہونا جن کا ماؤں کے بعد ذکر ہے۔
 حرام ہے۔ خواہ نکاح کے ذریعہ ہو۔ خواہ بغیر نکاح کے۔ یعنی ان سے مجامعت
 حرام ہے۔ آگے فرمایا۔ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ یعنی ان عورتوں کے سوا
 باقی تمام عورتوں سے مجامعت کرنا جائز ہے۔ مگر مجامعت کے لئے کچھ شرطیں
 ہیں۔ پہلے وہ پوری کرو۔ پھر مجامعت کرو۔ یعنی (۱) أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ
 یعنی مہر مقرر کرو (۲) مُحْصِنِينَ۔ اس عورت کو قید میں لانے والے ہوں۔
 یعنی ایسا معاہدہ کریں۔ کہ عورت پھر مرد سے چھوٹ نہ سکے۔ (۳) غَيْرُ مُسَافِحِينَ
 یعنی غرض اس معاہدہ کی شہوت فرو کرنا نہ ہو۔ اب ان تین شرطوں کے بعد
 جب مرد ہمبستر ہو جاوے۔ تو وہ جو پہلی شرط ہے۔ یعنی مال مقرر کرنا۔ اب
 اسکی پوری ادائیگی ضرور ہوگی۔ اس لئے فرمایا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ
 یعنی چونکہ تم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ اس لئے ان کے مہر ادا کرو۔ اس آیت سے
 معلوم ہوا۔ کہ کسی صورت سے ہمبستر ہونے کے لئے تین شرطوں کا پورا کرنا ضرور
 ہے۔ چونکہ متعہ میں دوسری شرط یعنی عورت کا قید ہو جانا مفقود ہے۔ اس لئے
 معلوم ہوا۔ کہ متعہ کے ذریعہ ہمبستر ہونا حرام ہے۔ آگے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ
 مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْتِمِ إِلَيْهَا الْمَحْصَنَاتُ الخ اس کے بعد فرمایا ذَلِكَ
 لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ یعنی لونڈی سے نکاح کرنا زنا سے بچنے کے لئے
 ہم نے جائز قرار دیا۔ ورنہ وَإِنْ تَعَيَّرْتُمْ وَآخِزْتُمْ اس سے معلوم ہوا۔ کہ نکاح
 کے مشکلات کا حل متعہ نہیں ہے۔ بلکہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ہے۔ اب ہم غور

کرتے ہیں۔ کہ آیا میعادِ نکاح عقلاً قابل عملدرآمد ہے۔ یا کہ نہیں۔ غور کے بعد یہیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ اور وہ یہ ہیں
 (۱) جو وفاداری خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد کی طبیعت میں پیدا کی ہے
 وہ اس فعل سے مفقود ہو جاوے گی۔

(۲) شریعت کہتی ہے۔ کہ اَلْبَغْضُ اَلْحَلَالُ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔ یعنی گو
 طلاق اپنے موقع پر جائز ہے۔ مگر یہ سخت تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس سے
 معلوم ہوا۔ کہ شریعت مرد و عورت کے تعلق کے بعد جدائیگی کو ناپسند
 کرتی ہے۔ حالانکہ متعہ میں پہلے ہی سے جدائیگی کی شرط کر لی جاتی ہے۔
 پس معلوم ہوا۔ کہ متعہ عقلاً جائز نہیں ہے۔

(۳) تیسرا نقص یہ ہے۔ کہ قرآن کریم نے عدت کی صرف دو صورتیں پیش
 کی ہیں۔ (۱) مطلقہ کی اور مستوفی عنہا زوجہا کی تیسری کوئی عدت اللہ تعالیٰ
 نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ متعہ والی
 جدائیگی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہوئی۔ تو یہی
 متعہ کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔
 (۴) متعہ میں اختلاط نسل کا ڈر ہے۔

(۵) ایک شخص ایک عورت سے سفر میں تین دن کے لئے متعہ کرتا ہے۔
 اور تین دن کے بعد اپنے ملک میں واپس چلا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ
 عورت حاملہ ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں اولاد کے ضائع ہونے کا ڈر ہے۔
 (۶) جو دلیل نیوگ کے خلاف پیش کی جاتی ہے۔ کہ اگر یہ فطرت صحیحہ کے مطابق
 ہوتا۔ تو اسکا اعلان ہوتا۔ کیونکہ ہر شخص یہ کہتا ہے۔ کہ میں نکاح کے نتیجہ میں
 ہوں۔ یہی دلیل بعینہ متعہ کے خلاف پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ اس ملک میں لاکھوں
 شیعہ ہیں۔ مگر کوئی یہ نہیں کہتا۔ کہ میں متعہ کے نتیجہ میں ہوں۔ اور نہ یہ کہ
 کسی سے سنا ہے۔ کہ میں اپنی (ط) کی کامتہ کرانا چاہتا ہوں۔ پس معلوم ہوا۔
 متعہ فطرت صحیحہ کے خلاف ہے۔

(۷) آنحضرت صلعم نے گیارہ نکاح کئے۔ دوست اور دشمن آپ کی بیویوں کے نام جانتے ہیں۔ مگر کوئی عورت ایسی نہیں جس سے کہ آپ نے متعہ کیا ہو۔ باوجودیکہ آپ کو تعدد از دواج کی دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ضرورت تھی۔ پس آپ کا متعہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ متعہ مستحسن امر نہیں۔

(۸) تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے متعدد نکاح کئے ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں کہ آپ نے کوئی متعہ کیا ہے اگر کیا ہے۔ تو عورت کا نام مدت متعہ اور مہر وغیرہ پوری کیفیت کے ساتھ بیان کیجئے۔

(۹) ہمارے نزدیک ائمہ اثنی عشرہ میں سے کسی نے متعہ نہیں کیا۔ اور ہم کسی مشتبہ مبہم یا عمومی روایت کے قائل نہیں۔ ہم اس وقت ائمہ کے متعہ کو تسلیم کریں گے۔ جبکہ شیعہ بالیقین کسی امام یا امام کی اولاد کو متعہ کی اولاد قرار دیں۔

(۱۰) جو ما حصل زنا کا ہے۔ اور نقائص زنا میں ہیں۔ وہی متعہ کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ شیعہ جو نقص زنا میں نکالیں گے۔ اگر غور کیا جائے۔ تو وہی نقص متعہ میں بھی پایا جاوے گا۔ پس بحث مباحثہ میں شیعوں سے نقائص زنا پوچھنے چاہئیں۔ پھر جب چچان بن کی جاوے۔ تو لازماً وہی نقائص متعہ میں بھی ثابت ہوں گے۔

(۱۱) متعہ کی کوئی عدت شریعت میں نہیں۔ لہذا اختلاط النسل کا خطرہ ہے۔ عدت خاوند کے طلاق دینے یا صر جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مگر متعہ میں نہ خاوند مرتا ہے۔ اور نہ وہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اس لئے اس کی کوئی شرعی عدت نہیں۔ اور جب عدت نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ متعہ جائز نکاحوں میں سے کوئی نکاح نہیں۔

اہل قرآن یا چکڑالوی

یہ دراصل غیر متقدمین سے چڑا کر نیا فرقہ نکلا ہے۔ غیر متقدمین نے عملی رنگ میں احادیث کو قرآن مجید پر فوقیت دی اور قرآن مجید کے مطالب اور معانی کو احادیث کے ماتحت محدود کر دیا۔ تو ان کے غلو کو مات کرنے کے لئے اس فرقہ نے تفریط کرنے میں غلو سے کام لیا۔ کہ سرے سے احادیث جیسی نعمت کا ہی انکار کر دیا۔ اور بجائے اس کے کہ دوسرے لوگ ان پر سوال کرتے۔ کہ ہر ایک حرکت و سکون کا جو شرعی طور پر کرتے ہو۔ قرآن کریم سے ثبوت دو۔ چکڑالوی ہی دوسرے مسلمانوں پر سوال کرتے ہیں۔ کہ ہم چونکہ احادیث اور تواتر نہیں مانتے۔ اس لئے ہر بات کا ثبوت ہمیں قرآن مجید سے دو۔ اور جھوٹ احادیث کی صداقت اور ضرورت پر بحث کرنے لگ جاتے ہیں۔

پس قبل اس کے کہ چکڑالویوں سے احادیث وغیرہ کے متعلق بحث کی جاوے۔ خود چکڑالویوں سے سوال کئے جاویں۔ کہ

۱۔ نماز کا ثبوت قرآن شریف سے دو۔ کہ اس طرح کھڑے۔ جھکے اور زمین پر پیشانی رکھ کر فلاں فلاں آیت پڑھنے کا حکم قرآن میں کہاں ہے۔

۲۔ قعدہ میں اس طریق پر بیٹھنے کا حکم کہاں ہے۔

۳۔ جو جو آیات تم مختلف ارکان نماز میں پڑھتے ہو۔ ان کی تقسیم کے متعلق قرآنی حکم دکھاؤ۔

(۴) قرآن میں کہاں حکم ہے۔ کہ نمازیں تین میں یا پانچ ہیں۔

(۵) ملتے وقت سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہتے ہو۔ مگر یہ جملہ تو بہشتیوں کے متعلق ہے۔ دنیا میں باہمی سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہنے کا کہاں حکم ہے۔

(۶) نماز کی رکعتوں کی تعداد (۷) اور رکعت کی ماہیت قرآن میں دکھاؤ

کہ استقدرار کا نام رکعت ہے۔ (۸) روزہ کی عملی صورت اور تعداد اور یہ کہ ماہ رمضان میں صرف تین روزے رکھے جاویں۔ (۹) اور یہ کہ نماز میں ہر جگہ قرآن ہی قرآن پڑھنا۔

(۱۰) محمد رسول اللہ ﷺ علیہ کہنے یا لکھنے کے لئے قرآن میں کہاں حکم ہے۔ اگر کہیں کہ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا کا حکم ہے۔ تو اس سے پہلے یہ بھی حکم ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُعَلِّمُوْنَ عَلٰی النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا۔ نُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكَفِّرُ بِبَعْضٍ پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ثلاث عشرة كاملة۔

مثال کے طور پر سجدہ کے متعلق چکڑا الویوں کا جواب یہ ہوتا ہے کہ قرآن میں ہے یَخْرُجُونَ عَلَى الْاَذْقَانِ کہ ٹھوڈیوں کے بل وہ گر پڑتے ہیں۔ حالانکہ سجدہ پیشانی اور ناک کے بل ہوتا ہے۔ پس چکڑا الویوں کے فوراً جواب میں آیت پڑھنے سے نہ گھبرانا چاہیے کہ وہ دراصل حقیقی جواب نہیں ہوتا۔ قرآن میں حکم ہے کہ اَقِمْوْا الصَّلٰوةَ کہ نماز قائم کرو۔ اب ہمیں کیا معلوم کہ نماز حرکات کا نام ہے۔ پس جب تک کہ کوئی معلم آسمانی جیسے وہ احکام نازل ہوئے ہوں۔ اس حکم کی تعمیل کر کے نہ دکھاوے۔ کہ یوں کرو۔ تب تک ہر وہ جو کتاب پڑھتا ہے۔ اندھا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ صلوٰۃ کسی ٹھوس چیز کا نام ہے۔ یا کسی خاص قسم کی حرکت کا نام ہے۔ لغت کی رو سے معنی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ لغت اسلام کے بعد ان الفاظ کی تعمیل کرتے دیکھ کر تیار ہوئی ہے قرآن میں سجدہ کی تشریح کہیں نہیں۔

اس کے بعد چکڑا الویوں سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر تو اتر اور حدیث کا انکار کرتے ہو۔ تو پھر تم قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کا ثبوت دو۔ قرآن مجید کا دعویٰ بغیر خارجی شواہد کے کس طرح قابل تسلیم ہے۔ ممکن ہے کہ سو برس پہلے کسی نے پیش کر دیا ہو پس جب تک کہ کم از کم منزل علیہ کی گواہی نہ ہو تب تک

نہیں مانا جاسکتا۔ ورنہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہوگا۔

قرآن کریم کے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے جواب میں چکرالوی واد تفسیر کیا کہ کڑا ل دیا کرتے ہیں۔ کہ یعنی اطاعت کرو میری یعنی کتاب کی۔ ادل تو اس جواب کی لغویت اس سے ظاہر ہے۔ کہ رسول سے مراد کتاب لینا۔ دوسرے کتاب کے لئے قرآن میں کہیں بھی اطیعوا کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ تیسرے واد تفسیری اپنے ماقبل لفظ کے ابہام یعنی شک کو دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ بشرطیکہ لفظ مبہم یعنی ذو معنی ہو۔ مگر یہاں اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اللہ کا لفظ بہ نسبت رسول کے زیادہ صاف ہے۔ کیونکہ ایک ہی ذات کے لئے ہے۔ مگر رسول کے لئے جھگڑا پڑ گیا۔ کہ رسول فرشتہ اور انسانوں اور اب بقول چکرالویوں کے کتاب کے لئے بھی آتا ہے۔ مبہم کی مثال یہ ہے۔

تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ (حجر رکوع ۱) کتاب عام تھی۔ مگر بعد میں قرآن نے اس کی تفسیر کر کے تخصیص کر دی۔ اس واد کو تفسیری کہیں گے۔

چوتھے اسی آیت میں بفرض محال اطیعوا الرسول سے مراد کتاب لے لی۔ تو اسی اطیعوا کے نیچے لوی الامر منکم آیا ہے۔ اس کے کیا معنی کریں گے۔

پانچویں قرآن کریم میں اطیعوا کا لفظ صرف انسان یعنی رسول کی اطاعت کے لئے لکھی مرتبہ آیا ہے۔ جیسے سورہ شعرا میں فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا فِي شَرِّ

رسولوں کے لئے ہے۔ اسی طرح کتاب کے لئے بھی اطیعوا کا لفظ دکھاؤ۔

(۲) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيَّاتِ رُسُلًا مِنْهُمْ يُتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمہ)

وہی خدا جس نے مبعوث کیا امیوں میں سے ایک رسول جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور ان کا تذکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب سکھاتا ہے۔ اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے۔

(۱) پس اگر کتاب پڑھنی ہی کافی تھی۔ تو یزکیہم و یعلمہم کی کیا ضرورت تھی

(۲) آیات کا پڑھنا اور کتاب کا سکھانا صرف کتاب کے لئے مخصوص ہے۔ تو دوسری چیز لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ کتاب سب خوبیوں پر مشتمل ہے پس یہی وہ حکمت ہے۔ جو ہم کو احادیث اور تواتر اور عمل نبوی میں ملتی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو سمجھ کر فرمائے اور کہے۔ مثلاً نماز کا حکم ہوا۔ آپ نے چند حرکت کر کے دکھائی۔ تو ان کے مجموعہ کا نام نماز ہو گیا۔ سجدہ کا حکم ہوا۔ آپ نے ایک حرکت کی۔ اس کا نام سجدہ ہوا۔ وقس علی هذا۔

اعترض (۱) کہ اللہ تعالیٰ سوائے قرآن کے ماننے کے اور سر ایک حدیث وغیرہ سے منع کرتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ أَلْيَوْمٍ مِّنْهُ اس قرآن کے بعد اور کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔

جواب :- حدیث کا لفظ شریعت والی کتاب پر بھی بولا گیا ہے۔ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ۔

(۲) أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ (نجم ۴) اللہ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا (زمر ۳)

اعترض (۲) :- قرآن شریف چونکہ کامل شریعت ہے۔ اس لئے دوسری چیزوں کو ماننے سے قرآن ناقص ٹھہرے گا۔

جواب :- اسی کامل قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ كُلُّ أَمَنٍ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ۔ کیا فرشتوں کتب اور رسول پر ایمان لانے سے خدا نعوذ باللہ ناقص ٹھہرے گا۔

جواب :- قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ قَبْلُ ذِكْرًا سُوْرًا۔ اس سے پہلے یتلوا کا لفظ صاف بتا رہا ہے۔ کہ یہ ذکر کرنے والا رسول کتاب نہیں۔ بلکہ انسان ہے۔

اعترض (۳) :- احادیث میں صحیح غیر صحیح اور موضوع اور ضعیف وغیرہ اقسام ہیں۔ اس لئے ان کو ماننا ہی بہتر ہے۔

الجواب :- اس کا بہترین اصول جو آنحضرت صلعم نے بھی بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ ہر قسم کی حدیث کو قرآن شریف پر پیش کر کے دیکھ لو۔ اگر قرآن مجید کے کسی مفہوم کے مخالف نہ ہو۔ تو مان لو۔ عقل بھی یہی چاہتی ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ مِثْلُ مِثْلَةِ الْمُؤْمِنِ أَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا۔ حکمت کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں سے ملے۔ ملے۔ لو۔ صرف احادیث ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک مذہب میں سے کلمہ حکمت ہم لینے کے حقدار ہیں۔ (فخر ملتانی)

چار سوال چکر الویل سے

قرآن مجید علاوہ بھی وحی ہے

اہل قرآن حضرات ہم سے قرآن مجید میں مندرجہ وحی الہی کے علاوہ کسی اور وحی کے ہونے کا ثبوت طلب کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام وحی الہی جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ وہ صرف قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے متعلق ہم ان سے مندرجہ ذیل چار سوالات کرتے ہیں :-

(۱) وَإِذْ يَعِدُّكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ (الأنفال ۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ الہی جو مسلمانوں سے ہوا۔ قرآن پاک میں کہیں درج ہے۔ اگر درج ہے۔ تو کہاں اور اگر درج نہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ ایسی وحی الہی بھی ہے۔ جو قرآن کریم میں درج نہیں

(۲) مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْلَةٍ أَوْ نَوْمٍ فَأَقَامَكُمْ عَلَىٰ أُمُورِهِمْ (فباذین اللہ یعنی اے مسلمانو!) تم نے جو کچھ رات کے تھکے کاٹے۔ یا ان کو

اپنی جڑوں پر قائم کھڑا رہنے دیا۔ یہ خدا کے ہی حکم سے تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ رکے تنوں کو کاٹنے یا چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا ذکر فیاذن اللہ میں ہے۔ کہ وہ قرآن میں درج ہے۔ اگر درج ہے۔ تو کہاں اگر درج نہیں۔ تو ثابت ہوا۔ کہ ایسی وحی بھی ہے۔ جو قرآن میں درج نہیں (رس) وَإِذَا أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَأَ ابْنَهُ مَوْلَاُ فَيْسَةَ أَنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ سَلَامٌ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَأَهَا بِهِ قَالَ مَنْ أَنْبَاكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (تحریم غ) یعنی جب رسول کریم صلعم نے کوئی بھید اپنی ایک بیوی کو بتایا۔ تو اس نے راز فاش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو بھید کا فاش ہونا بتا دیا۔ تو آپ نے بیوی سے پوچھا۔ کچھ بات تو بتا دی اور کچھ چھپائی۔ اس بیوی نے پوچھا۔ کہ آپ کو کس نے بتایا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلعم کو واقعہ کی خبر دی تھی۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ وہ اظہار الہی کیا قرآن میں ہے۔ اگر ہے تو کہاں؟ اگر نہیں۔ تو کیا یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ایسی وحی بھی ہے۔ جو رسول کریم صلعم پر نازل ہوئی۔ مگر قرآن میں درج نہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا۔ (نساء ۶) یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے خدا نے نازل کیا (قرآن) اور رسول کی طرف تو منافقوں کو دیکھو گے۔ کہ وہ تجھ سے (رسول سے) رکتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو چیزیں منوانا چاہتا ہے۔ (۱) مَا أَنزَلَ اللَّهُ یعنی قرآن (۲) الرَّسُولُ یعنی رسول صلعم۔ مگر فرمایا۔ کہ منافق قرآن تو مان لیتے ہیں۔ مگر رسول سے بھاگتے ہیں۔ اب حل طلب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ منافق ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ وہی جو احادیث کے منکر ہوں۔ اور صرف قرآن کے ماننے کے مدعی ہیں۔ خادم

وفات مسیح ناصری علیہ السلام (از روئے قرآن کریم)

پہلی دلیل :- وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورہ مائدہ آخری رکوع)

مطلب :- اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ! کیا تو نے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی؟ آپ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے تعلیم تو کیا دینی تھی۔

میری زندگی میں اور میرے سامنے یہ عقیدہ ظاہر نہیں ہوا۔ میں ان کا انکار کرتا تھا۔ مَّا دُمْتُ فِيهِمْ۔ جب تک ان میں تھا۔ پھر جب تو نے میری توفیٰ کر لی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اور تو ہر چیز کا محافظ ہے۔

استدلال ۱ :- اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دوزمانے بتائے ہیں۔ پہلا اپنی قوم میں حاضری کا (مَّا دُمْتُ فِيهِمْ) اور دوسرا غیر حاضری (كَنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) اور ان دونوں زمانوں کے درمیان حد فاصل ”تَوَفَّيْتَنِي“ ہے۔ گویا ان کی اپنی قوم سے غیر حاضری سے پہلے ”وفات“ ہے۔ کیونکہ غیر حاضری کی وجہ ”تَوَفَّيْتَنِي“ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں حاضر ہیں۔ یا غیر حاضر؟ چونکہ غیر حاضر ہیں۔ لہذا ان کی توفیٰ ہو چکی ہے۔ خافقہوا ایہا العاقلون۔

استدلال ۲ :- اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اقرار فرماتے ہیں کہ تثلیث پرستی کا عقیدہ میری زندگی میں نہیں پھیلا۔ بلکہ میری توفیٰ

کے بعد پھیلا ہے۔ اور فی زمانہ عیسائیوں کی تثلیث پرستی کوئی راز نہیں بلکہ کھلی کھلی بات ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے (مائدہ ۱۰۶) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ جَسَّ صَافٍ يَهْ نَیْجَہ نَکَلَا۔ کہ اس وقت حضرت مسیح کی توفی ہو چکی ہے۔

توفی کے معنی

حضرت امام بخاری رحمہ نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے :-

”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُمِيتُكَ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي آخری رکوع)

کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”توفی“ کے معنی ”موت“ کے ہیں لہذا بخاری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے شخص کی بات قابل قبول نہیں۔ اس حالت میں کہ جب قرآن مجید و احادیث و لغت و تفاسیر کے مندرجہ ذیل حوالہ جات ان کی تائید میں ہوں تو بغیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق نوٹ آگے ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ توفی باب تفعّل کا مصدر ہے۔ سو قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ اس کا فاعل ہوں۔ یا صیغہ مجہول ہو۔ اور نائب فاعل اس کا انسان ہو۔ تو سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی نہیں۔ اور وہ قبض روح بذریعہ موت ہے سوائے اس مقام کے کہ جہاں یس یا مقام منام کا قرینہ موجود ہو۔ وہاں قبض روح کو نیند ہی قرار دیا گیا ہے بہر حال قبض جسم کسی جگہ بھی مراد نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ جگہ کے ۲۳ جگہ لفظ توفی کا مشتق استعمال ہوا ہے۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (بقرہ رکوع ۳۱ د ۳۱)

(۲) تَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (آل عمران رکوع ۲۰) (۳) حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتَ
 (نساء رکوع ۳) (۴) إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ (نساء رکوع ۱۲)
 (۵) تَوَفَّاهُ رُسُلُنَا (انعام رکوع ۸) (۶) يَتَوَفَّوْنَهُمْ (اعراف رکوع ۴)
 (۷) تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (اعراف رکوع ۱۴) (۸) أَوْ تَتَوَفَّيَنَّكَ (رعد رکوع ۶)
 (۹) نَتَوَفَّيَنَّكَ (يونس رکوع ۵) (۱۰) تَوَفَّنِي مُسْلِمًا (يوسف رکوع ۱۱)
 (۱۱) تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ (دو مرتبہ در نخل رکوع ۴) (۱۲) ثُمَّ تَوَفَّاهُمْ (نخل ۶)
 (۱۳) مَنْ يَتَوَفَّى (حج ۱۶) (۱۵) قُلْ يَتَوَفَّاهُمْ (سجده ۱۶) (۱۷) يَتَوَفَّى الْأَنْفُسُ
 حِينَ مَوْتِهَا (زمر ۵۶) (۱۸) وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى (مومن رکوع ۷) (۱۹)
 نَتَوَفَّيَنَّكَ (مومن ۸۶) (۲۰) فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ (محمد رکوع ۴)
 (۲۱) يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا (المَلَائِكَةُ) (انفال ۷۶) (۲۲) يَتَوَفَّاهُمْ
 بِاللَّيْلِ (انعام ۷۶) (۲۳) وَلَكِنْ اعْبُدُوا اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاهُمْ (يونس آخر ۶)

کتابِ حادیث سے اس کی مثالیں

بخاری میں ایک باب ہی ہے۔ باب توفی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ عیسیٰ علیہ السلام
 کی توفی کے وہی معنی ہیں۔ جو میری توفی کے ہیں۔ فرمایا:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
 أَنَّهُ يُجَاوِزُ جِبَالِ مَنْ أُمِّي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتُ الشِّمَالِ فَأَقُولُ
 يَا رَبِّ أَصِحَابِي فَيَقَالُ إِنَّكَ لَا تَذَرِي مَا أَحَدُثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ
 كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ
 فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ فَيَقَالُ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ
 يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مِنْذُ فَارَقْتَهُمْ (بخاری کتاب التفسیر)

جلد ۳ صفحہ ۲ جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ باب بدو الخلق

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ دوزخ

کی طرف لیجائے جائیں گے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ تو میرے صحابہ میں۔ جواب ملیگا۔
تو نہیں جانتا۔ کہ تیرے پیچھے انہوں نے کیا کیا؟ اس وقت میں وہی کہوں گا
جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ کہ میں ان کا اسی
وقت تک نگران تھا۔ جب تک ان میں تھا۔ اور جب تو نے مجھے وفات دیدی
تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

نتیجہ :- اس حدیث سے صاف نتیجہ نکلا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی توفی کی صورت وہی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی کی ہے۔ ورنہ آپ کا
یہ فرمانا قَاقُولُ كَمَا قَالَ درست نہیں رہتا۔
پھر بخاری میں ہے۔ "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُمَيَّنٌ" کہ حضرت
ابن عباسؓ نے متوفیک کے معنی موت سکے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورہ مائدہ)
نوٹ :- بعض غیر احمدی مولوی "تفسیر ابن عباسؓ" کے حوالے سے یہ کہہ دیا کرتے
ہیں۔ کہ حضرت ابن عباسؓ تو حیات مسیح کے قائل تھے۔ اور وہ آیت "يَا عِيسَى
ابْنِي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيْنَا الْخَمِيں تقدیم تاخیر کے قائل تھے۔ تو اس کے
جواب میں یاد رکھنا چاہیے۔ کہ ہم نے حضرت ابن عباسؓ کا جو مذہب پیش
کیا ہے۔ وہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری میں درج ہے۔
جبکہ صحت اور اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ مختلف اقوال جو
دوسری تفاسیر یا "تفسیر ابن عباسؓ" کے نام سے مشہور کتاب میں درج
ہیں۔ وہ قابل استناد نہیں۔ کیونکہ ان تمام تفاسیر کے متعلق محققین کی رائے
ہے۔ کہ وہ جعلی اور جھوٹی تفسیریں ہیں۔ جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب
کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے :-

(۱) وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيرِ الَّتِي لَا يُؤْتَقُ بِهَا تَفْسِيرُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِنَّهُ
مَرْوِيٌّ مِنْ طَرِيقٍ يُقَالُ الْكَذَّابِينَ (فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ مصنفہ
علامہ شوکانی صفحہ ۱۱۱) یعنی وہ تفاسیر جو ناقابل اعتبار ہیں۔ ان میں سے ایک

”تفسیر ابن عباسؓ بھی ہے۔ کیونکہ وہ کذاب راویوں سے مروی ہے۔“
 (۲) حضرت امام سیوطی فرماتے ہیں :- ”هَذَا التَّفَاسِيْرُ الطَّوَالُ السَّيِّئُ“
 اسْتَدْوَاهَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ مَرْفُوعَةٍ وَرَوَاهَا سَجَاهِيلُ
 (تفسیر القان جلد ۲ صفحہ ۱۸۸) یہ لمبی لمبی تفسیریں جن کو مفسرین نے
 ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ناپسندیدہ ہیں۔ اور ان کے راوی
 غیر معتبر ہیں۔ خادّم۔

توفی کے معنی عرف عام میں۔ قرآن اور احادیث کے علاوہ اگر عرف کو بھی
 دیکھا جائے۔ تو بھی متوفی کے معنی میت کے ہی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور
 پر پٹواری کے رجسٹر اور دیگر دفاتر کو دیکھ لو۔

اور جنازہ کی دعائیں وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِثَاقَتَوْفَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ اور

جس کو تو ہم میں سے وفات دے۔ تو اس کو اسلام پر ہی وفات دے۔

توفی کے معنی لغت سے۔ صراح میں لفظ توفی کے نیچے ہے۔ تَوَفَّاهُ اللَّهُ
 اِمْ قَبْضَ رُوحِهِ پھر لکھا ہے۔ تَوَفَّيْ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ

اُدْرِكْتُهُ الْوَفَاتُ۔ پالیا اس کو موت نے (اساس البلاغۃ جلد ۳ ص ۳۱)

الْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ قَبْضَ رُوحِهِ (قاموس جلد ۴ ص ۴۰۳)

تَوَفَّاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبْضَ نَفْسِهِ (تاج العروس جلد ۱ ص ۳۹۴)

الْوَفَاةُ الْمَيِّتَةُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّيْ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ

اِذَا قَبْضَ نَفْسِهِ وَفِي الصِّحَاحِ اِذَا قَبْضَ رُوحِهِ (لسان العرب جلد ۲ ص ۲۸)

جب اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کرے اور صحاح جوہری میں

بجائے نفس کے روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تَوَفَّيْ اللَّهُ فُلَانًا اِمْ قَبْضَ رُوحِهِ (صحاح جوزی) متوفی۔ وفات یافتہ

مرا ہوا۔ انتقال کردہ شدہ۔ جہاں سے گذرا ہوا (فرنگ اصغیر جلد ۲ ص ۲۸۲)

بعض تراجم میں توفی کے معنی بھر لینے کے لکھے ہیں۔ اور اس کا مطلب بھی

موت دینا ہے۔ (فرنگ آصفیہ)

توفی کا مادہ : کلیات البقا صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہے۔ التَّوْفِیُّ الْإِمَاتَةُ وَ قَبْضُ الرُّوحِ وَ عَلَیْهِ اسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ تَوَفَّیَ عَلٰی مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهُ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا یَتَوَفَّی نَفْسَهُ فَالْمُتَوَفَّیُّ هُوَ اللَّهُ تَعَالٰی أَوْ أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَ زَیْدٌ هُوَ الْمُتَوَفَّیُّ۔

یعنی توفی کے معنی مارنے اور قبض روح کرنے کے ہیں۔ اور عام لوگوں کا استعمال اسی معنی پر ہے۔ اور اشتقاق اسکا وفات سے ہے۔ توفی مجہول استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان خود اپنی جان کو قبض نہیں کرتا کیونکہ مارنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یا کوئی اس کا فرشتہ ہے۔ اور انسان وہ ہے جس کو موت دی جاتی ہے۔

توفی کے معنی احادیث سے

(۱) قَالَ إِنَّهُ سَيَكُونُ مِنْ ذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ مُعَزَّو بَقْلٌ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ رِجَالًا طَيِّبَةً فَيَتَوَفَّوْنَ كُلُّ مَنْ كَانَ فِي قَبْرِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ فَيَبْقَى مَنْ لَا خَيْرَ فِيهِ فَيَرْجِعُونَ إِلَى دِينِ

أَبَائِهِمْ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲ و ۳۸۶)

(۲) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفَّی عَنْهَا زَوْجَاهَا لَا تَبْلَسُ الْمُتَصَفَّرَةُ مِنَ الثِّيَابِ الخ (مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ

جلد ۶ صفحہ ۳۰۲)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بَكَى وَبَكَى أَصْحَابُهُ حِينَ تَوَفَّی سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ إِلَى الْخِيَةِ (رد ۱۵۱ بن

جریر کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۲)

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى
نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا
اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِي تَوَفَّى فِيهِ لَهَفَتْ أَلْفَتْ عَلَى نَفْسِهِ
بِالْمُعَوِّذَاتِ الخ (بخاری جلد ۲ ص ۶۳)

(۵) أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ
رَأَيْتُ ثَلَاثَةَ أَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِي حُجْرَتِي فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ
عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَتْ فَلَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِي بَيْتِهَا قَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ هَذَا أَحَدُ أَقْمَارِكَ
وَهُوَ خَيْرُهَا رَمَوْهَا مَامَ مَالِكٍ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر

(۶) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَالَّذِي تَوَفَّى نَفْسَهُ تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَوَفَّى حَتَّى كَانَتْ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ قَاعِدًا إِلَّا
الْمَكْتُوبَةَ الخ (مسند امام احمد جلد ۶ ص ۳)

(۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بَنِيَّةُ أَيُّ يَوْمٍ
تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الخ (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۱۱)
(۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
يَقُولُ فِيهِ بَطْلَحَةُ بْنُ عَبْدِ الْأَمَلِيِّ أَرَلَكُ قَدْ شَعِثْتَ وَاعْبَرْتَ
مَنْ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الخ (مسند احمد
جلد ۱ صفحہ ۲۸)

(۹) عَنْ عُثْمَانَ أَنَّ رِجَالًا مِنْ اصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
وَسَلَّمَ حِينَ تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَزَنُوا
عَلَيْهِ حَتَّى سَاوَوْا بَعْضُهُمْ يَوْمَ سَوْسٍ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ
تَوَفَّى اللَّهُ نَبِيَّهُ الخ (كنز العمال جلد ۷ صفحہ ۷۳)

توفی کے لئے العالیٰ اشتہار

چونکہ متنازعہ فیہ جگہ میں توفی باب تفعّل سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اور ذی روح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مفعول ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی صورت میں توفی کے معنی سوائے قبض روح کے دکھانے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام مقرر فرمایا ہے۔ مگر آج تک کوئی مرد میدان نہیں بنا۔ جو انعام حاصل کرتا۔ اور نہ ہی ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعض غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں۔ کہ تم نے توفی کے متعلق یہ قاعدہ کہاں سے لیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل اور کوئی ذی روح مفعول ہو۔ تو اس کے معنی قبض روح یا موت کے ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے۔ کہ یہ قاعدہ کوئی منگھڑت قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ کتب لغت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ قاموس تاج العروس اور لسان العرب میں ہے:-

(۱) تَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبْضَ رُوحِهٖ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳) یعنی اللہ نے اس جاندار کی توفی کی۔ یعنی اس کی روح قبض کر لی۔ اس حوالہ میں لفظ توفی "باب تفعّل" سے ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے۔ اور "لا" کی ضمیر بھی جو ذی روح کی طرف پھرتی ہے۔ موجود ہے۔ اور اس کے معنی قبض روح صاف طور پر لکھے ہیں۔ اسی طرح تاج العروس جلد ۱ صفحہ ۳۹۷ اور لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۵ کے حوالے اوپر درج ہو چکے ہیں۔

(۲) "تَوَفَّاهُ اللّٰهُ فَلَانَا اے قَبْضَ رُوحِهٖ" اللہ نے فلاں شخص کی توفی کی۔ یعنی اس کی روح کو قبض کیا (صحاح جوزی)

(۳) استقراء کے طور پر یہ قاعدہ ہے۔ اس کے خلاف ایک مثال ہی بموجب شرائط پیش کرو۔ جو یقیناً ناممکن ہے۔ خادّم

توفی کے معنی تفاسیر سے:- تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ پر ہے۔ الْمُرَادُ

بِالتَّوْفِیِّ حَقِیْقَةُ الْمَوْتِ.

(۲) تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ پر لکھا ہے۔ متوفیک کے معنی میں: مُتَمِّمٌ عَمْرَکَ فَحِیْلُیْذِ اَتَوْفَاکَ فَلَا اُتْرُکُھُمْ حَتّٰی یَقْتُلُوْکَ۔

(۳) تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۳۶ طبع مصر پر لکھا ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ وَابْنُ الْمُثَنِّیِّ وَابْنُ ابِی حَاتِمٍ مِنْ طَرِیْقٍ عَلَیَّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِی قَوْلِهِ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یَقُوْلُ اِنِّیْ مُمِیْتُکَ۔ یعنی ابن عباس متوفیک کے معنی مارنے والا کرتے تھے۔

(۴) تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کَیْسَ قِیْلَ هٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَهُ یعنی خدا تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اٹھانے سے پہلے وفات دے دی ہے۔

(۵) تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ پر متوفیک کے معنی لکھے ہیں۔ وَمُمِیْتُکَ حَتَّفَ الْفَلَکَ۔ یعنی طبعی موت سے مارنے والا ہوں۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ ایضاً۔

(۷) تفسیر سرسید احمد خاں صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵

”پھر جب تو نے مجھ کو فوت کیا۔ تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔“

(۸) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر ہے۔ زیر آیت متوفیک۔

”قَالَ أَبُو زَيْدٍ مُّتَوَفِّیْکَ قَابِلُکَ..... وَالْمَعْنٰی کَمَا قَالَ فِی الْکَشَافِ النَّحْوِ“

اس نے بھی کشاف کے معنوں کو قبول کیا ہے۔ اور وہ گزر چکے ہیں۔

(۹) تاج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۴۷ زیر آیت یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (بقرہ ۳۰۶) اے یَمُوتُوْنَ مِنْکُمْ۔

(۱۰) سراج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ یَتَوَفَّوْنَ اے یَمُوتُوْنَ

(۱۱) مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۴۔ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اے یَقْبِضُوْنَ وَیَمُوتُوْنَ

(۱۲) فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۔ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَالْمَعْنٰی الَّذِیْنَ یَمُوتُوْنَ۔

(۱۳) در الاسرار جلد ۱ صفحہ ۴۰ - یَتَوَفَّوْنَ . لِوُرُودِ حَمَامِهِمْ
(۱۴) ترجمۃ القرآن تفسیر عبداللہ چکڑالوی ص ۲۷۸ وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ
مِنْكُمْ "اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے"

(۱۵) روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ - وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ اے
یَمُوتُونَ وَیُقْبَضُ اَرْوَاحُهُمْ بِالْمَوْتِ -

(۱۶) فتح البیان جلد ۵ ص ۲۲۴ - الَّذِينَ يَتَوَفَّاهُمْ اے تَقْبِضُ اَرْوَاحَهُمْ

(۱۷) فتح البیان جلد ۸ ص ۱۶ - اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا
اے تَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حُضُورِ اَجَالِهَا -

(۱۸) روح المعانی جلد ۵ ص ۲۰۹ - وَمِنْكُمْ مَنْ یَتَوَفَّی اے مِنْكُمْ مَنْ
یَمُوتُ قَبْلَ بُلُوغِ الْاَشَدِّ -

(۱۹) روح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۳ - اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ
مَوْتِهَا یَقَالُ تَوْفَاہُ اللّٰهُ قَبْضَ رُوحِہُ کَمَا فِی الْقَامُوسِ

وَمَعْنٰی الْاٰیَةِ یُقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْوَاحَ الْاِنْسَانِیَّةَ عَنِ الْاَبْدَانِ

(۲۰) روح البیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۲ - یَتَوَفَّیْکُمْ مَلٰئِکَةُ الْمَوْتِ قَالَ
فِی الْقِصَاحِ تَوْفَاہُ اللّٰهُ قَبْضَ رُوحِہُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ

(۲۱) روح البیان جلد ۳ ص ۴۶۵ - وَمِنْكُمْ مَنْ یَتَوَفَّی یُقْبِضُ رُوحُہُ
وِیَمُوتُ -

(۲۲) روح البیان جلد ۲ ص ۴۶۹ - اَوْ تَتَوَفَّیَنَّکَ الْکَرِیْمُ اَنِیْمُ تَرٰ اِیْشَ
از ظہور آن عذاب -

(۲۳) روح البیان جلد ۲ ص ۳۷۱ - تَتَوَفَّاهُمْ الْمَلٰئِکَةُ اے تَقْبِضُ
اَرْوَاحَهُمْ مَلٰئِکَةُ الْمَوْتِ وَاَعْوَاہُ -

(۲۴) روح البیان جلد ۲ ص ۲۵۳ - اَوْ تَتَوَفَّیَنَّکَ اے تَقْبِضُ رُوحَکَ
الطَّاهِرَہُ قَبْلَ اِدَاعَہِ ذٰلِکَ -

(۲۵) روح البیان جلد ۲ صفحہ ۶۷۳ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى اَعْمٰی یُقْبَضُ رُوْحُهُ دَلِمُوتٌ بَعْدَ بُلُوْغِ الْاَشَدِّ اَذْقَلُهُ..... وَالتَّوَفَّى عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْتِ وَتَوَفَاہُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهُ.

(۲۶) روح البیان جلد ۲ ص ۲۱۲ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اَعْمٰی اَقْبَضْنِيْ اِلَيْكَ مُخْلِصًا بِتَوْحِيْدِكَ

(۲۷) انوار التنزیل تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اَقْبَضْنِيْ.

مفسرین کو غلطی لگی ہے

فتح البیان جلد ۲ ص ۷۹ زیر آیت متوفیک لکھا ہے :-

وَالْمَا اَحْتَاَجَ الْمُفَسِّرُونَ اِلَى تَاْوِيْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذَكَرْنَا الصَّحِيْحَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی رَفَعَهُ اِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ كَمَا رَجَّحَهُ كَثِيْرًا مِنْ الْمُفَسِّرِيْنَ وَاخْتَارَهُ ابْنُ جَرِيْرٍ الطَّبْرِيّ وَوَجَّهَ ذٰلِكَ اَنَّهُ قَدْ هَمَّ فِي الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَزُوْلُهُ وَقَتْلُهُ الدَّجَالِ، يَعْنِيْ كَيْفَ هِيَ. کہ مفسرین نے جو وفات عیسیٰ علیہ السلام کی نص کی تاویلیں کی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔

کہ انہوں نے حدیثوں میں ان کے لئے نزول کا لفظ دیکھا۔ اور ان کے قتل دجال کا بیان پڑھا۔ حالانکہ نزول سے آسمان پر جانا اور قتل دجال کے ذکر سے بعینہ ان کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ (تفصیل اپنی جگہ پر دیکھیں) دوسری دلیل :- اِذْ قَالَ اللّٰهُ يُعِيْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُکَ اِلَیّیْ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (ال عمران رکوع ۶)

ترجمہ :- جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دینے والا ہوں۔ اور عزت دینے والا ہوں تجھ کو۔ اور یہود نامسعود کے اعتراضات

سے تجھے بری الذمہ کرنے والا ہوں۔ اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک نہ ماننے والوں پر غالب کرنے والا ہوں۔

استدلال ۱: اللہ تعالیٰ نے متوفیک کو پہلے رکھا ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب کو بدلیں۔ ورنہ اسکی حکمت پر الزام آئے گا کہ اس نے اس چیز کو جو پیچھے تھی۔ بلاوجہ آگے کر دیا (نفوذ باللہ) دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور پہلے صفا کا طواف کریں گے یا مروہ کا۔ آپ نے فرمایا۔ اَبَدُؤْا بَمَاءِ بَدَا اللہ۔ اس سے شروع کرو۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ پس ہمیں بھی پہلے وہی رکھنا چاہیے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے۔

سوم۔ اگر متوفیک کو پیچھے کیا جائے۔ تو ساری ترکیب ہی درہم برہم ہو جائیگی اور صحیح طور پر متوفیک کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ کیونکہ وعدہ عذاب شروع ہے۔ اور الی یوم القیامت تک رہے گا۔ توفی کے معنی ادھر گزر چکے ہیں۔ اور رفع کے معنی بل رفَعہ اللہ الیہ کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

یسری دلیل ۱: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأَمْسَتْ صِدْقُهُ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (مائہ ۱۰۶) ترجمہ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول البتہ آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے۔ اور آپ کی والدہ راستباز تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ **استدلال ۱:** اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ اور مریم کے ترک طعام کو ایک جگہ میان فرما کر ظاہر کر دیا۔ کہ دونوں کے یکساں واقعات ہیں۔ اب مریم کے ترک طعام کی وجہ موت مسلم ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح کے ترک طعام کی بھی یہی وجہ تھی۔ کیونکہ کَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ماضی استمراری ہے۔ گویا اب نہیں کھاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ (انبیاء رکو ۳۶) یعنی ان کو (نبیاء) کو ہم نے ایسا

نہیں بنایا۔ جو کھانا نہ کھاتا ہو۔ یا ہمیشہ رہنے والا ہو۔

حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ دُبْنًا (بخاری) اسے ہمارے رب ہمارے لئے اس سے استغنا نہیں ہو سکتا۔ پس بشر بصورت زندہ کی تو محتاج طعام ہے۔ پس مسیح علیہ السلام کا اس احتیاج سے بری ہونا سوائے موت کے کیونکر ممکن ہے۔ فتدبروا۔
پتو تھی دلیل :- وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (ال عمران رکوع ۱۵)

ترجمہ :- آنحضرت صلعم صرف ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کے سب رسول گذر چکے ہیں۔ پس اگر یہ مر جائے یا قتل کیا جائے۔ تو تم اپنی اڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ استدلال :- اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت گذر جانے کی خبر دی ہے۔ اور گذر جانے کے طریق صرف دو قرار دیئے ہیں۔ موت اور قتل یعنی بعض بذریعہ موت طبعی گذرے۔ اور بعض بذریعہ قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گذرنے کی ہوتی۔ تو اسکا بھی آیت میں ذکر ہوتا۔ مثلاً آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صورت جو مسیح کے متعلق خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسکی تائید تفسیروں کے ان حوالجات سے بھی ہوتی ہے۔ جو زیر عنوان ”خلا کے معنی تفسیر میں“ درج ہیں۔ دیکھو صفحہ ۳۵۶

اس آیت میں صاف لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں۔ یعنی فوت ہو چکے ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ چونکہ آیت مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں سے حضرت مسیح باہر رہ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی وفات کا ذکر فرمانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

خلا کے معنی از روئے قرآن کریم

رَفِعَ إِلَى السَّمَاءِ۔ خلا کے اندر داخل نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ اس

قسم کا خلا کسی کا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان پر نہ جانا تھا۔ اس لئے وہ ذکر نہ کیا گیا۔ تو میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل بھی تو نہ ہونا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا۔ اَللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ۔ اس کا ذکر کیوں کیا۔ معلوم ہوا کہ رفع الی السماء خلا میں شامل ہی نہیں۔

دوم۔ بہت جگہ یہ لفظ قرآن کریم میں موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
ملاحظہ ہوا۔

(۱) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ دُورَتِہٖ (بقرہ رکوع ۱۶)

(۲) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ (مائدہ رکوع ۱۰)

(۳) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہَا اُمَمٌ (عد رکوع ۴)

(۵) فِیْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہُمْ (حُم رکوع ۳)

(۶) وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِیْ (احقاف رکوع ۲)

(۷) فِیْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ (احقاف ۲۶)

(۸) وَقَدْ خَلَتْ النُّجُومُ مِنْ بَیْنِ يَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ (احقاف رکوع ۳)

(۹) الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِہُمْ (یونس رکوع ۱۰)

(۱۰) وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ (نور رکوع ۴)

(۱۱) الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (احزاب رکوع ۵)

خلا کے معنی از لغت عرب

سوم۔ لغت سے خلا کے معنی مَات کے ثابت ہیں۔ خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ

لسان العرب، خَلَا الرَّجُلُ اے مَات (اقریب الموارد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹) خَلَا

فُلَانٌ اے مَات (تاج العروس شرح قاموس جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) شعر کی مثال

اِذَا سَیِّدٌ مِّنَّا خَلَا قَامَ سَیِّدٌ
فَعَوْلٌ بِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعَوْلٌ

خلا کے معنی تفاسیر سے : ۱۔ تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۸۵۔
 قَدْ خَلَّتْ مَضَتْ وَمَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُلُ فَسَيَمُوتُ هُوَ أَيْضًا
 ۲۔ تفسیر جامع البیان ص ۶۔ قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُلُ بِالْمَوْتِ
 أَوِ الْقَتْلِ فَيَخْلُوا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا۔
 ۳۔ تفسیر بحر سراج جلد ۱ ص ۱۳۱۔ معنی میں اس است کہ بد رستی پیش از دینمیران
 گذشتہ اند۔ و ہمہ از جہان رفته اند۔

۴۔ تفسیر سراج منیر جلد ۱ ص ۲۳۹۔ فَيَخْلُوا كَمَا خَلُوا بِالْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ
 یعنی پہلے رسول یا مر گئے۔ یا قتل ہو گئے۔
 ۵۔ تفسیر خازن جلد ۱ ص ۳۲۳۔ وَ مَعْنَى الْآيَةِ فَسَيَخْلُوا مُحَمَّدٌ كَمَا
 خَلَّتِ الرَّسُلُ مِنْ قَبْلِهِ۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ۱ ص ۳۲۳۔ خَلَّتْ۔ مَضَتْ فَسَيَخْلُوا
 (۷) تفسیر کشف جلد ۱ ص ۳۲۳۔ فَسَيَخْلُوا كَمَا خَلُوا“ بنی کریم صلعم کا خلا ویسے
 ہی ہوگا۔ جیسے پہلوں کا ہو چکا۔

(۸) تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد ۳ ص ۱۲۔ فَسَيَخْلُوا كَمَا خَلُوا بِالْمَوْتِ
 أَوِ الْقَتْلِ..... إِنَّهُمْ اعْتَقَدُوا أَنَّ رَسُولَهُ كَسَابِرُ الرَّسُلِ فِي أَنَّهُ
 يَخْلُوا كَمَا خَلُوا قَدْ عَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ إِلَّا رَسُولًا كَسَابِرِ الرَّسُلِ
 فَسَيَخْلُوا كَمَا خَلُوا۔

یعنی لوگوں نے اعتقاد کیا کہ آنحضرت صلعم فوت نہ ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 کہ باقی رسول جب فوت ہو گئے۔ تو یہ کیوں فوت نہ ہوگا۔

اس بیت سے وفات مسیح پر صحابہ کا اجماع

آنحضرت صلعم کی وفات صد مہ آفات نے صحابہ رض کی کمر سمیت کو توڑ دیا۔ حتیٰ کہ
 حضرت عمر رض نے کہنا شروع کیا کہ جو آنحضرت صلعم کو فوت شدہ کہے گا۔ اس کی

کردن ارادہ نکلا

چنانچہ بخاری باب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی کسری و قیصر میں مندرجہ ذیل حدیث ہے:-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ أَجِدِسُ يَا عُمَرُ فَإِنِّي عُمَرَانُ يَجِيسُ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ وَتَرَكُوا عُمَرَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمَا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ سَحِيٌّ لَا يَمُوتُ قَالَ اللَّهُ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ إِلَى قَوْلِهِ الشَّاكِرِينَ وَقَالَ وَاللَّهِ لَكَانَ النَّاسُ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ هَذِهِ الْآيَةَ حَتَّى تَلَاهَا أَبُو بَكْرٍ فَتَلَقَّهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا أَسْمَعُ لِبَشَرٍ مِنَ النَّاسِ إِلَّا يَشْكُوَهَا.

فَأَخْبَرَنِي سَعِيدُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا اللَّهُ مَا هُوَ إِلَّا سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ تَلَاهَا فَعَقَرْتُ حَتَّى مَا تَقْلُنِي رَجُلَايَ وَحَتَّى أَهْوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ حِينَ سَمِعْتُهُ تَلَاهَا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ.

یہ خطبہ مسند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حمام الاسلامہ ص ۵۲ پر بھی موجود ہے۔
تو حضرت ابو بکر رضی نے خطبہ پڑھا۔ جس میں بتایا کہ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے ہیں۔ آنحضرت بھی فوت ہو گئے ہیں۔ جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہ کیا۔ اور حضرت عمر رضی فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ اور زمین پر گر گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الواقع فوت ہی ہو چکے ہیں۔ اس سے یوں استدلال ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی نے حضرت عمر رضی کے استدلال کو اس طرح توڑا ہے کہ آپ ایک رسول

ہیں۔ اور آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابہؓ کے ذہن میں بھی یہ بات ہوتی کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ بجسدہ العنصری ہیں۔ تو وہ آگے سے فوراً کہہ دیتا۔ کہ اجی عیسےؑ ابھی تو رسول ہی تھے۔ وہ پھر کیوں زندہ ہیں۔ یہ آپ کا کلیہ غلط ہے۔ کہ سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔ لیکن کسی کا ایسا نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے۔ کہ ان کے وہم میں بھی حیات عیسیٰؑ کا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کو وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے سر تسلیم خم کیا اور بالکل چون و چرا نہیں کی۔

اس اجماع سے ان روایات کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے۔ جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف حیات عیسیٰؑ کے بارہ میں منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ایسی روایت ہو۔ تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ (۱) یا تو وہ اجماع سے پہلے کی ہے۔ (۲) یا بعد کی۔ صورت اول میں وہ قابل استناد نہیں کیونکہ اجماع سے وہ گر جائیں گی۔ اور صورت ثانی میں بہر حال قابل رد۔ اعتراض :- اگر ”الرسول“ کا الف لام استغراقی مانا جائے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہو جائیں۔ کیونکہ من قبیلہ بوجہ مقدم ہونے کے ”الرسول“ کی صفت نہیں بن سکتی۔ ہاں خلت فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے۔ لہذا لازم آیا۔ کہ آنحضرت سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہوں۔ آنحضرت اور مرزا صاحب دونوں کی نفی ہوئی۔

جواب :- ”من قبیلہ“ ”الرسول“ کی صفت ہی ہے۔ جس کے معنی میں کہ تمام وہ رسول فوت ہو گئے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے۔ اور صفت کا موصوف سے پہلے آنا جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے :-

”مِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ اللَّهُ“ (ابراہیم رکوع ۱)

”عَزِيزٌ اَدَبٌ حَمِيدٌ“ اللہ کی صفات ہیں۔ جو اس پر اس آیت میں مقدم ہو

ہیں۔ ”عَسَىٰ تَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللَّهُ رَبُّكُمْ“

(پارہ ۲۳ رکوع ۸ سورۃ الصفات ۴۶)

یعنی کیا تم بعل بت کو پکارتے (پوجتے) ہو۔ اور احسن الخالقین (یعنی سب سے اچھا بنانے والے) خدا کو جو تمہارا رب ہے۔ چھوڑنے ہو۔ اس آیت میں ”اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ“ صاف طور پر ”اللہ“ کی صفت ہے مگر موصوف (یعنی اللہ) بعد میں ہے۔ اور صفت (احسن الخالقین) اس پر مقدم مذکور ہے۔ اسی طرح ”مِنْ قَبْلِهِ“ بھی ”الرسول“ کی صفت ہے اور اس پر مقدم مذکور ہے۔ فلا اعتراض۔

پانچویں دلیل :- آیت وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءِ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (نحل رکوع ۲۱)

ترجمہ :- یہ مشرک جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں۔ کہ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں۔ اور نہیں جانتے۔ کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

استدلال۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان ہستیوں میں سے ہیں۔ جن کو معبود مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (مائدہ ۷۲)

پس وہ بھی وفات یافتہ ہیں۔ ان کا کہیں استثناء نہیں۔

نوٹ :- بعض حید ساز لوگ اس جگہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ ”اموات“ میت کی جمع ہے۔ یعنی مرنے والے ہیں۔ کسی وقت ضرور مریں گے۔

جواب :- یہ بالکل غلط ہے۔ کہ ”اموات“ ”میت“ کی جمع ہے۔ ”اموات“ ”تو میت“ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں ”مرے ہوئے“ اور ”میت“ کی جمع

”میتوں“ ہے دیکھو لغت کی کتاب ”المنجد“ زیر لفظ ”موت“۔
 اور آیت بھی اسی کی مویدہ ہے۔ کیونکہ اسمیں ہے ”اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءِ“
 یعنی ایسے ”اموات“ جو زندہ نہیں ہیں۔ پس ”اموات“ کو ”میت“ کی جمع
 قرار دینا زبان اور قرآن دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اگر ملائکہ اور جنوں کا اعتراض کرو۔ تو یاد رہے۔ کہ وہ عالم امر سے ہیں
 اور یَخْلُقُونَ میں عالم خلق کا بیان ہے۔ اس لئے ان کا یہاں ذکر نہیں
 ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ملائکہ اور جنوں کے متعلق نہ
 مرنے کا کیا ثبوت ہے؟ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے کلیہ سے
 وہ کیونکر باہر رہتے ہیں۔

چھٹی دلیل:- آیت وَقَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ
 وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (اعراف رکوع ۲۴)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو فرمایا۔ تم اس زمین میں ہی زندگی بسر کرو گے
 اور اسی میں مردے گے۔ اور پھر اسی سے اٹھائے جاؤ گے۔

استدلال:- یہ ایک عام قانون الہی ہر فرد بشر پر حاوی ہے۔ تو کیونکر
 ہو سکتا ہے۔ کہ فِيهَا تَحْيَوْنَ کے صریح خلاف حضرت عیسیٰ آسمان پر
 زندہ موجود ہوں۔ اس آیت میں ”تَحْيَوْنَ“ فعل پر ”فِيهَا“ ظرف مقدم
 ہے۔ پس از روئے قواعد نحو اسمیں حصر ہے۔ جس سے استثناء ممکن نہیں۔

نوٹ:- اس آیت کی تائید میں یہ تین آیتیں بھی ہیں:-
 (۱) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءُ وَاَمْوَاتًا (مرسلات ۱۶)
 کیا ہمیں زمین کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے والی زندوں اور مردوں کو۔

(۲) وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِينٍ (بقرہ ۲۶)
 اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور فائدہ اٹھانا ایک مدت تک۔
 ساتویں دلیل:- اَنْتَ۔ وَاَوْصَانِي بِالْعِلْوَةِ وَالْزَّكَاةِ

مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم رکوع ۲۷)

ترجمہ :- (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تاکید حکم دیا ہے۔ کہ جب تک میں زندہ رہوں۔ تو نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔
استدلال :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ دینا اس کی تمام زندگی بھر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ان کے پاس زکوٰۃ دینے کے لائق روپیہ بھی ہو۔ اور مستحقین زکوٰۃ بھی زندہ رہیں۔ پس آسمان میں اگر وہ زندہ فرض کئے جاویں۔ تو وہاں روپیہ اور زکوٰۃ لینے والوں کا ایک گروہ بھی ان کے ہمراہ ہونا ضروری ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر کہو۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہاں مال نہیں۔ اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض نہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے پاس مال نہیں رہنا تھا۔ تو ”مَا دُمْتُ حَيًّا“ کی بجائے ”مَا دُمْتُ عَلَى الْأَرْضِ“ کہنا چاہیے تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوتا۔ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ کہ میں جب تک ”زمین پر رہوں“۔ زکوٰۃ دیتا رہوں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا خاص طور پر زکوٰۃ دینے کا حکم دینا بتاتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب نصاب تھے۔ اور جب تک زندہ رہے۔ صاحب نصاب رہے۔

دوسرا سوال اس آیت کے متعلق یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جو نماز پڑھتے ہیں۔ تو کس طرف منہ کر کے؟ اگر کہو۔ کہ عرش خداوندی کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی کونسی آیت کے ماتحت عرش خداوندی کو قبلہ بنانا جائز ہے؟

پھر سوال یہ ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نماز پڑھتے ہیں۔ اسرائیلی یا اسلامی؟ اگر کہو اسرائیلی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ابھی تک اسرائیلی نماز آسمان پر منسوخ نہیں ہوئی۔ حالانکہ کوئی امر زمینی پر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلے آسمان

پر قرار نہ پائے۔ اگر کہو کہ اسلامی نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے کہ ان کو وہ کیسے معلوم ہوئی؟ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بذریعہ وحی بتادی ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح اسلامی نماز اس نے نہیں پڑھتے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اس نے یہ خود ان پر نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابھی تک موسوی شریعت منسوخ نہیں ہوئی۔ اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات عند الملاقات بتادی ہوگی۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ معراج کی رات جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے ہیں۔ اس وقت تک ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے بعد فرض ہوئی۔ اور نماز کے فرض ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دارالعمل میں ہیں۔ یا دارالجزا میں؟ اگر کہو دارالعمل میں۔ تو پھر ان پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال کا بجالانا فرض ہے۔ اور اگر کہو۔ دارالجزا میں تو وہ دو قسم کا ہے۔ (۱) دوزخ (۲) جنت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اول الذکر میں تو جا نہیں سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ جنت میں ہیں۔ اور جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

”وَمَّا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ“ (حجر رکوع ۸)

کہ جنتی جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔

آکھوس دلیل :- آیت۔ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (مریم ۲۶) ترجمہ ۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کتنے ہیں۔ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن میں مرونگا۔ اور

جس دن میں دوبارہ اٹھایا جاؤں گا۔

اسٹند لال :۔ سلامتی کے یہ تینوں اوقات بعینہ اسی سورۃ میں حضرت یحییٰ کے لئے بھی آئے ہیں۔ اور اگر بفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور یہود نامسعود کے نرغے سے بچ کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں تو اس سلامتی کا کہاں ذکر ہے ؟ وہ تو زیادہ اظہار امتنان کا موقع تھا۔ ان مواقع مذکورہ میں تو سب بنی مورد سلامتی بننے میں آپ کے شریک ہیں۔ لیکن جن دو اہم اور عظیم الشان واقعات کی مسیح علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت ہے۔ یعنی آسمان پر جانا اور آسمان سے واپس آنا یہ سلامتی کے ساتھ ذکر کرنے کے زیادہ قابل تھے۔ خصوصاً جبکہ یہ مسیح کا کلام ان کے اختیار سے نہیں بلکہ وحی الہی کے ماتحت ہے۔

نویں دلیل :۔ آیت :۔ "وَلَنْ يَكْفُرَ مِنْ لِرُقِيَّتِكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْصُوهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَ رَسُولٍ (اسرئیل ۸۱)"

کفار نے آنحضرت صلعم سے جو نشانات طلب کئے۔ ان میں سے ایک یہ بھی نشان انہوں نے طلب کیا۔ اور سب سے اسکو آخر میں رکھا۔ اور اپنے ایمانی فیصلہ کو اس پر ٹھہرایا۔ کہ آپ آسمان پر جائیں۔ اور وہاں سے کتاب لائیں۔ جسکو ہم پڑھ کر آپ پر ایمان لائیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا۔ کہ کہو کہ میرا رب پاک ہے۔ میں بندہ رسول ہوں یعنی اللہ کی قدرت میں تو کسی قسم کا نقص نہیں۔ لیکن رسول کو آسمان پر لے جانے کی سنت اللہ نہیں۔

جائے غور ہے۔ کہ کفار کا یہ کہنا کہ تو آسمان پر چڑھ جاوے۔ اور کتاب لاوے۔ تب ہم ایمان لا دیں گے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو آسمان پر نہیں اٹھالیا۔ تا سب کفار ایمان لے آویں۔ بلکہ یہ فرمایا۔ کہ ایسا نہ ہو گا۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تو ایک بشر رسول ہے۔

اور بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ بھائیو! غور کرو۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بشر رسول ہیں۔ تو وہ کیونکر آسمان پر جاسکتے ہیں۔

غیرت کی جگہ عیسیٰ زندہ ہوا سما پر
مدفون ہو زمین میں شاہ جہاں ہمارا

دوسری دلیل :- آیت :- وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخَلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (انبیاء ۳۶)

ترجمہ :- اور ہم نے تجھ سے پہلے (اے محمد صلیم) کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ کیا ہو سکتا ہے کہ تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔

استدلال :- مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے۔ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ لیکن ایک تم ہو۔ کہ عیسیٰ کو تو زندہ مانتے ہو۔ مگر اس سید المعصومین کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو۔ استدلال صاف ہے۔ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا۔ کہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ تو جو انفع الناس ہے۔ دنیا سے رحلت کر جائے۔ اور اور کوئی تجھ سے پہلے کا زندہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔

گیارھویں دلیل :- آیت :- وَمُبَشِّرًا بِرُسُولٍ يُأْتِيهِمْ بَعْدِي إِسْمُهُمْ أَهْمَدُ (سورہ صف، ۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی۔ کہ میرے بعد ایک بنی آئیگا اسکا نام احمد ہوگا۔

تم کہتے ہو۔ کہ آنحضرت صلیم "احمد" ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ "احمد" نے بہر حال "من بعد" ہی آنا ہے۔ اگر

آج بقول تمہارے وہی عیسیٰ بن مریم واپس آجائیں۔ تو آنحضرت (احمد)
ان سے پہلے ہو جائیں گے۔ نہ کہ بعد۔ تو کیا اس وقت قرآن سے ”مِنْ بَعْدِي“
کاٹ کر اسکی جگہ ”مِنْ قَبْلِي“ کر دو گے؟
پس ثابت ہوا۔ کہ اب جیگہ دو احمدؑ آچکا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام
واپس نہیں آسکتے۔

بارھویں دلیل :- آیت وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ
لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَ شُرَكَاءُكُمْ فَذَلِكُنَا بَيْنَهُمُ
وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَارًا تَحْبُونَ (یونس رکوع ۳)
اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر ہم ان سے جنہوں نے شرک
کیا کہیں گے۔ کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر ہم
ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔ اور ان کے شریک مشرکوں سے
کہیں گے۔ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے
درمیان کافی گواہ ہے۔ ہم تو یقیناً تمہاری عبادت سے غافل ہیں۔
(فَلَنُفِئَ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ غَافِلِينَ)
ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ قیامت کے دن تمام معبودان
باطلہ خدا کو گواہ رکھ کر کہیں گے۔ کہ ہم کو معلوم نہیں۔ کہ لوگ ہماری عبادت
کرتے تھے۔ ظاہر ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہی معبودوں میں
سے ہیں۔ جن کی خدا کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ
قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (مائدہ ۳۶) سے ثابت ہے
اب اگر بقول غیر احمدیاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف
لائیں اور صلیبوں کو توڑیں۔ تو وہ کس طرح قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو گواہ
رکھ کر یہ کہیں گے۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ عیسیٰ میری عبادت کرتے اور
مجھے خدا بتاتے تھے؟

یا تو یہ کہو۔ کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غلط بیانی کریں گے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ اب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) غلط بیانی سے کام لیں۔ پس وہ بات ہی درست ہے۔ کہ اب وہ واپس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے
وَهَذَا هُوَ الْمَوَادُّ

دیگر آیات ۱۔ ان مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں :-
(۱) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّيْكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُزِدُّكُمْ إِلَىٰ آيَاتِ الْعَمْرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ (نحل ۹۶)
ترجمہ ۱۔ اللہ وہ ذات ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو وفات دیتا ہے اور بعض تم میں سے رذیل ترین عمر (انتہائی) بڑھایا کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جاننے کے بعد نہ جاننے والا بن جاتا ہے۔

ہمارے دوست بتائیں۔ کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قانون کے مستثنا ہونے کا کوئی ثبوت ان کے پاس ہے۔ ہرگز نہیں ہے۔
(۲) وَمِنْكُمْ مَنْ يُزِدُّكُمْ إِلَىٰ آيَاتِ الْعَمْرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ (حج رکوع ۱۶)
ترجمہ ۱۔ اور اگر گزر چکا ہے۔

(۳) وَمَنْ يُغْفَرْ ذُنُوبَهُ نَجِّنَا فِي الْخَلْقِ (یس ۶)
ترجمہ ۱۔ جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں۔ ہم پھر اس کو خلقت میں الٹاتے ہیں یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے سے ہوتا ہوا نادان بن جاتا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ قانون حاوی نہیں؟

(۴) اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ مَّعْيِنٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ مَعْنٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ مَّغْفًا وَشَيْبَةً (الزمر ۶۷)
ترجمہ ۱۔ اللہ جس کی مدد سے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو قوت عطا کیا۔ پھر قوت کے بعد قوت کو مٹا دیا۔ پھر تم کو بوڑھا کر دیا۔

ترجمہ :- اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ اور پھر کچھ عرصہ میں قوت عطا فرمائی۔ اور پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔
بقول مخالفین احمد علیہ السلام بھی حضرت عیسیٰ ؑ نے آسمان پر جانے سے پیشتر قوت پائی تھی۔ اب اتنے عرصہ کے بعد ضرور ہے کہ آپ دوبارہ ضعف کا شکار ہو چکے ہوں۔ اور دنیا میں آکر بجائے خدمت دین کرنے کے اپنی ہی خدمت کرا میں۔

(۵) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ كَانُوا كَالْطَّعَامِ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (فرقان ۲۶)

ترجمہ :- ہم نے اسے محمد صلعم تجھ سے پہلے رسول نہیں بھیجا۔ مگر وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مِنْ قَبْلُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سب رسولوں کو ایک ہی لڑھی میں پرو دیا ہے۔ منجملہ ان میں سے ایک حضرت عیسیٰ ؑ بھی ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ بھی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

وفات مسیح از احادیث

استدلال توفیتی :- (۱) كُوْنَكَانَ مُوسٰى وَعِيسٰى حَيَّيْنِ لَمَّا وُسِعَ لَهُمَا الْاَتْبَاعُ (ابن کثیر بر حاشیہ جلد ۲ ص ۲۷۷)۔ (یوا قیت والحوار ص ۲۷۷ شرح مواہب اللدینہ جلد ۶ ص ۳۷۷ فتح البیان جلد ۲ ص ۲۷۷ و طبرانی کبیر) ترجمہ :- اگر موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ زندہ ہوتے۔ تو ان کو میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(۲) كُوْنَكَانَ مُوسٰى وَعِيسٰى فِيْ حَيَاتِهِمَا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهِ (مدارج السالکین مصنف امام ابن قیم جلد ۲ ص ۳۱۳)۔ (بشارات احمدیہ مصنف علی حاضری

شیعہ ص ۲۲۰۔ براہی محمدیہ بر حاشیہ بشارات احمدیہ ص ۲۲۰

ترجمہ ۱۔ اگر موسیٰ عدا اور عیسیٰ صاحب حیات ہوتے۔ تو ضرور آنحضرتؐ کے اتباع میں ہوتے۔

(۳) کُوْكَانَ عِيسٰی حَيًّا لَمَّا دَمِيعَةً اِلَّا اِتِّبَاعِيٌّ در شرح فقہ اکبر ص ۹۹ (مصری) اگر عیسیٰ زندہ ہوتا۔ تو اسے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا نوٹ ۱۔ غیر احمدی علماء نے اس حدیث میں ”یحصرون الکلم عن مواضعہ“ کے مطابق یہودیانہ خصلت کو پورا کرنے کے لئے تحریف کر دی ہے۔ شرح فقہ اکبر کا جو نسخہ مصر میں چھپا ہے۔ اس میں ”کُوْكَانَ عِيسٰی حَيًّا“ ہے۔ لیکن جو نسخہ شرح فقہ اکبر کا ہندوستان میں چھپا ہے۔ اس میں انہوں نے بجائے ”عیسیٰ“ کے ”موسیٰ“ کر دیا ہے۔

(۴) ”اَخْرَجَ الطَّبْرَاذِي فِي الْكَبِيرِ بِسَنَدٍ رِّجَالٍ ثِقَاتٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ عَنْهَا اَنَّ عِيسٰی بْنَ مَرْثِمَ عَاشَ عِشْرَيْنَ وَ مِائَةً سَنَةً“ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ۔ بحوالہ مجمع الکرامہ ص ۲۲۸۔ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۲۰۔ مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۲۰۰ و جلالین زیر آیت یا عیسیٰ اِنی متوفیک راوی ابن عمر رضی عنہما عیشیہ۔ ترجمہ ۱۔ تحقیق عیسیٰ بن مرزم ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔

(۵) اَنَّ عِيسٰی بْنَ مَرْثِمَ عَاشَ عِشْرَيْنَ وَ مِائَةً وَ اِنِّي لَا اَرٰ فِيْ اِلَّا ذَا هَبًا عَلٰی رَأْسِ الْوَسْتَيْنِ (کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۱ راوی فاطمہ الزہراءؑ) ترجمہ ۱۔ فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ تحقیق عیسیٰ بن مرزم ایک سو بیس سال تک زندہ رہا تھا۔ اور میں غالباً ساٹھ سال کی عمر کے سر پر کوچ کروں گا۔ (۶) مَا مِنْ نَفْسٍ مِّنْ نَّفْسٍ مِّنْ يُّوْمٍ يَّآتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَ هِيَ كَوْمَيْدٍ خَيْشَةٍ (کنز العمال جلد ۷ ص ۲۱۱ راوی جابر و سلم کتاب ۱) ترجمہ ۱۔ آج کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اس پر سو سال آوے۔ اور وہ فوت نہ ہو۔

بلکہ زندہ ہو۔ یعنی سو سال کے اندر ہر جاندار انسان جانور وغیرہ مر جائیگا پس عیسیٰ عہ بھی فوت ہو گئے ہیں۔

(۷) ابن مردودہ نے ابوسعید سے روایت کیا کہ
 اَدَمُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا تَعْرِفُ عَلَيْهِ اَعْمَالُ ذُرِّيَّتِهِ وَيُوسُفُ فِي
 فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ وَابْنُ الْخَالَةِ يَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ فِي السَّمَاءِ الثَّلَاثَةِ
 وَادْرِيسُ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ وَهَارُونَ فِي السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ
 وَمُوسَىٰ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ وَابْرَاهِيمُ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ
 (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)

ترجمہ: آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدم پہلے آسمان پر ہے۔ اس پر اسکی اولاد
 کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یوسف دوسرے آسمان پر ہے۔ اور یحییٰ زاد
 بھائی یحییٰ اور عیسیٰ دونوں تیسرے آسمان پر ہیں۔ اور حضرت ادریس چوتھے
 میں اور ہارون پانچویں میں اور موسیٰ چھٹے میں اور ابراہیم ساتویں آسمان پر ہیں
 اگر حضرت عیسیٰ عہ بحسدہ العنصری زندہ ہیں۔ تو کیا باقی انبیاء کرام کو بھی اسی
 جسم سے زندہ ماننے کے تیار ہو؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اکیلے حضرت
 عیسیٰ عہ کی کیا خصوصیت ہے کہ آپ سب سے نراے زندہ ہیں۔

(۸) اختلاف حلیتین۔ آنحضرت نے پیسے مسیح کا حلیہ "قَامَا عِيسَىٰ فَاحْمَرُوْ
 جَعْدُ" (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع الہیہ مصری)

سرخ رنگ۔ گھنگھریالے بال۔

اور مسیح قاتل و جال کا حلیہ ۱۔

فَاِذَا رَجَلُ اَدَمَ كَاَحْسَنَ مَا يُرَىٰ مِنْ اَدَمَ الرَّجَالِ تَقَرَّبَ لَمَتِهِ
 بَيْنَ مَتْنَبِيهِ رَجُلُ الشَّعْبِ (اليفنا)

بتایا ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو گندم گوں۔ آدمیوں میں سے خوبصورت تر۔ اس
 کے بال اسکی کندھوں پر پڑتے ہیں۔ اور وہ سیدھے بالوں والا ہے۔

ایک آدمی کے دو جیلے نہیں ہو سکتے۔ ثابت ہوا کہ یہ دو الگ الگ آدمی
ہیں۔ مسیح ناصری اور۔ اور مسیح موعود اور۔

پس پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اور آنے والا مسیح اسی امت میں سے
ہے۔ جیسا کہ ”إِنَّمَا هُكُمُ مِنْكُمْ“ سے ثابت ہے۔

وفات مسیح پر اقوال ائمہ سلف سے استنباط

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے فلما توفيتني والی مفصل حدیث اور حضرت ابو بکر
کا خطبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے معنی ممیتک کو اپنی صحیح میں درج فرما کر اپنا
عقیدہ دربارہ حیات و وفات مسیح و وضاحت سے بیان کر دیا۔

(۲) امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق صاف لکھا ہے۔ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ مَجْمَعُ بَكَارِ الْأَنْبِيَاءِ
جلد ۱ صفحہ ۲۸۶ یعنی حضرت امام مالک نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت
ہو گئے ہیں۔ نیز لکھا ہے۔

رَفِي الْعُتْبِيَّةُ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ (اکمال الکمال شرح
مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

(۳) امام ابو حنیفہ کا امام مالک پر انکار ثابت نہیں۔

(۴) صاحبین حضرت امام ابو یوسف و محمد اور حضرت احمد بن حنبل اور امام
شافعی نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کر کے بتا دیا۔ کہ ہم اس مسئلہ میں امام
مالک اور امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔

(۵) جلالین معہ کمالین ص ۱۱۱ مطبع مجتہبی کے حاشیہ میں السطور پر ہے۔
وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْآيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهِ إمام ابن حزم
نے آیت انی متوفیک والی کو ظاہر پر محمول کر کے عیسیٰ علیہ السلام کے فوت
ہو جانے کے عقیدہ کو بیان کیا۔ اور وفات کے قائل ہوئے۔

(۶) عبد الحق صاحب محدث دہلوی اپنے رسالہ ما ثبت بالسنة ص ۱۹۹

صلیٰ علیہ وسلم پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔
(حجج الکرامہ ص ۲۸)

(۷) نواب صدیق حسن خان صاحب نے ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ حجج الکرامہ پر لکھا ہے کہ سب انبیاء و جو نبی کریم سے پہلے تھے۔ مرچکے ہیں۔ اور مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔

(۸) حافظ لکھنوی کے والا لکھتا ہے۔ حج

”یعنی جویں پیغمبر گذرے زندہ رہیا نہ کوئی“

(تفسیر محمدی جلد ۱ ص ۳۲)

(۹) حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ وَجَبَ نُزُولُهُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ
بَكْبَدٍ اٰخِرٍ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں بروز کے طور پر نازل
ہوں گے۔ (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور جلد ۱ ص ۲۴۲)

(۱۰) بعض صوفیا کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروز کے طور پر نزول ہوگا۔

(اقتباس الانوار ص ۵۲) عبارت یہ ہے۔ و بعضے برآئند کہ روح عیسیٰ

در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است۔

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گواہی دی کہ حضرت مسیح کی عمر ایک سو بیس
برس تھی۔ زرقانی جلد ۱ ص ۴۰۔

(۱۲) تفسیر محمدی منزل اول ص ۲۴۲ پر وفات عیسیٰ علیہ السلام بزبان نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت بحث بخبران یوں رقمطراز ہے۔

جو یو دے نال مشابہ بیٹھا ہوند اشک نہ کائی

زندہ رب ہمیش نہ مرسی موت عیسیٰ نوں آئی

(۱۳) قَدْ مَاتَ عِيسَىٰ۔ عیسیٰ فوت ہو گیا ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ ص ۴۸۱)

(۱۴) امام جہاڑی۔ اللہ نے مسیح کو وفات دی۔ اور اپنی طرف بلایا۔ تفسیر

مجمع البیان زیر آیت فَلَمَّا قُوِّفَتْ بَنِيْ

(۱۵) تاریخ طبری جلد ۲ ص ۳۹ پر مسیح کی قبر کے کتبہ کی عبارت نقل کی گئی ہے۔
هَذَا قَبْرُ رَسُولِ اللَّهِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔

(۱۶) حضرت علیؑ کی شہادت کی رات حضرت امام حسنؑ نے خطبہ پڑھا۔ اور اس میں
کہا۔ لَقَدْ قُبِضَ اللَّيْلَةَ عَرَجٌ فِيهِ بِرُوحِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ كَيْلَةَ
سَبْعٍ وَعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ (طبقات کبیر جلد ۳ ص ۲) کہ آپ
(حضرت علیؑ) اس رات فوت ہوئے ہیں۔ جس رات حضرت عیسیٰؑ کی روح
آسمان پر اٹھائی گئی تھی۔ یعنی ۲۷ رمضان کو۔

حیات مسیح کا عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر آیا

لکھا ہے۔ فَنَبِيٌّ زَادَ الْمَعَادَ يُلْحَافُ ابْنُ قَيْمٍ رَحِمَ اللَّهُ تَعَالَى مَا
يَذْكُرُ أَنَّ عِيسَى دُفِعَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً لَا
يُحْيِي مَعَهُ أَثَرٌ يَجِبُ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ قَالَ الشَّامِيُّ وَهُوَ كَمَا
قَالَ فَإِنَّ ذَلِكَ إِنَّمَا يُرْوَى عَنِ النَّصَارَةِ (فتح البیان جلد ۲ ص ۹)
ترجمہ :- حافظ بن قیم کی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے۔ کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ
حضرت عیسیٰؑ ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔ اسکی تائید کسی حدیث
سے نہیں ہوتی۔ تا اسکا ماننا واجب ہو۔ شامی نے کہا ہے۔ کہ جیسا کہ امام ابن قیم
نے فرمایا ہے۔ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ اس عقیدہ کی بنا احادیث رسول صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم پر نہیں۔ بلکہ یہ نصاریٰ کی روایات ہیں۔ اور ان سے ہی یہ عقیدہ
آیا ہے۔

تردید حیات مسیح ناصری علیہ السلام

بہلی دلیل اور اسکی تردید :- وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ
لَهُمْ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (سورہ نسا رکوع ۷۲) ترجمہ :- نہ انہوں نے

(یہود نامسعود نے) مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ صلیب پر مارا۔ بلکہ اللہ نے مسیح کو اٹھالیا۔

بل البطالیہ کا ابطال

اسٹر لال علماء عدا۔ ”بل“ اضرابیہ البطالیہ ہے۔ جو ابطال جسد اولیٰ و اثبات جسد ثانیہ کی غرض سے آتا ہے۔ جب نہ قتل ہوئے۔ اور نہ مصلوب ہوئے۔ تو یقیناً زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔

الجواب :- آسمان پر جانے اور مقتول و مصلوب ہونے میں کوئی ضدیت نہیں کیا جو نہ مقتول ہو نہ مصلوب وہ آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ کیا آنحضرت صلعم و حضرت موسیٰ ع کو زندہ آسمان پر مانتے ہو۔ کیونکہ وہ نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب جواب عدا۔ آیت مذکور میں ”بل“ کو البطالیہ قرار دینا غلط ہے۔ جو جو بات ذیل میں ہے۔ ”وَمَا يَتَّبِعُونَ آيَاتِ يَسْعَىٰ بَلْ الدَّارِكَ عَلَيْهِمْ فِي الْآخِرَةِ (نمل رکوع ۵)

۱) اس آیت میں تین دفعہ ”بل“ آیا ہے۔ اور تینوں جگہ البطالیہ نہیں۔ بلکہ ترقی و انتقال من غرض الی آخر کے لئے آیا ہے۔

”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ والی آیت میں ”بل“ کا ماقبل اور مابعد کلام خدا ہے۔ پس ”بل“ البطالیہ نہیں ہو سکتا۔

۲) نحویوں نے لکھا ہے۔ کہ قرآن میں ”بل“، البطالیہ نہیں آ سکتا۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کفار کا قول نقل کرے۔ تو بغرض تردید اس میں ”بل“ البطالیہ آ سکتا ہے۔ ورنہ اصالت خدا تعالیٰ کے کلام میں بل البطالیہ وارد نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو:-

۱) مشہور نحوی ابن مالک کہتا ہے۔ إِنَّهَا لَا تَقَعُ فِي التَّنْزِيلِ إِلَّا عَلَىٰ

هَذَا الْوَجْهِ (آئی لا انتقال من غرض الی آخر لا القدر المبني جلد ۵۸۲)

کہ قرآن مجید میں "بل" سوائے ترقی کے اور کسی صورت میں (یعنی بغرض ابطال) نہیں آتا۔

(۲) قَالَ السَّيُّوْطِيُّ بَعْدَ اَنْ نَقَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ اَيْضًا فَهٰذَا النُّقُولُ مُتَضَافِرَةٌ عَلٰی مَا قَالَ ابْنُ مَالِكٍ مِنْ عَدَمِ دُقُوْعِ الْاَضْرَابِ اِلَّا بَطْلَانِي فِي الْقُرْآنِ (القصر المبني جلد ۱ ص ۵۸۲)

کہ سیوطی نے بہت سے اقوال اور مثالیں نقل کر کے کہا ہے۔ کہ یہ تمام مثالیں ابن مالک کے اس قول کی تائید کرتی ہیں۔ کہ قرآن میں بل ابطالیہ نہیں آتا۔
(۳) فَاتَّالَّذِي قَرَّرَهُ النَّاسُ فِيْ اَضْرَابِ الْاَبْطَالِ اَنَّهُ الْوَاقِعُ بَعْدَ غَلْطٍ اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَبَدُّلٍ دَاخِلٍ فِي الْقُرْآنِ مَذْرُوءٌ عَنْ ذٰلِكَ (القصر المبني جلد ۱ ص ۵۸۳)

کہ نحو یوں نے لکھا ہے۔ کہ بل ابطالیہ یا تو غلطی یا نسیان کے بعد آتا ہے۔ اور یا تبدیلی رائے کے موقع پر۔ اور قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاسکتیں۔ اس لئے قرآن میں بل ابطالیہ نہیں آسکتا۔

فجوابہ انه صحيح (بر حاشیہ معنی الیہ)

کہ ابن مالک کے قول کا مطلب یہ ہے۔ کہ حکایتاً عن الغیر "بل" ابطالیہ آسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

استدل ع ۲۔ قَتْلُوْهُ كِي ضَمِيرٌ كَامِرٌ جِ حَضْرَتِ عِيسَى مَعَ الْجِسْمِ هِيَ۔ تَوَدَّفَعَهُ فِيْ يَدِيْ حَضْرَتِ عِيسَى مَعَ الْجِسْمِ اُطْحَايَ كَيْ هِيَ۔

جواب ع ۱۔ اول تو رفع کے معنی ہی یہ نہیں۔ لیکن اگر ہوں بھی تب بھی یہ ضروری نہیں۔ کہ رَفَعَهُ والی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ مَعَ الْجِسْمِ ہی ہوں چنانچہ دیکھئے قرآن مجید میں ہے۔ لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (بقرہ رکوع ۱۶) نہ کہ ہوں ان لوگوں کو مردہ جو خدا کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

اب اَحْيَاءُ کا مبتدا محذوف ہم ہے۔ اس کا مرجع مَنْ یُقْتَلُ ہے۔
 مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ حالانکہ لفظ مَنْ میں یہی
 جسم مراد ہے۔ پس کیا ضرور ہے کہ ہم رفع میں جسم بھی مراد لیں۔
 پھر سورۃ عبس میں ہے: "قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرًا مِّنْ أَيِّ شَيْءٍ
 خَلَقَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ" (عبس ۱۶)

"أَمَاتَهُ" اور "فَأَقْبَرَهُ" کی ضمائر کا مرجع "الْإِنْسَانُ" ہے۔ جو روح
 اور جسم کا مرکب ہے۔ مگر کیا قبر میں روح اور جسم دونوں رکھے جاتے ہیں؟
 "موت" تو نام ہی "إِخْرَاجُ الرُّوحِ مِنَ الْجَسَدِ" کا ہے۔ اگر
 روح مع الجسم مدفون ہو۔ تو پھر زندہ دفن ہوا۔ جو محال ہے۔ پس یہاں
 "اقبرہ" کی ضمیر کا مرجع "الإنسان" بمعنی مجرد جسم ہوگا۔

ب، علم بدیع کی اصطلاح میں اسے "صنعت استخدام" کہتے ہیں :-
 وَمِنْهُ الْإِسْتِخْدَامُ وَهُوَ أَنْ يُرَادَ بِلَفْظٍ لَّهُ مَعْنَيَانِ أَحَدُهُمَا
 ثُمَّ بِضَمِيرِهِ الْآخَرُ أَوْ يُرَادُ بِأَحَدِ ضَمِيرَيْهِ أَحَدُهُمَا ثُمَّ
 بِالْآخَرِ الْآخَرُ" (تلخیص المفتاح ص ۱۷)

کہ ایک لفظ جو دو معنی ہو۔ اس کی طرف دو ضمیریں پھیر کر اس سے دو الگ
 الگ مفہوم مراد لینا۔ مثالیں اوپر درج ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ پھر تم کیسی
 روح کا رفع کیوں مراد لیتے ہو۔ اول تو اسے کہنا چاہیے کہ کسی کا نام
 مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں زید سیاہ ہے۔ تو صرف جسم مراد
 ہوگا۔ حالانکہ ہم نے لفظ زید بولا تھا۔ جو جسم اور روح دونوں کا نام تھا۔
 مگر قرینہ حالیہ نے اس جگہ اس معنی کو روک دیا۔ یا کہیں زید نیک ہے۔ تو
 صرف روح مراد ہوگی۔ اسی طرح رفع ہمیشہ روح کا ہوتا ہے۔ اس خاک
 جسم کے متعلق تو ازل سے یہی قانون الہی ہے: فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ

وَمِنْهَا تَخْرُجُونَ

دوم۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے قائل ہیں۔ مگر وہ رفع تھا روحانی ہو کہ جسم سے اعلیٰ ہے۔ جس طرح کہ روح جسم سے اعلیٰ ہے۔

جواب ۲۔ بندہ کے لئے جب لفظ رفع کا استعمال ہو۔ تو ہر جگہ درجات کا رفع مراد ہوتا ہے۔ خصوصاً جب رفع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ کیونکہ اسکی شان ہے۔

۱۔ وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ (انعام ۱۶) کہ وہ خدا آسمان میں بھی ہے۔ اور زمین میں بھی۔ ۲۔ اَيْنَمَا كُنْتُمْ فَشَدَّ وَجْهُهُ اللَّهُ (بقرہ ۱۲۶) جہر

نہ منہ کرو۔ ادھر ہی اللہ ہے۔ ۳۔ نَحْنُ أَقْرَبُ بِالْيَمِينِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق) کہ ہم انسان کی شاہرگ سے زیادہ قریب ہیں۔ تو اسکی طرف رفع کے لئے

آسمان وغیرہ پر جانا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ رفع اسی زمین پر ہوتے ہوئے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب مسلمان جانتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم تین سجدوں (دوسجدوں کے

درمیان) جو دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے میں ایک لفظ وَرَفَعْنِي بھی ہے۔ یعنی اے اللہ میرا رفع کر۔ (کتاب ابن ماجہ)

سب مومن مانتے ہیں۔ کہ آپ کا رفع ہوا۔ مگر زمین پر ہی رہ کر۔ بھائیو! جب وہی لفظ رفع آنحضرت صلی علیہ وسلم کے لئے آتا ہے۔ تو آسمان پر جانا مراد نہیں لیتے۔ اور جب عیسیٰ کے لئے آوے۔ تو وہاں مراد لیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پھر طرفہ یہ کہ تمام قرآن اور احادیث میں کہیں بھی اس لفظ رفع کے معنی آسمان پر جانا نہیں میں۔ چنانچہ دیکھئے۔ فرمایا:۔

وَمَا كُنْتُمْ تَرْفَعُونَ إِلَّا إِلَيْنَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ (اعراف رکوع ۲۲) اور اگر ہم چاہتے۔ تو ہم اسکا رفع کر دیتے۔ لیکن وہ جھک گیا زمین کی طرف۔

اسجگہ بالاتفاق درجات کی ترقی مراد ہے۔ آسمان پر لے جانے کا ارادہ بتانا ملاحظہ نہیں۔

(۲) وَرَفَعْنَا مَكَانًا عَلِيًّا (مریم رکوع ۴)

(۳) فِي مِثْقَاتِ اُذُنِ اللّٰهِ اَنْ تُرْفَعَ (نور رکوع ۵)

(۴) فِي مِثْقَاتِ مِكَرَمَةِ مَرْفُوعَةٍ (سورہ عبس)

(۵) وَفَرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ (واقفہ رکوع ۱)

(۶) يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا..... درجات (مجادلہ رکوع ۲)

گویا جب بھی کسی مومن اور عالم کے متعلق اللہ یہ کہے کہ میں نے اسکا "رفع" کیا ہے تو اس کے مراد آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ "درجات" کا بلند ہونا ہوتا ہے۔ عیسائی سے زیادہ ان کے زمانہ میں کون مومن اور عالم تھا؟

احادیث اور لفظ "رفع"

(۱) اِذَا تَوَاضَعُ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ رُكْنِ الْعَالَمِ جِلْدِ ص ۲۵
جب بندہ فروتنی کرتا ہے۔ (خدا کے آگے گرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کر لیتا ہے۔

نوٹ:۔ یہ حدیث محاورہ زبان کے لحاظ سے "بَلَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" کے معنی کرنے کے لئے واضح ترین نص ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ "رفع" بھی موجود ہے۔ "رفع" کرنے والا بھی "اللہ" ہے۔ اور خاص بات جو اس میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ "رفع" کے فعل کا صدمہ بھی "الی" ہی آیا ہے۔ جیسا کہ آیت "بَلَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" میں ہے۔ اور زاید بات یہ کہ اس میں "ساتویں آسمان" کا لفظ بھی موجود ہے (السَّمَاءِ السَّابِعَةِ) حالانکہ آیت "بَلَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" میں "آسمان" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ وہاں "رفع" اللہ کی طرف ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ "وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ" (انعام رکوع ۱) کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ہے۔ اور آسمان میں بھی۔ مگر مندرجہ بالا حدیث میں تو لفظ "آسمان" بھی موجود ہے۔ مگر پھر بھی مولوی صاحبان اسکا ترجمہ "روحانی رفع" یعنی بلندی درجات ہی لیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے جو لفظ "رفع" استعمال ہوا ہے۔ اس میں بھی "رفع" کے معنی "بلندی درجات"

ہی کے ہیں۔ نہ کہ آسمان پر چڑھ جانے کے۔

(۲) "مَا تَوَاضَعُ أَحَدُكُمْ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ" (مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ معری)

کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ اللہ کے آگے گرا ہو۔ اور پھر اللہ نے اس کا "رفع" نہ کیا ہو۔ یعنی جو اللہ کے آگے گرے اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

"رَفَعَكَ اللَّهُ يَا عَمْرُو" (کنز العمال جلد ۷ ص ۶۱) اے میرے چچا۔ اللہ تعالیٰ

آپ کا "رفع" کرے۔

(۴) "الْتَوَاضَعُ لَا يَزِيدُ الْعَبْدَ إِلَّا رَفْعَةً فَتَوَاضَعُوا لِيَرْفَعَكُمْ اللَّهُ"

(کنز العمال جلد ۲ ص ۲۶) خاکساری انسان کو رفعت میں بڑھاتی ہے۔ پس تم انکساری کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رفع کرے گا۔

(۵) "مَنْ تَوَاضَعُ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ" (کنز العمال جلد ۲ ص ۲۵) جو شخص اللہ کے آگے گرجائے۔ اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

(۶) "مَنْ تَوَاضَعُ لِلَّهِ تَخَشَّعًا لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ" جو انکساری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے آگے گرے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔

لغات عرب اور لفظ "رفع"

(۱) صحاح جوہری جلد ۱ ص ۵۹۲ - الرِّافِعُ تَقَرَّبَ يَبْتَغِي الشَّيْءَ . رفع سے

مراد کسی چیز کو قریب کرنا ہے

(۲) داقرب الموارد جلد ۱ ص ۱۴۱ - رَفَعَهُ إِلَى السُّلْطَانِ اِسْمٌ قَرَّبَهُ بِنَاءً قَرِيبٌ

کیا اس کو بادشاہ کے۔

(۳) لسان العرب جلد ۹ ص ۱۱۸ - فِي أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى الرَّافِعُ هُوَ الَّذِي

يَرْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِسْعَادِ وَأَذْلِيَاءَهُ بِالْإِقْصَابِ وَالرَّفْعُ تَقَرُّبٌ

الشَّيْءُ مِنَ الشَّيْءِ وَفِي التَّنْزِيلِ وَفِي مَرْفُوعَةٍ مُقَرَّبَةٍ

لَهُمْ وَيُقَالُ نِسَاءُ مَرْفُوعَاتٍ أَمْ مَكْرَمَاتٍ مِنْ قَوْلِكَ إِنَّ اللَّهَ
يَرْفَعُ مَنْ يَشَاءُ وَقَوْلُهُ تَعَالَى فِي بُيُوتِ آذِنَ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ قَالَ
الزُّجَّاجُ قَالَ الْحَسَنُ تَأْوِيلُ أَنْ تَرْفَعَ أَنْ تُعَظِّمَ.

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رافع کا لفظ ہے۔ کیونکہ وہ بلند کرتا ہے مومن کو سعادت
کے ساتھ اور اپنے دوستوں کو قرب کے قرب کے ساتھ۔ اور رافع کسی چیز کو
کسی چیز کے قریب کرنا۔ اور قرآن شریف میں ہے: یعنی ان کے قریب کی جائیگی
(۴) تابع العروس جلد ۵ صفحہ ۳۵۴۔ الرَّفْعُ مِنْهُ الْوَضْعُ وَ مِنْهُ حَدِيثُ
الدُّعَاءِ اللَّهُمَّ اِزْعِنِي۔ کہ رفع ”وضع“ کی ضد ہے۔ جیسا کہ حدیث
دعا میں ہے۔ کہ اے میرے رب میرا رفع کر۔

(۵) منتهی الارباب جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱ رَفَعْتُهُ اِلَى السُّلْطَانِ رَفَعْنَا اِسْمَ قَسْرَبَةِ
(۶) بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ اِلَيْهِ يَحْتَمِلُ رَفَعَهُ اِلَى السَّمَاءِ وَ رَفَعَهُ مِنْ
حَيْثُ التَّشْرِيفِ“ (مفردات راغب بر حاشیہ نہایہ بن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۱)
تفسیر سے رفع کے معنی :- ۱، تفسیر سرسید احمد خاں جلد ۲ صفحہ ۲۷۱
”پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے۔ جس سے عیسیٰ علیہ السلام کی
قدرو منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھالینے کا۔

(۲) تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۰۔ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّْ اِسْمٌ وَ رَافِعُ عَمَلِكَ اِلَى وَ
هُوَ لِقَوْلِهِ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ هَذِهِ الْاَيَةِ
اَنَّهُ تَعَالَى بَشَرًا بِقَبُولِ طَاعَتِهِ وَ اَعْمَالِهِ..... الخ کہ رافع الی
کے معنی میں۔ کہ میں تیرے اعمال کو اٹھانے والا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول
کی طرح ہے۔ کہ ”اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ“ اور اس آیت سے مراد یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نیکیوں کے قبول کرنے کی بشارت دی
”وَ اَعْلَمَ اَنَّ هَذِهِ الْاَيَةَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفَعَهُ فِي قَوْلِهِ وَ رَافِعُكَ
اِلٰی هُوَ الرَّفْعَةُ بِالذَّرَجَةِ وَ الْمُتَقَبِّلُ بِالْمَكَانِ وَ الْحَقُّةُ۔
تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۱۔

یعنی اس آیت سے جو مسیح کا رفع ثابت ہوتا ہے۔ یہ درجات کی ترقی اور عزت کا رفع مراد ہے۔ رفع مکانی (جیسا کہ غیر احمدی مانتے ہیں) اور جہیت والا مراد نہیں۔

(۳) تفسیر جامع البیان ص ۵۲۔ رَافِعُكَ اِيَّيْ اَمَّ اِلَى مَحَلِّ كَرَامَتِي
یعنی اپنے عزت کے مقام کی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں۔ گویا جنت میں داخل کرونگا۔ بِفَرَمُودِهِ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اُرْجِيئِي اِلَى رَبِّكَ رَافِعِيَةً مَرْفُوعَةً فَادْخِلِيْنِي عِبَادِيْ دَاخِلِيْ جَنَّتِيْ۔

(۴) تفسیر روح البیان جلد ۳ ص ۳۳۔ رَافِعُكَ اِلَى اَمَّ اِلَى مَحَلِّ كَرَامَتِيْ
وَمَقَرِّ مَلِيْكَتِيْ وَجَعَلَ ذٰلِكَ رَفْعًا اِلَيْهِ لِتَعْظِيْمٍ مِّثْلَهُ قَوْلُهُ
اِنِّيْ ذَا هِبٌ اِلَى رَجِيٍّ ذَا كَمَا ذَهَبٌ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ
الْعَرَاقِ اِنِّي الشَّامُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف رفع فرمانا صرف تعظیم کے لئے ہے۔ جیسا کہ اس قول میں ہے۔ اِنِّي ذَا هِبٌ اِلَى رَجِيٍّ۔ حالانکہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔

قرآن کریم اور لفظ الی (۱) اِنِّي ذَا هِبٌ اِلَى رَجِيٍّ رُفِعَتْ (۳۶) (۲) اِنِّي
مُهَاجِرٌ اِلَى رَبِّيْ دَعَبُوتُ رُكُوعِ (۳) (۳) اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ (انعام ۶۴)
یونس (۱۶) (۴) فَخِزْنُوْهُ اِلَى اللّٰهِ (الذّٰرِیّٰتِ ۳۶) (۵) اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا
اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ ۹۶) (۶) اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (یوسف ۶۶)
اس استدلال پر چند اعتراضات۔ اس آیت سے اگر حضرت عیسیٰ علیہ
السلام پر جانا مراد ہو سکتا ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر محدود
ہے۔ اور وہ بھی دوسرے پر حالانکہ محدودیت باری محال ہے۔ پس عقیدہ
حیات مسیح بھی محال ہے۔

دوم۔ کتب نحو میں الی کے معنی کہے ہیں کہ یہ انتہا غایت کے لئے آتا ہے تو
اب اگر آسمان پر جانے کے معنی درست ہوں۔ تو ماننا پڑے گا کہ (نمود باللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں۔ درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہیں۔ ورنہ پورے طور پر الہی کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ پس ان معنوں پر ضد کرنا سراسر جہالت ہے۔

استدلال ۳۔ ”كَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنی طاقت اور قدرت کا ذکر کر کے بتا دیا ہے۔ کہ یہاں آسمان پر ہی جانا مراد ہے۔ جواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے۔ تو رستہ میں حضور ایک غار میں ٹھہرے تھے۔ اور اس طرح سے خدا تعالیٰ نے آپ کو کافروں کے ملاحقوں سے بچایا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید سورہ توبہ میں ہے۔ اور اس کے آخر میں بھی ہے۔ ”وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ“

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس موقع پر آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ یا زمین پر ہی رکھ کر خدا تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ اور اپنی ”قدرت“ کا ثبوت دیا تھا۔ (ب) قدرت کسی چیز کو چھپانے میں نہیں۔ بلکہ دشمن کے سامنے رکھ کر محفوظ رکھنے میں ہے۔ لہذا تمہارے اعتقاد کی رو سے خدا تعالیٰ بزدل ٹھہرتا ہے۔ کیا زمین پر عیسیٰ ع کو رکھنے میں یہودیوں سے ڈرتا تھا؟ (نعوذ باللہ)

حیات مسیح کی دوسری دلیل۔ ”وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلشَّاعَةِ فَلَا تَمُوتُ بِهَا“ (زخرف ۹۶) ترجمہ۔ بقول غیر احمدیاں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی میں۔ پس تم اس میں شک کرو۔ بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

جواب ۱۔ ”انہ“ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ ع کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا مرجع قرآن کریم یا آنحضرت صلعم ماننے چاہئیں۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں زیر آیت ہذا لکھا ہے۔

قَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَةٌ كَوَانَهُ يَعْنِي أَنَّ الْقُرْآنَ لَعِلْمٌ لِّلشَّاعَةِ۔

امام حسن رحمہ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ کہ ”انہ“ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔ پھر تفسیر جامع البیان میں بھی اس آیت کے نیچے لکھا ہے۔ ”وَقِيلَ الْغَمِيرُ الْقُرْآنُ“

کہ بعض نے اس ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا ہے۔

پھر تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ وَ قِيلَ إِنَّ مَعْنَاهُ أَنَّ الْقُرْآنَ لَدَلِيلٌ لِلنَّسَاعَةِ لِأَنَّهُ آخِرُ الْكِتَابِ۔ کہ بعض نے اسکی یہ معنی کے ہیں۔ کہ قرآن کریم قیامت کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔ اگر تمہاری بات ہی کو درست فرض کر لیا جائے۔ تو اس صورت میں ”اِنَّہ“ کی ضمیر کا مرجع ”ابن مریم مثلاً“ (یعنی مثیل مسیح) کی طرف ہوگا۔ ”مَثَلٌ“ کے معنی لغت میں ”الشَّبَهَةُ وَالنَّظِيرُ“ (المنجد) مانند اور نظیر کے ہیں۔ یعنی ”مثیل“۔ وَلَقَدْ ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ“ کہ جب ابن مریم کا مثیل بھیجا جائے گا۔ تو خود آنحضرت صلعم کی قوم کہلانے والے لوگ اس پر تالیاں بجائیں گے۔

نیز منتہی الارب فی لغات العرب میں بھی ”مثل“ کے معنی مانند اور ہمتا اور نظیر کے لکھے ہیں۔

چنانچہ ہمارے بیان کردہ ان معنوں کی تائید ہر اس شرح عقائد نسفی (جواہر ہفت کی عقائد کی معتبر کتاب ہے) کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔۔۔

”قَالَ مِقَاتِلُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَمَنْ تَابَعَهُ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى ”وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلنَّسَاعَةِ“ قَالَ هُوَ الْمَهْدِيُّ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ وَبَعْدَ خُرُوجِهِ تَكُونُ أَمَارَاتُ السَّاعَةِ“ (ہر اس ص ۳۷۷ حاشیہ)

کہ مقاتل بن سلیمان اور اسکی ہمنیال مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ اِنَّہ لَعِلْمٌ لِلنَّسَاعَةِ سے مراد مہدی ہے۔ جسکی آمد کے بعد قیامت کی شرائط ظاہر ہوں گی۔

نوٹ :- تالیاں بجانے کی قرآنی پیشگوئی کو غیر احمدی قریباً ہر مناظرہ کے موقع پر پورا کیا کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ ”إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ“ (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص ۳۷۷) یعنی تالیاں بجانا صرف عورتوں کا کام ہے۔ خادِم۔

جواب ۲۔ علم کے معنی میں جاننا۔ یہ مصدر ہے۔ اور مصدر کبھی کبھی مبالغہ کے لئے

بھی آجاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں ذیْدٌ عَدْلٌ زید بہت عادل ہے۔ اسی طرح یہاں ہے کہ مسیح قیامت کا اچھی طرح جاننے والا تھا۔ یعنی اسکو یقین تھا کہ قیامت ہوگی۔ اور وہاں وہ اپنے دشمنوں کو پاہرِ نخیل دیکھے گا۔ اسیں یہود پر بھی ایک محبت ہے۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ منکر قیامت تھا۔ یادہ یہود نامستود کی ہلاکت کے وقت کو جانتا تھا۔

اگر ”نشانی“ بھی تسلیم کر لیا جاوے۔ تو ساعت سے مراد قیامت کبرئے تو ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ جواب ۷ میں گذر چکا ہے۔ ہاں یہود کی ہلاکت کی گھڑی مراد ہو سکتی ہے۔ اور مطلب یہ بن جائے گا کہ عیسیٰ بن مریم کا بے باپ پیدا ہونا اس بات کا بدیہی نشان تھا کہ سب بنی اسرائیل گندے ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ہلاکت دروازہ پر کھڑی ہے۔

جواب ۸۔ ساعت سے مراد ہلاکت بنی اسرائیل کی گھڑی ہے۔
جواب ۹۔ اگر فی الواقع یہ معنی درست ہوتے۔ جو ہمارے دوست کرتے ہیں۔ تو اگلے حصے فَلَا تَمُوتُنَّ بِہا کالانا لغو بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات دانشوری سے بعید ہے۔ کہ ابھی وہ نشانی آئی بھی نہیں۔ مگر پروردگار ایزدی آنحضرت صلعم کے کفار کو فرماتے ہیں تم اسیں شک نہ کرو۔ بھلا بھئی! جب ابھی نشانی نے ایک نامعلوم مدت کے بعد آنا ہے۔ تو ان کو شک سے کس برتے پر روکا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسجگہ مسیح کی نشانی قیامت ہونے کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ آنحضرت ص اور قرآن مجید کو قیامت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔ ورنہ یہ حصہ بے معنی بنتا ہے۔
جواب ۱۰۔ فَلَا تَمُوتُنَّ کے بعد ہے وَاتَّبِعُوا مَنَکُم مَّنْ یَّرِیْہُمْ یُرِیْہُمْ کہ میری پیروی کرو اگر قیامت کی نشانی حضرت مسیح ص تھے۔ تو اسکی مناسبت میں یہ فرمانا چاہیے تھا کہ تم اسکی پیروی کرنا۔ یہ کیا معنی کہہ دیا۔ اور میری اتباع کرو۔ اس میں یہ کہ میری پیروی کرو۔ صاف بتا دیا۔ کہ اب کوئی مسیح ناصری نہ آئیگا۔ بلکہ تم اسے مسلمانو! خود مسیح بنو اور اسکا طریق یہ ہے۔ کہ تم میری اتباع کرو۔

لطیفہ :- یہ متنازعہ فیہا آیت سورہ زخرف کی ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیح چونکہ علم للساعۃ ہیں۔ اس لئے وہ ضرور قیامت کے پیشتر تشریف لائیں گے۔ لیکن اگر حضرت مسیح ؑ کو علم للساعۃ مان بھی لیا جائے تب بھی آپ امت محمدیہ میں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔

وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ کہ وہ علم الساعۃ جسے تم دوبارہ زمین پر اتار رہے ہو۔ وہ اب اللہ کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ تو تمہارے پاس ہرگز نہ آئیگا۔ ہاں تم ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اس کی انتظار فضول ترک کرو۔

حیات مسیح کی تیسری دلیل :- وَابْنُ مَرْثَا اَهْلُ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (پہا نسا در کوع ۲۲) ترجمہ :- اور کوئی اہل کتاب (یہودی) نہیں۔ مگر وہ حضرت عیسیٰ ؑ پر ضرور ایمان لائیگا۔ اس کی موت سے پیشتر۔ یعنی عیسیٰ ؑ کے مرنے سے پہلے سب یہود ایمان لائیں گے۔ چونکہ فی زمانہ سب ایمان نہیں لارہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور آخری زمانہ میں تشریف لا کر کفار سے منوائیں گے۔ لیکن یہ بایں وجوہ باطل ہے۔

اول یہ وہ ایمان ہے جس میں اہل کتاب کا ہر فرد شامل ہے۔ کیونکہ لفظ "ابْنُ مَرْثَا" حصر کے لئے آتے ہیں۔ اور جو ایمان غیر احمدی مراد لیتے ہیں۔ وہ ہزار کا مرنے والے اہل کتاب میں نہیں پایا جاتا ہے۔ پس اگر یہ معنی ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور ان سب اہل کتاب کو حضرت عیسیٰ ؑ کی آمد ثانی تک زندہ رکھتا۔ تا وہ ایمان لے آ دیں۔ اور خدا کا فرمودہ سچ ثابت ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا۔ کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

اس جگہ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ وہ سب یہودی ایمان لائیں۔ جو اس وقت موجود ہوں گے۔

تو اول تو آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ دوم احادیث میں صاف لکھا ہے کہ اصغر بن کے ستر ہزار یہود دجال کے ساتھ ہوں گے۔ جو مارے جائیں گے۔ اور کنز العمال جلد ۷ ص ۱۸ پر لکھا ہے کہ تیرہ ہزار یہودی عورتیں مسیح کا اتباع کریں گی۔ پس یہ معنی بھی غلط ہیں۔

دوم۔ یہ معنی اس لیے غلط ہیں کہ آگے پیچھے اس کے سب بدیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور جو ان میں سے نیک ہیں۔ ان کی نیکیوں کا ذکر لیکن التراسیخون سے شروع ہوتا ہے۔ تو اب یہ طریق حکمت کے خلاف ہے۔ کہ ایسی عظیم الشان نیکی کے بعد بھی ان کی بدیاں مذکور ہوں۔ اور معاف نہ کی جائیں۔ پھر جس طرح یہ بات حکمت کے برخلاف ہے۔ اسی طرح یہ قرآن کریم کے طرز بیان کے بھی برعکس ہے اس لیے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

سوم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **كُذِّبَ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ كُذِّبُوا** **فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا**۔ کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اللہ کی طرف سے ہوتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ضرور کوئی اختلاف (قوانین قدرت کے معنایں وغیرہ میں) ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت پر دلیل بیان فرمایا ہے لیکن اگر غیر احمدیوں کے معنی صحیح تسلیم کئے جائیں۔ تو قرآن کریم میں اختلاف بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ما قبل فرمایا ہے۔ **فَلَا يَكْفُرُونَ إِلَّا قَلِيلًا**۔ کہ یہ تھوڑے مانیں گے۔ بلکہ مانیں گے ہی نہیں۔ لیکن یہاں کہہ دیا۔ کہ سب ایمان لے آئیں گے (بقول غیر احمدی صاحبان)

چہارم۔ خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو فرماتا ہے۔ **وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ** **خُوفَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** (ال عمران) کہ میں تیرے متبعین کو یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ **وَأَعَدُّنَا لَهُمُ الْعَذَابَ** **وَالْبَعْضُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**۔ کہ ہم نے ان میں قیامت تک بعض اور عداوت ڈال دی ہے۔ (مائدہ ۳۶) اور مائدہ رکوع ۹ میں ہے۔ **وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ**۔

اب ذرا سوچو۔ کہ اگر سب اہل کتاب ایمان لے آئیں۔ اور سب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع ہو جائیں۔ تو ان پر ”قیامت تک“ غلبہ کیونکر ہوگا اور ان میں بغض و عداوت کیسا پس ماننا پڑے گا۔ کہ معنی ہی غلط ہیں۔

پہنچ۔ مؤتیہ میں ہا کی ضمیر کی بجائے دوسری آیت میں ضمیر کا لفظ آیا ہے۔ جو جمع ہے۔ اور جس سے صرف اہل کتاب ہی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ ضمیر کے لئے یہ دیکھیں
عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَيْمُونٍ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا لَيْسُوا مِنْهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ
قَالَ هِيَ فِي قِيسٍ آيَةُ أَبِي قَبْلَ مَوْتِهِمْ (ابن جریر جلد ۶ ص ۱۵۱)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ابی بن کعب کی قرأت میں مؤتیہ کی جگہ مؤتیہم آیا ہے۔

پھر لکھا ہے۔ وَتَدُلُّ عَلَيْهِ قِيسُ آيَةِ أَبِي إِلَّا لَيْسُوا مِنْهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ
علی معنی وَابْنِ مَيْمُونٍ أَخَذُوا إِلَّا لَيْسُوا مِنْهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ (تفسیر کشف
جلد ۱ صفحہ ۳۹۷) یعنی ان معنوں پر حضرت ابی ابن کعب کی یہ قرأت دلالت کرتی

ہے۔ ”إِلَّا لَيْسُوا مِنْهُمْ قَبْلَ مَوْتِهِمْ“ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے۔“

حضرت ابی ابن کعب کی قرأت کی اہمیت بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہے۔
”سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ كَبَدَاءٍ بِهِ وَسَلَامُ مَوْلَى أَبِي حَذِيفَةَ وَمَعَاذُ
بُنَى جَبَلٍ وَأَبِي بَكْرٍ كَعْبٍ“ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی ابن کعب
رضی اللہ عنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ مصری)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قرآن شریف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت
سالم رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے سیکھو۔
اب متقی مومن کا فرض ہے۔ کہ وہ دونوں قراءتوں کو مد نظر رکھ کر معنی کرے۔ اور
وہ یہی ہوں گے۔ کہ یہود کا ہر فرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے پر ایمان لائے گا

اور لاتا ہے۔ ورنہ وہ یہودیت کو ترک کر کے صداقت عیسیٰ ع کا قائل ہو جائے گا۔
 ششم۔ ”وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِ عِيسَى وَعَنْهُ اَيْتُهُمَا قَالَ
 قَبْلَ مَوْتِ الْيَهُودِيِّ وَقِيلَ الضَّمِيرُ الْاَوَّلُ لِلَّهِ وَقِيلَ اِلَى مُحَمَّدٍ
 صَلَّيْهِمْ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عِكْرَمَةُ“ (فتح البیان جلد ۲ ص ۲۸۷)

کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عیسیٰ ع کی موت سے پہلے اور انہی حضرت ابن
 عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”یہودی کی موت سے پہلے“ اور
 کہا گیا ہے کہ پہلی ضمیر ”اللہ“ کی طرف پھرتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ
 کی طرف پھرتی ہے۔ اور حضرت عکرمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس آیت میں دو ضمیر ہیں۔ ایک ربہ اور دوسری بیہم ان دونوں ضمیروں
 کے مرجع کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پہلی ضمیر کا مرجع عیسیٰ ع اللہ۔ نبی
 قرآن بتائے ہیں۔ اور دوسری ضمیر کا مرجع عیسیٰ ع اور کتابی بتاتے ہیں۔ پس دلیل
 غیر احمدیوں کی تب صحیح ہو سکتی کہ تعیین مرجع میں مسیح ع پر اتفاق ہوتا۔ اور وہ نہیں
 پس اس قراۃ کے ہوتے ہوئے غیر احمدیوں کے معنی بالکل نہیں بن سکتے۔
 ہفتم۔ اس کے بعد فرمایا ہے۔ ”وَلَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا“
 کہ وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔ یعنی ان کے خلاف گواہی دیگا۔ اب اگر اس آیت
 کے معنی ہیں کہ وہ سب مان جائیں گے۔ تو گواہی کیسی؟ اس گواہی کی کیا ضرورت؟
 کیونکہ گواہی کی ضرورت تو ہمیشہ انکار کے بعد ہوتی ہے۔ قیامت کے ساتھ گواہی کو
 مخصوص کرنا بتاتا ہے۔ کہ مسیح دنیا میں نہیں آئیگا۔ ورنہ کہنا چاہیے تھا۔ کہ وہ دنیا میں
 آگواہی دیگا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ن ثقید کے معنی حال کے
 بھی کئے ہیں۔ ”اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّلُنَّ“ کا ترجمہ: ”کوئی تم میں سے کستی
 کرتا ہے“ (تفسیر ثنائی تفسیر سورۃ نسا ۱۰۶)

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رحمہ اللہ جو اس
 آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ”قَبْلَ مَوْتِهِ“ سے مراد

حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات لیتے تھے۔ لیکن یہ صریحاً مخالف ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول "موسیٰ" کی ضمیر کا مرجع "کتابی" ہی لیتے تھے۔ اور جو ترجمہ غیر احمدی پیش کرتے ہیں۔ اس میں "اسکی موت سے پہلے" کے الفاظ ہیں۔ یہ تصریح موجود نہیں ہے۔ کہ "اس" سے مراد کتابی ہے۔ یا حضرت مسیحؑ ورنہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضا کا مذہب وہی ہے۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"وَإِنْ مِتُّنَ أَهْلَ الْكِتَابِ الْخِزَارِ" کا ترجمہ یہ ہے۔ اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر ضرور ایمان لائے گا ساتھ اس قتل کے قبل موت اپنی کے "الحکم جلد ۵ نمبر ۳۲" ۱۰ ستمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱۱ حاشیہ)

حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد

بعض غیر احمدی مولوی حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد بخاری کے حوالہ سے پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے نزولِ مسیح کی حدیث کو "وَإِنْ مِتُّنَ أَهْلَ الْكِتَابِ" والی آیت کے ساتھ منطبق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس آیت سے نزولِ مسیح ہی مراد ہے۔ نہ کچھ اور۔

جواب اس کا یہ ہے۔ کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے۔ جو حجت نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ راوی تو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مگر مجتہد نہیں۔ ملاحظہ ہو:-

"وَالْقِسْمُ الثَّانِي مِنَ الرِّوَاةِ هُمُ الْمُعْتَمَدُونَ بِالْجَفِظَةِ وَالْعَدَالَةِ دُونَ الْإِجْتِهَادِ وَالْفَتْوَى كَأَبِي هُرَيْرَةَ وَانْسُ بْنُ مَالِكٍ (اموال شاشی) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں۔ جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ مگر اجتہاد اور فتویٰ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں جیسے ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ و انس بن مالکؓ"

پس اہل اصول اور محدثین کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔
 اور ان کی روایت درست مگر ان کا اپنا خیال اور قول ہرگز حجت نہیں خصوصاً جبکہ
 قرآن مجید کی قیس آیات۔ متعدد احادیث اور راہبران امت کے بیسیوں اقوال
 اس کے خلاف ہوں۔ چنانچہ اسی بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا
 ایک اور اجتہاد درج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ”وَبَيْنَ
 مَتْنٍ مَوْلُودٍ يُولَدُ وَالشَّيْطَانُ يَمْسُكُهُ حِينَ يُولَدُ الْخُرْزُ رَكْعَةً هَزَبَةً
 كَوْبَةً“ پیدائش شیطان مس کرتا ہے بجز مریم اور ابن مریم کہ وہ دونوں مس
 شیطان سے پاک ہیں کے متعلق حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ ”فَأَقْرَأُوا
 إِنَّ شَيْئَكُمْ إِنْ أَعْيِذُهَا بِثَوْدَةٍ يَتَّهَمُ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“
 (بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران جلد ۳ ص ۶۹ مطبع الہیہ مصر) کہ آنحضرت
 صلعم کی اس حدیث کے سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو۔ کہ حضرت مریم
 کی والدہ نے کہا۔ کہ میں مریم اور اس کی ذریت کے لئے شیطان رجیم سے خدا
 کی پناہ مانگتی ہوں۔ حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد قطعی طور پر
 غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ کی مندرجہ بالا دعا حضرت
 مریم کی ولادت کے بعد کی ہے۔ اور حدیث میں جس مس شیطان کی نفی ہے۔
 وہ وقت ولادت ہے۔ پس جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت
 کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری غلط ہے۔ اسی طرح ان کا ”وَأَنَّ مَتْنٍ
 أَحْلَى الْكِتَابِ الْخُرْزُ“ والی آیت کے متعلق ان کا اجتہاد مندرجہ بخاری
 بھی غلط ہے۔ اور ناقابل استناد۔

اگر ان کا یہ قول ”إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ“ الخ اس ضمیر کا مرجع ہو۔ تو
 مطلب یہ ہوگا۔ کہ باوجود اس کے کہ خدا نے یہودیوں کے اس قول کی
 تردید پوری کر دی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے اس قول پر ایمان رکھیں گے۔
 کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا۔ ورنہ ان کا مذہب ہی درہم برہم ہو جاتا ہے

مثلاً دیکھ لو۔ اگر ایک یہودی حضرت عیسیٰ عا کو غیر مصلوب تسلیم کرے۔ تو پھر وہ آپ پر صحیح ایمان لائے گا۔ اور اسی طرح اگر ایک عیسائی مصلوبیت مسیح کو چھوڑ دے۔ تو پھر ان کے مذہب کا بھی کچھ نہیں رہتا۔ اور کفارہ معہ دیگر اصولوں کے رخصت ہو جاتا ہے۔

پس یہ معنی ہیں ان کے ایمان کے حقیقی اور قابل قبول ایمان مراد نہیں۔ حیات مسیح کی چوتھی دلیل: "مَنْ يُمِدِّكَ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يَهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ" کہ خدا کو کون روک سکتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ بن مریم کو مارنے کا ارادہ کرے۔ ثابت ہوا۔ ابھی تک خدا تعالیٰ نے ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جواب۔ اس کے آگے "وَأَمْسَهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" بھی پڑھو۔ کہ اگر خدا چاہے۔ عیسیٰ ان کی والدہ اور موجودات ارضی کو ہلاک کرنا۔ کیا حضرت مریم بھی زندہ ہیں؟ اور کیا دنیا کی کوئی چیز ہلاک نہیں ہوتی۔ حالانکہ کوئی سیکنڈ اور سیکنڈ کا کوئی حصہ نہیں گزرتا۔ جب دنیا میں کوئی جاندار نہیں مرقا۔ اصل مطلب یہ ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا۔ تو مسیح مریم اور موجودات ارضی کو جمیعاً (یکدم) ہلاک کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ دنیا کو ہلاک کرتا ہے۔ "أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا" حیات مسیح کی پانچویں دلیل: "يَكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا" کہ عیسیٰ مہد اور چالیس سال کی عمر میں کلام کریں گے۔ انہوں نے مہد میں تو کلام کیا۔ مگر ۳۳ سال کی عمر میں چونکہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اس لئے ابھی تک انہوں نے "کہل" کی عمر میں کلام نہیں کیا۔ لہذا آسمان سے واپس آکر وہ کہل میں بھی کلام کریں گے۔

جواب۔ (۱) "کہل" کے معنی لغت میں تیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے۔ (مجمع البحار) بقول تمہارے جب وہ ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔

تو تین سال انہوں نے ”کھل“ میں بھی کلام کر لیا۔ واپس لانے کی کیا ضرورت ہے۔

(۲) ہم تو احادیث صحیح کی بنا پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ لہذا ان کا ”کھل“ کی عمر میں بھی کلام کرنا ثابت ہو گیا۔
 حیات مسیح کی چھٹی دلیل ۱۔ ”وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“
 ”الْكِتَابَ“ اور ”الْحِكْمَةَ“ سے قرآن میں ہر جگہ قرآن اور حدیث مراد ہے ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن و حدیث سکھائے گا۔ آمد ثانی ثابت جواب ۱۔ یہ قاعدہ غلط ہے۔ قرآن میں ہے۔ ”وَلَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“ (نساء ۸۴) لہذا تمہارا خود ساختہ قاعدہ غلط ہے حیات مسیح کی ساتویں دلیل ۱۔ ”إِذْ كُفِّتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ“ یعنی اسے عیسیٰ! جب میں نے بنی اسرائیل کا ہاتھ تجھ سے روک لیا۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ لگے ہی نہیں اگر یہ مانا جائے۔ کہ وہ صلیب پر لٹکائے گئے۔ اور ان کے ہاتھوں سے خون بہا۔ اور پھر اسقدر مصیبتیں جھیلنے کے بعد صلیب پر سے زندہ اتارے گئے۔ تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

الجواب ۲۔ ”كُفَّ عَنْ“ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے۔ ”سرا سر غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ (مائدہ رکوع آخری آیت) ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُفِّرُوا عَنْكُمْ“
 ”نَعَمْتَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ“ کہ اے مسلمانو! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جبکہ قوم (کافرین) نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔ کیا جنگوں کے موقع پر کبھی کوئی مسلمان زخمی یا شہید نہیں ہوتا تھا؟ پس درحقیقت ”کُفَّ يَدَ“ سے مراد حقیقی فتح سے کافروں کو روکنا ہے۔ یعنی یہ کہ کافر مسلمانوں پر حقیقی فتح نہیں پاسکتے۔

حیات مسیح کی آٹھویں دلیل: "وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الذَّنْبِ كَفْسًا" خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو کافروں سے پاک کروں گا۔ یعنی کامل طور پر دلوں کے ہاتھوں سے بچاؤنگا۔ اگر احمدیوں کا مذہب مانا جائے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر لٹکائے گئے مگر زندہ اتر آئے تو اس سے اس وعدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

الجواب: "تطہیر" سے مراد اس آیت میں کافروں کے الزامات سے بری کرنا ہے۔ نہ کہ ان کے ہاتھوں سے زخمی ہونے سے بچانا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" (احزاب ۶) کہ اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کرے۔ اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ازواجِ نبوی کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ ان کی بھی تہلیل ہوئی۔ کیا ان کو یزیدیوں کے ہاتھ سے جسمانی طور پر کوئی گروہ نہیں پہنچا۔ پس حضرت عیسیٰ ص کے لئے تطہیر کے اور معنی لینا خلاف اسلوب قرآن ہے۔

حیات مسیح کی نویں دلیل: "كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ فِيكُمْ وَابْنُ مَرْيَمَ" (سافات البخاری) اے مسلمانو! تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی۔ جب تم میں ابن مریم نازل فرما ہوں گے۔

اس حدیث میں مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ تو آیا نہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں جن سے ہمارے دوستوں کو مغالطہ لگا ہے۔ ایک نَزَلَ ایک ابن مریم۔

نزل کے متعلق یاد رہے کہ اس کے لئے آسمان سے اترنا ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو: لَفْظُ نَزُولٍ قُرْآنٍ مِّنَ السَّمَاءِ نَزَلَ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا يَتْلُوهُ عَلَيْكُمْ..... (الطلاق ۶) اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف محمد رسول اللہ صلیم کو نازل فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی نشانیں پڑھتا ہے۔ کیا آپ آسمان سے آئے تھے۔

(۲) اَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ رِزْقًا (۱۶) اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے جانور نازل کئے۔

(۱۳) اَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ (حدید ۳۶) ہم نے لوہا نازل کیا۔

(۱۴) وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُہُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ اور کوئی بھی چیز نہیں۔ مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں۔ اور نہیں اتار دیتے ہم اس کو مگر ایک مقرر اندازہ پر۔

(۱۵) قَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ لِبَاسًا (اعراف ۳۶)

لفظ نزول اور احادیث: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے۔

(۱۶) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ رَّكَزَ الْعَمَل جلد ۵۹) آنحضرت ایک درخت کے نیچے اترے۔

(۱۷) كَانَ اِذَا نَزَلَ مَنَزِلًا فِي سَفَرٍ لَّمْ يَرْجُلْ حَتَّى يُصَلِّيَ فِيْہٗ رَّكَعَتَيْنِ (کنز العمال جلد ۱۹) آنحضرت سفر میں مقام کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھ کے کوچ کرتے تھے۔

(۱۸) لَمَّا نَزَلَ الْحَجَرُ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۹۶) جب آنحضرت حجر کی زمین میں اترے۔

امت محمدیہ کے لئے نزول کا لفظ: لَتَنْزِلَنَّ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اَرْضًا يُقَالُ لَهَا الْبَصْرَةُ (کنز العمال جلد ۷) میری امت کا ایک گروہ ایسی زمین میں اترے گا۔ جس کا نام بصرہ ہوگا۔

دجال کے لئے لفظ نزول: يٰۤاَتِي الْمَسِيحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَهَمَّتْهُ الْمَدِيْنَةُ حَتَّى يَنْزِلَ دُبُرَ اَحَدٍ (کنز العمال جلد ۶) ”قِيْزِلُ بَعْضِ السَّابِخِ“

(بخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینۃ جلد ۴ ص ۱۳۱ مصری)

ترجمہ: کہ مسیح الدجال مشرق کی طرف سے مدینہ کا قصد کرے آگیا۔ یہاں تک کہ احد کی پیٹھ کی طرف اترے گا۔ (۲) مدینہ کی ایک شور زمین میں اترے گا۔

حیات مسیح کی دسویں دلیل :- یَدْفَنُ مَعِيَ فِي قَبْرِي.

جواب :- اس کے بارہ جواب ہیں۔ ۱، فرض کرو۔ کہ آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر مدینہ میں تشریف لے جا کر فوت ہو جائیں۔ آنحضرت صلیم کی قبر مبارک کو کونسا سید الفطرت مسلمان اکھاڑے گا۔

۱۲، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خواب اس حدیث کے ظاہری معنی لینے سے روکتا ہے۔ "إِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَأَيْتُ ثَلَاثَةَ أَقْتِمَارٍ سَقَطُوا فِي حُجْرَتِي فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَتْ فَلَمَّا تَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِي بَيْتِنَا قَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ هَذَا أَحَدُ أَقْتِمَارِكَ وَهُوَ خَيْرُهَا." (موطا امام مالک جلد ۱ ص ۱۲۱ مصری)

کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ تین چاند میرے حجرہ میں گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے ابا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہوئے۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ کہ یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے۔ جو سب سے بڑا ہے۔ آنحضرت صلیم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور اسی حجرہ میں مدفون ہوئے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خواب کے مطابق تین چاند ان کے حجرہ میں گر چکے۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسیں مدفون ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خواب غلط ہوتا ہے۔

۱۳، آنحضرت صلیم نے فرمایا ہے۔ کہ "أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ" (مصری جلد ۲ ص ۲۷۸) کہ میری خصوصیت یہ ہے۔ کہ میں پہلا انسان ہوں گا جس کی قیامت کے دن قبر بھڑی جائیگی۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آنحضرت صلیم کی قبر میں ساتھ ہی مدفون ہوں۔ تو جس وقت آنحضرت صلیم کی قبر بھڑی جائیگی۔ وہ بھی اس

خصوصیت میں شامل ہو جائیں گے۔

(۱۷) ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تیسرے دن کے بعد اپنی قبر میں نہ رہوں گا۔ تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر میں بقول تمہارے مدفون ہوں گے۔ اس وقت تو آنحضرت صلی علیہ وسلم وہاں موجود نہ ہوں گے۔ تو پھر ”مجی“ کی شرط پوری نہ ہوئی۔

(۱۸) تم لوگ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۹ کی روایت پیش کیا کرتے ہو۔ کہ ”مَاتَوْفَى اللَّهِ نَبِيًّا إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ“ کہ نبی جہاں سرتا ہے۔ وہیں دفن بھی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کیا کرتے ہو۔ اور اسکا جواب دوسری جگہ دیا ہے، اور تم مانتے ہو کہ اسی بنا پر آنحضرت چونکہ حجرہ عائشہ میں فوت ہوئے۔ لہذا اسی میں مدفون بھی ہوئے۔ تو اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی آسمان سے آجائیں۔ تو کیا وہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اندر جا کر فوت ہوں گے۔

(۱۹) اسی حدیث میں ہے۔ ”فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِي قَبْرِ دَاوُدَ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ“ کہ پھر میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر میں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوگی۔ کھڑے ہوں گے۔ تو گویا اس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس قبر میں مدفون ہوں گے۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے درمیان ہونی چاہیے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی قبروں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

(۲۰) اگر کہو کہ ”قبر“ سے مراد ”مقبرہ“ ہے۔ تو کسی لغت کی کتاب سے دکھاؤ۔ اور انعام لو۔

رب، اندر میں صورت ”فَأَقُومُ أَنَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِي قَبْرِ دَاوُدَ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ“ میں ”قبر“ کا ترجمہ بھی ”مقبرہ“ کرو گے؟ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک مقبرہ ہو گا؟

(۷) مقبرہ تو کہتے ہی ”موضع القبور“ کو ہیں۔ پھر قبر کس طرح مقبرہ بن سکتی ہے؟
 (د) جب تم خود اس حدیث کے لفظی معنی نہیں کرتے۔ بلکہ غلط تاویل کرتے ہو۔
 تو ہمارے لئے کیوں ناجائز ہے۔ کہ ہم قرآن و حدیث اور واقعات کی روشنی
 میں اس کے صحیح معنی بیان کریں؟

(۸) قرآن مجید میں ”قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا اكْفَىٰ لَا مِنْ أَثَرِ شَيْءٍ وَخَلَقَهُ
 ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرُكَ“ (عبس ۱۶) گویا ہر انسان خواہ وہ ہندو ہو خواہ
 پارسی سرکر ”قبر“ ہی میں جاتا ہے۔ پھر بتاؤ۔ کہ وہ لوگ جن کی لاشیں جلادی
 جاتی ہیں۔ یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں۔ یا جن کو مچھلیاں سمندر میں کھا جاتی
 ہیں۔ وہ بھی اس آیت کے مطابق ”قبر“ میں جاتے ہیں۔ یا نہیں؟ اگر نہیں جاتے
 تو ثابت ہوا۔ (۱) وہ انسان نہیں (۲) ان کو (غیر مسلموں کو) عذاب قبر نہیں
 ہوگا۔ اور اگر کہو کہ قبر میں جاتے ہیں۔ تو ثابت ہوا۔ کہ ”قبر“ سے مراد ظاہری
 مٹی کی قبر نہ رہی۔ بلکہ کوئی روحانی حالت ”قبر“ کے نام سے موسوم ہوئی۔ پس
 کیوں ”قبر“ کے وہی معنی ”یدفن معی فی قبری“ والی حدیث میں نہ ملے؟
 جائیں؟ اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے۔ ”الْقَبْرُ دُفْنٌ مِنْ دِيَارِ
 الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٍ مِنْ حُقْرِ النَّارِ“ (ترمذی) کہ قبر جنت کے باغوں
 میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۹) اگر آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام آجائیں۔ تو کیا تم ان پر اس وقت تک ایمان
 نہ لاؤ گے۔ جب تک کہ وہ سرکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں مدفون نہ ہو جائیں؟
 (۱۰) اگر اس حدیث میں عیسیٰ ابن مریم سے مسیح نا صری مراد لیتے ہو۔ تو پھر اسی
 حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 ”یدفن معی“ کہ وہ آنحضرت کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے۔ گویا آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دنیا میں اگر کسی انسان کو خدا تعالیٰ نے اتنا مبارک مانہ زندہ رکھتا
 تو یقیناً وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتے۔ آپ سے زیادہ خدا کو

اور کون پیارا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اَفَاَنْ قَتَلْتُمْ فَهُمْ
 الْخَالِدُونَ“ کہ خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ آنحضرت
 صلیم توفیق ہو جائیں۔ اور آپ سے پہلے انبیاء اتنا عرصہ زندہ رہیں۔ پس
 آنحضرت نے فرمادیا۔ کہ یاد رکھو۔ جب تم مجھ کو دفن کر رہے ہو گے۔ تو اسی وقت
 یہ ثابت ہو جائیگا۔ کہ پہلا کوئی نبی زندہ نہیں رہا۔ ”قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
 الرُّسُلُ“ کم از کم اس وقت تو مانو گے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ نہیں۔ گویا عیسیٰ علیہ
 السلام میرے ساتھ ہی دفن ہو جائیں گے۔ (فَاْفَهُمْ سَوَاءٌ اٰتٰیَهَا الْعَاْقِلُونَ)

حضرت مسیح ناصری امت محمدیہ کا موعود ہیں ہو سکتے

دوسرا لفظ اس حدیث میں جس سے غلطی لگتی ہے۔ ابن مریم ہے۔ لیکن یاد
 رہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام امت محمدیہ کے موعود بایں وجوہ نہیں
 ہو سکتے۔

اول :- قرآن و حدیث سے مسیح علیہ السلام کی وفات بالصرحت ثابت ہو
 چکی ہے۔ اور وفات یافتہ ہستیوں کے متعلق فرمان الہی ہے۔ فَيَمُوتُ
 الَّذِي قَضٰی عَلَيْهِ الْمَوْتُ۔ (زمر ۵۶) کہ جس پر ایک دفعہ موت وارد ہو
 جائے۔ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آ سکتا۔

دوم :- اگر مسیح ناصری امت محمدیہ کے لئے بھی رسول ہو کر آئیں۔ تو پھر
 قرآن کریم میں سے رَسُوْلًا اِلٰی بَنِي اِسْرٰٓءٰیْل کاٹ دینا چاہیے۔ جب قرآن
 کریم ابدی ہے۔ تو پھر حضرت مسیح امت محمدیہ میں نہیں آ سکتے۔

سوم امت محمدیہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ
 لِلنَّاسِ۔ کہ تم سب امتوں سے بہتر ہو۔ اب اگر امت محمدیہ میں سے کوئی
 عیسیٰ ابن مریم نہ بنے۔ تو یہ فرمان بے معنی بن جاتا ہے۔ نیز آنحضرت صلیم
 کی روحانیت کو بھی ناقص ٹھہرانا پڑے گا۔ کیونکہ آپ کی قدوسیت ایک

مسیح بھی نہ بنا سکی۔ بلکہ جب امت اصلاح کی محتاج ہوئی۔ تو بنی اسرائیل کے ایک بنی کے زیر بار احسان ہونا پڑا۔ (نعوذ باللہ منہ)

چہارم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے مسیح اور مسیح ناصری کا جو علیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل متضاد اور مبہم ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آنے والا اور مسیح ہے۔ اور مسیح ناصری اور ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

”فَأَمَّا عِيسَى فَاَحْمَرُ جَعْدًا عَرِيضُ الْقَدَرِ“ (بخاری جلد ۲ ص ۱۷۲)
 کہ مسیح ناصری سرخ رنگ گھنگھریالے بالوں اور چوڑے سینے والا تھا۔
 پھر آنے والے موعود کے متعلق فرمایا۔ ”فَاِذَا رَجَلٌ اَدُمٌ كَاَحْسَنِ مَا يَرَى
 مِنْ اَدَمٍ الرَّجَالِ تَفْرُبُ لَمَّتَهُ بَيْنَ مَنكَبَيْهِ رَجُلٌ الشَّعْبِ“
 (بخاری جلد ۲ ص ۱۷۲)

کہ اس کا رنگ گندمی ہوگا۔ اور خوبصورت ہوگا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پڑتے ہوں گے۔ درمیانہ قد کا آدمی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو مسیح ہیں۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں۔ اب اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ آنے والا مسیح ناصری نہیں۔ یہ تباہ دنیا بھی مناسب ہے۔ کہ بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ مسیح و مہدی دو اشخاص ہیں۔ نادرست ہے۔

اول۔ اس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں آخری زمانہ کے مصلح کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں پر صرف مسیح کا نام لکھا ہے۔ اور مہدی کا ذکر تک نہیں فرماتے ہیں۔ کَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّتٌ اَنَا اَوْ كُنْهَآ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اَخْرَجَهَا (ابن ماجہ) وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا اول میں اور آخر مسیح ہے۔ اگر حضرت امام مہدی کوئی علیحدہ وجود ہوتے۔ تو ان کا بھی ذکر فرماتے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ دونوں ایک وجود ہیں۔

دوہم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعودؑ کو مہدی بھی قرار دیا ہے
جیسے فرمایا۔ یُؤْتِيكَ مِنْ عَاشٍ مِنْكُمْ أَنْ يَلْقَىٰ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ إِمَامًا
مُقَدِّمًا وَحَكَمًا عَدْلًا (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۱)

عیسیٰ بن مریمؑ جو امت کے موعود ہیں۔ وہ امام مہدی بھی ہوں گے۔ اور حکم و عادل
بھی ہوں گے۔ مہدی کی پیشگوئی کے لئے جو لفظ رکھے تھے۔ وہی یہاں رکھ کر بتا دیا۔
کہ ہماری مراد وہی مہدی ہے۔

سوم۔ محدثین نے باب مہدی کی سب احادیث کو مجروح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو
مقدمہ ابن خلدون۔

لیکن ایک حدیث صحیح ہے۔ لَا مَهْدِي إِلَّا عِيسَى (ابن ماجہ باب شدة الزمان)
کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی ہے، اور اس سے امام شافعی رحمہ اللہ جیسے نقاد
نے روایت لی ہے۔ اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب
التہذیب ص ۱۱۱) اور پھر یحییٰ بن معین کوئی معمولی انسان نہیں۔ بلکہ گھوڑا امام
الکبرج والتعدیل ہے۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ کُلُّ حَدِيثٍ لَا يَعْرِفُهُ
ابن معین فَلَيْسَ هُوَ بِحَدِيثٍ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۸) کہ
جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا۔ وہ حدیث ہی نہیں۔ پس ایسا شخص جس راوی
کو ثقہ قرار دیتا ہو۔ اسکی روایت میں کیونکر اشتباہ ہو سکتا ہے۔ پس معلوم
ہوا کہ مسیح ہی مہدی ہے۔ اور کوئی مہدی نہیں۔

چہارم۔ مسیح موعودؑ اور مہدی معبود کے علیہ۔ کلام اور حالت نزول کے
ایک ہونے سے صاف ظاہر ہے۔ کہ دراصل ایک ہی وجود ہے۔ لیکن مختلف حیثیتوں
سے جدا جدا ناموں سے پکارا گیا ہے۔

مسیح موعود کا علیہ ۱۔ فَإِذَا رَجَلُ آدَمَ كَأَحْسَنَ مَا يَرَىٰ مِنْ أَوْفَمِ الرِّجَالِ
(بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱)

مہدی معبود کا علیہ ۲۔ آدَمَ فَرَبُّ مِنَ الرِّجَالِ (نعیم بن حماد) یعنی آنے والا

موعود مسیح اور مہدی گندی رنگ اور درمیانہ قد کا ہوگا۔
 مسیح کی حالت نزول :- یَنْزِلُ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ (ترمذی)
 مہدی کی حالت نزول :- عَلَيْهِ عِبَائَتَانِ قَطُوفَتَانِ سَاكَنَتُهُ مِنْ رِجَالِ
 بَنِي إِسْرَائِيلَ (ابوداؤد) یعنی اس پر دو زرد چادریں ہونگی۔
 مسیح کا کام :- يَفْقِضُ الْمَالَ (مسلم) وَكَيْدُ عَوْنٍ إِلَى الْعَالِ (بخاری)
 مہدی کا کام :- يَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ (ابوداؤد)
 یعنی مسیح اور مہدی مال تقسیم کریں گے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی
 وجود ہے۔

اب جب مسیح ناصری امت مرحومہ کا موعود نہیں۔ تو سوال ہوگا کہ پھر ابن مریم
 کیو فرمایا۔ تو یاد رہے کہ تشابہ صفات کی وجہ سے ایک شخص کا نام دوسرے کو
 دیا جاتا ہے۔ جیسے بخاری مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۹۲۔ ص ۹۳ و ص ۹۸ پر یہ
 حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو فرمایا۔ اِنَّ كُنْتَ لَا تَنْتَقِ صَوَاحِبُ
 يُوسُفَ کہ تم یوسف والیاں ہو۔ اسیں آپ نے اپنے آپ کو یوسف اور اپنی ازواج
 مطہرات کو یوسف والیاں ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ آپ یوسف نہ تھے۔ پس معلوم
 ہوا کہ مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔
 جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ہے۔ یا بولتے ہیں۔ ابو یوسف۔ ابو حنیفہ۔ کہ ابو یوسف
 ابو حنیفہ ہے۔ کیونکہ ان میں غایت درجہ کی مماثلت تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کا نام
 عیسیٰ بن مریم کی وجہ سے ابن مریم ہو گیا۔

چوں مرا نور چہی قوم مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

عقیدہ حیات مسیح اور حضرت مسیح موعود

آج کل غیر احمدی خصوصیت سے براہین احمدیہ کی وہ عبارت پیش کیا کرتے ہیں۔
 جس میں حضرت اقدس نے مسیح ناصری کو زندہ تسلیم کیا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل

عبارات مد نظر رہیں :-

۱۔ اس جگہ یاد رہے کہ میں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفی کے معنی ایک جگہ پورا دینے کے لئے ہیں جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں مگر یہ امر جائز اعتراض نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے۔ الہامی غلطی نہیں میں بشر ہوں۔ اور بشریت کے عوارض مثلاً جیسا کہ سہو اور نسیان اور غلطی یہ تمام انسانوں کی طرح مجھ میں بھی ہیں۔ گو میں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالیٰ قائل نہیں رکھتا۔ مگر یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتا۔ خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ سہو و نسیان لازماً بشریت ہے۔ میں نے براہین احمدیہ میں بھی یہ اعتقاد ظاہر کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ ؑ پھر واپس آئیں گے۔ مگر یہ بھی میری غلطی تھی جو اس الہام کے مخالف تھی۔ جو براہین احمدیہ میں ہی لکھا گیا۔ (ایام الصلح اردو ص ۱۷۱) ”اسی واسطے میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا۔ تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا۔ محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں۔ کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں۔ جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ مجھے نہ سمجھاوے“ (کشتی نوح ص ۲۷)

۱۰۰ عدم رجوع مومن

(مردوں کا واپس اسی دنیا میں نہ آنا)

(از روئے قرآن مجید)

پہلی آیت ۱۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قُرْبٰیۃٍ اَهْلَکُمْ اَللّٰهُمَّ لَا یَرْجِعُوْنَ

(انبیاء ۷۶) ہر ایک ہلاک شدہ فوت شدہ بستی پر واجب ہے کہ وہ اس دنیا کی طرف دوبارہ نہ آئیں گے۔

دوسری آیت :- اَلَمْ یَرَوْا کُمْ اَهْلَکُمْ اَقْبَلْتُمْ مِنَ النُّفُوْسِ

أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ (یس ۳۶)

کیا ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے کس قدر لوگ ان سے پہلے ہلاک کئے۔ اور پھر وہ دوبارہ ان کی طرف نہیں آتے۔

تیسری آیت :- فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ (یس رکوع ۳۶)

جب موت آجاتی ہے۔ تو نہ وصیت کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی دوبارہ اپنے اہل و عیال کی طرف آسکتے ہیں۔

چوتھی آیت :- حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (مومنون ۶۶)

یہاں تک کہ ان میں سے جب ایک مر جاتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب مجھے واپس لوٹا۔ تاکہ میں اعمال صالحہ بجالاؤں۔ یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ یہ صرف ایک بات ہے۔ جو وہ کہہ رہا ہے۔ اور ان کے پیچھے ایک روک ہے قیامت کے دن تک۔ یعنی وہ دنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

پانچویں آیت :- فِيمَ سَكَّتِ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُهَا إِلَىٰ أَفْئَرٍ (زمر ۵۴)

اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے اس نفس کو جس پر موت کو وارد کرتا ہے۔ اور سونے والے نفس کو واپس بھیجتا ہے۔ یعنی مردہ نفس دوبارہ کبھی نہیں آتا۔

چھٹی آیت :- وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ عَنْ مَّتَابِعِهِمْ لَمَبْنَعُوا صُلُوبَهُمْ (لقمہ رکوع ۲۰)

اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی بتوں کی کاشش! ہمارے لئے کبھی دنیا میں لوٹنا ہوتا۔ تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جاتے۔ جیسے یہ ہم

سے بیزار ہوئے۔ یعنی افسوس دنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹا یا نہ گیا۔
 ساتویں آیت :- ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ تَبْعَثُونَ (مومنوں رکوع ۱)

پھر پیدائش کے بعد تم مرو گے۔ اور مگر پھر قیامت کے دن ہی اٹھائے
 جاؤ گے۔ اس سے پہلے ہرگز نہ اٹھائے جاؤ گے۔

آٹھویں آیت :- وَكُلُّ تَرَى اِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا اَلَيْسَ لَنَا نَارُ دُولَا
 نَكْذِبُ بَايَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (العام ۳۶)

جب کفار آگ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ تو وہ کہیں گے۔ کاشش ہم دوبارہ
 دنیا میں لوٹائے جاتے۔ تو نہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے۔ بلکہ مومنوں میں سے
 ہوتے۔

نوٹ :- اس جگہ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ یہ تو کفار کے لئے ہے۔ مومن لوٹائے جاسکتے
 ہیں۔ تو یاد رہے۔ کہ عقلاً اگر دنیا میں کوئی لوٹایا جانا چاہیے۔ تو وہ کفار ہی ہیں۔ تاکہ
 وہ اپنی اصلاح کر لیں۔ مومنوں کو تو آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جب کفار بھی
 لوٹائے نہ جائیں گے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ کوئی بھی اس دنیا میں نہ آئے گا۔

ایک اور طرح سے استدلال۔ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ کہ مرنے والے
 انسان کی روح بعد از مرگ فوراً اپنے اعمال کے مطابق جزا سزا پانے لگ جاتی
 ہے۔ مومنوں کی ارح اعلیٰ علیین میں اور منکرین کی اسفل السافلین میں بھیج دی
 جاتی ہیں۔

ضرورت :- اس معنوں کی دو جگہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو تب جب وفات
 مسیح عقلاً نقلاً ثابت ہونے پر لوگ کہہ دیتے ہیں۔ کہ کیا ہوا اگر مر گئے۔ تو خدا تعالیٰ
 پھر زندہ کرے گا۔ دوسرے عجوبہ پسند لوگ حضرت عیسیٰ کو محی الاموات حقیقی
 معنوں میں مانتے ہیں۔ تو اس معنوں سے دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔

عدم رجوع موتی از روئے احادیث

(۱) قَالَ يَا عَبْدِي تَمَنَّ عَلَىٰ أُعْطِكَ قَالَ يَا رَبِّ تُحْيِيْنِي فَأُقْتَلُ
فِيكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ
لَا يَرْجِعُونَ - فَزَلْتُمْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتًا (الْآيَةُ رَوَاهُ ترمذی) مشکوٰۃ مجتبیٰ ۵۹۹ باب جامع المناقب
اللہ تعالیٰ نے شہید جابر کے باپ کو فرمایا کہ کوئی آرزو کر۔ اس نے کہا مجھے دنیاوی
زندگی بخش۔ کہ تیرے رستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ فرمایا کہ یہ میرا قانون ہو
چکا ہے۔ کہ یہاں سے دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

(۲) وَقُلْنَا اذْعُرُّهُ اللَّهُ يُحْيِيْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِصَاحِبِكُمْ.....
اِذْهَبُوا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ (رواہ مسلم مشکوٰۃ مجتبیٰ ۳۶۲ باب
ما یحل اكله وما یحرم۔

ایک آدمی فوت شدہ کے متعلق صحابہ رضائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی کہ حضور دعا فرمادیں کہ یہ زندہ ہو جائے۔
تو آپ نے فرمایا اس کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اور دفن کرو۔

اس حدیث سے صاف ہو جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ
اس دنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجتا۔ انبیاء بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ احباب غور کریں۔
کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فی الواقع مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ تو سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے کیوں نہ کیا۔

محض اس لئے کہ خدا کے قانون کے برخلاف ہے۔ نذاہوا المراد

عدم رجوع موتی پر اجماع امت ہے۔ کیونکہ کسی حدیث اور تفسیر اور
فقہ وغیرہ میں کسی مسلمان نے ایسا حکام بیان نہیں کئے۔ کہ اگر مردہ دوبارہ
لوٹ آئے۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ بیوی مال وغیرہ اس کو ملے گا یا نہیں؟
پس شریعت کا باوجود مکمل ہونے کے اور فقہاء کا بھی اس کو ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی باطل
ہے۔ وہو المقصود۔

دلائل امرکان نبوت از روئے قرآن مجید

پہلی آیت :- **اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ** (حج آخری رکوع)
 اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یا چنیکافرشتوں میں رسول اور انسانوں میں سے بھی۔ اس آیت میں **يَصْطَفِي** "مضارع کا صیغہ ہے۔ جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کیلئے آتا ہے۔ پس **يَصْطَفِي** کے معنی ہوئے "چننا ہے" یا "چنیکگا" اس آیت میں **يَصْطَفِي** سے مراد صرف حال نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ (الف) آیت کی ترکیب اصل اس طرح ہے :- **"اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَاللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ النَّاسِ رُسُلًا"** کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی رسل چننا ہے۔ اور انسانوں میں سے بھی رسل چننا ہے۔ لفظ رسل جمع ہے۔ اس مراد آنحضرت (د واحد) نہیں ہو سکتے۔ پس ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کے بعد رسالت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور **يَصْطَفِي** مستقبل کے لئے ہے۔

نوٹ :- بعض غیر احمدی "رسل" بصیغہ جمع کا اطلاق واحد پر ثابت کرنے کے لئے **"وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ"** دالی آیت پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں "رسل" کو بمعنی "رسول" واحد لیا ہے۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ شہادت القرآن کی عبارت محولہ میں حضرت مسیح موعود نے جمع کا ترجمہ واحد نہیں کیا۔ بلکہ جمع ہی رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت نے تحفہ گوڑاویہ ص ۱۲۹ پر اس آیت کا الہامی ترجمہ رقم فرمایا ہے :- وہ آخری زمانہ جس سے رسول کے بعد دو کی تعیین کی جائیگی۔ یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضا قدر کا اندازہ جو مسلمان کی تعداد کی نسبت مخفی تھا۔ ظہور میں آجائیگا۔۔۔ پس یہی معنی آیت **"وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ"** کے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے میر پر ظاہر کیا۔ اور یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسولوں کی آخری میزان ظاہر کرنے والا مسیح موعود ہے۔ (تحفہ گوڑاویہ ص ۱۲۹) پس عبارت صاف طور پر بتا رہی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت میں "رسل" سے مراد "مسلمین" اور "رسولوں" بصیغہ جمع ہی لیا ہے۔ **"وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ"** کے لفظ سے میزان کنندہ میزان ظاہر کر نیوالا کا وجود نکالا ہے۔ پس مخالفین کا شہادت القرآن کا حوالہ کش کرنا سراسر دھوکہ ہے۔ (ب) **يَصْطَفِي** مضارع منسوب بذات خداوندی ہے۔ اور اس آیت کی اگلی آیت **"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ"** خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ جو کچھ ان کے آگے ہے۔ کیا خدا تعالیٰ اس آیت کے نزول کے وقت جانتا تھا اب نہیں جانتا۔ يعلم بھی مضارع ہے (ج) مضارع ایک ہی وقت میں ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے لئے بھی آ سکتا ہے۔ اسکو استمرار تجدیدی کہتے ہیں جیسا کہ لکھا ہے۔ **وَقَدْ**

تَفِيدُ الْإِسْتِمْرَارَ التَّجْدُدِيَّ بِالْقَرَارِ إِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ
طَرِيفٍ ۛ

أَوْ كَلَّمَآ وَرَدَتْ عَكَظَ قَبِيلَةٍ بَعَثُوا إِلَيَّ عَرِيفَهُمْ يَتَوَسَّعُ

(کتاب قواعد اللغة العربية ص ۱۸۱ علم المعانی مطبوعہ قاہرہ)

اور کبھی جب فعل مضارع ہو۔ بعض قرائن سے استمرار تجددی کا بھی فائدہ
دیتا ہے۔ جیسا کہ طریف شاعر کا یہ شعر ہے

جب کبھی عکاظ کے میدان میں کوئی قبیلہ آکر اترتا ہے۔ تو وہ اپنے بڑے
آدمی کو میری طرف بھیجتے ہیں۔ جو گھاس کی تلاش کرتا رہتا ہے۔ (یا جو میری طرف
دیکھتا رہتا ہے)

یہاں يَتَوَسَّعُ مضارع ہے۔ جس نے استمرار تجددی کا کام دیا۔ (یہی
مضمون بتغیر الفاظ لمفہم المفتاح ص ۱۸۱ سطریں ۱۲ و ۱۳)

اسی طرح آیت ”اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ“ میں استمرار تجددی
ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے قرینہ ”الرسل“ بصیغہ جمع اور فعل مضارع
کا خدا کی طرف منسوب ہونا ہے۔ (استمرار میں تینوں زمانے شامل ہوتے ہیں،
کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا)

نوٹ ۱۔ اگر کوئی کہے۔ اگر استمرار تجددی تسلیم کیا جائے۔ تو لازم آئے گا۔ کہ ہر ایک
سیکند میں نبی اور رسول آتے رہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ استمرار کے لئے وقت
اور ضرورت کی قید ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے ”كَانَ يَأْكُلُ مِنَ الطَّعَامِ“ کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھاتے کرتے تھے۔ ”كَانَا يَأْكُلَانِ“ ماضی
استمراری ہے۔ (کیونکہ ”يَأْكُلَانِ“ مضارع ”يَأْكُلَانِ“ داخل ہوا۔ تو کیا حضرت
عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ تمام دن رات کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ یہاں
استمرار کا مطلب یہ ہے۔ کہ عند الضرورت کھانا کھاتے تھے۔ اسی طرح ”اللَّهُ
يَصْطَفِي“ کا مطلب یہ ہے۔ کہ عند الضرورت خدا تعالیٰ رسول بھیجتا رہے گا۔

پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ میں ایک شخص کو انسانوں میں سے

چنوں گا۔ پھر ملائکہ میں سے ایک فرشتہ چن کر اس کے ذریعہ اس کی طرف وحی بھیجوں گا۔ اور اس طرح سے سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔

دوسری آیت ۱۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَأَنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَكُمُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (ال عمران ۴۱)
خدا تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ اے مومنو! تم اس وقت ہو۔ یہاں تک کہ پاک اور ناپاک میں تمیز کر دے گا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک مومن کو غیب پر اطلاع نہیں دے گا۔ کہ (فلاں پاک ہے یا فلاں ناپاک) بلکہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے گا بھیجیگا۔ (اور ان کے ذریعہ سے پاک اور ناپاک میں تمیز ہوگی) پس اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اور اگر تم ایمان لاؤ۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم کو بہت بڑا اجر ملے گا۔

سورۃ آل عمران مدنی سورۃ ہے۔ اور آنحضرت صلیع کی نبوت کے کم از کم تیرہ سال بعد نازل ہوئی۔ جب کہ پاک اور ناپاک میں ابوبکر رضی و ابو جہل میں۔ عمر رضی اور ابولہب۔ عثمان و علی اور عتبہ اور شیبہ میں کافی تمیز ہو چکی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومنوں میں پھر ایک دفعہ تمیز کرے گا۔ مگر اس طور سے نہیں۔ کہ ہر مومن کو الہاماً بتا دے۔ کہ فلاں مومن اور فلاں منافق ہے۔ بلکہ فرمایا۔ کہ رسول بھیج کر تم پھر ایک دفعہ یہ تمیز کر دیں گے۔
آنحضرت صلیع کی آمد سے ایک دفعہ تمیز ہو گئی۔ اس آیت میں آنحضرت صلیع کے بعد ایک اور تمیز کرے گا۔ پس سلسلہ نبوت ثابت ہے۔

تیسری آیت ۲۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْقِدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالْقَالِحِينَ

وَحَسَنٌ أَوْلَیْكَ رَفِیقًا (نساء ۹) جو اطاعت کریں گے اللہ کی رحمت و صلح کی
پس وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی بنی صدیق
شہید اور صالح۔ اور یہاں کے اچھے ساتھی ہوں گے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں طریق حصول نعمت اور تحصیل
نعمت کو بیان کیا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیروی سے
ایک انسان صالحیت کے مقام سے ترقی کر کے نبوت کے مقام تک پہنچتا ہے
دوسری جگہ جہاں پہلے انبیاء کی اتباع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے نتیجہ میں
انعام نبوت نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا :-

إِنَّ الْبَیِّنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعٰدِلُونَ
وَالشَّهَادَةُ۔

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور باقی تمام انبیاء پر وہ صدیق اور
شہید ہوئے۔

گویا پہلے انبیاء کی اطاعت زیادہ سے زیادہ ایک انسان کو صدیقیت کے
مقام تک پہنچا سکتی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلعم کی اطاعت ایک انسان کو
مقام نبوت پر بھی فائز کر سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ ”مَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ“ والی
آیت میں لفظ ”مع“ ہے۔ ”مِنْ“ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت
صلعم کی اطاعت کریں گے۔ وہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ خود نبی نہ ہوں گے۔ تو
اس کا جواب یہ ہے کہ

۱۔ اگر آپ کے معنی تسلیم کر لئے جائیں۔ تو ساری آیت کا ترجمہ یوں بنے گا :-
کہ آنحضرت صلعم کی اطاعت کرنے والے نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود
نبی نہ ہوں گے۔ وہ صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود صدیق نہ ہوں گے۔
وہ شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر شہید نہ ہوں گے۔ تو گویا نہ حضرت ابوبکر رضی
صدیق ہوئے نہ حضرت عمر رضی و حضرت حسین رضی شہید ہوئے۔ اور نہ امت محمدیہ

میں کوئی نیک آدمی ہو۔ تو پھر یہ امت خیر امت نہیں بلکہ شر امت ہوتی
لہذا اس آیت میں ”مع“ بمعنی ”ساتھ“ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ”مع“ بمعنی ”میں“
ہے۔

۲۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَمْسَلَتْهُمُ دَا عْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ
لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
أَجْرًا عَظِيمًا (نساء رکوع ۲۰۴)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی۔ اور خدا کی (رسی) کو مضبوطی
سے پکڑا۔ اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کیا۔ پس وہ لوگ مومنوں کے
ساتھ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ مومنوں کو عنقریب بڑا اجر دے گا۔

کیا یہ صفات رکھنے والے لوگ مومن نہیں۔ صرف مومنوں کے ساتھ ہی
ہیں۔ اور کیا ان کو ”اجر عظیم“ عطا نہیں ہو گا؟
(ب) وَلَوْ قَنَاصَةً إِلَّا بَرَار (آل عمران ۲۰۶)

کہ مومن یہ دعا کیا کرتے ہیں کہ (اے اللہ! ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے
اس آیت کا کیا یہ مطلب ہے۔ اے اللہ! جب نیک لوگوں کی جان نکلے۔ ہماری
بھی ساتھ ہی نکال لے؟ نہیں بلکہ یہ ہے۔ کہ اے اللہ! ہم کو بھی نیک بنا کر
مار۔

(۳۰) ایک جگہ شیطان کے متعلق آتا ہے۔ لَمْ يَكُنْ مَعَ السَّاجِدِينَ
(اعراف ۲۶) کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہو۔ اور دوسری
جگہ مِنَ السَّاجِدِينَ آتا ہے۔ (الحجر رکوع ۳۶)

نوٹ: ”مع“ کے معنی ”میت“ (ساتھ) کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ”إِنَّ
اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ“ کہ خدا نیک لوگوں کے ساتھ ہے کی آیت میں اور
”مع“ کے معنی ”میں“ کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر تین مثالیں دی گئی

ہیں۔ اور ”مَنْ يَطْعِ اللَّهَ“ والی آیت میں اس کے معنی سوائے ”مَنْ“ کے اور کوئی ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ اس سے امت محمدیہ ”شُرُائِمَتْ“ قرار پاتی ہے۔ جو بالبدایت باطل ہے۔ لہذا ”ان الله معنا“ والی آیت

پیش کرنا غیر احمدیوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ بخیر۔
چوتھی آیت :- ”يَا بَنِي آدَمَ اِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِي فَمَنْ اتَّقَىٰ وَاصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (اعراف ۴۶)

اے بنی آدم! انسانو! البتہ ضرور آئیں گے تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کریں گے تمہارے سامنے میری آیتیں۔ پس جو لوگ پرہیزگاری اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کریں گے۔ ان کو کوئی غم اور غم نہ ہوگا۔
”اِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ“ کا ترجمہ ہے ”البتہ ضرور آئیں گے“ کیونکہ ”يَاتِيَنَّكُمْ“ مضارع مؤکد بہ نون ثقیلہ ہے۔ جو مضارع میں تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کرتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الصرف مؤلفہ حافظ عبد الرحمن امرتسری میں لکھا ہے :-

نون تاکید :- یہ حرف آخر مضارع میں آتا ہے۔ اور اسکی آنے سے مضارع کے پہلے لام مفتوح کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نون مضارع کے آخر حرف پر فتح اور معنی تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کے دیتا ہے جیسے ”لَيَفْعَلَنَّ“ (وہ البتہ ضرور کرے گا) اسکو مضارع مؤکد بلام تاکید و نون تاکید کہتے ہیں۔ اور اس پر حاشیہ میں لکھا ہے :-

”اکثر تو لام مفتوح آتا ہے۔ مگر کبھی اِمَّا بھی آجاتا ہے۔ جیسے اِمَّا يَبْلُغَنَّ“ (دیکھو کتاب الصرف ص ۱۵)

پس ”یاتی“ (آئیگا) مضارع کے آخر میں ”نون تاکید“ آیا۔ اور اس کے شروع میں اِمَّا آیا۔ پس اس کے معنی ہوئے۔ البتہ ضرور آئیں گے

رَسُولُ رَسُولٍ

نوٹ :- یہ آیت آنحضرت صلیم پر نازل ہوئی۔ اور اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا ہوا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا۔ نیز اس آیت سے پہلے کسی مرتبہ ”یا بنی آدم“ آیا ہے۔ اور اس میں سب جگہ آنحضرت صلیم اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں۔ جیسا کہ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کلّ مسجید (اعراف رکوع ۳) اے انسانو! ہر مسجد (یا نماز) میں اپنی زینت قائم رکھو۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :-
”فَلَا تَنْتَهَ خِطَابٌ لِأَهْلِ ذَلِكَ الزَّمَانِ وَلِكُلِّ مَنْ بَعَثْنَاهُمْ“
(تفسیر القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۴ مصری)

کہ یہ خطاب اس زمانہ اور اگلے زمانہ کے تمام لوگوں کو ہے۔
پانچویں آیت :- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ کہ اے اللہ ہم کو سیدھا رستہ دکھا۔
ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی۔ گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما۔ جو پہلے لوگوں کو تو نے عطا فرمائیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں کیا تھیں؟ قرآن میں ہے :-

يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَ جَعَلَ لَكُم مِّنْهُ مَوَدَّةً (مائدہ رکوع ۱۰)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اے قوم! تم خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ جب اس نے تم میں سے نبی بنائے۔ اور تم کو بادشاہ بنایا۔ ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دو نعمتیں ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو دیا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھائی ہے۔ اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار

دیا ہے۔ اور دعا کا سکھانا دیتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اسکی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ لہذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔
 چھٹی آیت :- **يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ**
 (مومنون ۳۶) اے رسولو! پاک کھانے کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔
 یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جو حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ "رسل" بصیغہ جمع کم از کم ایک سے زیادہ رسولوں کو چاہتا ہے۔ آنحضرت صلیع
 تو اکیلے رسول تھے۔ آپ کے زمانہ میں بھی کوئی اور رسول نہ تھا۔ لہذا ماننا
 پڑے گا کہ آنحضرت صلیع کے بعد رسول آئیں گے۔ ورنہ کیا خدا تعالیٰ وفات
 یافتہ رسولوں کو حکم دے رہا ہے۔ کہ اٹھو اور نیک کھانے کھاؤ۔ اور نیک
 کام کرو۔

ساتھ آیت :- **وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِرُوا آيَاتِهِ مِنْ بَعْدِ مَا أَبَدَ اللَّهُ مَا وَعَدَ**
 تمہارے لئے یہ مناسب نہیں۔ کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو۔ اور نہ یہ
 مناسب ہے۔ کہ تم رسول کی وفات کے بعد اسکی بیویوں سے شادی کرو۔
 آنحضرت صلیع بھی اللہ کے رسول تھے۔ حضور صلیع جب فوت ہوئے۔ آپ
 کی بیویوں کے ساتھ کسی نے شادی نہ کی۔ حضور صلیع کی وفات کے بعد حضور
 کی ازواج مطہرات فوت ہو گئیں۔ اب اگر آنحضرت صلیع کے بعد سلسلہ
 نبوت بند ہو گیا ہے۔ تو نہ کوئی نبی آئے گا۔ اور نہ اسکی وفات کے بعد اسکی
 بیویاں زندہ رہیں گی۔ اور نہ ان کے نکاح کا سوال ہی زیر بحث آئے گا۔
 اب اگر اس آیت کو قرآن مجید سے نکال دیا جائے۔ تو کونسا نقص لازم
 آتا ہے۔ اس آیت کی موجودگی میں ہمیں کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید
 قیامت تک کے شریعت ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ قیامت تک واجب
 العمل اور ضروری ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلیع کے بعد

نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور قیامت تک انبیاء کی ازواج مطہرات ان کی وفات کے بعد بیوگی کی حالت میں رہیں گی۔

نوٹ:- یہ آیت آنحضرت صلیم کے لئے خاص نہیں۔ بلکہ عام ہے۔ کیونکہ اس میں ”الرسول“ و ”النبي“ کا لفظ نہیں۔ کہ آنحضرت صلیم مراد ہوں۔ بلکہ رسول اللہ کا لفظ ہے۔ جو نکرہ ہے۔ اور اس میں ہر رسول داخل ہے۔ لہذا دھوکہ سے بچنا چاہیے۔

آنکھوں کی آیت:- وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنَ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنِ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٍ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ (سورہ یونس ۶۴) کہ اس سے قبل تمہارے پاس حضرت یوسف کھلے نشان لے کر آئے۔ مگر تم ان میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے۔ تو تم کہنے لگ گئے۔ کہ اب خدا تعالیٰ ان کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح سے خدا تعالیٰ گمراہ قرار دیتا ہے ان لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور خدا کی آیات میں شک کرتے ہیں۔ وہ لوگ شک میں ہیں بغیر اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو کوئی دلیل عطا ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں پہلے انبیاء اور ان کی جماعتوں کے واقعات محض قصے کہانیوں کی غرض سے بیان نہیں ہوتے۔ بلکہ عبرت کے لئے آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف کی امت کا جو یہ عقیدہ بیان کیا ہے۔ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہو؟ نیز ”يُضِلُّ“ اور ”يُجَادِلُونَ“ مضارع کے صیغے ہیں۔ جو مستقبل پر حاوی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

”مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ“ (ختم سجدہ ۵۶) یعنی اسے نبی صلیم! آپ کے متعلق بھی وہی کچھ کہا جائیگا۔ جو آپ سے پہلے رسولوں

کے متعلق کہا گیا۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ ”لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ
مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا“ کہا گیا۔ پس ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلیم کے متعلق بھی
کہا جاتا۔ کہ آپ کے بعد خدا تعالیٰ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔
نویس آیت ۱: ”وَإِنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ
أَحَدًا رَجُلًا“

بعض جن جب آنحضرت ص کا وعظ سن کر اپنی قوم کے پاس واپس گئے۔ تو
جا کر کہنے لگے۔

”اے جنو! تمہاری طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ اب خدا تعالیٰ کسی نبی
کو نہیں بھیجے گا۔ مگر (ایک اور نبی آگیا ہے)“

گویا آنحضرت صلیم جب تشریف لائے۔ تو آپ سے قبل بھی پہلے نبیوں کی امتیں
یہی عقیدہ رکھتی تھیں۔ کہ نبوت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے۔
”مَا يُقَالُ لَكَ“ کے مطابق ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلیم کی نسبت بھی یہی کہا

جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

”اجْمَاعُ الْيَهُودِ عَلَى أَنَّ لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُوسَى“ (مسلم الثبوت ص ۱)

کہ یہود کا اجماع ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دوسری آیت :- ”وَلَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ إِذْ أَنْزَلَ إِلَيْهِمُ الْكِتَابَ وَالْحَقَّ
فِيهِمْ مُنْذِرِينَ (القصص ۲۶)

کہ پہلی امتوں میں سے اکثریت گمراہ ہو گئی۔ تو ہم نے ان کی طرف نبی بھیجے۔ گویا
جب کسی امت کا اکثر حصہ ہدایت کو چھوڑ دے۔ تو خدا تعالیٰ کے انبیاء ان کی
طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کو پھر صراط مستقیم پر چلائیں۔

۲۔ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (بقرہ ۲۶)

ہم نے انبیاء رسل اور کتابیں بھیجیں۔ تاکہ وہ (نبی) ان اختلافات کا فیصلہ کریں

جو ان لوگوں میں پڑ گئے تھے۔ ثابت ہوا کہ اختلاف اور تفرقہ کا وجود ضرورت نبوت کو ثابت کرتا ہے۔

۳۔ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ كَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ جمعہ ۱۶) کہ ہم نے آنحضرت صلیع کو مبعوث کیا..... اور آپ کی آمد سے قبل یہ لوگ سرگمراہی میں تھے۔ گویا جب گمراہی پھیل جائے۔ خدا تعالیٰ بنی بھیجتا ہے۔
(۴) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ۴۱)

کہ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ یعنی عوام اور علماء یا غیر اہل کتاب اور اہل کتاب کی حالت خراب ہو گئی۔ تو بنی بھیجا گیا۔

ان چار آیات سے ثابت ہے۔ کہ جب دنیا میں گمراہی پھیلتی ہے۔ تفرقہ پڑ جاتے ہیں۔ پہلے بنی کی امت کا اکثر حصہ اسکی تعلیم کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ بنی رسول مبعوث فرمایا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا آنحضرت صلیع کے بعد ضلالت۔ گمراہی۔ امت محمدیہ کے اکثر حصہ کا آنحضرت صلیع کی تعلیم کو چھوڑ دینا علماء اور عوام کا بگڑنا واقع ہوا یا نہیں؟
خود آنحضرت صلیع فرماتے ہیں:-

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّا تِلْكَ عَلَى أُمَّتِي زَمَانٌ كَمَا تَلَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ خُذُوا النُّعْلَ بِالنُّعْلِ (وَفِي رِوَايَةٍ شَبْرًا بِشَبْرٍ) حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً عِلَاقِيَّةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَفْضَحُ ذَلِكَ وَإِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثَلَاثِينَ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفَرَّقَتْ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳ مطبوعہ مطبع احمدی)

آنحضرت صلیع نے فرمایا۔ کہ البتہ ضرور آئینہ میری امت پر وہ زمانہ جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ یہ ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ اگر یہودیوں

میں سے غلانیہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہوگی۔ تو میری امت میں سے بھی
 ضرور کوئی ایسا ہوگا۔ جو یہ کرے گا۔ اور بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے
 اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک کے باقی سب کے
 سب جہنمی ہوں گے۔

۲۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُونُ شَيْءٌ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى
 النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ
 إِلَّا رُسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْمَدِينِ
 عُلَمَاءُهُمْ شَرٌّ مَنِ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ وَمِنْ عِنْدِهِمْ
 تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ رِوَاةُ الْبَيْهَقِيِّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ
 (مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۲ مطبع احمدی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ فریب ہر لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا۔ جب اسلام میں
 سے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مگر نام اور قرآن کا کچھ باقی نہیں رہیگا۔ مگر الفاظ مسجدیں
 آباد نظر آئیں گی۔ مگر ہدایت سے کوری۔ ان لوگوں کے مولوی آسمان کے نیچے بدترین
 مخلوق ہوں گے۔ انہی سے فتنے اٹھیں گے۔ اور انہیں میں واپس لوٹیں گے۔

ان ہر دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فسادِ مبین پھیلے گی
 امتِ محمدیہ میں تفرقہ پڑیں گے۔ بلکہ پہلی امتوں سے بڑھ کر اکثر حصہ ۱/۷۷
 فی صدی امتِ محمدیہ جہنمی ہو جائیگی۔ اسلام کا صرف نام رہ جائیگا۔ اور قرآن
 کے فقط الفاظ اور پھر علماء اور عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو جائیگی۔ گویا ظہر
 الضَّحَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا پورا نقشہ کھینچ جائیگا۔

پس قرآن کی تباہی ہوئی مندرجہ بالا سب ضروریات موجود ہیں۔ جو بعثتِ رسول
 رسول کو مستلزم ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ثابت ہے۔
 گیارھویں آیت :- وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا وَكَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ
مُسْطَوْرًا (بنی اسرائیل ۶۶)

کہ قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر ایک بستی کو عذاب شدید میں مبتلا کریں گے۔ اور
یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے
دوسری جگہ فرمایا :-

”وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا“ (بنی اسرائیل رکوع ۲۴)
کہ جب تک ہم نبی نہ بھیج لیں۔ اس وقت تک عذاب نازل نہیں کیا کرتے۔
پھر فرمایا :-

”وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهِمْ رَسُولًا
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا“ (القصص ۶۶)

کہ خدا تعالیٰ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب تک کہ ان میں کسی رسول کو مبعوث نہ
فرمائے۔ تاکہ (عذاب سے قبل) وہ ان کو خدا تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائے۔
(اور ان پر اتمام حجت ہو جائے)

ان آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ خدا تعالیٰ انبیاء بھیجتا رہیگا۔ کیونکہ عذاب
قبل نبی آتا ہے۔ اور عذاب آئے گا۔ لہذا نبی بھی آئیگا۔

بارھویں آیت :- ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ کہ آج کے دن ہم
نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے۔ گویا قرآن شریف کو مکمل شریعت قرار دیا ہے۔
شریعت کا کام دنیا میں انسان کا خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنا ہوتا ہے۔
جس قدر شریعت ناقص ہوگی۔ اسی قدر وہ خدا کے ساتھ انسان کا ناقص
تعلق قائم کرائے گی۔ اور جتنی وہ کامل ہوگی۔ اتنا ہی وہ تعلق بھی جو وہ انسان
کا خدا سے قائم کرائے گی۔ کامل ہوگا۔ اب قرآن مجید مکمل شریعت ہے۔ اس لیے
ثابت ہوا۔ کہ یہ خدا کے ساتھ ہمارا تعلق بھی ”کامل“ پیدا کراتی ہے۔ اور
سب سے کامل تعلق جو ایک انسان کا خدا کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ وہ نبوت ہے۔ اگر

کہو کہ قرآن مجید ایک انسان کو نبوت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔ تو دوسرے
لفظوں میں ماننا پڑے گا۔ کہ قرآن مجید کامل نہیں۔ بلکہ ناقص شریعت ہے۔
اور یہ باطل ہے۔ اور جو مستند باطل ہو۔ وہ بھی باطل ہے۔ لہذا تمہارا
خیال باطل ہے کہ قرآن نبوت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔

تیسری آیت: اِذَا خَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ
كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْقَرُنَّ (آل عمران ۹۶)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا۔ کہ جب تم کو کتاب و حکمت دے کر بھیجا
جائے۔ اور پھر تمہارے پاس ہمارا رسول آئے۔ تو تم اس پر ایمان لانا اور اسکی
امداد کرنا۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا آنحضرت صلعم سے بھی یہ عہد لیا گیا۔ یا نہیں؟
قرآن میں ہے:-

”وَإِذَا خَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَهِيَ نُوحٌ وَإِبْرَاهِيمُ
وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“ (احزاب ۷۱)
کہ ہم نے جب نبیوں سے عہد لیا۔ تو آپ سے بھی حضرت موسیٰ و موسیٰ و نوح
اور ابراہیم علیہم السلام سے بھی وہ عہد لیا۔

اگر آپ کے بعد نبوت بند تھی۔ تو آنحضرت صلعم سے یہ عہد نہیں لینا چاہیے
تھا۔ مگر آپ سے بھی اس عہد کا لینا امکان نبوت کی دلیل ہے۔

امکان نبوت از روئے احادیث نبوی

۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ عَنْ ابْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا دَاوُدُ
ابْنُ شَيْبَةَ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا
الْحَكَمُ بْنُ عَتِيْبَةَ عَنْ مَقْسِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا مَاتَ

ابو ابراہیم ابن رسول اللہ صلعم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 و قَالَ اِنَّ لَّهٗ مَرْفُوعًا فِی الْجَنَّةِ وَلَوْ عَاشَ لَکَانَ
 صِدِّیقًا نَّبِیًّا۔ ابن ماجہ جلد ۱ کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوة
 علی ابن رسول اللہ ذکر وفاته ۲۳۷ (مصری)

حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کا بیٹا ابراہیم
 فوت ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے اسکی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا۔ کہ جنت میں
 اس کے لئے ایک انا ہے اور فرمایا۔ کہ اگر یہ زندہ رہتا۔ تو سچا بنی ہوتا۔
 یہ واقعہ وفات ۹ھ میں ہوا۔ اور آیت خاتم النبیین ۱۱ھ میں نازل ہوئی
 گویا آیت خاتم النبیین کے نزول کے چار سال بعد حضور فرماتے ہیں۔ کہ اگر
 میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو بنی ہوتا۔ گویا حضور کے نزدیک اس کا بنی نہ بننا اسکی
 موت کے باعث ہے۔ نہ کہ انقطاع نبوت کے باعث۔ اگر آنحضرت صلعم
 ”خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ کا مطلب یہ سمجھتے۔ کہ آپ کے بعد کوئی بنی نہ آئے گا۔ تو
 آپ کو فرمانا چاہیے تھا۔ ”لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَمَّا كَانَ نَبِیًّا لَّکَرِّی“
 خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تب بھی بنی نہ ہوتا۔ کیونکہ
 میں خاتم النبیین ہوں۔ جیسے کوئی آدمی کہے۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو بنی
 ہو جاتا۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بی اے کی ڈگری ہی بند ہے۔ نہیں بلکہ اسکا مطلب
 یہ ہے۔ کہ بی اے کی ڈگری تو مل سکتی ہے۔ ماں اسکی موت اس کے حصول
 میں مانع ہوئی۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔ کہ نبوت تو مل سکتی ہے۔ مگر
 ابراہیم کو چونکہ وہ فوت ہو گیا۔ اس لئے نہیں مل سکتی۔

حدیث کی صحت کا ثبوت

۱۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ جو صحاح ستہ میں سے ہے

۲۔ اس حدیث کے متعلق شہاب علی البیضاوی میں لکھا ہے :-
 اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيهِ لَا نَسَهُ رَوَاهُ ابْنُ
 مَاجَةَ وَغَيْرُهُ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ (جلد ۱ ص ۱۷۱)
 کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ اسکو ابن ماجہ نے روایت
 کیا ہے۔ اور دوسروں نے بھی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری جیسا محدث لکھتا ہے :-
 ”لَهُ طَرَقُ ثَلَاثٌ يُقَوِّي بَعْضُهَا بَعْضًا (موضوعات کبیر ص ۵۸)
 کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ”موضوع“ ہے۔ مگر یہ موضوع نہیں۔
 کیونکہ یہ تین طریقوں سے مروی ہے۔ اور اس کا ہر ایک طریقہ دوسرے
 طریقہ سے تقویہ پکڑتا ہے۔ انہوں نے اسکو اسقدر صحیح قرار دیا ہے۔ کہ آیت
 ”خَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ کی اس لئے تاویل کی ہے۔ کہ وہ اس حدیث کے معارض
 نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

فَلَا يَنَاقِضُ قَوْلَهُ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ إِذَا الْمَعْنَى أَنَّهُ لَا
 يَأْتِي نَبِيٌّ بَعْدَهُ بِسُخْرٍ مِثْلَهُ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِهِ
 (موضوعات کبیر ص ۵۹)

کہ یہ حدیث خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین
 کا مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلیم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آسکتا۔
 جو آنحضرت صلیم کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپ کی امت میں
 سے نہ ہو۔

اسناد

اس حدیث کی اسناد میں چھ راوی ہیں :-

۱۔ عبد القدوس بن محمد۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی
 کتاب تہذیب التہذیب میں جو اسماء الرجال کی بہترین کتاب ہے

لکھا ہے :-
 قَالَ النَّسَائِيُّ ثِقَّةٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانَ فِي الثِّقَاتِ

(تہذیب التہذیب حرف عین)

کہ نسائی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۲۔ داود بن شیبب الباہلی :-

قَالَ أَبُو حَاتِمٍ صَدُوقٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانَ فِي الثِّقَاتِ

(تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۸۱)

کہ ابو حاتم نے کہا کہ سچا ہے۔ اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

(۳) ابراہیم بن عثمان۔ اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ضعیف ہے۔ مگر اسکی وجہ کوئی نہیں بتائی۔ یہ ”واسطہ“ کے شہر میں قاضی تھا۔ اس کے متعلق بھی تہذیب التہذیب میں لکھا ہے :-

”قَالَ يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ مَا قَضَى عَلَى النَّاسِ رَجُلٌ (یعنی فی زمانہ) اَعْدَلُ فِي قَضَاءٍ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهُ اَحَادِيثٌ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ اَبِي حَيْثَةَ“ (تہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

(الاکمال فی اسماؤ الرجال مصنف علامہ خزرجی رحمہ اللہ حاشیہ) کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں اسکی زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کیے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اسکی حدیثیں سچی ہوتی ہیں۔ اور وہ الوجیہ سے

اچھا راوی ہے۔ الوجیہ کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے :-

وَلَقَّاهُ الدَّارِقُطْنِيُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَابْنُ حَبَّانَ وَقَالَ النَّسَائِيُّ ثِقَّةٌ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

کہ دارقطنی ابن قانع اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور نسائی

نے کہا کہ ثقہ ہے۔

ابراہیم بن عثمان جب ابوجیہ سے اچھا ہے۔ اور ابوجیہ ثقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان اس سے بڑھ کر ثقہ ہے۔

بھلا جو شخص اتنا عادل ہو کہ اس کے زمانہ میں اسکی نظیر نہ ملے۔ اس کے متعلق بلا وجہ یہ کہہ دینا کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ صریحاً ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ بڑا عادل اور بالانصاف آدمی تھا۔ ناجائز طور پر کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے کینہ کی وجہ سے اس کے متعلق یہ کہہ دیا کہ وہ جھوٹا ہے۔ پس جب تک کوئی معقول وجہ پیش نہ جائے۔ اس وقت تک اس کے مخالفین کی کوئی بات قابل سند نہیں۔

”عادل“ تو کہتے ہی اسکو ہیں۔ جو چیز کو اپنے محل پر استعمال کرے۔ جب وہ ”عادل“ تھا۔ تو وہ کس طرح جھوٹے اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر سکتا تھا۔ اور ہم اس کے متعلق تہذیب التہذیب ہی سے دکھا چکے ہیں۔ کہ احادیثہ ضاحۃ کہ اسکی احادیث قابل اعتبار ہیں۔

بعض امثله ضعیف

کسی کے محض یہ کہہ دینے سے کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔ درحقیقت وہ راوی ناقابل اعتبار نہیں ہو جاتا۔ جب تک اسکی تضعیف کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ کیونکہ اس امر میں اختلاف یسیر موجود ہے۔ چنانچہ

۱۔ ابراہیم بن عبد اللہ بن محمد کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے ”رَوَّعَ ابْنُ الْقَطَّانِ أَنَّهُ ضَعِيفٌ“ کہ ابن قطان کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس کے آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے :-

قَالَ الْخَلِيلِيُّ: كَانَ ثِقَّةً وَقَالَ مُسْلِمَةُ بْنُ قَاسِمٍ الْأَنْدَلُسِيُّ: ثِقَّةٌ (تہذیب جلد ۱۳۶) کہ خلیلی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا۔ اور مسلمہ بن قاسم

اندلسی نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم بن صالح بن درہم الباہلی
ابو محمد مصری کے متعلق لکھا ہے :-

قَالَ الدَّارُ قُطْنِي ضَعِيفٌ كَمَا دَارُ قُطْنِي نَعَى كَمَا كُنْتُ ذَكَرْتُ
ابْنُ حَبَّانٍ فِي الثَّقَاتِ "تہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱" کہ ابن حبان نے اسے ثقہ
قرار دیا ہے۔ غرضیکہ بعض لوگوں کا ابراہیم بن عثمان کو محض "ضعیف" قرار دینا
حجت نہیں خصوصاً جبکہ ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق شہاب علی البیضاوی
اور ملا علی قاری جیسے محدث کی شہادت جو ناقابل تردید ہے پیش کر چکے ہیں۔
۴۔ اس حدیث کا چوتھا راوی الحکم بن عتیبہ ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الدَّوْرِيُّ كَانَ صَاحِبَ عِبَادَةٍ وَفَضْلٍ وَقَالَ ابْنُ
عُيَيْنَةَ مَا كَانَ يَأْكُوفُهُ بَعْدَ اِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِي مِثْلُ الْحَاكِمِ
وَقَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ ثِقَةٌ ثَبَتَ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱)
کہ ابن عباس الدوری نے کہا کہ یہ راوی صاحب عبادۃ و فضیلت تھا۔ اور
ابراہیم اور شعبی کو چھوڑ کر ایسا عبادت گزار اور صاحب فضیلت آدمی کوفہ میں تھا
اور ابن مہدی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہے۔

۵۔ وِثْقَمُ قَالَ ابْنُ شَاهِينَ فِي الثَّقَاتِ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ الْبَصْرِيُّ
ثِقَةٌ ثَبَتَ لَا شَكَّ فِيهِ "ابن شاہین اور احمد بن صالح نے اسے ثقہ اور
قابل اعتبار بتایا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱)"

۶۔ عبد اللہ ابن عباس :- ملا علی قاری کہتے ہیں :- حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ
لَا يُكْرَهُ إِلَّا مُعْتَرِضًا (موضوعات کبیر ص ۳۱) کہ ابن عباس کی روایت کا
سوائے معتزلی کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی
تھے۔

شَاهِدَ جَبْرِئِلُ مَرَّتَيْنِ
رَأَى كَمَالَ فِي أَسْمَاءِ الرِّجَالِ

کہ آپ نے دو مرتبہ جبرائیل علیہ السلام کی زیارت کی۔ یہ تو ہوئی اس حدیث کی صحت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ مگر حدیث علامہ قسطلانی نے حضرت انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے :-

وَقَدْ رَوَى مِنْ حَدِيثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ بَقِيَ (يعني إبراهيم بن النبي صلعم) لَكَانَ بَنِيًا وَلَكِنْ لَمْ يَبْقَ لِأَنَّ نَبِيَّكُمْ أَخْرَجَ الْأَنْبِيَاءَ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۲۸۷)

کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر وہ (ابراہیم) باقی رہتا تو نبی ہو جاتا۔ اس کے آگے ناقل اپنی رائے لکھتا ہے۔ کہ مگر وہ زندہ نہ رہا۔ کیونکہ ہمارے نبی صلعم آخری نبی ہیں۔ راوی کا اپنا اجتہاد حجت نہیں۔ اور وہ کس قدر غلط ہے۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ گویا خدا کو ڈرتھا۔ اگر ابراہیم زندہ رہا۔ تو خواہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کوئی ہونا ہو یا نہ وہ ضرور نعوذ باللہ جبرائیل بن جائے گا۔ اس سے بچنے میں مار دیا۔ نوٹ :- یہ کہنا کہ ”لو“ محال کے لئے آتا ہے۔ صریحاً دھوکہ ہے۔ کیونکہ ”لو“ جس جہد میں آئے۔ اس کی شرط تو محال ہوتی ہے۔ مگر جزاً ممکن ہوتی ہے جیسا کہ ”لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا“ انبیاء رکوع ۲۱ اگر خدا کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو دونوں (زمین و آسمان) خراب ہو جاتیں۔ اب خدا کے سوا اور خدا کا ہونا تو ممکن نہیں۔ مگر زمین میں فساد کا ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح ”لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيمُ“ والی حدیث میں ابراہیم کا زندہ رہنا محال ہے۔ مگر اس کا بنی بننا ممکن۔

تیسری حدیث :- فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَاصْحَابُهُ رُسُلًا جُلُودًا آيُوا لَمْ يَمِيعْ كَوْنِي اللَّهِ قَرَارٌ دِيَا هِي۔ پہلا مسیح فوت ہو چکا۔ اور اس کا حلیہ نیوالے مسیح کے حلیے سے مختلف ہے۔ لہذا یہ آئیوالا بخاری کی حدیث (مَا مِثْلُكُمْ مِنْكُمْ دُبْحَارِي بَابُ نَزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ) اسی امت میں سے نبی ہونا تھا۔

چوتھی حدیث :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- اَبُو بَكْرٍ اَفْضَلُ هَذِهِ الْاُمَّةِ
اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيًّا (کنوز الحقائق فی حدیث خیر المخلوق ص ۱)

کہ ابو بکر رحمہ اس امت میں سب سے افضل ہے۔ سوائے اس کے جو امت میں
سے کوئی نبی ہو۔ یعنی اگر نبی ہو۔ تو حضرت ابو بکر رحمہ اس سے افضل نہیں۔ امکان
نبوت فی خیر الامت ثابت ہے۔ نیز دیکھو جامع الصغیر للسیوطی مہری حاشیہ ص ۱

پانچویں حدیث :- ”اَبُو بَكْرٍ خَيْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيًّا“
رطرنی دابن عدی فی الکامل بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی ص ۱
کہ ابو بکر رحمہ سب انسانوں سے بہتر ہیں۔ ہاں اگر کوئی نبی (انسانوں میں سے)
ہو۔ تو اس سے بہتر نہیں۔

اگر انسانوں میں سے کوئی نبی ہونا ہی نہیں تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ ”اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيًّا“ کے
الفاظ صاف طور پر بتاتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کی آمد کا امکان
خوف :- یاد رکھنا چاہیے کہ ”نَبِيًّا“ حدیث مذکورہ بالا میں ”كَانَ
نَبِيًّا“ کی خبر واقع نہیں ہوئی کہ یہ خیال کیا جاسکے۔ کہ حضرت ابو بکر رحمہ
کی نبوت کی نفی مقصود ہے۔ اگر ”كَانَ“ کی خبر ہوتا۔ تو ”نَبِيًّا“ ہونا
چاہیے تھا۔ پس چوتھی اور پانچویں حدیث کا ترجمہ سوائے اس کے جو ہم
نے بیان کیا۔ قواعد عربیہ کے لحاظ سے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

دلائل امکان نبوت از اقوال بزرگان

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :-

اِنَّ النَّبُوَّةَ الَّتِي انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّوْا عَلَیْہِ
النَّبُوَّةُ التَّشْرِیْعُ لَا مَقَامَ لَهَا فَلَاشْرَعُ يَكُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہِ صَلَّوْا

وَلَا يَزِيدُنِي شَرْعِيَّةً حُكْمًا آخَرَ وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِ صَلَّعْتُ
 إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ
 آخِيَ لَا يَكُونُ عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِي بَلْ إِذَا كَانَ يَكُونُ
 تَعْتَّ مُحْكَمٌ شَرْعِيَّتِي وَلَا رَسُولٌ آخِي لَا رَسُولَ بَعْدِي إِلَى آخِرِ مَنْ
 خَلَقَ اللَّهُ بِشَرْعٍ يَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ فَهَذَا هُوَ الَّذِي انْقَطَعَ وَسَدَّ
 بَابَهُ لَا مَقَامَ النَّبُوَّةِ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۳۷) کہ وہ نبوت جو آنحضرت
 صلعم کے وجود پر ختم ہوئی۔ وہ صرف تشریعی نبوت ہے۔ نہ کہ مقام نبوت۔ پس
 آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کر نیوالی کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ اور نہ
 اسیں کوئی حکم بڑھا سکتی ہے۔ اور یہی معنی میں آنحضرت صلعم کے اس قول کے
 کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی۔ اور لَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ یعنی میرے
 بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو۔ ہاں
 اس صورت میں نبی آسکتا ہے۔ کہ وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت آئے۔ اور
 میرے بعد کوئی رسول نہیں۔ یعنی میرے بعد دنیا کے کسی انسان کی طرف کوئی ایسا
 رسول میرے بعد نہیں آسکتا۔ جو شریعت لے کر آوے۔ اور لوگوں کو اپنی شریعت
 کی طرف بلانے والا ہو۔ پس یہ وہ قسم نبوت ہے۔ جو بند ہوئی۔ اور اسکا دروازہ
 بند کر دیا گیا۔ ورنہ مقام نبوت بند نہیں۔

۳۔ فَمَا ارْتَفَعَتِ النَّبُوَّةُ بِالْكَلِمَةِ لِهَذَا قُلْنَا إِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نَبُوَّةُ
 التَّشْرِيعِ فَهَذَا مَعْنَى لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَعَلِمْنَا أَنَّ قَوْلَهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ
 آخِيَ لَا مُشْرِعَ خَاصَّةً لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ هَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ
 إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ
 بَعْدَهُ (فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۳۷ سوال ۱۵)

کہ نبوت کلی طور پر اٹھ نہیں گئی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا تھا۔ کہ صرف تشریعی نبوت
 بند ہوئی ہے۔ یہی معنی میں لَا نَبِيَّ بَعْدِي کے۔ پس ہم نے جان لیا۔ کہ آنحضرت

کالا نبی بعدیٰ فرمانا اپنی معنوں سے ہے۔ کہ فاص طور پر میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے۔ جس طرح آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جب یہ قیصر ہلاک ہوگا۔ تو اس کے بعد قیصر نہ ہوگا۔ اور جب یہ کسری ہلاک ہوگا۔ تو اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا۔

۳۔ فَإِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ بِالتَّشْرِيعِ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ صَلَّوْا وَسَلَامٌ وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا مُشَرَّعَ وَلَا شَرِيعَةَ وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّ عِيسَى يُنْزَلُ وَلَا بُدَّ مَعَهُ كُتُبُهُ رَسُولًا وَلَكِنْ لَا يَقُولُ بِشَرْعٍ بَلْ يَحْكُمُ فِينَا بِشَرْعِنَا فَعَلِمْنَا أَنَّهُ أَرَادَ بِانْقِطَاعِ الرِّسَالَةِ وَالنَّبُوَّةِ بِقَوْلِهِ لَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا مُشَرَّعَ وَلَا شَرِيعَةَ

(فتوحات جلد ۲ ص ۸۸ سوال نمبر ۸۸)

۴۔ حضرت امام شہرانی فرماتے ہیں۔ وَقَوْلُهُ صَلَّوْا وَسَلَامٌ وَلَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا رَسُولَ الْمُرَادُ بِهِ لَا مُشَرَّعَ بَعْدِي (البراقیت والجواہر جلد ۱ ص ۸۸) کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ میرے بعد نبی نہیں۔ اور نہ رسول۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں۔

۵۔ فَإِنَّ النَّبُوَّةَ سَارِيَّةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيعُ قَدْ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيعُ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّبُوَّةِ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۳ سوال ۸۲ ص ۱۵۵ مصر)

کہ نبوت قیامت کے دن تک مخلوقات میں جاری ہے۔ لیکن جو شرعی نبوت ہے۔ وہ بند ہوگئی۔ شرعی نبوت۔ نبوت کا ایک جزو ہے۔

۶۔ وَأَمَّا النَّبُوَّةُ التَّشْرِيعُ وَالرِّسَالَةُ فَمَنْقُطَةٌ فِي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا نَبِيٍّ بَعْدَهُ مُشَرَّعًا..... إِلَّا أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَطَفَ بِعِبَادِهِ وَأَبْقَى لَهُمُ النَّبُوَّةَ الْعَامَّةَ الَّتِي لَا تَشْرِيعَ

یعنی آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا۔ جس کو خدا تعالیٰ شریعت دے کر لوگوں کی طرف مامور کرے۔

۱۰۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں :- علماء اہلسنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلیع کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپ کی تمام مسکطین کو شامل ہے۔ اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہوگا۔ وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔ پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے۔ دافع الوساوس فی اثر ابن عباس ص ۱۱۱

۱۱۔ کیونکہ بعد آنحضرت صلیع کے یا زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے (ایضاً ص ۱۱۱)
۱۲۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند فرماتے ہیں :- ”سوعوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلیع کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیا سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ ففیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلَکِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۱۱۱)

۱۳۔ اگر بالفرض بعد زمانہ بنوی صلیع بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (ایضاً ص ۱۱۱)
۱۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں۔ قَوْلُ اللَّهِ خَاتَمُ الْأَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَنَا نَبِیٌّ بَعْدَهُ دَر مَشْهُور جلد ۵ ص ۱۱۱ وَتَكْمِلَةُ مَجْمَعِ الْبَحَارِ ص ۱۱۱ کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلیع خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

۱۵۔ مَنْ قَالَ يَسْلُبُ نُبُوَّتَهُ كَفَرٌ حَقًّا رَجَحَ الْكِرَامَ ص ۱۱۱ کہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام

بعد نزول نبی نہ ہوں گے۔ وہ پکا کافر ہے۔
 پھر لکھا ہے: ”فَهُوَ إِنْ كَانَ خَلِيفَةً فِي الْأُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ
 فَهُوَ رَسُولٌ وَنَبِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى حَالِهِ“ (حجج الکرامہ ص ۲۶) کہ وہ باوجود
 امت محمدیہ کا خلیفہ ہونے کے بدستور نبی اور رسول ہوں گے۔

تردید لائل القطاع نبوت (از روئے قرآن مجید)

پہلی آیت :- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن
 رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب ۳۶)

الجواب :- (۱) ”خاتم“ زتاؤ کی زبر کے ساتھ کے معنی ”ختم کرنے والا“ نہیں
 ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل نہیں۔ بلکہ اسم آلہ ہے۔ جس طرح ”عالم“ مَا یَعْلَمُ
 ہے یعنی جس علم حاصل ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم ہو۔ چونکہ دنیا سے خدا
 کی ہستی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اسے ”عالم“ کہتے ہیں۔ اسی طرح ”خاتم“
 ہے جس کے معنی ”مَا یُخْتَمُ بِهِ“ ہوں گے۔ یعنی جس سے مہر لگائی جائے۔
 پس ”خاتم“ کا ترجمہ ختم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسم فاعل میں عین کلمہ مکسور
 ہوتا ہے۔ جیسے قاتل۔ ناصر۔ فاعل وغیرہ مگر ”خاتم“ میں عین کلمہ یعنی تاء
 مکسور نہیں بلکہ مفتوح ہے۔

۲۔ عربی زبان میں ”خاتم“ بفتح تاء و جب کسی جمع کے صیغے کی طرف مضاف
 ہو۔ مثلاً خاتم الشعراء۔ خاتم الفقہاء۔ خاتم الکاہن۔ خاتم المحدثین
 خاتم الاولیاء۔ خاتم المساجد وغیرہ ہو۔ تو اس کے معنی ہمیشہ
 ”افضل“ کے ہوتے ہیں۔ ہمارا غیر احمدی علماء کو پہنچ ہے۔ کہ وہ عربی زبان
 کا کوئی مستعمل محاورہ پیش کریں۔ جس میں ”خاتم“ کسی جمع کے صیغے کی
 طرف مضاف ہوا ہو۔ اور پھر اس کے معنی آخری کے ہوں۔ کسی لغات کی کتاب
 لسان العرب۔ تاج العروس وغیرہ کا حوالہ دے دینا کافی نہ ہوگا۔ جب تک

اہل زبان میں اس محاورہ کا استعمال نہ دکھایا جاوے۔ لغت کی کتابیں لکھنے والے
آخر انسان ہوتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں ان کے اپنے عقائد کا داخل ہو جانا
یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً "د المنجد" اود الفرائد الدریۃ دونوں عربی کی لغات ہیں۔
جن کے مؤلف عیسائی ہیں۔ اور انہوں نے "ثالوث" کا ترجمہ "تثلیث مقدس"
Trinity کہا ہے۔ اب "مقدس" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ
مؤلف کا اپنا اعتقاد ہے۔ بعینہ اسی طرح ایک لغت لکھنے والا اگر اس عقیدہ کا
حامی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ تو وہ طبعاً
"خاتم النبیین" کا ترجمہ "نبیوں کا ختم کرنے والا" ہی کرے گا۔ قرآن مجید میں
خدا تعالیٰ نے لغات لکھنے والوں کا ترجمہ یہ نظر رکھ کر خاتم النبیین کا
لفظ نہیں بولا۔ بلکہ اس اسلوب بیان کو مد نظر رکھا ہے۔ جو اہل زبان کا ہے۔ لہذا
ہمیں دیکھنا یہ ہے۔ کہ ایک عرب جب "خاتم" کو کسی جمع کے صیغے مثلاً "شعرا"
"الفقہاء" "المہاجرین" وغیرہ کی طرف مضاف کرتا ہے۔ تو اس سے اسکی مراد کیا
ہوتی ہے۔ جس طرح یہ لفظ قرآن میں مستعمل ہوا ہے۔ ہمارا دعوئے ہے کہ اس
طریق پر یہ لفظ ہمیشہ افضل کے معنوں میں آتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ
والہ وسلم نے اسے استعمال فرمایا ہے۔

اَلْهَمَانُ يَا اَعْمَ فَاِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِيْنَ فِي الْهَجْرِ لَا كَمَا
اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ فِي النَّبُوَّةِ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸)

"اے چچا عباس! آپ مطمئن رہیے کہ آپ اسی طرح خاتم المہاجرین ہیں۔
جس طرح میں خاتم النبیین ہوں۔"

اب کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی مہاجر نہیں ہوا؟ حضرت مولوی رحمت اللہ
صاحب مہاجر مکی کے علاوہ آج تک ہزاروں لوگوں نے ہجرت کی۔ اور خود علماء
دیوبند نے ترک موالات کے دنوں میں ہجرت کا فتوئے دیا۔

پس ثابت ہوا۔ کہ آنحضرت مسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ان معنوں میں خاتم المہاجرین

قرار دیا ہے۔ کہ ان کے بعد ان کی شان کا کوئی مہاجر نہ ہوگا۔ اگر کہو کہ یہاں صرف مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کا حضرت عباسؓ کو خاتم قرار دیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں تو مکہ کا کوئی لفظ نہیں جس لفظ (یعنی الف لام) کی تخصیص سے تم مکہ کی قید لگاتے ہو۔ اسی الف لام کی تخصیص سے ہم خاتم النبیین کے معنی صاحب شریعت نبیوں کا ختم کرنیوالا کرتے ہیں۔ پھر اس پر اعتراض کیوں؟

۲۔ ”اَنَا خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتَ يَا عَلِيُّ خَاتَمُ الْأَوَّلِيَاءِ“ (تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین احزاب رکوع ۳) کہ اے علی! میں خاتم الانبیاء ہوں۔ اور تو خاتم الاولیاء ہے۔

۳۔ فتوحات مکہ کے ٹائٹل پیج پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء لکھا ہے۔

۴۔ خود دیوبندی علماء نے اس محاورہ کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد الحسن صاحب دیوبندی نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا۔ اس کے ٹائٹل پیج پر متوفی کو خاتم الاولیاء والمحدثین لکھا ہے۔

۵۔ مولوی بدر عالم صاحب مدرس دیوبند نے اپنے رسالہ ”الجواب الفصیح“ کے ص ۲ پر مولوی النور شاہ سابق صدر المدرسین دیوبند کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے رسالہ عجائب نافعہ کے ٹائٹل پیج پر حضرت شاہ صاحب موصوف کو خاتم المحدثین لکھا ہے

۷۔ حضرت غوث الاعظم پیران پیر ”سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ“ فرماتے ہیں: ”بَلَّغْتَ خَتَمَ الْوَلَايَةِ وَفَتْحَ الْغَيْبِ مَقَالَهُ مَلَأْتَهُ لَوْ لَكُشُونَ“ اور اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:۔

”در زمان تو مرتبہ ولایت و کمال تو فوق کمالات ہمہ باشد و قدم تو برگزیدہ

ہمہ افقہ (فتوح الغیب ص ۲۳)

یعنی حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ اگر انسان تو خلقت سے سر جائیگا۔ تو ترقی کرتے کرتے "خاتم الاولیاء" ہو جائیگا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ تو ولایت کے مرتبہ کے کمال پر پہنچ جائیگا۔ اور تیرا مقام ولایت سب ولیوں سے بالا ہوگا۔ اور تیرا قدم باقی ولیوں کی گردن پر ہوگا۔ چنانچہ "ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب" مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں "تُخْتَمُ الْوَلَايَةُ" کا ترجمہ یہ لکھا ہے :-

کہ تو ایسا عزت دار ہو جائیگا کہ تیری مثل کوئی نہ ہوگا۔ اور تو یگانہ و تنہا پردہ الہی میں چھپا لیا جائے گا۔ تیری مانند اولیاء وقت بھی نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ تو اس وقت ہر ایک رسول اور نبی کا وارث ہو جائیگا۔ ولایت کاملہ تجھ کو مل جائیگی۔ (ندائے غیب ص ۷)

پس خاتم النبیین کے بھی معنی یہی ہیں کہ آنحضرت صلعم کے درجہ کو کوئی رسول نہ پاسکیگا۔ اور آپ کو نبوت کا مد مل گئی ہے۔ (۸) مولوی بشیر احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں :-

خَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ حضرت گنگوہی کی وفات نے شہادت فاروقی کا نقشہ پیش کر دیا۔ (رسالہ القاسم جلد ۲ ص ۷)

(۹) ابوتام الطائی مؤلف حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب ایک عربی شاعر مرثیہ لکھتا ہے :-

فَجَعَلَ الْقَرِيبُ بِخَاتِمِ الشُّعْرَاءِ وَغَدِيرُ دَوْضَةٍ حَبِيبِ الطَّائِي

(وفیات الاعیان کلاب بن محرز جلد ۱ ص ۱۲۳ مصری)

کہ شاعری کو بہت رنج پہنچا ہے۔ خاتم الشعراء (یعنی ابوتام) اور حبیب الطائی جو شاعری کے صحن کا حوض تھا (کی وفات) سے اس شعر میں (ابوتام) کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے۔ کیا شاعر کا مطلب یہ ہے

کہ ابوتام کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا۔ یہ بحث نہیں۔ کہ ابوتام فی الواقع خاتم الشعراء ہے یا نہیں۔ بہر حال حسن بن وہب تو اسے خاتم الشعراء کہتا ہے حالانکہ یہ بھی شعر ہے۔ اور وہ خود شاعر ہے۔

پس ثابت ہوا۔ کہ خود آنحضرت صلعم اور دوسرے اہل عرب کے محاورہ زبان کے مطابق خاتم النبیین کے معنی ”افضل الانبیاء“ کے ہیں۔ ختم کے معنی پنجابی۔ اردو فارسی میں آخری اور القطار کے بے شک ہوں۔ جس طرح لفظ مکر کے معنی پنجابی۔ اردو۔ فارسی میں دھوکہ کے ہیں۔ مگر عربی میں تدبیر کرنے کے۔ اسی طرح خاتم کے جمع کے معنی صرف مضاف ہونے کی صورت میں عربی زبان میں بجز افضل اور صاحب کمال کے کوئی معنی نہیں آتے۔ نوٹ: ”خاتم القوم“ کا کوئی محاورہ نہیں۔ اور نہ کسی عرب نے کبھی اسکو استعمال کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے۔ کہ استعمال محاورہ ثابت کرو۔ آج اگر مولف لسان العرب یا تاج المروس ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے۔ تو ہم ان سے دریافت کرتے۔ کہ آپ نے جو خاتم النبیین کے معنی ”ختم کرنیوالا“ کے ہیں۔ اسکی لئے اہل زبان کے کونسے مستعمل محاورہ کی آپکی پاس سند ہے۔

لغت کی کتابوں سے ہماری بھی تائید ہوتی ہے۔۔۔ مجمع بحار الانوار میں جو لغت کی کتاب ہے۔ لفظ خاتم کے نیچے حضرت عائشہ رض کا یہ قول لکھا ہے۔

”قُولُوا لَهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَ ۝“

(تکمید ص ۵۷) نیز دیکھو و منشور جلد ۵ ص ۱۲۱ کہ یہ تو کہو۔ کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ اس کے آگے لکھا ہے۔۔۔

هَذَا نَزَلَ عَلَى عِيسَى وَهَذَا أَيْضًا لَا يَنْفِي عِدْمِثِ

لَا نَبِيَّ بَعْدِي لَا مَنَّهُ ارَادَ لَا نَبِيَّ يَنْسَخُ شَرْعَهُ (تکلمہ ص ۸۵)
 کہ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا موعود (محافظ) ہے۔ اور
 لَا نَبِيَّ بَعْدِي والی حدیث کا بھی مخالف نہیں، کیونکہ ”خاتم النبیین“
 والی آیت اور لَا نَبِيَّ بَعْدِي کا مطلب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں۔ جو آنحضرت کی شریعت کو منسوخ کرے۔
 (۲) اسی طرح مجمع البحار جلد ۱ ص ۳۲۹ پر لکھا ہے: اَوْ تَيْتُ... فَقَوَاتِمَهُ
 اَوْ الْقُرْآنُ خُتِمَتْ بِهِ الْكُتُبُ الْمَشَارِقُ وَهُوَ حُجَّةٌ
 عَلَى سَائِرِهَا وَمُصَدِّقٌ لَهَا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین
 ہیں۔ اسی طرح قرآن بھی خاتم الکتب ہے۔ ان معنوں میں کہ وہ سب کتابوں
 کی مصدق ہے۔

الجواب ع ۱: ”خاتم“ کے معنی انگوٹھی کے ہوتے ہیں۔ اور انسان انگوٹھی
 زینت کے لئے پہنتا ہے۔ پس ”خاتم النبیین“ کے معنی نبیوں کی زینت
 ہوئے۔ چنانچہ ان معنوں کی تائید تفسیر فتح البیان جلد ۲ ص ۲۸۶ سے
 ہوتی ہے۔

”صَارَ كَالْخَاتَمِ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَمُونَ بِهِ وَيُزَيِّنُونَ
 بِكُؤُنِهِمْ مِنْهُمْ“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے لئے انگوٹھی بن گئے
 جس سے مہر لگائی جاتی ہے، ان معنوں میں کہ انبیاء اس وجہ سے کہ آنحضرت
 ان میں سے ایک ہیں۔ آپ کے وجود سے زینت حاصل کرتے ہیں۔
 (دب) مجمع البحرين میں ”خاتم النبیین“ کے یہ معنی لکھے ہیں:۔
 خَاتَمٌ بِمَعْنَى الزَّيْنَةِ مَا خُوذَ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِي هُوَ زِينَةٌ
 لِلْأَيْسَرِ کہ خاتم کے معنی زینت کے ہیں۔ اور یہ معنی انگوٹھی سے نکلتے ہیں
 جو پہننے والے کے لئے زینت کا موجب ہوتی ہے۔

(ج) ان معنوں کی تائید عربی کے مشہور شاعر ابن مقوت کے قصیدہ میمیر

کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ جو اس نے آنحضرت صلیم کی مدح میں کہا ہے۔

طُوقُ الرِّسَالَةِ تَاجُ الرُّسُلِ خَاتَمُهُمْ
بَلْ زِينَةُ الْعِبَادِ اِنَّهُ كُتِبَتْ

(کتاب المجموعة النبرہانیة جلد ۱)

کہ آنحضرت صلیم نبوت کی مالا ہیں۔ آپ نبیوں کا تاج اور انکی انگوٹھی
(خاتمہ) ہیں۔ ہمیں (صرف نبیوں ہی کے نہیں بلکہ اس سے بڑھکر) خدا کے
تمام بندوں کے لئے زینت ہیں۔

اس شعر میں طوق (مالا) "تاج" اور خاتم (انگوٹھی) تینوں زینت کے معنوں
میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ لفظ "بلی" کے ساتھ "زینت" کا لفظ خود
پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اس شعر میں لفظ "خاتم" آخری معنی میں نہیں۔ بلکہ زینت کے معنی میں آیا ہے۔
۳۔ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ جناب شیخ فرید الدین عطار رحمہ میں لکھا ہے۔

محبوب کے لئے چند درجے ہیں۔ بعض کو ان سے ایک تہائی دیتے ہیں۔ اور
بعض کو آدھی۔ اور بعض کو آدھی سے زیادہ۔ جبکہ اس درجہ کو پہنچتا ہے۔
تو وہ محبوب نبوت کے حصے کے سبب سے تمام مجذوبوں سے بڑھ جاتا
ہے۔ اور خاتم الاولیاء ہوتا ہے۔ اور سردار تمام ولیوں کا۔ جیسا کہ ہمارے پیغمبر
حضرت محمد مصطفیٰ صلیم خاتم الانبیاء علیہ السلام (تذکرۃ الاولیاء باب ۸ حضرت

حکیم محمد علی الترنذی)

نوٹ ۱۔ مندرجہ بالا اردو ترجمہ الوار الاذکیا و ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء مطبع
مجیدی کانپور کے ۵۳ سے لیا گیا ہے۔

دوسری آیت :- اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ
نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

الجواب :- یہ آیت تو امکان نبوت کی دلیل ہے۔ (تفصیل دیکھو دلائل امکان
نبوت بارہویں دلیل)

اگر کہو کہ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي میں "نعمت" سے مراد بنوت ہے۔ اور وہ تمام ہو گئی۔ یعنی ختم ہو گئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے :-

۱۔ قرآن میں تورات کے متعلق ہے۔ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا تَكُلُّ شَيْءٍ (انعام ۱۹۶) گویا تورات "تمام" تھی۔ مگر اس کے بعد پھر کتاب آگئی۔ (قرآن) پس جس طرح تمام کتاب کے بعد کتاب آگئی۔ اسی طرح تمام نعمت کے بعد نعمت آگئی۔ فلا اعتراض۔

۲۔ اس آیت میں تو "اتمام نعمت" کا ذکر ہے۔ اور نعمت صرف بنوت ہی نہیں بلکہ بادشاہت۔ صدیقیت۔ شہادت۔ صالحیت یہ سب نعمتیں ہیں۔ جیسا کہ اَنَعِمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْقِدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (نساء ۶۹) نیز "يَقُومُوا اذْكَرًا وَاِنْعَمَتِ اللَّهُ عَلَيْهِمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءً وَجَعَلَكُمْ مَسْجُودًا (مائدہ ۶۷) پس اگر اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے بعد بنوت بند ہو گئی ہے۔ تو پھر امت محمدیہ میں۔ بادشاہی۔ صدیقیت اور شہادت اور صالحیت سب بند ہو گئیں۔ مگر یہ خلاف واقعہ ہے۔ پس تمہارا ترجمہ غلط ہے۔

۳۔ قرآن میں ہے۔ کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ کے سامنے بیان کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا :-
 "يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا اَتَمَّهَا عَلَىٰ اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرَاهِيمَ وَاسْحَاقَ (یوسف ۱۷)

کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے۔ جس طرح اس نے تیرے باپ دادا کے اسحاق و ابراہیم پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ پھر حضرت اسحاق۔ یعقوب و یوسف علیہم السلام پر نعمت تمام ہوئی۔ اور پھر آنحضرت صلیم کے ذریعہ مسلمانوں پر بھی

نعمت تمام ہوئی۔ اس کے معنی بشک کر ناکس طرح ممکن ہوئے؛ کیا حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ پہ نبوت بند ہو گئی تھی؟ پس اس کے معنی ہیں کہ میں نے تم کو پوری پوری نعمت دی ہے۔

تیسری آیت ۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ "چونکہ آنحضرت صلیع تمام دنیا کے لئے رسول ہیں۔ لہذا اب کوئی بنی نہیں آسکتا۔
الجواب :- حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ کیا ان کے بعد بنی اسرائیل ہی کے لئے حضرت داؤد۔ سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی ہو کر نہیں آئے؟ پس آنحضرت صلیع تمام دنیا کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے بعد جو رسول آپ کی اتباع میں آئے گا۔ وہ بھی تمام دنیا کی طرف ہوگا۔

۲۔ قرآن مجید تمام دنیا کے لئے شریعت ہے۔ پس جو بنی قرآن کی اشاعت کے لئے آئیگا۔ وہ بھی ساری دنیا ہی کی طرف آئے گا۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بقول غیر احمدیاں آئیں گے۔ تو وہ کن لوگوں کی طرف رسول ہوں گے؟

چوتھی آیت :- وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ "چونکہ آنحضرت صلیع تمام دنیا کی طرف آئے ہیں۔ اس لئے اب کسی بنی کے لئے گنجائش نہیں۔

الجواب :- تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

پانچویں آیت :- يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔

الجواب :- تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

چھٹی آیت :- يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ "مِن قَبْلِكَ" بتاتا ہے کہ آنحضرت صلیع کے بعد کوئی وحی نازل نہ ہوگی۔

الجواب :- عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم۔ اگر اس آیت میں آنحضرت صلیع کے

بعد میں آنے والے انبیاء کا ذکر نہیں۔ تو دوسری آیات میں بصراحت موجود ہے
(دیکھو دلائل امکان نبوت)

۲۔ سورۃ یوسف میں ہے: "کَمَا أَتَمَّمَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ" کیا
حضرت اسحاق کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام پر اتمام نعمت نہیں ہوئی؟
خود اسی آیت میں "يَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ" کا جملہ تمہارے معنوں کی
تردید و تعلیط کر رہا ہے۔ اسی طرح "اللَّهُ يَصْطَفِي" اُدِّ يَا بَنِي آدَمَ إِنَّمَا
يَأْتِيكُمْ رَسُولٌ مِّنْكُمْ کی آیات آنحضرت صلیع کے بعد میں آئیوں گے
انبیاء کا پتہ دیتی ہیں۔

آنحضرت صلیع کے بعد وحی

۳۔ علامہ ابن حجر المہشی سے جب پوچھا گیا کہ کیا جب مسیح موعود آئیگا۔ تو اسی
وحی نازل ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا:-

"نَعَمْ كَيُوحَىٰ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَام" (روح المعانی جلد ۵ ص ۶۵)

ہاں خدا تعالیٰ ان پر وحی نازل کرے گا۔

۴۔ اسی طرح مسلم میں ہے: "يَقْتُلُ عِيسَى الدَّجَالُ عِنْدَ بَابِ كَدِّ
الشَّرْقِيِّ فَيَبْنِي مَا هُمْ كَذَلِكَ إِذَا أَوْحَى اللَّهُ إِلَىٰ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا مِّنْ عِبَادِي" (مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۶۶۹)

باب الاعلامات بین یدی الساعة) کہ مسیح موعود دجال کو باب لد مشرقی
پر قتل کرے گا۔ اور جب وہ اس حالت میں ہوں گے۔ تو خدا تعالیٰ مسیح موعود
پر وحی کرے گا۔ کہ میں نے اپنے بندوں میں سے بعض بندے تیری حمایت
میں نکالے ہیں۔

۵۔ اس حدیث کو نقل کر کے نواب صدیق حسن خان صاحب حجج الکرامہ میں
لکھتے ہیں: "وظاہر آنست کہ آرنده وحی بسوی او جبرائیل علیہ السلام
باشد۔ بلکہ میں یقین داریم و در اں تردید نمیکنیم چه میرئیل سفیر خداست

درمیان انبیاء علیہم السلام و فرشتہ دیگر برائے اس کا معروف نیست۔
(حجج الکرامہ ص ۳۱)

کہ میں یقین ہے۔ کہ مسیح موعود کی طرف جبرائیل ہی وحی لیکر آویں گے۔ کیونکہ
انبیاء کی طرف خدا کی وحی لانے کے لئے وہی مقرر ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا
فرشتہ اس کام پر مقرر نہیں ہے۔

۶۔ علامہ ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں: ۱۔ وَ ذَٰلِكَ الْوَحْيُ عَلَىٰ لِسَانِ جِبْرِيلَ
اِذْ هُوَ السَّفِيرُ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اَنْبِيَائِهِ (روح المعانی جلد ۵ ص ۳۱)
۷۔ علامہ حجر ندو فرماتے ہیں: ۲۔ وَ خَبَرٌ لَا وَحْيٍ بَعْدِيْ بَاطِلٌ وَ مَا
اَسْتَهَمَسَ اَنْتَ جِبْرِيلُ لَا يَنْزِلُ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّوْا
فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهُ (روح المعانی جلد ۷ ص ۴۵)

۸۔ اسکا ترجمہ فارسی میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے یہ کیا ہے :-
”دائکہ برالینہ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبرائیل نبویٰ ارض بعد موت
رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است“ (حجج الکرامہ ص ۳۱) کہ یہ
حدیث کہ میرے بعد کوئی وحی نہیں باطل ہے۔ (موسنوع ہے) اور یہ جو عام طور
پر مشہور ہے۔ کہ جبرائیل وفات نبوی کے بعد زمین پر نازل نہیں ہوں گے۔ اسکی
کوئی بنیاد نہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر میں قبلیت سے غیر احمدیوں کا استدلال باطل ہے۔

احادیث

پہلی حدیث :- لَا نَبِيَّ بَعْدِي (بخاری)

الجواب :- اس حدیث کی دوسری روایت ہے :-

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عَلِيُّ اَمَّا تَرْضَانِي اَنْ تَكُوْنَتْ مِنِّيْ كَهَارِمْ
مِنْ مُّوسٰى غَيْرَ اَنْتَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ (طبقات کبیر جلد ۵ ص ۱۵)

کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔ کہ اے علی! کیا تو خوش نہیں۔ کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ہارون۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ میرے بعد تو نبی نہیں ہوگا "لَسْتُ نَبِيًّا" نے "لَا نَبِيَّ بَعْدِي" کی تشریح کر دی۔ کہ آنحضرت صلعم کا خطاب عام نہیں۔ بلکہ خاص حضرت علی کو ہے۔

۲۔ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی بعینہ ایسی ہی ایک اور حدیث ہے۔
 اَنَّ اَبَاهُ سُرَّةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّوْا اِذَا هَلَكْتَ كَيْسَرِي فَلَا
 كَيْسَرِي بَعْدَكَ وَاِذَا هَلَكْتَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَكَ (بخاری کتاب الایمان
 والنذور باب کیف كانت یمین النبی جلد ۴ ص ۹۱ مصری)

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جب یہ کسری مرے گا۔ تو اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا اور جب یہ قیصر مرے گا۔ تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔

اپنے متعلق "لَا نَبِيَّ بَعْدِي" اور قیصر کے متعلق "لَا قَيْصَرَ بَعْدَكَ" فرمایا کیا قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوا۔ اور کیا کسری شاہ ایران کے بعد اور کوئی کسری نہیں ہوا؟ اگر ہوئے ہیں۔ اور نسلاً بعد نسل ہوتے رہے ہیں۔ تو پھر حدیث "لَا قَيْصَرَ بَعْدَكَ" اور "لَا كَيْسَرِي بَعْدَكَ" کے کیا معنی ہیں۔ اگر اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ان قیصر و کسری کے بعد اس شان کے قیصر و کسری نہ ہوں گے جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ میں اس حدیث کا مطلب :-

"مَعْنَاهُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَكَ لَا يَمْلِكُ مِثْلُ مَا يَمْلِكُ هُوَ" کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب یہ قیصر مر جائیگا۔ تو اس کے بعد کوئی ایسا قیصر نہ ہوگا۔ جو اس طرح حکومت کرے۔ جس طرح یہ کرتا ہے۔ پس "لَا نَبِيَّ بَعْدِي" کا

مطلب بھی یوں ہوگا۔ کہ آپ جیسا نبی آپ کے بعد نہیں ہوگا۔ یہ "لَا" موصوف کی نفی کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ "لَا فَتْحَ إِلَّا عَلَيَّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ" کیا حضرت علی کے بعد کوئی جوان نہیں ہوا؟ اور کیا ذوالفقار کے بعد کوئی تلوار نہیں بنی؟ پس اس میں حضرت علی جیسے جوان کی اور ذوالفقار جیسی تلوار کی نفی ہے۔

مطلق نفی نہیں جیسی کہ "لاء نفی جنسی" میں مطلق نفی ہوتی ہے پس "لا نبی بعدی" میں "لا" نفی جنس کا نہیں بلکہ صفت موصوف کی نفی کے لئے آیا ہے۔
 جواب ۳: پھر اس حدیث میں لفظ "بَعْدِی" بھی غور طلب ہے۔ قرآن مجید میں لفظ "بعد" مغایرت اور مخالفت کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔

"فَبَآئِيَ حَدِيثَ بَعْدِ اللَّهِ وَأَيَّاتِهِ يُؤْمِنُونَ" کہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کونسی بات پردہ ایمان لائیں گے؟ اللہ کے بعد کیا مطلب؟ کیا اللہ کے فوت ہونے کے بعد؟ یا اللہ کی غیر حاضری میں؟ ظاہر ہے کہ دونوں معنی باطل ہیں۔ پس "بعد اللہ" کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ کے خلاف۔ اللہ کو چھوڑ کر پس یہی معنی میں "لا نبیَّ بَعْدِی" کے۔ یعنی مجھ کو چھوڑ کر یا میرے خلاف کہہ کر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
 "فَاُولَٰئِكَ هُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِي أَحَدُهُمَا الْعَنَسِيُّ وَالْآخَرُ مُسَيِّئٌ" (بخاری کتاب المغازی وفد بنی تمیم جلد ۳ صفحہ ۱۹ مصری)
 یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں میں نے سونے کے کنگن جو دیکھے۔ اور ان کو پھونک مار کر اڑایا۔ تو اسکی تعبیر میں نے یہ کی کہ اسکی مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد نکلیں گے۔ پہلا اسود عنسی ہے۔ اور دوسرا مسید ہے۔
 اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "یَخْرُجَانِ بَعْدِي" فرمایا ہے کہ وہ دونوں کذاب "میرے بعد" نکلیں گے۔ یہاں "بعد" سے مراد غیر حاضری یا "ذات" نہیں بلکہ "مخالفت" ہے کیونکہ مسید کذاب اور اسود عنسی دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدعی نبوت ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث درج ہے:۔

"فَاُولَٰئِكَ هُمَا كَذَّابَيْنِ اَبْلِيَا الْكُذِّبَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبُ صُنْعٍ اَوَّلِ الْيَمَامَةِ"
 بخاری کتاب الرؤیا باب النہ فی العنمام جلد ۴ صفحہ ۱۳۴

پس میں نے اس سے مراد لی دو کذاب جن کے میں اس وقت درمیان ہوں۔ یعنی
اسود غنسی اور سیدہ الیمامی۔ پس "أَنَا بَيْنَهُمَا" صاف طور پر بتاتا ہے کہ دوسری
روایت میں "يَخْرُجَانِ بَعْدِي" میں "بعدي" سے مراد میرے مد مقابل
اور میرے مخالف ہی ہے۔ نہ کہ وفات یا غیر حاضری! پس "لَا نَبِيَّ بَعْدِي"
میں بھی "بعدي" سے مراد مد مقابل اور مخالف ہو کر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

(لا نبی بعدی اور علماء و گزشتہ)

ہم نے "لا نبی بعدی" کے جو معنی کئے ہیں۔ بزرگان امت نے بھی مختلف
زمانوں میں اسی کے یہی معنی بیان کئے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی
فرماتے ہیں:-

"وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ
انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا نَبِيَّ بَعْدِي يَكُونُ
عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِي بَلْ إِذَا كَانَ يَكُونُ تَحْتَ حُكْمِ
شَرْعِيَّتِي"۔ (فتوحات مکیہ جلد باب ۳)

دریہی معنی میں حدیث إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ اور لَا نَبِيَّ
بَعْدِي کے کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا۔ جو آنحضرت صلی
علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر عمل کرتا ہو۔ ہاں اگر آنحضرت صلی
علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت ہو کر آئے تو پھر نبی ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضرت امام شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والحواجر میں فرماتے ہیں:-
"وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا رَسُولَ الْمُرَادِ
بِهِ لَا مَشْرُوعَ بَعْدِي" (الیواقیت والحواجر جلد ۲ ص ۲۷)

کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا رَسُولَ الْمُرَادِ
یہ ہے۔ کہ میرے بعد صاحب شریعت کوئی نبی نہ ہوگا۔

۳۔ لغت کی کتاب تلمذ مجمع البحار میں اس کے مصنف امام محمد طاہر فرماتے ہیں:-

”وَهَذَا أَيْضًا لَا يُنَاقِي حَدِيثَ لَا بَنِي بَعْدِي إِلَّا نَبِيٌّ أَرَادَ لَا بَنِي
يَنْسَخُ شَرْعَهُ“ (تكملة ص ۱۵)

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول قَوْلُوا إِنَّهُ خَاتِمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا
لَا بَنِي بَعْدِي لَا کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی
نہ کہنا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ”لَا بَنِي
بَعْدِي“ کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ لَا بَنِي بَعْدِي سے مراد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا۔ جو آپ کی شریعت منسوخ
کرے۔

۴۔ نواب صدیق حسن خان صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ نبوت
سے قبل لکھتے ہیں :-

”لَا وَجْهَ بَعْدَ مَوْتِي“ بے اصل ہے۔ ”لَا بَنِي بَعْدِي“ آیا ہے
جس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ
لیکر نہیں آئے گا۔“ (اقتراب الساعة ص ۱۶۲)

دوسری حدیث :- ”كَوْكَاتٌ بَعْدِي نَبِيٌّ لَّكَانَ عُمَرُ“ (ترمذی
و مشکوٰۃ) کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا ہوتا۔ تو حضرت عمرؓ موتے۔

الجواب :- ۱۔ ترمذی اور مشکوٰۃ دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

مگر دونوں میں اس کے آگے ہی لکھا ہوا ہے۔ ”هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ“

کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور حدیث غریب جس کا ایک ہی راوی ہوتا ہے۔

وہ قابل سند نہیں ہوتی۔ صرف ایک گواہ کے کہنے سے کہ آنحضرتؐ نے ایسا

فرمایا تھا۔ یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ کہ فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا

ہی فرمایا تھا۔

۲۔ اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

”كُوكُمُ الْبَعْثُ لِبَعْثٍ يَأْتِيكُمْ“ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۵۳۹)

(البوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۸) کہ اس نازل ہونے والے اور میرے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔ بخاری میں بھی ”کَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ مصری کتاب بدو الخلق)

چوتھی حدیث :- ”ثَلَاثُونَ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ“

الجواب :- تیس کی تیسین بتاتی ہے کہ آنحضرت صلم کے بعد کوئی سچے نبی بھی آنے والے تھے۔ درہ آنحضرت فرماتے کہ جو بھی آئیں گے جھوٹے ہی آئیں گے۔ ۲۔ یہ حدیث مسلم میں ہے۔ اور اسکی شرح ”اکمال الاکمال“ میں لکھا ہے :-
 ”هَذَا الْحَدِيثُ ظَهَرَ صِدْقُهُ فَإِنَّهُ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَانِهِ صَلَاحًا إِلَى الْآنَ لَبَلَغَ هَذَا الْعَدَدَ وَيَعْرِفُ ذَلِكَ مَنْ يُطَالِعُ التَّارِيخَ“ (اکمال الاکمال جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ مصری) کہ اس حدیث کی سچائی ثابت ہوگئی ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلم سے لیکر آج تک کے تمام نبوت کا جھوٹا دعوے کر نیوالوں کو گنا جائے۔ تو یہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔ اور اس بات کو وہ شخص جو تاریخ کا مطالعہ کرے جان لیگا۔

اس کتاب کا لکھنے والا ۸۲۹ھ میں فوت ہوا۔ گویا چار سو سال گزرے۔ کہ تیس دجال آچکے۔ مگر غیر احمدی اب تک تیس کے عدد کو طویل کئے جا رہے ہیں۔ ۳۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو :-

”در حدیث ابن عمر ست تسی کذاب و در روایتی از عبد اللہ بن عمر نزد طبرانی است برپا نمیشود ساعت تا آنکہ بیرون آیند ہفتاد کذاب و نحو عند ابی یعلیٰ مریٰ حدیث انس حافظ ابن حجر گفت کہ سند این ہر دو ضعیف است“ (درج الکرامہ ۲۳۵) کہ یہ جو ابن عمر کی روایت میں ہے۔ کہ تیس دجال ہوں گے۔ اور عبد اللہ بن عمر کی دوسری روایت میں جو طبرانی میں ہے۔ یہ مذکور ہے۔ کہ قیامت سے قبل ستر یا اس کے قریب کذاب کھڑے ہو جائیں گے۔ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری) میں لکھا ہے۔ کہ ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے۔

۴۔ ”پس افرانج کہ احمد از حذیفہ بسند جید کہ باشند در امت من کذابان و جالان
 بست و ہفت نفر“ (حجج الکرامہ ص ۲۳) کہ صحیح روایت وہ ہے۔ جو امام احمد
 نے حذیفہ سے بطریق صحیح نقل کی ہے۔ کہ میری امت میں ۲۷ دجال ہوں گے۔
 اور اس کے متعلق لکھا ہے۔ و بالجمہد آنچه آنحضرت صلعم اخبار بوجود
 دجالین کذابین در اس امت فرمودہ واقع شد و عدد بست و ہفت تمام شد
 (حجج الکرامہ ص ۲۳۹) کہ آنحضرت صلعم نے جو اس امت میں تیس دجالوں کی آمد
 کی خبر دی تھی۔ وہ پوری ہو کر ستائیس کی تعداد مکمل ہو چکی ہے۔
 پانچویں دلیل: ”سَبْعُونَ دَجَالُونَ“ ستر دجال آئیں گے۔
 الجواب: یہ حدیث ضعیف ہے (حجج الکرامہ ص ۲۳۳) (عبارت ادھر
 نقل ہو چکی ہے)

۲۔ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا۔ کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے۔
 بلکہ یہ مذکور ہے۔ کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنائیں گے۔ پس یہ صرف واقعی جیسے
 وضائعوں کے متعلق ہے۔ نیز ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اتنا بڑا طومار
 جھوٹی حدیثوں کا کھڑا کر رکھا ہے۔ پس مولویوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے
 چھٹی حدیث: ”مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَقَصْرِ“ (قصر
 نبوت والی حدیث)

الجواب: تم اس حدیث کا جو مطلب لیتے ہو۔ اگر وہ مطلب لیا جائے۔ تو
 اس میں آنحضرت صلعم کی تنگ ہے۔ کیونکہ تمہاری تشریح کے مطابق ایک اینٹ
 کی جگہ خالی تھی۔ اور آنحضرت صلعم نے اگر ایک اینٹ کی جگہ پڑ کر دی۔ گویا اگر
 آنحضرت صلعم تشریف نہ لاتے۔ تو نبوت کے محل میں صرف ایک ہی اینٹ
 کی تھوڑی سی جگہ خالی رہ جانی تھی۔ جیسے ایک بہت بڑے محل میں ایک موری
 یا سوراخ! حالانکہ آنحضرت صلعم کے متعلق تو خدا نے فرمایا: ”كُوَلِّدَتْ
 لَمَّا خَلَقْتَ الْأَفْلاكَ“ کہ اگر آپ نہ ہوتے۔ تو میں تمام جہان کو پیدا

نہ کرتا۔

پس اس حدیث سے وہ مفہوم مراد نہیں ہے۔ جو مولوی بیان کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں شریعت کے محل کا ذکر ہے۔ جس کو نبی تعمیر کرتے ہیں پہلے انبیاء اپنے اپنے وقت میں ضرورت کے مطابق احکام شریعت لاتے رہے اور اس محل کے لئے مصالحہ جمع ہوتا رہا۔ چونکہ عقل انسانی ارتقار کے بلند ترین مقام پر ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے وہ شریعتیں ناقص تھیں اور ان میں ابھی کمی باقی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے۔ تو اس وقت تکمیل عقل انسانی ہو چکی تھی۔ اور احکام شریعت کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپ نے اگر پہلی شریعتوں کو بھی قرآن میں شامل کر لیا اور جو کمی باقی تھی۔ اس کو بھی پورا کر کے شریعت کے محل کو مکمل کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ”فِيهَا كُتِبَ الْقِيَمَةُ“ گویا اس میں سب پہلی شریعتیں بھی شامل ہیں عقل انسانی کی وہ ترقی جو عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہوئی۔ اس کو آنحضرت نے ”اینٹ کی جگہ“ (موضع لبنیۃ) قرار دیا ہے۔ ۲۔ اس حدیث میں ”الانبياء من قبلي“ کا فقرہ بتاتا ہے۔ کہ اس میں آنحضرت نے صرف پہلے انبیاء ہی کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں آنے والے انبیاء کا ذکر مقصود نہیں ہے۔ ۳۔ اب جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو وہ اینٹ کہاں لگے گی؟ جہاں سے ان کے لئے گنجائش نکالو گے۔ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے بھی گنجائش ہوگی۔ اگر کہو۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں۔ تو گویا معلوم ہوگا۔ کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام والی اینٹ نہیں لگی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمانا چاہا تھا۔ کہ دو اینٹوں کی جگہ باقی ہے۔ ایک میں اور ایک عیسیٰ بن مریم۔ وفات مسیح ثابت ساتویں حدیث ۱۔ اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَ كُنِّي

(ترمذی جلد ۲ باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

الجواب ۱۔ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں عاقب ہوں۔ مگر یہ کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو غلط ہے۔ کیونکہ :- شامی ترمذی شریف مجتہائی میں جہاں یہ حدیث ہے۔ وہاں ”وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ“ کے الفاظ کے اوپر میں السطور لکھا ہے ”هَذَا قَوْلٌ لَزَهْرِيٍّ“ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بلکہ علامہ زہری کا اپنا قول ہے (شامی ترمذی مجتہائی مطبوعہ ۱۳۲۷ھ ص ۲۶)

۲۔ ”عاقب“ عربی لفظ ہے۔ اور صحابہ جن کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرما رہے تھے۔ وہ بھی عرب تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ترجمہ ہی صاف بتا رہا ہے کہ یہ ترجمہ کسی ایسے آدمی نے کیا ہے۔ جو اس حدیث کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا۔ جو عرب نہ تھے۔

۳۔ چنانچہ حضرت علامہ علی قاری نے صاف طور پر فرمادیا ہے :-

”الظَاهِرُ أَنَّ هَذَا تَفْسِيرٌ لِلصَّحَابِيِّ (أَوْ مَنْ بَعْدَهُ) وَفِي شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ الْعَاقِبُ الَّذِي يَخْلُفُ فِي الْخَيْرِ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۳۷۷) و بر حاشیہ مشکوٰۃ مجتہائی باب السماء والنبی

کہ صاف ظاہر ہے کہ ”الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ“ کسی صحابی یا بعد میں آنے والے شخص نے بطور تشریح بڑھا دیا ہے۔ اور ابن اعرابی نے کہا ہے کہ ”عاقب“ وہ ہوتا ہے۔ جو کسی اچھی بات میں اپنے سے پہلے کا قائم مقام ہو۔

ضروری نوٹ :- غیر احمدی ”علماء ہم“ نے ہمارے اس زبردست جواب کی تاب نہ لا کر ترمذی کے لئے ایڈیشن میں اس حدیث کے الفاظ میں یہودیہ نہ ملت کو پورا کرنے کے لئے تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ ترمذی مجتہائی جو ۱۳۲۷ھ یا اس سے قبل کی چھپی ہوئی ہے۔ اس میں :-

”وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ“ کے الفاظ ہیں۔ یعنی عاقب وہ

جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو (مگر بعد کی اسی مطبع کی چھپی ہوئی ترمذی میں الفاظ یوں ہیں :- ”الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدِي نَبِيٌّ“ کہ عاقب ہوں کہ میرے بعد

کوئی بنی نہیں)

گویا "بعدہ" غائب کے صیغے کو بدل کر "بَعْدِي" متکلم کا صیغہ بنا دیا ہے۔ تا متکلم کے کے صیغے سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ الفاظ بھی آنحضرت ہی کے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے نہیں۔ مگر خدا کے فضل سے ان کی یہ پوری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں نے پکڑ لی۔

اکھویں حدیث :- "إِنِّي أَخِيرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتُمْ أَخِيرُ الْأُمَمِ"

جواب :- حدیث کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس میں صرف ان انبیاء کا ختم ہونا مذکور ہے۔ جو اگر نبی امت بناتے ہیں۔ اور وہ جو نبی شریعت لے کر آئیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر ہو کر دعویٰ نبوت کریں۔

۲۔ اس حدیث کی تشریح مسلم کی دوسری حدیث کرتی ہے۔

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي أَخِيرُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنِّي أَسْبَغُ فِيَّ خَيْرَ الْمَسَاجِدِ" مسلم ۵۳ باب فضل الصلوة فی مسجد المدینہ

دیکھتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں۔ اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد اور کوئی مسجد نہیں بنی؟ بلکہ جتنی مسجدیں دنیا میں موجود ہیں۔ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد ہی تعمیر ہوئیں۔ کیا ان کی تعمیر ناجائز ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب میری مسجد کے بعد کوئی ایسی مسجد نہیں بن سکتی۔ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ جو میری مسجد کا مقصد ہے۔ یا جس میں وہ گناہ نہ پڑھی جائے۔ جو میری مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ یا جس کا قبضہ اور ہو۔ غرضیکہ مفاہرت اور مخالفت کے معنوں میں یہاں "أَخِيرُ الْمَسَاجِدِ" آیا ہے۔ پس یہی آخر الانبیاء کا مطلب ہے۔ کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا۔ جو نبی شریعت لائے۔ یا میری شریعت کے خلاف ہو۔ یا میری اتباع اور متابعت سے باہر ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ لفظ آخر کی مثالیں :- عربی ۱۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے :-

شَرِي دُدِّي وَ شُكْرِي مِنْ بَعِيدٍ

کاخیر غالب اَبَدًا رَبُّیْے (حماسہ باب الادب)

اس شعر کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی جو حماسہ کے شارح ہیں۔ یہ کرتے ہیں :-

”ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو نبی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عَدِیم المثل ہے خرید لیا ہے“
گویا ”آخر“ کا ترجمہ ”ہمیشہ کے لئے عَدِیم المثل“ ہوا۔ پس اپنی معنوں میں آنحضرت صلعم بھی آخر الانبیاء یعنی ہمیشہ کے لئے عَدِیم النظیر ہیں۔

۲۔ امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے۔
”سَيِّدُ نَا اَلْاِمَامُ۔ اَلْعَالِمُ اَلْعَلَامَةُ۔ اِمَامُ الْاَيْمَةِ قُدْوَةُ
الْاُمَةِ۔ عِلْمُ الْعُلَمَاءِ وَ اَرِثُ الْاَنْبِيَاءِ اٰخِرُ الْمُجْتَهِدِيْنَ
والانتباه والنظائر جلد ۳ صفحہ ۳ مطبوعہ حیدرآباد)

گویا امام ابن تیمیہ آخر المجتہدین تھے۔ کیا ان کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا؟
اردو :- ڈاکٹر محمد اقبال اپنے استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں :-

چل بسا داغ آہ میت اسکی زیب دوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

گویا داغ دلی کا آخری شاعر تھا۔ اسی مرثیہ میں آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں :-

چل دیئے ساتی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا (بانگ درا صفحہ ۵۶)

یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا

گویا داغ کے بعد حالی بزم دلی کی یادگار ہیں۔ نیز داغ کے بعد آج دلی میں ہزاروں شاعر ہیں۔ جیل وغیرہ ان میں سے ممتاز ہیں۔

نویں حدیث: "أَنَا الْمُقَفِّي" مقفئی کے معنی میں آخری نبی۔
 الجواب:۔ آنحضرت صلم بے شک مقفئی ہیں۔ مگر مقفئی کا جو ترجمہ غیر احمدی علماء
 بیان کرتے ہیں۔ وہ قطعاً غلط ہے۔ علامہ ابن الانباری فرماتے ہیں:۔
 "وَمَعْنَاهُ الْمُتَّبِعُ لِلنَّبِيِّينَ" (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۶ ص ۱۳۱)
 کہ مقفئی کے معنی ہیں وہ جسکی انبیاء اتباع کریں۔ گویا یہ نام بذات خود اس بات
 کا مقتضی ہے۔ کہ آنحضرت صلم کے بعد انبیاء آویں۔ جو آپ کی پیروی اور اتباع
 کریں۔ اسکو انقطاع نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا نادانی ہے۔
 دسویں دلیل:۔ یحضر نامی گدھے کا عقیدہ تھا۔ کہ آنحضرت صلم کے بعد
 کوئی نبی نہ آئے گا۔ چنانچہ ابن حبان اور ابن عساکر نے اسکو روایت کیا ہے۔
 کہ اسنے کہا کہ "لَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ غَيْرُكَ" کہ آنحضرت صلم کے سوا اب کوئی
 نبی باقی نہیں رہ گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹۱ بحوالہ رسالہ ختم نبوت مؤلفہ
 عبد النبی النخیر مولوی محمد بشیر کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ ص ۲۷۲)
 الجواب:۔ اس روایت کا جواب یہی ہے۔ کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔ فی الواقع
 گدھے کا یہی خیال ہے۔ کہ نبوت بند ہو گئی۔ باقی تمہارا بیان کردہ گدھا تو وفات
 مسیح کا بھی اعلان کر رہا ہے۔ کیونکہ کہتا ہے۔ کہ میری خواہش تھی۔ کہ مجھ پر
 کوئی نبی سواری کرے۔ اب آپ کے سوا کوئی نبی نہیں رہ گیا۔ اور میری نسل میں سے
 میرے سوا کوئی گدھا باقی نہیں۔ اگر تمہارے نزدیک گدھے کا عقیدہ مسلم ہے
 تو وفات مسیح کا بھی اقرار کرو۔ ورنہ یہ بتاؤ۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام واپس تشریف
 لائیں گے۔ تو تمہاری اس روایت کے پیش نظر وہ کون سے گدھے پر سواری کریں گے؟

بقیہ مضمون ص ۱۱۱

حضرت امام راغب رح نے اس آیت کے وہی معنی بیان کئے ہیں۔ جو اوپر
 بیان ہوئے۔ چنانچہ تفسیر بحر المحیط میں لکھا ہے:۔ "وَقَوْلُهُ مَعَ الَّذِينَ"

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ تَفْسِيْرٌ لِّقَوْمِهِ " صِرَاطُ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ
 عَلَيْهِمْ " وَالظَّاهِرُ اَنَّ قَوْلَهُ " مِنَ النَّبِيِّيْنَ " تَفْسِيْرٌ
 لِلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَكَانَتْهُ قِيْلَ مَنْ يُطِيعُ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
 مِنْكُمْ اَلْحَقُّهُ اللّٰهُ بِالَّذِيْنَ تَقَدَّمَهُمْ بِمَنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ
 قَالَ الرَّاْغِبُ بِمَنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَاقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ
 وَالْثَوَابِ النَّبِيُّ وَالنَّبِيُّ وَالْقَسْدِيْنَ بِالْقَسْدِيْنَ وَالشَّهِيدُ
 بِالشَّهِيدِ وَالْقَتَالَةِ بِالْقَتَالَةِ وَاجَازَ الرَّاْغِبُ اَنَّ يَتَعَلَّقَ
 مِنَ النَّبِيِّيْنَ بِقَوْلِهِ " وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ " اَيِ
 مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ (تفسیر بحر المحیط جلد ۳ ص ۲۸۵)
 مطبوعہ مصر) یعنی خدا کا فرمانا کہ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ " یہ صِرَاطُ
 الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کا قول " مِنَ النَّبِيِّيْنَ " تفسیر " اَنْعَمَ اللّٰهُ
 عَلَيْهِمْ " کی۔ گویا یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس رسول صمد
 کا اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں شامل کر دینگا۔ جن پر قبل ازیں
 انعامات ہوئے۔ اور امام راغب نے کہا ہے کہ ان چار گروہوں میں شامل
 کرے گا مقام اور نیکی کے لحاظ سے بنی کو بنی کے ساتھ اور صدیق کو صدیق
 کے ساتھ۔ شہید کو شہید کے ساتھ۔ اور صالح کو صالح کے ساتھ اور راغب
 نے جائز قرار دیا ہے کہ اس امت کے بنی بھی نبیوں میں شامل ہوں۔ جیسا کہ
 خدا نے فرمایا۔ " وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ " یعنی " مِنَ النَّبِيِّيْنَ "
 (نبیوں میں سے)

اس حوالہ سے صاف طور پر حضرت امام راغب رحمہ اللہ کا مذہب ثابت ہوتا
 ہے۔ کہ وہ اس امت میں بھی انبیاء کی آمد کے قائل تھے۔ چنانچہ اس عبارت
 کے آگے مؤلف بحر المحیط (محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن جیان الاندلسی
 جو ۵۵۵ھ میں فوت ہوا) نے حضرت امام راغب رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا قول

کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ راغب کے اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلیم کے بعد بھی آپ کی امت میں سے بعض غیر شرعی نبی پیدا ہوں گے۔ جو آنحضرت صلیم کی اطاعت کریں گے۔ اس کے بعد مصنف اپنا مذہب لکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ درست نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلیم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔

اس حوالہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت ”مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ“ کا جو مفہوم آج جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے۔ آج سے سینکڑوں سال قبل امام راغب اس کا اظہار کر چکے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ سے اس پر صاد کر چکے ہیں۔

دلائل صداقت حضرت مسیح موعودؑ

پہلی دلیل ۱۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس ۲)

کہ میں نے تم میں دعویٰ نبوت سے قبل ایک لمبی عمر گزاری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر میں پہلے جھوٹ بولتا تھا۔ تو اب بھی بولتا ہوں۔ لیکن اگر میری چالیس سالہ زندگی پاک اور بے عیب ہے۔ تو یقیناً آج میرا دعویٰ الہام و نبوت بھی حق ہے

۵ درجوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے دعویٰ نبوت کیا۔ تو اس سے قبل ابولہب اور دوسرے کافر یہی کہتے تھے۔ ”مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا“ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعراء جلد ۳ ص ۳۷ مصری) کہ ہم نے آپ سے سوائے سچ کے اور کبھی کچھ تجربہ نہیں کیا۔ مگر جب آنحضرت صلعم نے اپنا دعویٰ بیان فرمایا۔ ”فَارِئِي نَذِيرًا“ (یونس ۲) کہ میں خدا کی طرف سے نبی ہو کر آیا ہوں۔ اور یہ کہ ایک خطرناک عذاب آنے والا ہے۔ تو انہی مسدقین نے انکار کیا۔ اور ابولہب نے تو ”تَبَّ لَدُكَ“ بھی کہہ دیا۔ کہ آپ کو ہلاکت ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ کہ آنحضرتؐ کو وہی لوگ جو پہلے ”مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا“ کہا کرتے تھے۔ ”قَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ“ کہ آنحضرت صلعم نہ صرف جادوگر ہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ ”كَذَّابٌ“ بھی ہیں۔

پس ثابت ہوا۔ کہ نبی کی قبل از دعویٰ زندگی درست و دشمن کے تجربہ کی رو سے پاک ہوتی ہے۔ گو پاک تو اس کی دعویٰ نبوت کے بعد کی زندگی بھی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے لوگ اس کے دشمن ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس پر طرح طرح کے اعتراض ”دشمن کرے بات اہنونی“ کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ پس اگر کسی مدعی نبوت کی صداقت پر کھنی ہو۔ تو اس کی دعویٰ سے قبل کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیے۔ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام فرماتے

ہیں۔ اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کو تم پر اس طرح پرپورا کر دیا ہے۔ کہ میرے دعوے پر ہزار ہا دلائل قائم کر کے تمہیں موقع دیا ہے۔ کہ تا تم غور کرو۔ کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے۔ خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے۔ اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے۔ اور تم کو کئی عیب۔ افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی میں نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو۔ کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہو گا۔ کون تم میں ہے جو میرے سوا خ زندگی نہ چاہتا ہے۔ پس یہ خدا کا افضل ہے۔ جو اس نے ابتدا سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔ (تذکرۃ الشہداء دین ص ۷۱)

اس چیلنج کو شائع ہوئے تیس سال ہوئے۔ مگر آج تک کسی شخص کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن کے زمانہ سے جانتا تھا۔ یہ شہادت دی۔۔۔
 ”مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے حسبِ درہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے رجب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے، ہمارے ہم کتب بھی“ (اشاعت السنۃ جلد ۷ ص ۷۱)

”مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی روش سے (واللہ اعلم) حسیباً“ شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔“
 (اشاعت السنۃ جلد ۷ ص ۷۱) ”اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے۔ جسکی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ اور اسکا مؤلف (حضرت مسیح موعودؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔“

جسکی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ (اشاعت السنۃ جلد ۶ ص ۷)
غیر احمدی:۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے۔ کہ حیات مسیح
کا عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اور خود بارہ سال حیات مسیح کے قائل
رہے۔

جواب ۱۔ حد ہمیشہ تمام حجت کے بعد لگتی ہے۔ جب تک بنی ایک بات
کو ممنوع قرار نہیں دے دیتا۔ اسوقت تک اسکی خلاف ورزی کرنے والا کسی
فتویٰ کے ماتحت نہیں آتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”قَدْ أَفْلَحَ وَابِیْہِ اِنْ صَدَقَ“ (مسلم ص ۱۱۱ باب الایمان باللہ و
شراح الدین) کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ بولا ہے۔ تو وہ کامیاب
ہو گیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”باپ کی قسم“ ”وَابِیْہِ“ کے الفاظ میں کھائی
ہے۔ مگر خود دوسری جگہ فرمایا:۔

”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ“ (ترمذی و مشکوٰۃ مجتہبی
ص ۲۹۴ باب الایمان والنذر) جو خدا کے سوا کسی کی قسم کھائے۔ وہ مشرک
ہو جاتا ہے۔

(۲) چنانچہ مشکوٰۃ مجتہبی ص ۳ میں ابوداؤد کی یہ روایت درج ہے۔
”قَالَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ذَاکَ وَابِیُّ الْجَوْعِ“ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے
باپ کی قسم یہ بھوک ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باپ کی قسم کھائی
ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ ”قَوْلُهُ وَابِیُّ
الْجَوْعِ قَوْلٌ لَعَلَّ هَذَا الْحَلْفَ قَبْلَ النَّبِیِّ عَلَی الْقَسَمِ بِالْأَبَاءِ
وَمَرْفَاقَ وَبِرْهَانِیۃِ مُشْکُوۃِ مُجْتَبَی ص ۳۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ
میرے باپ کی قسم، کہا گیا ہے۔ کہ شاید باپوں کی قسم کی ممانعت سے
قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی ہے۔ یا عادتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ
سے نکل گئی ہے۔

۳۔ ”فَقَدْ لَبِثْتُ“ والی آیت میں تو چالیس سالہ قبل از دعویٰ زندگی میں جھوٹ اور فسق و فجور سے پاکیزگی کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ عقائد تو انبیاء کو خدا تعالیٰ کی وحی ہی اگر تکمیل طور پر بتاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے چیلنج میں فرمایا: ”تم کوئی عیب۔ افتراء یا جھوٹ یا دغا کامیری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو۔ کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور فریب کا عادی ہے۔ یہ بھی اسی نے جھوٹ بولا ہوگا۔“

۴۔ آنحضرت صلعم نے پہلے فرمایا۔ ”مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُوسُفَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ“ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نسا، باب اَنَا اَوْحَيْنَا اَيْلَكَ كَمَا اَوْحَيْنَا الْخُطْبَةَ ۳ ص ۷ مطبع الہیہ مصر) کہ جو یہ کہے۔ کہ میں یونس بن متی سے بڑا ہوں۔ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ پھر فرمایا ”لَا تَقْفُوا نَفْسِي عَلَى مُوسَى“ (بخاری) کہ مجھ کو موسیٰ سے افضل نہ کہو۔ مگر بعد میں فرمایا۔ ”اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ“ کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ بطور فخر نہیں۔ بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ پھر فرمایا:۔ ”اَنَا اِمَامُ النَّبِيِّينَ وَاَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ“ کہ میں تمام نبیوں کا امام اور راہبر ہوں۔

۵۔ آج اگر کوئی مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ تو اس پر یہودی اور کافر مہونے کا فتویٰ لگ جائے۔ مگر خود آنحضرت صلعم نبوت کے بعد چودہ سال اور سات مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبۃ جلد ۱ ص ۵ مصری) ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيْهِ عَلَى نَحْوِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا“ کہ آنحضرت صلعم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے سولہ یا سترہ مہینے (سجرت کے بعد) اس تبدیلی پر اعتراض کرنا تو ان کو خدا تعالیٰ نے ”سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ“ کہہ کر ہیوقوف قرار دیا ہے۔

نوٹ :- بعض مخالف مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی عبارات پیش کر دیا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ میں دعوت سے قبل گنہگار تھا۔ مجھے کوئی نہ جانتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان عبارات سے یہ دھوکہ دیتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو چونکہ ”ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا۔ اس لئے آپ کی قبل از دعوت زندگی پر اعتراض کون کرے؟ سو اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنی چاہیے۔

”اور میں اپنے باپ کی موت کے بعد محروموں کی طرح ہو گیا۔ اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے۔ کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اور کوئی مجھے کو نہیں جانتا تھا۔ یا کچھ ارد گرد کے دیہات کے لوگ تھے۔ کہ روشناس تھے۔ اور میری یہ حالت تھی۔ کہ سفر سے اپنے گاؤں میں آتا۔ تو کوئی مجھ کو نہ پوچھتا۔ کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر میں کسی مکان میں اترتا۔ تو کوئی سوال نہ کرتا۔ کہ تو کہاں اترتا ہے۔ اور میں اس گنہگار اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا۔ اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا۔۔۔۔۔ پھر میرے رب نے مجھے دعوت اور برگزیدگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ وہ مجھے مسیح موعودؑ بنا لے گا۔ اور اپنے عہد مجھ میں پورے کرے گا۔ اور میں اس بات کو اپنا دوست رکھتا تھا۔ کہ گنہگار کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں۔“ (ریویو اردو فروری ۱۹۰۲ء جلد ۲ ص ۵۸)۔

۴۔ اگر معترضین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعوت زندگی کو نہیں جانتا۔ تو مولوی محمد حسین بٹالوی تو جانتا تھا۔ جس نے لکھا۔ کہ ”مؤلف براہین احمدیہ کے حالات اور خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن

ہیں۔ بلکہ اوائل کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے
ہم مکتب بھی" (اشاعت السنۃ جلد ۷ ص ۷۷)

(۳) پھر اسی طرح مولوی سراج الدین صاحب (جو عاصی سلسلہ مولوی
ظفر علی آف زمیندار کے والد تھے) نے شہادت دی کہ:-

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں
محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ - ۲۳ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید
شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔"
زمیندار اواخر مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ عمل مصنفی جلد ۲ ص ۳۳۴

ولم، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی یہ دلیل آریوں
کے سامنے بیان کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کی قبل از
دعویٰ زندگی کو نہیں جانتے اس پر اعتراض کیا کریں؟ تو اس کا بھی یہی جواب
ہے کہ اگر تم نہیں جانتے۔ تو ابوجہل اور ابولہب تو جانتے تھے۔ ہم جب ان
کی گواہی سے اس زندگی کا بے غیب اور پاک ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ تو
صداقت واضح ہے۔ بعینہ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت

آپ کی زندگی کو دیکھنے والوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔
دوسری دلیل :- وَكَوْثَقَوْلٍ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقَاوِيلِ لَاخْفَظْنَا مِنْهُ
بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ" (الحاقہ ۲۶) کہ اگر یہ کوئی جھوٹا
الہام بنا کر میری طرف منسوب کرتا۔ (اور کہتا کہ یہ الہام مجھے خدا کی طرف سے
ہوا ہے) تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔

گویا اگر کوئی شخص جھوٹا الہام بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ تو وہ قتل ہو
جاتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسوٹی میں۔ آپ ۲۳ سال
دعویٰ وحی والہام کے بعد زندہ رہے۔ اس لئے کوئی جھوٹا مدعی الہام و وحی
و نبوت امتناعاً عرصہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جتنا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے۔ پس

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے ماتحت بدلیل استقرار ہمارا دعوے ہے کہ آج تک جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی جھوٹے مدعی نبوت و الہام کو (بشرطیکہ وہ مجنون نہ ہو۔ کیونکہ تقول باب تفضل بناوٹ کو چاہتا ہے) دعوے کے بعد ۲۳ سال کی مہلت نہیں ملی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اربعین میں پانچ سو روپیہ انعام کا وعدہ بھی کیا ہے۔ مگر آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ توریت میں بھی یہی لکھا ہے۔ کہ جھوٹا بنی قتل کیا جائے گا (دیکھو مضمون صداقت مسیح موعودؑ از روئے بائبل)

۲۔ شرح عقائد نسفی میں جو اہلسنت والجماعت کی معتبر ترین کتابوں میں سے ہے۔ لکھا ہے: "خَانَ الْعَقْلُ يَجْزِمُ بِامْتِنَانِ اجْتِمَاعِ هَذِهِ الْأُمُورِ فِي غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ فِي حَقِّ مَنْ يَعْلَمُ أَنَّهَ يُفْتَرِي عَلَيْهِ ثُمَّ يُمَهِّلُهُ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ سَنَةً" (حتیٰ کہ عقل اس بات کو ناممکن قرار دیتی ہے۔ کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں۔ اس شخص کے حق میں جس کے متعلق خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ وہ خدا پر افترا کرتا ہے۔ پھر اس کو تیس سال کی مہلت دے۔)

۳۔ پھر شرح عقائد نسفی کی شرح "نبراس" میں لکھا ہے: "فَلَمَّا نَبِيٌّ صَلَاحٌ بُعِثَ وَعُمَرَا أَرْبَعُونَ سَنَةً وَتَوَفِّيَ وَعُمَرَا ثَلَاثَةً وَسِتُّونَ سَنَةً ۖ تَمَّتْ سَالُ الْبَيْعَادِ هَمَّ نَسِ لِي بَيَانُ كِي هِي۔ كِهَ أَخْفَرْت صَلَاحٌ خَالِيس سَالُ كِي عَمْرِي بَنِي هُوَ كِهَ ادر ۶۳ سَالُ كِي عَمْرِي حَضُورُ نَسِ دَفَات پَالِي۔"

۴۔ "نبراس" میں علامہ عبد العزیز فرماتے ہیں: "وَقَدْ اِدَّٰعٰی بَعْضُ الْكَذَّابِينَ النَّبُوَّةَ كَمَا سَيَكْمَةُ الْيَمَارِيِّ وَالْأَسْوَدِ الْعَنْسَبِيِّ وَ سَجَّاحِ الْكَاهِنَةِ فَقُتِلَ بَعْضُهُمْ وَتَابَ بَعْضُهُمْ وَبِالْجَمَلَةِ كَمْ يَنْتَظِمُ أَمْرُ الْكَاذِبِ فِي النَّبُوَّةِ إِلَّا أَيَّامًا مَقْعَدُ ذَوَاتِ۔"

(نبراس ص ۴۴ مطبوعہ میرٹھ)

کہ بعض جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ مسلمانوں نے۔ اسود غنسی وغیرہ نے۔ پس ان میں سے بعض قتل ہو گئے۔ اور باقیوں نے توبہ کر لی۔ اور نتیجہ یہ ہر کہ جھوٹے مدعی نبوت کا کام چند دن سے زیادہ نہیں چلتا۔

۵۔ امام ابن قیم عیاضی سے مناظرہ کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں:

”وَهُوَ مُتَمَرِّسٌ فِي الْإِفْرَاءِ عَلَيْهِ ثَلَاثَةَ وَعِشْرِينَ سَنَةً وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يُؤَيِّدُ لَا“ (زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۸۷) کہ وہ خدا پر تیس سال افتر کرتا ہے۔ اور پھر بھی خدا اسکو ہلاک نہیں کرتا۔ بلکہ اسکی تائید کرتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ پھر فرماتے ہیں: ”نَحْنُ لَا نُنْكِرُ أَنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْكَافِرِينَ قَامَ فِي الْوُجُودِ وَظَهَرَتْ لَهُ شَوْكَةٌ ذَلِكُنْ لَمْ يَجْمَعْ لَهُ أَهْرٌ وَلَا وَنْمٌ تَطْلُ مَسَدَّتُهُ بَلْ سَلَطَ عَلَيْهِ رَسُولُهُ... فَمَحَقُوا أَثَرَهُ وَقَطَعُوا دَارَ بَرٍّ وَأَسْتَأْصَلُوا شَافَتَهُ هَذِهِ سُنَّتُهُ فِي عِبَادَةٍ مُنْذُ قَامَتِ الدُّنْيَا وَإِلَى أَنْ يَرِثَ الْأَرْضَ وَمَنْ هَلِمَهَا زَادَ لِمَعَادٍ جِلْدَ أَهْتِ“ کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے۔ کہ بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے ہوئے۔ اور ان کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوئی۔ مگر ان کا مقصد کبھی پورا نہیں ہوا۔ اور نہ ان کو لمبا عرصہ مہلت ملی۔ بلکہ خدا نے اپنے فرشتے ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کے آثار مٹا دیئے۔ اور ان کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ اور بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ یہی خدا کی اپنے بندوں میں جب سے دنیا بنی اور جب تک دنیا موجود رہے گی۔ سنت ہے۔

مفسرین۔ (۱) علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ”هَذَا ذِكْرٌ عَلَى سَبِيلِ التَّمْثِيلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمَلَكُوتُ بِمَنْ يَكْذِبُ عَلَيْهِمْ فَإِنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ بَلْ يَفْزَرُونَ رَقَبَتَهُ فِي الْحَالِ“ (ص ۲۹۱ جلد ۸)

کہ یہ جو فرمایا کہ اگر یہ جھوٹا الہام بناتا تو ہم اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔
یہ بطور مثال ذکر کیا ہے۔ جس طرح بادشاہ اس شخص کو جو جھوٹ موٹ
اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرے۔ مہلت نہیں دیتے۔

۸۔ پھر فرماتے ہیں: "هَذَا هُوَ الْوَاجِبُ فِي حُكْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى
ثَلَاثَةً يَشْتَبِهَ الصَّادِقُ بِالْكَاذِبِ" (جلد ۲۹ ص ۲۹۱ تفسیر کبیر) کہ خدا
کی حکمت کے لئے یہی ضروری ہے۔ (کہ جھوٹے کو جلدی برباد کر دیا جائے)
تاکہ صادق کے ساتھ کاذب بھی نہ مل جائے۔ (مشتبہ نہ ہو جائے)

۹۔ امام جعفر طبری تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ ص ۲۹۱ و مطبع میمنہ ص ۳۳ مصری
میں لکھتے ہیں:-

"إِنَّهُ كَانَ يُعَاجِلُهُ بِالْعُقُوبَةِ وَلَا يُؤَخِّرُهُ بِذَلِكَ"
کہ خدا تعالیٰ نے جھوٹے مدعی نبوت والہام کو فوراً سزا دیتا ہے۔ اور قطعاً تاخیر
نہیں کرتا۔

۱۰۔ مولوی شمس الدین، نظام عالم میں جہاں اور قوانین الہی ہیں۔
وہاں یہ بھی ہے۔ کہ کاذب مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان
سے مارا جاتا ہے۔ (مقدمہ تفسیر شنائی ص ۱۷)

دب، واقعات گزشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ خدا نے کبھی کسی
جھوٹے مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود
غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں
بتلا سکتے۔ مسلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی نے دعویٰ نبوت کئے۔ اور
کیسے کیسے جھوٹ خدا پر باندھے۔ لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے
نیچے آکر کچلے گئے۔ وہ تقوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے۔ مگر
تاہیکے "مقدمہ تفسیر شنائی ص ۱۷)

دج، دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائیگا۔ ہلاک ہوگا
(الینا حاشیہ ص ۱۷)

(۱۱) تفسیر روح البیان جلد ۴ ص ۶۲ پر ہے :-

”فِي الْآيَةِ تَنْبِيْهُ عَلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهِ شَيْئًا أَوْ زَادَ أَوْ نَقَصَ حَرْفًا وَاحِدًا عَلَى مَا أُوحِيَ إِلَيْهِ لَعَاقَبَهُ اللَّهُ وَهُوَ أَكْرَمُ النَّاسِ إِلَيْهِ فَمَا ظَنُّكَ بِغَيْرِهِ؟“ کہ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اگر آنحضرت ص اپنے پاس سے

کوئی الہام بنا لیتے۔ یا جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس میں ایک حرف بھی بڑھاتے۔ یا کم کر دیتے۔ تو خدا تعالیٰ آپ کو سزا دیتا۔ حالانکہ آنحضرت ص خدا کی نظر میں سب دنیا سے معزز ہیں۔ پھر اگر کوئی دوسرا

(اس طرح پر افترا کرے) تو اس کے متعلق کیا خیال کیا جاسکتا ہے ؟

(۱۲) یہی مضمون تفسیر کشاف ص ۱۵۲ مطبوعہ مکتبہ دابن کثیر جلد ۱۰ ص ۱۰ برہاشیہ فتح البیان و فتح البیان جلد ۱۰ ص ۳ و جلالین مجتہبانی ص ۲ و شہاب علی البیضاوی جلد ۸ ص ۲۴ اور السراج المنیر مصنفہ علامہ الخطیب بغدادی جلد ۴ ص ۳۶ پر بھی ہے۔

نوٹ :- بعض غیر احمدی مولوی ہمارے استاد لال سے تنگ آکر کہا کرتے ہیں کہ ”کو“ حرف شرط جب کسی جہد میں متعمل ہو۔ تو اس کی جزا فوراً اسی وقت محقق ہو جایا کرتی ہے۔ پس ”لَوْ تَقَوَّلَ“ والی آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر یہ نبی کوئی جھوٹا الہام بناتا۔ تو فوراً اسی وقت قتل کر دیا جاتا۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قاعدہ ”لو“ کے متعلق بالکل منگھڑت ہے۔ کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔ ”لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ دَاكِلِكَلِمَتٍ رَبِّيْ لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّيْ“ کہ اگر تمام سمندر خدا تعالیٰ کے کلمات کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جاتے۔ تو وہ سمندر ختم ہو جاتے مگر خدا کے کلمات ختم نہ ہوتے۔ کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سمندر لکھنا شروع کرنے کے

ساتھ ہی یکدم ختم ہو جاتے۔ یا یہ کہ باری باری کر کے آہستہ آہستہ سب ختم ہو جاتے۔ جوں جوں خدا کے کلمات احاطہ تحریر میں لائے جاتے۔ توں توں سیاہی بھی ختم ہوتی جاتی۔

جھوٹے مدعیان نبوت و ان کا بد انجام

مشرائط:۔ جھوٹے مدعیان نبوت کے لئے جو اس آیت کے ماتحت قابل سزا ہیں۔ مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے:-
۱۔ وہ مجنون نہ ہو۔ "وَرَقِيقٌ" باب تفعیل سے ہے جس میں بناوٹ پائی جاتی ہے۔

۲۔ وہ لفظی الہام کا قائل ہو۔ یہ نہ کہتا ہو کہ جو دل میں خیال آئے۔ وہ الہام ہے کیونکہ آیت میں لفظ "بَعْضُ الْأَقَادِيلِ" ہے۔
۳۔ اپنے دعویٰ کا اعلان کرے "فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَلِيزِينَ" گویا ایسے لوگ موجود ہوں جن کے متعلق یہ خیال ہو سکے کہ وہ ہر مشکل میں اس کے مدد اور معاون ہوں گے۔

۴۔ وہ مدعی الوہیت نہ ہو۔ گویا خدا کو اپنے وجود سے الگ مہستی خیال کرنے والا ہو۔ لفظ "علینا" اس آیت میں اس مضمون کو ادا کرتا ہے۔ نیز قرآن مجید خدا کے مدعی کے لئے الگ طور پر ذکر ہے:-

"وَمَنْ يَقُولُ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِثْلُ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ" کَذَابِكُمْ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (انبیاء ۲۶)

کہ جو شخص کہے کہ میں خدا ہوں اللہ کے سوا۔ تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مدعی الوہیت کے لئے ضروری نہیں کہ اسی دنیا میں سزا دی جائے۔ بلکہ کاذب مدعی نبوت کے لئے خدا تعالیٰ نے ضروری قرار

دیا ہے۔ کہ اسے اسی دنیا میں سزا دی جائے۔ کیونکہ کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ پس مدعی الوہیت کا دعویٰ عقلمندوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ مگر نبی چونکہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے جھوٹے مدعی نبوت سے لوگوں کو دھوکہ لگنے کا امکان ہے۔ اس لئے خدا اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو محمد ظاہری نے بھی اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاہواء والنحل" میں لکھا ہے: "وَمَدَّعِي الرَّبُّوْبِيَّةِ فِي نَفْسِ قَوْلِهِ بَيَانٌ كَذِبِهِ قَالُوا فَظُهُورُ الْاٰيَةِ عَلَيْهِ كَيْسٌ مُّوجِبًا لِضَلَالٍ مَنْ لَهٗ عَقْلٌ دَامَتْ مَدَّعِي النَّبُوَّةِ فَلَا سَبِيلَ اِلَى ظُهُورِ اٰيَاتٍ عَلَيْهِ لَا مَنَّةَ يَكُوْنُ مُعِينًا يَكْلِ ذِي عَقْلٍ جِدَّةً ۱۹۔"

کہ مدعی الوہیت کا دعویٰ ہی خود اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس سے کسی نشان کا ظہور کسی صاحب عقل کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ مگر کاذب مدعی نبوت سے نشان ظاہر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ہر صاحب عقل کو گمراہ کرنے کا باعث ہو گا۔

(ب) یہی فرق نیز اس شرح الشرح لعقائد نسفی "بحث الخوارق" میں مذکور ہے۔

(۱) ابو منصور

جواب :- وہ مدعی نبوت نہ تھا۔ چنانچہ "منہاج السنۃ" میں بھی جس کا غیر احمدی حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا دعویٰ نبوت مدعور نہیں۔

(۲) علامہ ابو منصور البغدادی لکھتے ہیں: "وَأَدَّعَىٰ هَذَا الْعَجَلِيُّ أَنَّهُ خَلِيفَةُ الْبَاقِرِ..... وَقَفَّ يَوْسُفُ بْنُ عُمَرَ الثَّقَفِيُّ وَأَتَى الْعِرَاقَ..... فَأَخَذَ أَبَا مَنْصُورَ الْعَجَلِيَّ وَصَلَبَهُ (الفرق فی الفرق ص ۲۳۷) کہ ابو منصور عجلی نے یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ وہ باقر کا خلیفہ ہے۔ پس جب یوسف ابن عمر الثقفی کو اس بات کا علم ہوا۔ وہ عراق آیا۔ اور ابو منصور کو پکڑ کر صلیب

دے دی۔

(۳) اس کا ۲۷ سال بعد دعویٰ زندہ رہنا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ”منہاج السنۃ“ میں جس کا غیر احمدی مولوی حوالہ دیا کرتے ہیں۔ قطعاً نہیں لکھا ہوا۔

(۴) غیر احمدی اس کا سن قتل ۳۶۸ھ بتایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کا قاتل یوسف بن عمر الثقفی ہے اور وہ خود ۱۲۷ھ میں مرا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلدون کی کتاب ”وفیات الاعیان“ جلد ۳۶۵ پر لکھا ہے: ”وَذَلِكَ فِي سَنَةِ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَهَاسَةً“ کہ یوسف بن عمر الثقفی کی موت ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ جبکہ وہ ۶۵ کی عمر کا تھا۔ اب قاتل تو ۱۲۷ھ میں مر گیا۔ اور مقتول بقول غیر احمدیان ۳۶۸ھ میں مرا۔ العجب۔

(۲) محمد بن تومرت

جواب۔ اس کا دعویٰ نبوت کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ (۲) ہاں اس نے حکومت وقت کے خلاف بغاوت ضرور کی۔ اور ۱۱۵ھ میں شاہ مراکش نے اسے دارالسلطنت سے نکال دیا۔ اور وہ جیل سوس میں جا کر بغاوت کرتا رہا۔ (۳) اس نے خود دعویٰ مہمدیت بھی نہیں کیا۔

”فَقَامَ لَهُ عَشْرَةُ رَجَالٍ أَحَدُهُمْ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ فَقَالُوا لَا يُوجَدُ إِلَّا فِيكَ فَأَنْتَ الْمُؤْمِدِيُّ“ (کامی ابن الاثیر جلد ۱۰ ص ۱۱۷) کہ اس کے دس ساتھی ہو گئے۔ جن میں سے ایک عبد المؤمن تھا۔ انہوں نے اسے کہا کہ تیرے سوا مہمدی کی صفات اور کسی میں پائی نہیں جاتی۔ لہذا تو ہی مہمدی (۴) اگر اس کا دعویٰ مہمدیت ثابت بھی ہو جائے۔ تب بھی وہ ”لَوْ تَقُولُ“ والی آیت کے نیچے نہیں آ سکتا۔ جب تک کہ جموٹے الہام یا وحی کا مدعی نہ ہو۔

(۳) عبد المؤمن

جواب۔ یہ محمد بن تومرت کا خلیفہ تھا۔ یہ بھی اس کے ماتحت آ جاتا ہے۔

(۴) صالح بن طریف

جواب ۱۔ اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔ لہذا "تَقُولُ" نہ ہوا۔
 (۲) اس نے خیال کیا تھا۔ کہ وہ خود مہدی ہے۔ ثُمَّ زَعِمَ أَنَّ الْمَهْدِيَّ
 الَّذِي يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۰۷) یعنی
 اس نے خیال کیا۔ کہ وہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ وہ میں ہوں
 مگر اس نے کبھی کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

(۳) اس نے اپنے دعویٰ مہدویت کا بھی اعلان کبھی نہیں کیا۔ "وَأَوْصَى بِدِينِهِ
 إِلَى ابْنِهِ الْيَاسِ وَعَهْدَ إِلَيْهِ بِمَوَالِيهِ صَاحِبِ الْأَمْدِ لُسُ وَبِأَهْلِيهِ
 دِينِهِ إِذَا قَوِيَ أَمْرُهُمْ وَقَامَ بِأَمْرِهِ بَعْدَ لَا ابْنِهِ الْيَاسِ وَ
 لَمْ يَزَلْ مُنْظَرًا لِلدُّسَلَمِ مُسَرًّا لِمَا أَوْصَا بِهِ الْبُؤْ (مقدمہ
 ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۰۷) کہ اس نے اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی۔ کہ وہ
 اس کے مذہب پر قائم رہے۔ اور اس سے عہد لیا۔ کہ وہ حاکم اندلس کے ساتھ
 دوستی رکھے گا۔ اور اپنے مذہب کا اظہار عرف اس وقت کرے گا۔ جب وہ
 طاقتور ہو جائے۔ پس وہ اپنے باپ کے حکم پر قائم رہا۔ اور یہی ظاہر کرتا رہا
 کہ وہ مسلمان ہے۔ اور اپنا مذہب چھپاتا رہا۔ جیسا کہ اس کے باپ نے اسے
 وصیت کی تھی۔

(۵) عبید اللہ بن مہدی

(۱) اس نے نبوت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔
 (۲) اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔
 (۳) ابن خلکان نے وفیات الاعیان کے صفحہ ۲۷۲ جلد ۱ پر ایک ذرا
 درج کی ہے۔ کہ عبید اللہ مہدی کو دوسرے یا تیسرے سال الیسع نے
 جو سجامہ کا حاکم تھا۔ قید خانہ میں قتل کر دیا تھا۔ اور پھر ایک شیعہ نے بعد
 میں جھوٹ موٹ ایک دوسرے آدمی کو عبید اللہ قرار دے دیا۔

(۶) بیان بن سمران

جواب ۱۔ یہ نہ مدعی وحی۔ نہ مدعی نبوت۔ نہ مدعی الہام۔ ناں اسکی بعض دایہیات عقائد تھے۔ مگر وہ ”کو تقول“ کی آیت کے ماتحت کسی طرح نہیں آسکتا۔ سوال تو صرف ”تقول علی اللہ“ کا ہے۔ نہ کہ غلط عقائد رکھنے کا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:

”بیان بن سمران التیمی الذی تنسب البیانیتۃ من غالیۃ الشیعۃ انہ کان یقول ان اللہ علی صورۃ الانسان و انہ یہتک کتہ الاوجہۃ و ادعی بیان انہ یدعو الزہرۃ فتجیبہ و انہ یفعل ذلک باسم الاعظم فقتلہ خالد بن عبد اللہ القسری“ (منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۲۳۸)

کہ بیان بن سمران تیمی وہ تھا۔ جسکی طرف غالی شیعوں کا فرقہ بیانیت منسوب ہوتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل کا ہے۔ سارا خدا بھی آخر کار ہلاک ہوگا۔ سوائے خدا کے چہرے کے۔ اور یہ کہ وہ زہرہ (ستارے) کو بلاتا ہے۔ اور وہ اسکو جواب دیتی ہے۔ اور یہ بات وہ صرف اسم اعظم کی برکت سے کرتا ہے۔ پس خالد بن عبد اللہ قسری نے اسے قتل کیا۔

(۷) مقتنع

جواب ۱۔ وہ ۱۵۹ھ میں ظاہر ہوا۔ اور ۱۶۲ھ میں یعنی چار سال بعد اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اور اس کا سر قلم کیا گیا۔ (تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۶ ص ۱۹)

(۸) ابوالخطاب الاسدی

جواب ۱۔ وہ مدعی الہام یا نبوت نہیں۔ بلکہ مدعی الوہیت تھا۔ ۲۱، وہ قتل ہوا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۶ ص ۲۳۹

پر فرماتے ہیں:-

”وَعَبْدُؤَا اَبَا الْخَطَّابِ وَزَعَمُوْا اَنْتَ اِلٰهٌ وَخَرَجَ
اَبُو الْخَطَّابِ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرٍ الْمَنْصُوْرِ فَقَتَلَهُ عِيسٰى
ابْنُ مَوْسٰى فِي الْكُوْفَةِ“ کہ لوگ ابو خطاب کو خدا کر کے پوجنے لگے
اور یہ خیال کیا کہ وہ خدا ہے۔ پھر ابو خطاب نے ابو جعفر منصور پر حملہ
کیا۔ پس عیسیٰ بن موسیٰ نے کوفہ میں اسے قتل کر دیا۔ نیز دیکھو کتاب
الفصل فی الملل والنحل جلد ۲ ص ۱۱۳

(۹) احمد بن کیاں

جواب :- اس نے نہ دعویٰ نبوت کیا۔ نہ دعویٰ وحی والہام۔
(۲) وہ سخت ناکام و نامراد ہوا۔ لَمَّا وَقَفُوا عَلٰی بَيْتِ عِيسٰى بَنُو
وَسْنَهٍ وَكَعْنُوْهُ“ (الملل والنحل جلد ۲ صفحہ ۱۲ بر حاشیہ
الفصل فی الملل والنحل) کہ اس کے متبعین کو جب اس کی بدعت
کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اسے برأت کا اظہار کیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی

(۱۰) منیرہ بن سعد عجبلی

جواب :- اس کے متعلق کہیں بھی نہیں لکھا۔ کہ اس نے وحی یا الہام
یا نبوت کا دعویٰ کیا۔ پس اس کو پیش کرنا جہالت ہے۔
”تیسری دلیل :-“ يَعْزِفُوْنَ كَمَا يَعْزِفُوْنَ اَبْنَاءُ هَمْدٍ
کہ بنی کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح باپ اپنے بیٹے کو۔ گویا جس طرح
ہمدی کی پاکیزگی خاوند کے لئے اس امر کی دلیل ہوتی ہے۔ کہ پیدا ہونے
والا اس کا ہی بچہ ہے۔ اسی طرح مدعی نبوت کی قبل از دعویٰ پاکیزگی اس کے
دعویٰ کی صداقت پر دلیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود کا چیلنج اور محمدین
ؑ بالوی کی شہادت دیکھو دلیل نمبر ۱۱۔
چوتھی دلیل :- ”يَا صَالِحٌ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا۔“

کہ جب حضرت صالح نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ان کی قوم نے کہا۔ کہ اے صالح! آج سے پہلے تیرے ساتھ ہماری بڑی امیدیں والبتہ تھیں تجھ کو کیا ہو گیا۔ کہ تو بنی بن بیٹھا۔

گویا جب بنی ابھی دعویٰ نہیں کرتا۔ قوم اس کی مداح ہوتی ہے مگر جب دعویٰ کر دیتا ہے۔ تو "قَالُوا كَذَابٌ آشُرٌ" کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ یہ اول درجے کا جھوٹا اور شریر ہے۔

پانچویں دلیل :- اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ وَاذْعُوا مِّنْ اَسْطِطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنْمَآ اَنْزَلَ يَعْلَمُ اللّٰهُ (ہود ۲۶)

کہ کیا یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ بلکہ اس نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ ان سے کہہ دے۔ کہ پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جس کو چاہو۔ بطور مددگار بلا لو۔ پس اگر تم اور تمہارے مددگار بنانے پر کامیاب نہ ہوں۔ تو پھر جان لو۔ کہ یہ انسانی علم کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ علم الہی سے ہے۔

قرآن مجید کا یہ چیلنج قرآن کے کلام الہی ہونے پر زبردست دلیل ہے۔ اور پچھلی تیرہ صدیاں قرآن مجید کے اس دعویٰ کی صداقت پر گواہ ہیں۔ مگر چودھویں صدی میں جو قلم کا زمانہ ہے۔ اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات ہونے شروع ہو گئے۔ مخالفین اسلام نے اپنی بد باطنی کا اظہار یہ کہہ کر کرنا شروع کیا۔ کہ قرآن کا یہ چیلنج بدوؤں اور جاہل عربوں کو دیا گیا تھا۔ اور ایسے زمانہ میں دیا گیا تھا۔ جبکہ چاروں طرف جہالت کا درر دورہ تھا۔ پس ان لوگوں کا قرآن شریف کی مثل لانے پر قادر نہ ہو سکا قرآن مجید کی صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہاں آج اگر ہمارے

زمانہ میں جبکہ علوم و فنون کی ترقی سے انسانی دماغ ارتقاء کی انتہائی منازل طے کر چکا ہے۔ کوئی شخص اس قسم کا چیلنج دے۔ تو ایک نہیں ہزاروں انسان اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے اور مخالفین اسلام کا ایک دفعہ پھر منہ بند کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کھڑا کیا۔ آپ نے تمام دنیا کے سامنے بغرب دہلی اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اپنے خاص مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مجھ کو وہ علوم اور معارف عطا فرمائے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان ان میں میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود نے اعجاز احمدی اعجاز المسیح وغیرہ عربی کتابیں لکھیں۔ اور کہا کہ اگر اعجاز احمدی کا جواب وقت مقررہ کے اندر لکھو۔ تو دس ہزار روپیہ انعام لو۔ اور فرمایا:-

”خدا تعالیٰ ان کے قلوب کو توڑ دیگا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا۔“
 (اعجاز احمدی ص ۳۷) ”پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائیگی۔ انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیے کہ مجھے چھوڑ دیں۔ اور قطع تعلق کریں۔“ (اعجاز احمدی ص ۹ آخری صفحہ)

اعجاز المسیح کے متعلق پانچ سو روپیہ انعام کا اشتہار دیا۔ اور لکھا کہ فَاِنَّهُ كِتَابٌ لِّیْسَ لَهُ جَوَابٌ وَ مَنِ قَامَ بِجَوَابٍ وَ تَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّهُ تَنَمَّرَ وَ تَنَمَّرَ (اعجاز المسیح سرورق)
 کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور جو شخص اس کے جواب کے لئے کھڑا ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ وہ کس طرح نادام اور شرمندہ کیا جائیگا۔

پھر فرمایا:- ”وَ اِنَّ الْجَتْمَعَ اَبَاؤَهُمْ وَ اَبْنَاؤُهُمْ وَ الْفُءَاؤُهُمْ وَ عُلَمَآؤُهُمْ وَ حُكَمَآؤُهُمْ وَ قُلُوبُهُمْ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا التَّفْسِیْرِ فِی“

هَذَا الْمُدَى الْقَيْلُ الْحَقِيرُ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ كَالظُّهِيرِ“ (اعجاز المسیح ص ۵۵) اگر ان کے باپ اور ان
کے باپ اور ان کے بیٹے۔ ان کے ہمسر اور ان کے علماء۔ ان کے حکماء اور ان کے
فقہاء غرضیکہ چھوٹے بڑے، سب مل کر اس مدت میں جس میں نے اسکو
لکھا ہے۔ اس جیسی کتاب لکھنا چاہیں۔ تو کبھی بھی نہ لکھ سکیں گے۔
چنانچہ جب مولوی محمد حسن فیض ساکن بھین ضلع جہلم نے اس کا جواب لکھنا
چاہا۔ تو حضرت کو الہام ہوا۔ مَنَعَهُ مَا فِی السَّمَاءِ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے
آسمان سے اسے جواب لکھنے سے روک دیا ہے۔ چنانچہ وہ ابھی نوٹ ہی تیار کر
رہا تھا۔ کہ ایک ہفتہ کے اندر مر گیا۔ اور پیر گوڑوی نے اس کے لکھے ہوئے نوٹ
کو میعاد مقررہ کے گزر جانے کے بعد سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا۔ اور
اسکا نام سیف چشتیائی رکھا۔ (تفصیل دیکھو نزول المسیح ص ۷۹ و ۸۰)
حضرت مسیح موعود نے اپنی اعجازی کتب کے لئے میعاد اس لئے مقرر کی کہ
(۱) یہ اعتراض نہ ہو سکے۔ کہ قرآن کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اس طرح سے قرآن کے
معجزہ میں کسی قسم کا شبہ پڑ سکے۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے جو اعجازی
کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کے ماتحت اور اس کے ظل کے طور پر ہے۔
”ہمارا تو دعویٰ ہے۔ کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشا پر داری
کی ہمیں طاقت ملی ہے۔ تا معارف و حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر
کریں۔ و نزول المسیح ص ۵۹)
(دب) ”كَلَّمَا قُلْتُ مِنْ كَمَالٍ بَلَاغَتِي فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ
اللَّهِ الْقُرْآنِ“ (لحجۃ النور ص ۱۲۲ حاشیہ)
یہی میں نے اپنے کمال فصاحت و بلاغت کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔ وہ سب قرآن مجید
کے ماتحت ہے۔“

(۷۳) عزدت الامام ص ۲۲۔ ”میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل پر فصاحت و بلاغت

کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔“
(۲) میعاد کا مقرر کرنا معجزہ کی شان کو کم نہیں کرتا۔ جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

”لَوْ قَالَ نَبِيٌّ آيَةُ صِدْقِي أَنِّي فِي هَذَا الْيَوْمِ أُحَرِّكُ أَصْبَعِي وَلَا يَقْدِرُ أَحَدٌ مِّنَ الْبَشَرِ عَلَى مُعَارَضَتِي فَلَمْ يُعَارِضْنِي أَحَدٌ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ ثَبَتَ صِدْقُهُ“ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۹۴) یعنی اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ میری صداقت کا نشان یہ ہے کہ میں آج اپنی انگلی کو حرکت دیتا ہوں مگر انسانوں میں سے کوئی شخص میرے مقابلہ پر ہرگز ایسا نہیں کر سکیگا۔ پس اگر فی الواقعہ اس دن کوئی شخص اس کے مقابلہ میں انگلی نہ ہلا سکے۔ تو اس مدعی کی صداقت ثابت ہو گئی۔

(۳) چونکہ آپ نے جواب کے لئے انعام مقرر کیا تھا۔ اس لئے اس کے لئے کوئی میعاد مقرر ہونی چاہیئے تھی۔ تاکہ انعام کا فیصلہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اعجاز احمدی کی غلطیاں

باقی رہا یہ اعتراض کہ اعجاز احمدی میں غلطیاں ہیں۔ ایسا ہی ہے۔ جیسے عیسائیوں کا اعتراض قرآن مجید کی عربی پر ہے۔

”ان فیہ لحننا نَحْوَانُ هَذَا اِنْ لِّسَا حِرَانِ عَلٰی قِرَاءَةِ اِنَّ الْمَشْدَدَ (نبرا اس ص ۳۹) طعن الملاحدة فی اعجاز القرآن“

کہ محدثین نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ جیسا کہ ”ان هذان لسا حِرَانِ“ والی آیت میں جو قرأۃ ”ان“ مشددة دالی ہے۔ اس میں ان هذان چاہیئے تھا۔

اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے: ”لَتَأْسُقُطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ“ اس ترکیب کے

متعلق روح المعانی میں لکھا ہے: «ذَكَرَ بَعْضُهُمْ أَنَّ هَذَا التَّرَكِيبَ
 لَمْ يُسَمَّ قَبْلَ نَزْوِلِ الْقُرْآنِ وَلَمْ تَعْرِفْهُ الْعَرَبُ وَلَمْ
 يُوجَدْ فِي أَشْعَارِهِمْ وَكَلا مِثْمَ (روح المعانی جلد ۳ ص ۱۲۷)
 کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ ترکیب نزول قرآن سے قبل نہیں سنی گئی۔ اور
 نہ اس کو عرب جانتے تھے۔ اور نہ اہل عرب کے اشعار اور کلام میں یہ ترکیب
 پائی جاتی ہے۔ پس غلطیاں نکالنا تو آسان ہے۔ صرف اس کی مثل بنانا ہی
 مشکل ہے۔ جس طرح اہل عرب کا "لَوْ نَشَاءُ لَقُتْنَا مِثْلَ هَذَا" کہنا کہ
 اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ نیز (عجاز احمدی) کی غلطیاں
 نکال کر جن لوگوں نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی آنکھوں کو روشنی
 پہنچانے کے لئے جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب مولوی فاضل و فاضل
 قاریان نے ایک کتاب "تنویر الابصار" کے نام سے شائع فرمادی ہوئی
 ہے۔ جس میں مزعومہ اغلاط کی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔
 حِمْی و لیل: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادَوْا إِن زَعَمْتُمْ أَنكُمْ أَوْلِيَاءُ
 لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ
 وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 بِالظَّالِمِينَ» (الحجہ ۱۶)

یعنی یہودی لوگوں کو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ اور یہ کہ خدا ہم
 سے پیار کرتا ہے۔ دَنْحَونَ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُ حُرَّ (فرمایا ان سے کہہ دو
 کہ اے یہودیو! اگر تم اپنے آپ کو خدا کا دوست سمجھتے ہو۔ تو اپنے لئے بد دعا
 کرو۔ موت کی تمنا کرو۔ مگر یاد رکھو کہ یہ لوگ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ
 یہ اپنی بد اعمالیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور خدا ظالموں کو اچھی طرح جانتا
 ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ برے اعمال کرنے والے ظالم لوگ جو یہ دعویٰ
 کرتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ وہ موت کی تمنا نہیں کرتے۔

حضرت مسیح موعودؑ خدا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

اے قدیر خالقِ ارض و سما	اے رحیم و مہربان و رہنما
ایکے داری کہ بردہا نظر	ایکے از تو نیست چیزے مستتر
گر تو بے بینی سرا پر فسق و شر	گر تو دید استی کہ ہستم بد گھر
پارہ پارہ کن من بدکار را	شاد کن ایں زمرہ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوار من	دشمنم با کش و تباہ کن کار من

مگر اس کے باوجود آپ کی جماعت نے ترقی کی۔ آپ کو خدا نے لمبی عمر عطا فرمائی۔ تبلیغ و دعویٰ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اولاد بڑھی۔ اور ہر قسم کے روحانی جسمانی فوائد حضور کو حاصل ہوئے۔

غیر احمدی :- ابو جہل نے بھی اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ اِذْ نَتَذَرُكَ اَلَيْمٌ کی بددعا کی تھی۔ (انفال ۴۶)

جواب :- سورۃ الحجۃ کی آیت میں تو مذکور ہے کہ وہ شخص بددعا نہیں کرتا۔ جو اپنی ذات کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو۔ مثلاً یہ کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ میرا دوست ہے یا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یا اس نے مجھے مامور کیا ہو۔ مگر یہ کہنا کہ اے خدا اگر قرآن سچا ہے۔ تو مجھ پر عذاب آئے۔ یہ ایسی ہی بددعا ہے۔ جس طرح ایک بچہ اپنی نادانی سے آگ کے کوئلے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ سزا ہمیشہ اتمام محبت کے بعد ہی مقرر فرماتا ہے۔ (۲) یہ بددعا ابو جہل نے کی تھی۔ جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے اور ابو جہل مذکور جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس جنگ کے متعلق ”مَارَمِيتَ اِذْ رَمِيتَ وَ لَکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی کَا رِثَآءِ فَرَمٰی“ ہے۔ گویا کفار ان آسمانی پتھروں کے ساتھ ہلاک کئے گئے۔ جو آنحضرتؐ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ ابو جہل بھی انہی کافروں میں سے تھا۔ غرضیکہ

اس نے ڈبل بد دعا کی تھی۔ (۱) اَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ
 (۲) اَوَانْتَنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ پہلی کے مطابق وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ
 کے نکلے ہوئے آسمانی پتھروں کا نشانہ بنا اور ہلاک ہوا۔ اور دوسری
 بد دعا کے مطابق وہ مقتول ہوا۔ اور قرآن مجید نے مسلمانوں کے
 ہاتھوں سے مارے جانے کو عذاب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ قَاتِلُوهُمْ
 يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ بِاَيِّدِيْكُمْ۔ کہ کافروں کو قتل کرو۔ خدا چاہتا ہے کہ
 ان تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے۔ پس ابو جہل کی بد دعا کے ماتحت
 خدا نے اس کو ڈبل ہی سزا دی۔ گویا آسمانی پتھر بھی اس پر پڑے۔ اور عذاب
 الیم بھی آیا۔

سائوس ولیل: ”فَانْجَيْنَاهُ وَاَصْحَابَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنَاهَا
 اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ“ (عنکبوت ۶۷) کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ
 کشتی میں بیٹھنے والوں کو بچا لیا۔ اور اس نچنے کو تمام جہان کے لئے بطور
 صداقت نوح علیہ السلام نشان مقرر کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق
 ہند میں سخت طاعون پڑی۔ اور پنجاب میں بھی بشت آئی۔ مگر حضور
 نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے۔ کہ ”اِنِّیْ اُحَافِظُکُمْ کُلَّ مَوْقِفٍ
 فِی الدَّارِ وَاُحَافِظُکُمْ خَاصَّةً۔“ کہ میں ان تمام لوگوں کو جو تیرے
 گھر کی چار دیواری کے اندر ہوں گے۔ طاعون سے محفوظ رکھوں گا۔ خاص کر
 تیری ذات کو۔ چنانچہ آج تک حضور کے گھر کے اندر کبھی کوئی چوہا بھی نہیں
 مرا۔ لہذا آپ کی صداقت ثابت ہے۔

قادیان میں طاعون پڑنے کے متعلق تفصیل دوسری جگہ پیشگوئیوں
 پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب میں درج ہے۔ اس جگہ صرف
 اٹھ بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت نے کہیں بھی نہیں لکھا۔ کہ قادیان میں

کبھی طاعون نہ آئے گی۔ بلکہ دافع البلاء میں توصاف لکھا ہے۔ کہ قادیان میں طاعون تو آئے گی۔ مگر طاعونِ جارف یعنی بربادی بخش نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آٹھویں دلیل :- خدا تعالیٰ جہاں اپنے سچے انبیاء اور ان کی جماعتوں کو علیٰ رِغْمِ اَنْفِ الْاَعْدَاءِ رقیات اور بے بہ پے فتوحات عطا فرماتا ہے۔ وہاں جھوٹے مدعیانِ نبوت کو ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہوتی۔ اور خسران و شکست کا طوق ان کے گلے کا مار ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن نے اس زبردست معیار صداقت کا ذکر متعدد مقامات پر فرمایا ہے (۱) فرمایا :- ”الْاٰیٰتِ حِزْبِ اللّٰهِ هُمْ الْغَالِبُوْنَ“ (پ ۶ رکوع ۱۲ سورۃ مائدہ رکوع ۸۶) یاد رکھو کہ خدا ہی کی جماعت ہمیشہ غالب اور کامیاب ہوتی ہے۔

(۲) اور اس کے بالمقابل کذابوں کی جماعت کا ذکر اس طرح فرماتا ہے :- ”الْاٰیٰتِ حِزْبِ الشَّیْطٰنِ هُمْ الْخٰسِرُوْنَ“ (پ ۲۸ رکوع ۳ سورۃ مجادلہ رکوع ۳۶) یاد رکھو کہ شیطانی گروہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتا اور گھاٹے اور خسارے میں رہتا ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ کس طرح معلوم ہو۔ کہ ”غالب“ گروہ کونسا ہے؟ کیونکہ ہر ایک جماعت یہی دعویٰ کرتی ہے۔ کہ وہ غالب ہے۔

(۳) اس اہم سوال کو خدا تعالیٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ حل فرمایا ہے۔ فرمایا :- ”اَفَلَا یَرُوْنَ اَنَّا نَلْقٰی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَلَا یَعْلَمُوْنَ“ (پ ۱ رکوع ۱۴ سورۃ انبیاء رکوع ۱۴) کہ یہ لوگ جو مدعی نبوت کے منکر ہیں۔ ایک زمین کے ٹکڑے کی طرح ہیں۔ اور کیا وہ نہیں دیکھتے۔ کہ ہم اس زمین کو آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اب بھی وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ ”غالب“ ہیں؟ یعنی سچے نبی کی علامت یہ ہوتی ہے۔

کہ اسکی جماعت تدریجاً بڑھتی اور اس کے بالمقابل اس کے مخالفین کی جماعت
تدریجاً کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ مدعی نبوت کی تدریجی ترقی اور اس کے بالمقابل
اس کے مخالفین کا تدریجی تنزل اس مدعی کے صادق اور منجانب ہونے پر
یقینی اور قطعی دلیل ہے۔

(۴۱) پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَيُؤْتِيَنَّهُمْ بَيِّنَاتٍ ۖ وَالْآخِرَةُ أَكْبَرُ ۖ
مُؤْمِنِينَ (۶۶) کہ ہم اپنے انبیاء اور ان کی جماعتوں کی اسی دنیا میں مدد کرتے ہیں۔
اور پھر قیامت کے دن بھی ہم ہی ان کے مددگار ہوں گے۔ گویا خدا تعالیٰ کا یہ
ازلی اور ابدی قانون ہے۔ کہ وہ اپنے رسولوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد
اور نصرت فرماتا ہے۔ اور ان کے مخالفین کی معاونت نہ اور مناصمانہ سرگرمیوں کو
رجو انبیاء کی تباہی اور بربادی کیسے کی جاتی ہیں، کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔
(۵) چنانچہ ایک اور جگہ کھلے کھلے الفاظ میں اپنے اس اہل قانون کا ذکر فرماتا ہے۔
"كُتِبَ اللَّهُ لَا غَلِبَ إِلَّا نَاوُوسِي" (پارہ ۲۸ ۲۶ مجادلہ ۳۶) کہ خدا
نے روزِ ازل سے یہ لکھ چھوڑا اور مقدر کر دیا ہے۔ کہ وہ اور اس کے رسول
ہی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ گویا ممکن نہیں۔ کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو۔ اور پھر اسکی
جماعت دن بدن بڑھتی چلی جائے۔ یہ خدا تعالیٰ کا غیر متغیر اور غیر متزلزل
قانون ہے۔ جو جھوٹے اور سچے مدعیان نبوت کے درمیان ایک واضح اور روشن
فیصلہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس قرآنی اصول کی صداقت پر معتبر گواہ ہیں
آج دنیا میں موسیٰ، ابراہیم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تو موجود
ہیں۔ مگر فرعون، نمرود، میلہ کذاب وغیرہم کے ساتھ منسوب ہونے کے لئے
بھی کوئی تیار نہیں۔

(۶) خدا تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
الْكُذِبَ لَا يَفْلِحُونَ" (پ ۱۴ رکوع ۲۱ سورہ نمل رکوع ۵۶) کہ وہ

لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جھوٹے مدعیان وحی و الہام کی ناکامی کا باعث یہ ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے دعویٰ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور نصرت نہیں ہوتی۔ جو خدا کے سچے نبیوں اور رسولوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے:-
(۷) "لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ" (آل عمران رکوع ۶) "اَلَا كُفِنْتُ اللّٰهُ
عَلَى الظَّالِمِينَ" (پ ۱۲ رکوع ۲ سورہ ہود رکوع ۱۲) کہ کذابوں اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنانے والے ظالموں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

(۸) خدا کی لعنت کا خوفناک نتیجہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-
"وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا" (پ ۵ رکوع ۵ سورہ نساء)
کہ جس پر خدا لعنت کرے۔ اس کا کوئی مددگار اور مدد معاون نہیں رہتا۔ پس صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ وہ لوگ جو جھوٹے طور پر نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور آخر کار وہ بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں۔ ان کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا۔ اور جلد سے جلد خدا تعالیٰ ان کو جڑ سے مستاصل کر دیتا ہے۔

(۹) پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ "قَدْ خَابَ مَنْ افترى" (پ ۱۶ رکوع ۱۲ طہ)
کہ وہ شخص جو الہام کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ ناکام و نامراد رہتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح سورہ اعراف رکوع ۱۹ میں بھی خدا تعالیٰ پر افترا کرنے والوں کے متعلق اپنا قانون بیان فرمایا ہے۔ کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور وہ اسی دنیا میں ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر رہتے ہیں۔ (کذلک نجزي المفترين) تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔

نوٹ:- یاد رکھنا چاہیے۔ کہ مندرجہ بالا دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس معیار کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ صادق مدعی نبوت تدریجاً آہستہ آہستہ

ترقی پاتا چلا جاتا ہے۔ اسکی ترقی یکدم اور فوری نہیں ہوتی۔ تاکوئی یہ نہ کہہ سکے۔ کہ وہ اتفاقی طور پر کامیاب ہو گیا۔ اور یہ کہ ہمیں اس کے استیصال اور مقابلہ کے لئے پورا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ ہم اگر ذرا زیادہ زور لگاتے۔ تو اسکو مٹا سکتے تھے۔ اور اس طرح سے یہ امر دنیا پر مشتبہ ہو جاتا۔ کہ اس مدعی کی ترقی اتفاقی تھی۔ یا خدا تعالیٰ کی خاص ناسیہ اور نصرت اسکی شامل حل تھی۔ خدا تعالیٰ ان کے مخالفین کو کھلا کھلا موقع دیتا ہے۔ تاکہ وہ انفرادی طور پر بھی اسکو مٹانے کے منصوبے کر لیں۔ اور پھر اپنی تمام طاقتیں مجتمع کر کے بھی زور لگالیں۔ ایک بار کوشش کر لیں۔ پھر کر لیں۔ پھر کر لیں۔ تاکہ کسی کو اسیں شبہ نہ رہ جائے۔ کہ مخالفین کی ناکامی اور مدعی کی کامیابی میں خدا کا زبردست ہاتھ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو سال کے عرصہ میں دو لاکھ کے قریب پیر ہو گئے۔ مگر اسی عرصہ میں وہ بے انتہائی بے بسی کے ساتھ قتل ہوا۔ جس سرعت اور تیزی کے ساتھ وہ اٹھا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ گرا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے کھڑے ہوئے۔ اور خدا نے آپ کو بتایا۔ کہ ”يَا تَوَّابُ مَنْ كَلَّ فِجْءَ عَمِيْقٍ“ کہ تیرے پاس اس کثرت سے لوگ آئیں گے۔ کہ سڑک میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ ”میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسیلمہ کذاب کی جماعت ایک دو سال کے عرصہ میں یکدم بہت بڑھ گئی۔ مگر وہ اور اسکی جماعت فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ سچ کی نشانی یہی ہے۔ کہ اسکی ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہوئی۔

نویں دلیل :- (۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ۴۱)

(۲) اِنَّ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ بنی اسوقت آتا ہے جب دنیا میں کفر و ضلالت کی گھٹنوں گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ اختلافات پھیل جاتے ہیں۔

(سورۃ جمعہ ۱۴)

”سچی بات تو یہ ہے۔ کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اٹھ چکا ہے۔ فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر اللہ دل سے اسے معمولی اور بہت معمولی اور سیکار کتاب جانتے ہیں۔“ (ماہنامہ مٹ ۱۴ جون ۱۹۱۲ء)

”اب اسلام کا صرف نام قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں۔ لیکن بالکل ویران ہیں۔ علماء اس امت کے بدتران کے ہیں۔“ (اقترب الساعة ص ۱۲)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ”نہ صرف یہ کہ میں زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے۔“

رسپیغام صلح آخری سطر

جہاں میں چار سو گراہیاں ہیں زمانہ خود ہی ہے طالب نبی کا
 دسویں دلیل: ”فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ فَإِنَّهُ لَا يَفْلَحُ الْمُجْرِمُونَ“ کہ اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا خدا کی آیات کا انکار کرے۔ اور خدا ان مجرموں کو کامیاب نہیں کرتا۔ عجب کبھی نفرت نہیں ملتی درمولا سے گندوں کو

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

گیارھویں دلیل: ”عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ“ کہ خدا عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا۔ (یعنی غالب نہیں کرتا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لاکھوں پیشگوئیاں کیں۔ جو پوری ہوئیں۔ اور ان کا انکار مخالف بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً سعد اللہ لدھیانوی کے اہل

ہونے کی پیشگوئی۔ تفصیل کے طور پر اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چند پیشگوئیاں بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ تفصیلاً حقیقۃ الوحی دیکھو۔
 (۱) کرم دین جہلمی والے مقدمہ سے بریت اور اس کا مفصل حال پہلے سے شائع کیا۔ (مواہب الرحمن ص ۱۲۹)

”وَمِنْ آيَاتِي مَا أَنبَأَنِي الْعَلِيمُ الْعَلِيمُ فِي أَمْرِ رَجُلٍ لِّيُمْ وَ
 بَهْتَانِهِ الْعَلِيمُ وَأَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ أَنْ يَخْطِفَ عِرْضَكَ ثُمَّ يَجْعَلَ
 نَفْسَهُ عِرْضَكَ وَأَرَانِي فِيهِ رُؤْيَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَرَانِي
 أَنَّ الْعَدَّوَّاعِدَّ لِي ذَلِكُ ثَلَاثَةَ حِمَاتٍ لِتُوهِيَنِي وَإِعْتَابُ
 وَرَأَيْتُ أَنَّ آخِرَ أَمْرِي نَجَاتٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَكُنْتُ
 بَعْدَ حَيَاتِي“

اور یہ مقدمہ چند دلال اور آتما رام کی کچھری میں چلتا رہا۔ جسیں آخر کار حضرت بری ہوئے۔

(۲) ڈوئی کی موت کی پیشگوئی۔ کہ اگر مباہلہ کرے۔ یا اگر نہ بھی کرے۔ تب بھی اسکو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دیگا۔ سودہ ایک لاکھ کی ملکیت سے بے دخل ہوا اور پھر اسکی بیوی بچے اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اور آخر فالج کے ذریعہ بہت خراب حالت میں فوت ہوا۔

(۳) طاعون سے گھر محفوظ رہیگا (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۹)

(۴) عبد الرحیم ابن نواب محمد علی خاں کے متعلق (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۹)

(۵) دافع البلاء و معیار اہل الاصفاء میں چراغ دین جہونی کے طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ سودہ ۴ اپریل ۱۹۰۶ء کو معہ اپنے دونوں بیٹوں کے ہلاک بمرض طاعون ہوا۔ کیا یہ کم نشان ہے۔

(۶) پیشگوئی۔ زلزلہ کا دھکا۔ عَفَّتِ السَّيَّارُ مَحَلَّهَا وَمَقَامُهَا۔ یہ چار اپریل ۱۹۰۵ء کو کانگریہ والے زلزلہ کے نام سے واقع ہوا۔

”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“

(۷)

دالہام ۳۱ مئی ۱۹۰۵ء شائع شدہ اخبار بدر جلد ۱ ص ۱۹۰۵ء ص ۱۹۰۵ء و مکاشفہ ص ۱۹۱۳ء مطبوعہ ۱۹۱۳ء و البشری جلد ۲ ص ۹۷) اس الہام میں بتایا گیا تھا کہ کسی ملک میں ایسے ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہوں گے کہ ہر طرف سے نادر خاں کو ”المدد“ ”المدد“ کی پکار سے بلایا جائیگا۔ اور جب لوگ اسکو ”نادر خاں“ کہہ رہے تھے۔ خدا اسکو ”نادر شاہ“ کے نام سے پکارتا تھا۔ اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ ”نادر خاں“ تخت پر متمکن ہو کر ”نادر شاہ“ کے لقب سے حکومت کرے گا۔

۲۱ پھر اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ آخر کار وہ ”نادر شاہ“ کسی ہتھک اور فوری حادثہ کے باعث طرفۃ العین میں صفحہ ہستی سے ناپید ہو جائیگا اور اس کا یہ قتل ایسے وقت میں ہوگا۔ جبکہ ملک کو اسکی خدمات کی اشد ضرورت ہوگی۔ اور چاروں طرف سے آوازیں آئیں گی۔ ”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“ چنانچہ اس پیشگوئی کا پورا حصہ ۱۹۲۹ء میں پورا ہوا۔ جبکہ افغان میں امان اللہ کی حکومت کا تختہ الٹنے اور بچہ سقہ کے ماتھے سے حکومت لے لینے کے لئے ”نادر خاں“ کو فرانس سے بلایا گیا۔ اور وہ ”نادر خاں“ کابل میں آکر ”نادر شاہ“ کے لقب سے سریرِ آراء کے سلطنت ہوا۔ اسی وقت جماعت احمدیہ کی طرف سے جہاں اس الہام کے ایک پہلو کے پورا ہونے پر اظہارِ مسرت کیا گیا۔ وہاں ساتھ ہی اس الہام کے دوسرے پہلو کی طرف بھی صاف طور پر اشارہ کر دیا گیا۔

”دوسرے مفہوم میں ایک ایسا خیال جھلک رہا ہے کہ موسوم دناور شاہ کو کوئی خطرناک مصیبت پیش آئیگی۔ اور اس کے نقصان پر بہت رنج و غم محسوس کیا جائیگا“ ”ادھر لکھا جا چکا ہے کہ ”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“ کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ الفاظ کسی اور

موقعہ پر کسی اور طرح بھی پورے ہوں۔ لیکن ہم نادر شاہ کی بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (الفصل ۳ جنوری ۱۹۳۳ء ص ۱۷۱ کاظم عا و عطا) چنانچہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہ شاہ افغانستان ایک شخص ”عبد الخالق“ نامی کے ہاتھوں سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی قتل کر دیا گیا۔ اور افغانستان نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی نے زبانِ حال سے پکارا۔

”آہ! نادر شاہ کہاں گیا“

(۸) مندرجہ بالا الہام کے بعد اگلا الہام یہ تھا:-

”پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی“.....

صَدِّقْنَا السَّوْیَا اِنَّكَ ذٰلِكَ نَجْزِیْهِ الْمَتَّصِدِ قِیْنَ۔ یعنی زلزلہ کی نسبت تیرے رویا کو سچا کر دکھایا۔ اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ (بدر جلد ۱ ص ۷۷ و ص ۷۸ والبشری جلد ۲ ص ۹۷)

وہ روایا جس کی طرف مندرجہ بالا الہامات میں اشارہ ہے۔ یہ ہے:-

”روایا میں دیکھا۔ کہ بشیر احمد (ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کھڑا ہے۔ وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔ (بدر جلد ۶ ص ۱۸۷ ص ۱۹۰ و مسکاشفات ص ۵۹)

مندرجہ بالا الہامات کی تشریح حضرت مسیح موعود نے اس طرح فرمائی:-

”اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا۔ مجھے خبر دی اور فرمایا۔ ”پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی“ لیکن راستباز اس سے امن میں ہیں۔ (الوصیت ص ۷)

”خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے۔ اس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جولہ اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا۔ جس کی ایک مدت پہلے خبر دی

گئی تھی۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی۔ کہ ایک بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ نہ معلوم کہ وہ ابتداء بہار کی ہوگی جبکہ درختوں میں پتہ نکلنا ہے۔ یا درمیان اس کا۔ یا اخیر کے دن۔ جیسا کہ الفاظ وحی الہی یہ ہیں :- ”پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی“، چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا تھا۔ اس لئے خدا نے خبر دی۔ کہ دوسرا زلزلہ بھی بہار ہی میں آئے گا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے ایام شروع ہوں گے۔ اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے“
(الوصیت دسمبر ۱۹۰۵ء ص ۱۳)

”ایک سخت زلزلہ آئے گا۔ ارز زمین کو یعنی زمین کے بعض حصوں کو زیر و زبر کر دیگا۔ جیسا کہ لوط کے زمانہ میں ہوا۔“ (الوصیت ص ۱۴)
مندرجہ بالا الہامات اور رؤیا اور عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کانگریس والے زلزلے سے زیادہ شدید زلزلہ آئیگا۔ (۲) وہ زلزلہ ہندوستان کے ”شمال مشرق“ میں آئیگا۔ (۳) وہ زلزلہ بہار کے دنوں میں جو جنوری سے شروع ہوتے ہیں آئیگا۔ (۴) جنوری کے مہینہ سے خوف کے ایام شروع ہوں گے (۵) وہ زلزلہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں آئے گا۔ (۶) صاحبزادہ صاحب موصوف سب سے پہلے شخص ہوں گے۔ جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی طرف متوجہ ہو کر دوسرے کو توجہ دلائیں گے۔ (۷) وہ زلزلہ نادر شاہ کے قتل کے بعد جو پہلی بہار آئیگی اسی آئیگا۔

چنانچہ جیسا کہ یہاں ہوا ”نادر شاہ“ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو قتل ہوا۔ اور اس کے بعد جو پہلی بہار آئی اور جو جنوری ۱۹۳۴ء میں شروع ہوتی تھی۔ اسی ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو شمال مشرقی ہندوستان میں قیامت خیز زلزلہ

آیا۔ جو زلزلہ بہار کے نام سے مشہور ہے۔ وہ حضرت مرزا البشیر احمد صاحب کی زندگی میں آیا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی۔ اور ایک ٹریکیٹ ”ایک اور نشان“ کے عنوان سے شائع کیا۔ اس پیشگوئی میں ایک لطیف امر قابل غور یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اس کے متعلق الہام ہوا۔ کہ ”رَبِّ لَا تَرِنِي زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ“ ”رَبِّ لَا تَرِنِي مَوْتَ أَحَدٍ مِنْهُمْ“ کہ اے میرے رب!

مجھ کو وہ قیامت خیز زلزلہ نہ دکھانا۔ اے میرے رب! مجھے میری جماعت میں سے ایک آدمی کی موت نہ دکھانا۔ چنانچہ یہ زلزلہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں نہیں آیا۔ اور پھر اس زلزلہ میں صرف ایک احمدی فوت ہوا۔ (۹) پنڈت دیانند کے متعلق فرمایا۔ کہ ان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس الہام کا گواہ لالہ شرم پت ساکن قادیان ہے۔ جس کو حضرت اقدس نے قبل از وقوع یہ بات بتائی تھی۔ سو وہ اسی سال مر گیا۔

(۱۰) براہین احمدیہ میں حضرت صاحبزادہ مولوی عبداللطیف صاحب شہید کی شہادت کی پیشگوئی بیان کی تھی۔ سو ایسا ہی ظہور میں آیا۔

(۱۱) لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بہت ہی واضح طور پر بیان فرمائی۔ سہالا اے دشمن نادان و بیراہ بترس از تیغ برآں محمد

اور پھر عَجَلُ جَسَدُ لِيْ خَوَارِكُ نَصَبٌ وَعَذَابٌ۔ اور پھر دن کی بھی تعمین فرمائی۔ کہ بَشَرِيْ رَجِيْ وَقَالَ مُبَشِّرًا سَتَعْرِفُنَّ يَوْمَ الْعَيْدِ وَالْعَيْدِ أَقْرَبُ۔ لیکھرام کے چھ سال کے اندر مرنے کی پیشگوئی کرامات الصادقین جو صفر ۱۳۱۵ھ میں مطبوع ہوئی۔ اور پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء کے اشتہار جو آئینہ کمالات اسلام میں ہے۔ اس کے لکھاروں کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ پھر وہ ۶ مارچ ۱۸۹۶ء کو قتل ہوا۔

(۱۲) يَا بَيْتِيْ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَمِيْقٍ وَيَا تَوْنٍ مِنْ كُلِّ فَجَةٍ عَمِيْقٍ

(۱۳) سر الخلافہ کے ۶۲ صفحہ پر مخالفوں پر طاعون پڑنے کے لئے دعا کی اس پر الہام ہوا۔ "اے باخانا دشمن کہ تو ویراں کر دے گی" سو پھر طاعون ملک میں آئی۔ اور ہزاروں دشمن ہلاک ہوئے۔ نمونہ دیکھئے۔

رسل بابا امرتسری۔ محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔ چراغ دین جمونی۔ نور احمد تحصیل حافظ آباد۔ زین العابدین۔ مقرب مولوی فاضل انجمن حمایت اسلام۔ حافظ سلطان سیالکوٹی۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی (حقیقۃ الوحی) ۲۲

(۱۴) مباہلہ کے طور پر لعنت اللہ علی الکاذبین کہنے پر مندرجہ ذیل منکرین مسیح علیہ السلام ہلاک ہوئے:-

رشید احمد گنگوہی۔ پہلے اندھا ہوا۔ پھر سانپ کے ڈسنے سے مر گیا۔
مولوی شاہ دین لدھیانوی دیوانہ ہو کر ہلاک ہوا۔ مولوی عبدالعزیز مولوی عبداللہ مولوی محمد لدھیانوی بھی فوت ہو گئے۔ عبدالرحمن محی الدین لکھو کے والے بعد الہام ہذا ہلاک ہو گئے۔ کاذب پر خدا کا عذاب نازل ہو گیا۔

(۱۵) مولوی غلام دستگیر قصوری مباہلہ کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اور نمونہ برائے اخوان خود مولویاں منکرین مسیح ہوا۔

(۱۶) مواہب الرحمن میں محمد حسین دالاکے متعلق پیشگوئی تھی سو وہ بمطابق وعید ہلاک ہوا۔

(۱۷) یَعِصِمُكَ اللَّهُ وَكَوَلَّمَ يَعْصِمُكَ النَّاسُ (براہین احمدیہ) حالانکہ بعد میں مارٹن کلارک وغیرہ نے مقدمہ بنایا۔

(۱۸) اندھادی المقربیۃ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس کاؤں کو اپنی پناہ میں لے گا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۲)

(۱۹) دلیپ سنگھ والی پیشگوئی۔ (صفحہ ۲۳۶ حقیقۃ الوحی)

(۲۰) عبدالحق غزنوی نے حضرت مسیح کو کافر کا فتویٰ دیا۔ ص ۲۹۔ اس پر

جو حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے اصرار مباہلہ پر دعا کی۔ اگر میں کاذب ہوں۔ تو کاذبوں کی طرح تباہ کیا جاؤں۔ اور اگر میں صادق ہوں۔ تو خدا میری مدد اور نصرت کرے۔ (صفحہ ۲۴۰ حقیقۃ الوحی) سو یہ پوری ہوئی۔

(۲۱) رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ کی دعا کے مطابق اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فدائی تقریباً پانچ لاکھ ہیں۔ اور یہ آپ کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے۔

(۲۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو بخار ہووا۔ اور ان کو ظن غالب ہو گیا۔ کہ یہ طاعون ہے۔ اور وہ مسیح موعودؑ کے گھر میں رہتے تھے۔ اس نے آپؑ نے فرمایا۔ کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی۔ تو پھر میں جھوٹا ہوں۔ اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ پھر آپؑ نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو معلوم کیا۔ کہ وہ بخار ہے۔

(۲۳) شاتان تذبھان وکل من عیہا فان۔ صاحبزادہ سید عبد اللطیف مرحوم اور شیخ عبد الرحمن مرحوم مراد ہیں۔ (۲۴) حضرت صاحب نے اپنے مضمون متعلقہ جلد دھرم مہوتسو کے واسطے فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے۔ کہ ”مضمون بالارہا“ سول اینڈ سٹریگز اور بھی بہت سے اردو اخبارات نے اس کا اظہار بیان کیا۔

(۲۵) فروری ۱۹۰۶ء کو بنگالہ کی تقسیم کے متعلق پیشگوئی فرمائی۔ ”پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہوگی۔ پھر سالہ میں ملک معظم جارج پنجم اس کے پورا ہونے کا باعث بنے۔ بارہویں دلیل :- ”وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَنَآ يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُمْ الْقٰزِيْنَ الْحٰكِمِيْنَ“ (الجمعة رکوع ۱) کہ ”آخرین“ میں بھی جوا بھی

سب صحابہؓ سے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول کی بعثت
مقرر ہے۔

سورۃ جمعہ کی اس آیت کو اس سے پہلی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے
توصاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو
بعثتیں مقرر کی گئی ہیں۔ پہلی بعثت آپؐ کی ”امیین“ میں ہوئی۔
اور دوسری بعثت ”آخرین“ کی جماعت میں ہوگی۔ وہ ”آخرین“
کون ہونگے۔ اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری
بعثت کس طرح پر ہوگی؟ اس کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے دیا ہے۔ چنانچہ
بخاری شریف میں ہے:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَتْ عَلَيْهِ
سُورَةُ الْجُمُعَةِ قِيلَ مِنْهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَلَمْ يَرِاجِعْهُ
حَتَّى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلَمَاتُ الْفَارِسِيِّ وَفِينَا
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ عَلَى سَلَمَاتٍ
ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثَّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ
أَوْ رَجُلٌ مِّنْ هَؤُلَاءِ“ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ جلد ۳
صفحہ ۱۲۵ مصری و تجرید بخاری مکمل مع عربی و ترجمہ شائع کردہ
فیروز الدین اینڈ سنز لاہور جلد ۲ صفحہ ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ہم آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آنحضرتؐ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جس میں یہ
آیت بھی تھی۔ ”وَالْآخِرِينَ مِنْهُمْ لَنَأْتِيَنَّهُمْ حَقُّوَابِهِمْ“ حضورؐ سے
دریافت کیا گیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں۔ جن کا اس آیت میں

ذکر ہے ؛ یعنی ”مِنْهُمْ“ سے کون لوگ مراد ہیں ؟ آنحضرت صلعم نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ حضور سے تین دفعہ پوچھا گیا۔ اس مجلس میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر رکھ کر فرمایا۔ کہ اگر ایمان شریا کے پاس بھی ہوگا۔ تو ان (اہل فارس) میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص اس کو پالینگا۔ اس حدیث نے قرآن مجید کی اس آیت کی بالکل صاف اور واضح تفسیر کر دی ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ (۱) اسمیں کسی شخص کی بعثت کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ جس کی آمد کو یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی آمد تصور کی جائیگی۔ (۲) اس کے ماننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ میں رنگین ہو کر صحابی کہلانے کے مستحق ہوں گے (۳) وہ شخص فارسی الاصل ہوگا (۴) وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا۔ جبکہ اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اور قرآن کے الفاظ ہی الفاظ دنیا میں باقی رہ جائیگے (۵) اس کا کام کوئی نئی شریعت لانا نہیں ہوگا۔ بلکہ قرآن مجید ہی کو دوبارہ دنیا میں لا کر شائع کرینگا۔ اور اسی کی طرف لوگوں کو بلائے گا۔

یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس حدیث میں یہ ہرگز نہیں بتایا گیا۔ کہ وہ شخص حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہوگا۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے۔ کہ ”هُوَ كَلْبٌ“ ان میں سے ہوگا۔ یعنی قوم فارس میں سے۔ یعنی فارسی الاصل ہوگا۔ اگر یہ کہنا ہوتا۔ کہ وہ سلمان فارسی کی نسل میں سے ہوگا۔ تو بجائے ”مِنْهُمْ كَلْبٌ“ کہنے کے ”مِنْ هَذَا“ فرماتے۔ کہ ”اس میں سے“ ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں جو فردوس الاخبار دیلمی میں ہے۔ اس موقع پر یہ الفاظ ہیں :- ”فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هُوَ كَلْبٌ الَّذِينَ ذَكَرَهُمُ اللَّهُ فَضَرَبَ عَلَى فخذِ سَلْمَانَ فَقَالَ قَوْمٌ هَذَا“ (دیلمی ص ۱۶۲ نسخہ موجودہ)

کتب خانہ آصفیہ نظام دکن، کہ صحابہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے ”وَ اَخِیْرُوْنِ مِنْهُمْ“ میں ذکر فرمایا ہے؟ تو آنحضرت صلیع نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ ”اسکی قوم“ پس مسیح موعودؑ کا فارسی الاصل ہونا ضروری ہے نہ کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہونا۔

دوسری ضروری بات جو قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں آنحضرت صلیع نے مسیح موعودؑ کی بعثت کا زمانہ بھی بتا دیا ہے۔ ”وَلَوْ كَانَتِ الْاٰیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالْثَرٰیؓا“ گویا جب اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ گویا عملی طور پر مسلمان زوال پذیر ہو رہے ہونگے۔ پس اس حدیث سے مراد ”حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ“ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ دوسری صدی کے قریب پیدا ہوئے۔ اور وہ زمانہ عروج اسلام کا تھا۔ پس یہ اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ جس کے متعلق نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں:-

”اب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔“ (اقرب الساعة ص ۱۲) نیز ”سچی بات تو یہ ہے۔ کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اٹھ چکا ہے۔“ (الحمدیث امرتسر ۱۲ جون ۱۹۱۲ء)

غرضیکہ یہی وہ زمانہ ہے۔ جو خود پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ کہ کسی مصلح ربانی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس فارسی الاصل فتح نصیب جرنیل کو عین ضرورت کے وقت قادیان کی مقدس بستی سے کھڑا کیا۔ جس نے قرآن مجید کو دوبارہ دنیا میں لانے کی ڈیوٹی کو کما حقہ سرانجام دیا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

آسمان بار و نشان الوقت میگوید زمین
ایں دو شاہد از پے من نعرہ زن چوں بیقرار

دب) افسوس یہ نہیں سوچتے کہ یہ دعوائے بے وقت نہیں۔ اسلام اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فریاد کر رہا تھا۔ کہ میں مظلوم ہوں۔ اور اب وقت ہے۔ کہ آسمان سے میری مدد ہو۔ (ضمیمہ اربعین ص ۳۷)

نوٹ :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ چونکہ مغل ہیں۔ اس لئے فارسی الاصل نہیں ہو سکے تو اس کے جواب میں ہندوستان میں شاہان اسلام کی تاریخ کے متعلق مستند ترین کتاب میڈیول انڈیا مینڈ مسٹر سٹین لین پو

M. Medieval India Under

Mohammadan Rule.

(جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے) میں لکھا ہے۔ کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں یہ عام طور پر قاعدہ تھا۔ کہ جو شخص درہ خیبر کے رستہ ہند میں داخل ہوتا۔ خواہ وہ افغان ہو۔ یا فارسی یا کسی اور قوم کے سا تعلق رکھتا ہو۔ پھر بھی ”مغل“ ہی کہلاتا تھا۔ اس لئے کسی کا محض ”مرزا“ یا ”مغل“ کہلانا اسے فارسی الاصل ہونے سے محروم نہیں کرتا۔

“The term Mughal came to mean any fair man from Central Asia or Afghanistan as distinguished from the darker native Indians.

The various foreign invaders or governing Muslim class, Turks, Afghans Pathans and Mughals eventually became

So mixed That all were
indifferently termed Mughals"

کتاب مذکور مطبوعہ ٹی۔ فشر آن ون لمیٹڈ لنڈن پندرھواں ایڈیشن
۱۹۲۴ء ص ۱۹۷ حاشیہ۔

یعنی لفظ مغل ہندوستان کے کالے باشندوں کو ایشیا کے دوسرے
گورے باشندوں سے ممیز کرنے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مختلف حملہ آور یا
حکمران مسلمان۔ ترک۔ افغان۔ پٹھان اور مغل کچھ اس طرح مل جل گئے
کہ سب کو بلا امتیاز "مغل" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ہر گورے
شریف آدمی کو "مغل" کہا جاتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

۱، اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس
غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا۔۔۔ معلوم ہوتا
ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا
تھا۔ جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہر حال جو کچھ
خدا نے ظاہر فرمایا ہے۔ وہی درست ہے۔ انسان ایک ادنیٰ سی لغزش
سے غلطی میں پڑ سکتا ہے۔ مگر وہ سہوا اور غلطی سے پاک ہے۔ حقیقۃ الوحی
ص ۱۷ حاشیہ)

۲، "یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے۔۔۔
اب خدا کے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارا خاندان دراصل فارسی خاندان
ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ خاندانوں
کا تحقیق جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کسی دوسرے کو ہرگز معلوم
نہیں۔ اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے۔ اور دوسروں کا شک کی اور ظنی
(اربعین ص ۲۷ صفحہ ۱۷ حاشیہ)

تیرھویں دلیل :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الْآيَاتُ بَعْدَ الْمَائَتَيْنِ“ (مشکوٰۃ مجتبیٰ ص ۱۷۷) کہ مسیح و مہدی کے ظہور کی نشانیاں تیرھویں صدی کے گزرنے پر ظاہر ہوں گی۔ چنانچہ ہم نے جو معنی کے ہیں۔ حضرت ملا علی قاری نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ ”وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ اللَّامُ فِي الْمَائَتَيْنِ بَعْدَ الْآلِفِ وَهُوَ وَقْتُ ظَهْرِ الْمَهْدِيِّ (مشکوٰۃ مجتبیٰ ص ۱۷۷) حاشیہ کہ ممکن ہے کہ ”الْمَائَتَيْنِ“ کا الف لام اس عہد کے لئے ہو۔ جو ایک ہزار کے دو سو سال بعد کا ہو (یعنی ۱۲۰۰) اور وہی وقت ظہور مہدی کا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی اپنی کتاب حج الکرامہ کے ص ۳۹۴ و ص ۳۹۵ پر بہت سی روایات نقل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مہدی کو تیرھویں صدی میں ظاہر ہونا چاہیے۔ اور جو دھویں صدی کے سر پر آپ نے دعویٰ کیا۔ گویا احادیث اور روایات کے عین مطابق آپ دنیا میں تشریف لائے۔ سچ ہے۔

وقت تھا وقت مسیحانہ کسی اور وقت۔ میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

چودھویں دلیل :- حدیث میں ہے: ”إِنَّ لِمَهْدَيْنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُنَا مَعَهُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِأَوَّلِ كَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ“ (دارقطنی صفحہ ۱۸۸) کہ ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں۔ اور یہ صداقت کے نشان کبھی کسی کے لئے جب سے دنیا بنی ہے۔ کبھی نہیں ہوئے۔ رمضان میں چاند کو (چاند گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سورج گرہن کے دنوں میں سے) درمیانے دن کو سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ یہ گرہن ۱۸۹۶ء میں لگا۔ یعنی چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ میں سے ۱۳ کو رمضان کے مہینہ چاند (قمر) کو اور ۲۷-۲۸-۲۹ میں سے ۲۸ تاریخ کو سورج کو

گرسن لگے گا۔ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرسن لگنا حدیث سے مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ قمر بولا ہے۔ اور قمر پہلی راتوں کے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔ پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

”يُسَمَّى الْقَمَرُ لِلْبَلَّتَيْنِ مِنْ أَوَّلِ الشَّهْرِ هِلَالٌ ... قَالَ الْعَجْرُ حَسْبِيَ الْقَمَرُ بَعْدَ ثَلَاثٍ إِلَى آخِرِ الشَّهْرِ قَالَ ابْنُ السَّيْتَةِ وَالْقَمَرُ يَكُونُ فِي اللَّيْلَةِ الثَّلَاثَةِ مِنَ الشَّهْرِ (لسان العرب) کہ جوہری کہتا ہے۔ کہ قمر وہ ہوتا ہے۔ جو دوسری رات کے بعد کا چاند ہو۔ (۲) وَهُوَ قَمَرٌ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَى آخِرِ الشَّهْرِ وَأَمَّا قَبْلُ ذَلِكَ فَهُوَ هِلَالٌ (اقرب الموائد وذا المنجد) کہ تین راتوں کے بعد قمر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے پہلے جو چاند ہوتا ہے۔ اس کو ہلال کہتے ہیں۔

پس حدیث میں اہل اور درمیانے سے مراد وہی ہو سکتی ہے۔ جو ہم نے بیان کی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا پورا ہونا خود اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۲۲ اس کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ جو خود ایک بڑا عالم اور علم حدیث میں یگانہ تھا۔

نوٹ :- حضرت مسیح موعود نے اس حدیث کی صحت کے متعلق خوب مفصل بحث تحفہ گوڑویہ میں تحریر فرمادی ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔ یہ گرسن ۱۹۶ء میں لگا۔ دیکھو اخبار آزاد ۴ دسمبر ۱۹۶۶ء نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ ۶ دسمبر ۱۹۶۶ء۔

پندرہویں دلیل حدیث میں ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يُبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۰ و مشکوٰۃ مطبوع نظامی دہلی ص ۲۷۰ کتاب العلم)

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا۔ جو اگر دین کی تجدید کرے گا۔

صحیح حدیث: (ا) وَقَدْ اتَّفَقَ الْحَفَظُ عَلَى تَصْحِيحِ هَذَا الْحَدِيثِ مِنْهُمْ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَمِمَّنْ نَقَّصَ عَلَى صِحَّتِهِ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ (رجح الکرامہ ص ۱۳۳)

کہ استادان حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ ان میں سے حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں یہ لکھا ہے۔ اور متاخرین میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہے۔

دب) هَذَا الْحَدِيثُ اتَّفَقَ الْحَفَظُ عَلَى تَصْحِيحِ مِنْهُمْ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ (مرقاۃ الصعود شرح ابن داؤد زیر حدیث ہذا) یعنی استادان حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ جن میں سے امام حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

رج) علامہ سیوطی اپنے رسالہ ”تنبیہ“ میں لکھتے ہیں: ”اتَّفَقَ الْحَفَظُ عَلَى صِحَّتِهِ“ کہ تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔

د) حج الکرامہ ص ۱۳۳ پر لکھا ہے: ”چنانچہ در حدیث مشہور آئندہ است۔“ اِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ رَوَّالًا أَبُو دَاوُدَ وَ الْحَاكِمُ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ کہ مشہور حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ مجدد مبعوث کیا کرے گا۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور امام حاکم اور

امام بیہقی نے معرفتہ میں ابو ہریرہؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(۱) یہ حدیث ابو داؤد میں ہے جو صحاح کتہ میں سے ہے۔

ضروری نوٹ :- بعض غیر احمدی دوست جب عاجز آ جاتے ہیں۔ تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس صدی کا مجدد دنیا میں موجود ہو۔ (رشد احمد گنگوہی وغیرہ) مگر اس نے دعویٰ نہ کیا ہو۔ کیا کسی پہلے مجدد نے بھی دعویٰ کیا ہے؟ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ :-

(۱) تمام گزشتہ مجددین کی حبدہ تحریرات ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ تاکہ ہم ہر ایک کا دعویٰ ان کی اپنی زبانی دکھا سکیں۔
ہاں جن مجددین کی تحریرات محفوظ ہیں۔ ان میں سے تین کا دعویٰ درج کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں :- ”صاحب اس علوم و معارف مجدد این الف است گما لا یخفی علی الناظرین فی علومہ و معارفہ۔۔۔۔۔ و بدانکہ بر سر مائتہ مجددی گزشتہ است۔ اما مجدد مائتہ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ در میان مائتہ الف فرق است در مجددین اینہا نیز ہما نقد فرق است بلکہ زیادہ ازاں“ (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ مکتوب چہارم)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :- ”قَدْ أَلْبَسَنِي اللَّهُ خِلْعَةَ الْمَجْدِ دِيَّةً“ (تفہیمات الہیہ)

(۳) حضرت امام جلال الدین سیوطی رح :- ”أَفِي الْمَجْدِ“ (حجج الکرامہ ص ۱۳۸)

(۴) اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ عام طور پر دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ بقول شاہ ”جہوٹا مجدد“ (نمود بالشد) میدان میں کھڑا ہو کر لٹکا رہا تھا :-

”مائے! یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اسکی بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور فلاں سچا آدمی ہے۔“ (ضمیمہ اربعین ص ۲۳۵ ص ۲)

(ب) افسوس ان لوگوں کی حالتوں پر ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی۔ اور صدی پر بھی سترہ برس گزر گئے۔ مگر ان کا مجدد اب تک کسی غار میں چھپا بیٹھا ہے۔“ (اربعین ص ۲۳۵ ص ۱۳)

پس اگر اسوقت کوئی ”سچا مجدد“ بھی بقول شما بقید حیات موجود تھا۔ جس کو خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کو گمراہی سے بچانے کے لئے مبعوث کیا ہو (تھا) تو اسکا فرضی تھا۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل دعوت کر کے امت محمدیہ کو گمراہی سے بچاتا۔ ان حالات میں اس کا خاموش رہنا تو ”التَّائِيْتُ عَنِ الْحَقِّ شَيْطَانٌ خَسِرَ“ کے مطابق اسکو ”گوشت کا شیطان“ قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اسکو ”مدعی مفقود اور گواہ موجود“ کا مصداق قرار دیتے ہوئے مضمحکہ خیز طور پر ”مجدد“ قرار دیا جائے۔ خادّم

فہرست مجددین امت محمدیہ

- پہلی صدی :- حضرت عمر بن عبد العزیز (حجج الکرامہ ص ۱۳۵)
- دوسری صدی :- حضرت امام شافعی و احمد بن حنبل (حجج الکرامہ ص ۱۳۵)
- تیسری صدی :- حضرت ابو شریح و ابو الحسنی الشعری (حجج الکرامہ ص ۱۳۶)
- چوتھی صدی :- حضرت ابو عبید اللہ نیشاپوری و قاضی ابوبکر باقلائی (ایضاً)
- پانچویں صدی :- حضرت امام غزالی رح (حجج الکرامہ ص ۱۳۶)
- چھٹی صدی :- حضرت سید عبد القادر جیلانی رح
- ساتویں صدی :- حضرت امام ابن تیمیہ و حضرت خواجہ معین الدین چشتی (حجج الکرامہ ص ۱۳۶)

آٹھویں صدی - حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی و حضرت صالح بن عمر
(رجح الکرامہ ص ۱۳۷)

نویں صدی - حضرت سید محمد جونپوری -

دسویں صدی - حضرت امام سیوطی (رجح الکرامہ ص ۱۳۸)

گیارہویں صدی :- حضرت مجدد الف ثانی سرہندی -

بارہویں صدی :- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رجح الکرامہ ص ۱۳۹)

تیرہویں صدی :- حضرت سید احمد بریلوی (رجح الکرامہ ص ۱۴۰)

چودھویں صدی :-

”و بر سر مائتہ چہار و بیستم کہ دہ سال کامل آدرا باقی ست اگر ظہور مہدی علیہ

السلام و نزول عیسیٰ صورت گرفت پس ایشان مجدد و مجتہد باشند“

(رجح الکرامہ ص ۱۴۱)

کہ چودھویں صدی کے سر پر جس کو ابھی پورے دس سال باقی رہتے ہیں -

اگر مہدی اور مسیح موعود عطا ہوں گے - تو وہ چودھویں صدی کے مجدد ہوں گے

چنانچہ حضرت مسیح موعود عین وقت چودھویں صدی کے سر پر ظاہر

ہوں گے - پس اگر آپ مجدد نہیں ہیں - تو کوئی اور مجدد بتاؤ - جو چودھویں صدی

کے سر پر آیا ہو - اگر کوئی آریہ تم سے پوچھے - کہ آنحضرت صلیع کی پیشگوئی کے

مطابق چودھویں صدی کا مجدد بتاؤ - تو اسے کیا جواب دو گے ؟

اب تو چودھویں صدی بھی نصف سے زیادہ گزر گئی - سچ تو یہی ہے کہ :-

وقت تھا وقت مسیحانہ کسی اور کا وقت

میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا -

پس خدا کے لئے حضرت مسیح موعود ع کی مخالفت میں آنحضرت صلیع کی

عداقت پر تبرہ چلاؤ - اور مخالفین اسلام کو اسلام پر مزید اعتراضات

کرنے کا موقع نہ دو -

سَوَّلَهُمْ دَلِيلًا ۖ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ
 إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ
 وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (ص)
 (رکوع ۱ پ ۲۲)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا ”اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا
 رسول ہوں۔ جو تصدیق کرتا ہوں اس کی جو میرے سامنے ہے۔ یعنی تورات
 اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا
 ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احمد رسول اللہ کی آمد کی بشارت
 دی ہے۔ اور صرف اس کا نام بتانے ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بعض نہایت
 ضروری علامات بھی بیان فرمادی ہیں۔ اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اس کی
 کئی وجوہ ہیں۔

(۱) ان آیات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ”مَنْ أَظْلَمُ
 مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ“۔ کہ
 اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے۔ جو اللہ پر جھوٹ باندھے
 راہم کا جھوٹا دعویٰ کرے اور وہ بلایا جائیگا اسلام کی طرف۔
 اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب احمد رسول اللہ آئیگا۔ تو لوگ اس کی
 مخالفت کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر احمد رسول اللہ (نعوذ باللہ)
 فی الواقع خدا کی طرف سے نہیں۔ تو اندریں صورت وہ منفری علی اللہ ٹھہرتا
 ہے۔ اور منفری علی اللہ سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اور جو
 ظالم ہو۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا قانون ہے۔ کہ ”إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ
 الظَّالِمُونَ“ (انعام ۳۴) کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نیز
 ”إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ“
 (سورۃ نحل ۱۵)

کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پس اگر احمد رسول فی الواقع اپنے دعوے میں سچا نہیں۔ تو اندریں صورت اس کو اسلامی تعلیم کی رو سے ناکام و نامراد ہو جانا چاہیے۔ مگر وہ اپنے

تمام دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے تمام مقاصد میں کامیاب و کامران ہو گا۔ اور اس کی کامیابی اور کامرانی قطعی طور پر ثابت کر دیگی۔ کہ وہ اپنے

دعویٰ میں صادق ہے۔ اور اسلامی تعلیم کی رو سے وہ حق پر اور اس کے مخالفین ناحق پر ہیں۔ مگر باوجود اس واضح طریق فیصلہ کے پھر بھی اس کو

اس کے مخالفین اسلام کی طرف دعوت دیں گے۔ اور کہیں گے۔ کہ تو دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ پس آ اور مسلمان ہو جا۔ اس

طرح سے وہ احمد رسول جو اسلامی تعلیم کی رو سے مفتری علی اللہ ثابت نہیں ہوا۔ الٹا اسلام کی طرف دعوت دیا جائیگا۔ پس پہلی

نشانی جو اس احمد رسول کی بتائی گئی ہے۔ وہ ”ھو یدعی ائی
الاسلام“ کے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کی طرف دعوت دیا

جائیگا۔ اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔
۱۔ وہ احمد رسول ایسے زمانہ میں آئیگا۔ جبکہ دنیا میں اسلام کے

علمبردار ہونے کا دعویٰ کر نیوالے لوگ پہلے سے موجود ہوں گے۔ وہ

خود بانی اسلام نہیں ہو گا۔
۲۔ اس کے مخالفین اس پر کفر کا فتویٰ لگائیں گے۔ اور خود کو حقیقی

مسلمان قرار دیں گے۔
پس مندرجہ بالا علامات صاف طور پر تبارہی ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کا

حقیقی مصداق ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔
بلکہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام۔ احمد کے مشفق

ہے۔ کیونکہ ۱۔

۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے لوگ اپنے آپ کو اسلام کے مدعی قرار نہیں دیتے تھے۔

۲) آنحضرت صلعم بانے اسلام میں۔ آپ کے مخالفین نے اپنے آپ کو کبھی مسلمان قرار نہیں دیا۔ اور نہ آنحضرت صلعم کو غیر مسلم قرار دے کر حضور کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

نوٹ :- یاد رکھنا چاہیے کہ ”هُوَ يَدْعِي“ میں ”هُوَ“ کی ضمیر کا مرجع خواہ ”مَنْ أَظْلَمُ“ اور ”مَنْ أَفْضَرُ“ کو قرار دیا جائے اور خواہ ”احمد“ کو قرار دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں تحقیقی مرجع ”احمد“ ہی بنتا ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ ”مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ“ میں جس شخص کی طرف اشارہ ہے۔ وہ وہی ہے۔ جس پر ”مفتری علی اللہ“ یعنی الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنے کا الزام ہے۔ اور جس کی اس الزام سے بریت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ”احمد“ رسول ہی ہے۔ جس کے متعلق یہ اعتراض ہے کہ ”قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ“ کہ درحقیقت یہ خدا کا رسول نہیں۔ بلکہ جادوگر ہے۔ اور جادو کی مدد سے یہ نشانے دکھاتا ہے۔ پس ”مَنْ أَظْلَمُ“ میں ”احمد رسول“ کے منکروں کا ذکر نہیں۔ بلکہ خود احمد رسول کی بریت کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ تم اس احمد رسول پر مفتری ہونے کا الزام لگاتے ہو۔ حالانکہ مفتری سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوتا۔ اور خدا کی فعلی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ ”ظالم“ نہیں۔ کیونکہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہے۔ پس ”هُوَ يَدْعِي إِلَى الْإِسْلَامِ“ میں ”هُوَ“ کی ضمیر کا مرجع بہر حال ”احمد“ رسول ہی ہے۔ نہ کوئی اور۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت
 مسیح موعود علیہ السلام کو کسی نے جادوگر قرار نہیں دیا۔ سو اس کے جواب
 میں یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے دشمنوں
 نے ”جادوگر“ ”ساحر“ ”رِمال اور بخومی قرار دیا۔ چنانچہ چند حوالہ
 درج ذیل میں :-

(۱) معلوم ہوا کہ اب تک ساحر قادیانی کا گھر خوستوں سے بھرا
 ہوا ہے۔ ”تکذیب براہین احمدیہ مصنفہ لیکچر ام جلد ۲ ص ۲۹۸
 (ب) یہی ساحر قادیانی ہے۔ ”تکذیب براہین احمدیہ جلد ۲ ص ۳۰۰
 (ج) مولوی محمد حسین ثبالی لکھتا ہے :-

”اگرچہ یہ پیشگوئی (متعلقہ وفات احمدیگ - خادم) تو پوری
 ہو گئی۔ مگر یہ الہام سے نہیں۔ بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی“
 (اشاعت السنۃ بحوالہ اشتہار ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء)
 دوسری وجہ :- ”مُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ“
 کہ لوگ چاہیں گے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر
 خدا تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا۔

اس آیت میں (جو) ”اِسْمُ الْحَمْد“ والی آیت کے ساتھ ہی ملحق
 ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ احمد رسول کا زمانہ وہ ہوگا جس میں
 اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ بلکہ
 مزعومہ دلائل کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا جائیگا۔ گویا منہ کی پھونکیں
 ہوں گی۔ جو ماری جائیں گی۔ سو یہ علامت بھی صاف طور پر بتاتی ہے۔
 کہ حضرت مسیح ناصری کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلعم نہیں۔ بلکہ
 آنحضرت صلعم کا خاص غلام۔ احمد رسول اللہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت
 صلعم کا زمانہ منہ کی پھونکوں کا زمانہ نہ تھا۔ بلکہ لوگ اسلام کو تلواروں

کی طاقت سے مٹانا چاہتے تھے۔ لیکن آج دلائل موعودہ کے زور یعنی منہ
کی پھونکوں سے اسلام کو بجھایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد سلسلہ
رسوا بے عالم اخبار "زمیندار" کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ
نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت ہے: "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ
رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ" کہ وہی اللہ ہے جس نے احمد رسول کو ہدایت
اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر
غالب کر دے۔

اس آیت کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسیح موعود
کے متعلق ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ موعودہ غلبہ اسی کے زمانہ میں ہوگا
جیسا کہ حدیث میں ہے :- (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)
"وَيَقْدِرُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ الْمَمْلُوكَ كُلَّهَا فِي الْإِسْلَامِ" کہ
اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے زمانہ میں تمام چھوٹے دینوں کو نیست و نابود
کر کے صرف اسلام کو قائم کرے گا۔

(ب) چنانچہ ابن جریر میں ہے: "هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ"۔۔۔۔۔ ذَلِكْ عِنْدَ خُرُوجِ
عِيسَىٰ (ابن جریر جلد ۱ صفحہ ۱۷۱) کہ اس آیت میں جس غلبہ اسلامی
کا ذکر ہے۔ وہ مسیح موعود کی بعثت کے بعد واقع ہوگا۔

(ج) نیز لکھا ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي
قَوْلِهِ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ قَالَ حِينَ خُرُوجِ
عِيسَىٰ" (ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کہ

”ليظهور الله على الدين كله“ کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ
غلبہ امام مہدی کے ظہور کے بعد ہوگا۔ پس ثابت ہے۔ کہ یہ آیت
ساری کی ساری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی ہے
نہ کسی اور کی۔

چوتھی وجہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور حضرت
مسیح موعود علیہ السلام میں عیسیٰ علیہ السلام میں۔ پس حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے اپنے مثیل کی پیشگوئی کی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے اپنے مثیل (مسیح موعود علیہ السلام) کی۔

پانچویں وجہ :- یہ کہ اس پیشگوئی کا قرآن مجید میں ذکر کرنے سے مقصود
صرف عیسائیوں پر اتمام حجت کرنا اور احمد رسول کی صداقت کی ایک دلیل
دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو والدین نے نام رکھا۔ وہ
”احمد“ نہیں۔ بلکہ ”محمد“ تھا۔ عیسائی تو یہ ہرگز نہیں مانتے
کہ آپ کا نام ”احمد“ تھا۔ کسی مدعی کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا
نام یہ رکھا ہے۔ اس کے ماننے والوں کے لئے تو حجت ہو سکتا ہے۔
اس کے منکروں پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور جو پہلے ہی مانتا ہے۔
اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ اور جو نہیں مانتا۔ اس کے لئے یہ
دعوئی دلیل نہیں بن سکتا۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کا
مصدق قرار دیا جائے۔ تو یہ عیسائیوں کے لئے کوئی حجت اور دلیل
نہیں بن سکتی۔ لہذا اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ پس
اس پیشگوئی کا مصداق وہی ہے۔ جس کے نام کا ضروری حصہ
”احمد“ ہے۔ صفاتی نام نہیں۔ بلکہ ذاتی نام (علم)
بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام ”احمد“ ہے۔ مگر یہ
آپ کا تعلق انسانوں سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے ہے۔ جس کو کوئی

انسان خود بخود نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ ”احمد“ کے معنی ہیں
 ”سب سے زیادہ تعریف کرنے والا“ اور ”محمد“ کے معنی
 ہیں ”سب سے زیادہ تعریف کیا گیا“ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم چونکہ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد اور تعریف کرنے والے
 ہیں۔ اس لئے آپ صفاتی طور پر ”احمد“ ہیں۔ اور دنیا کے ساتھ
 آپ کا تعلق ”محمدیت“ کا ہے۔ پس ایک عیسائی کے لئے آپ کی
 شان احمدیت کا سمجھ کر اس پر ایمان لانا ناممکن ہے۔ کیونکہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے محمد ہیں۔ اور احمد اللہ تعالیٰ کے ہیں۔
 پانچویں وجہ :- یہ ہے کہ لفظ ”محمد“ کے معنی ہیں ”سب سے
 زیادہ تعریف کیا گیا“ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ”محمد“ ہونے کا یہ
 تقاضا ہے کہ کوئی شخص آپ کا ”احمد“ ”سب سے زیادہ تعریف
 کرنے والا“ ہو۔ گویا خود لفظ ”محمد“ میں یہ پیشگوئی ہے کہ کوئی انسان دنیا
 میں ”احمد“ ہو کر آئے گا۔ جو اس بنی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی
 سب سے زیادہ تعریف کرے گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
 ہم صفاتی طور پر ”احمد“ مانتے ہیں۔ لیکن یہ تعلق آپ کا خدا سے
 ہے۔ مگر یہ پیشگوئی (”اسْمُهُ أَحْمَدُ“ کی) عیسائیوں پر اتمام حجت
 کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اور عیسائی اس تعلق کو جو آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کو خدا سے ہے۔ دیکھ نہیں سکتے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس
 پیشگوئی کا وہی مصداق ہو۔ جو ظاہری طور پر ”احمد“ ہو۔ یعنی
 جس کا ”عَلَمٌ“ احمد ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام
 ”احمد“ تھا۔ ”غلام احمد“ کے لفظ میں لفظ ”غلام“
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک کے خاندانی ناموں کے ساتھ پایا جاتا
 تھا۔ ”غلام مرتضیٰ“۔ ”غلام قادر“۔ ”غلام مجتبیٰ“ وغیرہ اور ظاہر ہے۔

”علم“ وہی ہوتا ہے۔ جو ”تمیز“ واقع ہو۔ اور غلام احمدؒ میں سے
 ”تمیز“ احمدؒ ہی ہے۔ پس وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 کا ”علم“ ہے۔ چنانچہ اسکا دوسرا زبردست ثبوت یہ ہے۔ کہ آپ
 کے والد (مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) بھی آپ کا نام ”احمد“ ہی
 سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کے نام پر جو دو
 گاؤں آباد کئے۔ ان کے نام ”قادر آباد“ اور ”احمد آباد“ علی الترتیب
 مرزا غلام قادر اور غلام احمد علیہ السلام کے نام پر رکھے۔

غیر احمدی :- ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ“ میں ”لَمَّا“ ماضی
 ”جَاءَ“ پر آیا ہے۔ اور جب ماضی پر ”لَمَّا“ داخل ہو۔ تو اس کے
 معنی ہمیشہ ماضی ہی کے ہوتے ہیں۔ مستقبل کے نہیں ہو سکتے۔
 احکامی :- یہ قاعدہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے :- ”فَلَمَّا
 رَاَوْهُ سِحْجَةً وَجُوَّةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (المائدہ ۴۷)
 کہ جب وہ قیامت کو دیکھیں گے۔ تو کافروں کے منہ خراب ہو جائیں گے۔
 اس آیت میں ”رَاَوْهُ“ ماضی ہے۔ اور اس پر ”لَمَّا“ داخل ہوا
 ہے۔ مگر یہ مستقبل (یعنی قیامت) کے متعلق ہے۔ بعینہ اسی طرح
 ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ“ بھی مستقبل کے متعلق ہے۔

نوٹ :- حدیث ”اَنَا بَشَارَةٌ عِيسَى“ میں جس بشارت کا
 ذکر ہے۔ وہ سورت صف والی بشارت نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام نے درحقیقت دونوں کی آمد کی بشارت دی ہے۔ (۱)
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 کی۔ چنانچہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو
 بشارت ہے۔ وہ ان الفاظ میں ہے :- ”اس کے بعد میں تم سے بہت سی
 باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے“ (یوحنا ۱۴/۱۹) نیز یوحنا ۱۶/۲۹

آنحضرت صلعم نے اسی بشارت کا اپنے آپ کو مصداق قرار دیا ہے
تفصیل مضمون لا آنحضرت ص کی نسبت بائبل وغیرہ میں پیشگوئی
میں دیکھو۔

ستر صویں دلیل ۱۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ "لَا
يَمْسُكُهُ إِلَّا الْكَافِرُونَ" کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی
اور حقائق و معارف انہی پر کھولے جاتے ہیں۔ جو پاک اور مطہر ہوتے
ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ربانی۔ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں اس
آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- "کہ مناسب نکلند اسرار مکنونہ
قرآنی را مگر جماعہ کہ از لوث تعلقات بشریہ پاک شدہ باشند۔ ہر گاہ
نصیب پا کاں مساس اسرار قرآنی بود بدیگراں چہ رسد؟"
د مکتوبات جلد ۳ ص ۱۱۱ مکتوب چہارم شرع) پس قرآن مجید کے
حقائق و معارف پر آگاہ ہونا صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا۔ کہ قرآن مجید کے علوم
اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔ دنیا کا کوئی عالم میرا مقابلہ کر کے دیکھ
لے۔ مگر مولویوں نے اپنی خاموشی سے ثابت کر دیا۔ کہ آسمانی علوم انہی
پر کھولے جاتے ہیں۔ جو آسمان سے اپنے تعلقات وابستہ کر چکے ہیں۔ اور
یہ کہ دنیا کے مولویوں اور عالموں کا کوئی بڑے سے بڑا استاد بھی آنحضرت
صلعم کے شاگرد کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نے اپنی کتب میں علاوہ مختلف آیات کی تفسیر لکھنے کے قرآن مجید کی
تفسیر کے نہایت قیمتی اصول بتائے۔ اور خود ان اصول کے مطابق
آیات قرآنی کی تفسیر کر کے بتا دیا۔ کہ آسمانی علوم آسمان کے ساتھ تعلق
رکھنے والوں ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ محض ضرب ضرب ضرباً کی
گردان وٹ لینے اور عربی سیکھ لینے سے قرآن مجید نہیں آ جاتا۔ اگر

قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سمجھنے کا معیار محض عربی زبان کا
 جاننا ہی ہوتا۔ تو ”جرجی زیدان“ یا اس جیسے عیسائی دہریہ اور یہودی
 جو عربی کے مسلم استاد اور ادیب ہیں۔ وہ قرآن مجید کے حقائق و معارف
 اور معانی و مطالب کے سب سے بڑے مفسر ہوتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے
 ”لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ“ فرما کر بتا دیا کہ قرآن مجید کے
 علوم کو وہی مس کر سکتے ہیں۔ جو پاک اور مطہر ہوں۔ گویا جتنی جتنی طہارت
 و پاکیزگی زیادہ ہوگی۔ اتنا اتنا علوم قرآنی کا دروازہ کھلتا چلا جائیگا۔
 پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے علوم قرآنی کے مقابلہ
 میں تمام دنیا کے علماء و فضلاء و فصحاء و بلغا کا صاف طور پر عاجز آجانا
 آپ کے صادق اور راست باز ہونے پر ناقابل تردید گواہ ہے۔ حضرت
 مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”پھر ایک اور پیشگوئی نشان الہی ہے۔ جو براہین کے صفحہ ۲۳۸ میں درج
 ہے۔ اور وہ یہ ہے وَالرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ (اس آیت میں
 اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا۔ سو اس وعدہ کو ایسے طور سے
 پورا کیا۔ کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ میں مسیح
 کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارف
 قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے۔ اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر میں لکھو
 اور ایک کوئی اور مخالف لکھے۔ تو وہ نہایت ذلیل ہوگا۔ اور مقابلہ نہیں
 کر سکے گا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف
 رخ نہیں کیا۔ پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔ مگر ان کے لئے جو انصاف
 و ایمان رکھتے ہیں۔ (ضمیمہ انجام آکھم ص ۷)

”جب میری طرف سے متواتر دنیا میں اشتہارات شائع ہوئے۔ کہ خدا تعالیٰ
 کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے۔ کہ میں فصیح

بلیغ عربی میں قرآن شریف کی کسی سورت کی تفسیر لکھ سکتا ہوں۔
اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ کہ میرے بالمقابل اور
بالمقابل بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین
ایسی تفسیر سرگز نہیں لکھ سکے گا۔“ (نزول المسیح صفحہ ۵۳)

”اب کس قدر ظلم ہے۔ کہ اس قدر نشانوں کو دیکھ کر پھر کہے جاتے ہیں
کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ اور مولویوں کے لئے تو خود ان کی بے علمی
کا نشان ہی کافی تھا۔ کیونکہ ہزار ہا روپے کے انعامی اشتہار دیئے گئے
کہ اگر وہ بالمقابل بیٹھ کر کسی سورۃ قرآنی کی تفسیر عربی فصیح بلیغ میں
میرے مقابل پر لکھ سکیں۔ تو وہ انعام پائیں۔ مگر وہ مقابلہ نہ کر سکے
تو کیا یہ نشان نہیں تھا۔ کہ خدا نے ان کی ساری علمی طاقت سلب کر دی
باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں سٹھے۔ تب بھی کسی کو حوصلہ نہ پڑا۔ کہ سیدھی
نیت سے میرے مقابل پر آوے۔ اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ اس مقابلہ میں
کس کی تائید کرتا ہے“ (نزول المسیح صفحہ ۵۴)

”نشان کے طور پر قرآن اور زبان قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں
مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ معارف عالیہ فرقان حمید بطور خارق
عادت سمجھ کو سکھائے گئے۔ جن میں دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔
(۲) دوسرے یہ کہ زبان قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت
مجھے دی گئی۔ کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کر کے بھی اس میں
مقابلہ کرنا چاہیں۔ تو ناکام اور نامراد رہیں گے۔ اور وہ دیکھ لیں گے۔
کہ جو علماوت اور بلاغت اور فصاحت لسان عربی معہ التزام حقائق
و معارف و نکات میرے کلام میں ہے۔ وہ ان کو اور ان کے دوستوں
اور ان کے استادوں اور ان کے بزرگوں کو سرگز حاصل نہیں۔
اس الہام کے بعد میں نے قرآن شریف کے بعض مقامات اور بعض

سورتوں کی تفسیر میں لکھیں اور نیز عربی زبان میں کئی کتابیں نہایت بلیغ و فصیح تالیف کیں۔ اور مخالفوں کو ان کے مقابلہ کے لئے بلایا۔ بلکہ بڑے بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے۔ اگر وہ مقابلہ کر سکیں۔ اور ان میں جو نامی آدمی تھے۔ جیسا کہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ابو سعید محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنۃ ان لوگوں کو بار بار اس امر کی طرف دعوت کی گئی۔ کہ اگر کچھ بھی ان کو علم قرآن میں دخل ہے۔ یا زبان عربی میں مہارت ہے۔ یا مجھے میرے دعویٰ مسیحیت میں کاذب سمجھتے ہیں۔ تو ان حقائق و معارف پر از بلاغت کی نظیر پیش کریں۔ جو میں نے کتابوں میں اس دعویٰ کے ساتھ لکھے ہیں۔ کہ وہ انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خدا تعالیٰ کے نشان ہیں۔ مگر وہ مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ نہ تو وہ ان حقائق و معارف کی نظیر پیش کر سکے۔ جن کو میں نے بعض قرآنی آیات اور سورتوں کی تفسیر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں تحریر کیا تھا۔ اور نہ ان بلیغ و فصیح کتابوں کی طرح دوسطربھی لکھ سکے۔ جو میں نے عربی میں تالیف کر کے شائع کی تھیں۔

در یاق القلوب تقطیع کلاں (۱)

”خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ کے ذریعہ سے تین نعمتیں اپنے کامل بندہ کو عطا فرماتا ہے۔ اول ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور قبولیت سے اطلاع دیکھتی ہے۔ دوم۔ اس کو خدا تعالیٰ بہت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ سوم یہ کہ اس پر قرآن شریف کے بہت سے علوم حکمیہ بذریعہ الہام کھولے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس عاجز کا کذب ہو کر پھر یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ یہ سہر مجھ میں پایا جاتا ہے۔ میں اس کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ کہ وہ ان تینوں باتوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرے۔ اور فریقین میں قرآن شریف کے کسی مقام کی سات آیتیں تفسیر کے لئے بالاتفاق منظور ہو کر ان کی تفسیر دونوں فریق لکھیں۔ (ضمیمہ انجام آئتم ص ۱۹ حاشیہ)

”میرے مخالف کسی سورہ قرآنی کی بالمقابل تفسیر بنا دیں یعنی ردِ برد
ایک جگہ بیٹھ کر بطور مخالف قرآن شریف کھولا جائے۔ اور پہلی سات آیتیں
جو نکلیں۔ ان کی تفسیر میں بھی غریبی میں لکھوں۔ اور میرا مخالف بھی لکھو۔
پھر اگر میں حقائق معارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں
تو پھر بھی میں جھوٹا ہوں۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲)
”غرض سب کو بلند آواز سے اس بات کی طرف مدعو کیا۔ کہ مجھے علم حقائق
اور معارف قرآن دیا گیا ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے
مقابل پر قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کر سکے۔ سو اس اعلان
کے بعد میرے مقابل ان میں سے کوئی بھی نہ آیا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲)
”ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لئے مولوی
محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسن بھین وغیرہ
کو بلا لیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر دو چار عرب کے ادیب
بھی طلب کر لیں۔“ (ضمیمہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۶)
غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے علوم قرآن کے مقابلہ کے لئے تمام
دنیا کے علماء کو للکارا۔ مگر انہوں نے اپنی خاموشی سے اس بات پر مہر
ثبت کر دی۔ کہ خدا کا پیارا مسیح آسمانی علوم کو لیکر دنیا میں آیا تھا۔ جس
کے بالمقابل ان کے زمینی اور خشک علوم کی حیثیت جہالت سے بڑھ کر
نہ تھی۔

اٹھارھویں دلیل :- خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ اگر مخالفین
بوجود نہ ہوتے دلائل اور عظیم الشان نشانات کے پھر بھی خدا کے فرستادہ پر
ایمان نہ لائیں۔ تو آخری طریق فیصلہ ”مباہلہ“ ہے۔ جس کا مطلب یہ
ہے کہ فریقین اپنے جھگڑے کو اس حکم الحاکمین خدا کی عدالت میں لیجائیں
جو اپنے فیصلہ میں غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ”فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا يَدْعُوا أَبْنَاءَنَا
 أَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ
 فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (ال عمران ۶) کہ اگر یہ لوگ
 باوجود دلائل بینہ اور براہین قاطعہ کے پھر بھی نہیں مانتے۔ تو ان سے کہہ دے
 کہ آؤ! ہم دونوں فریق اپنے اہل و عیال اور جماعت کو لیکر خدا کے سامنے
 دعا مباہلہ کریں۔ اور جھوٹے پر لعنت اللہ لگھیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے منکرین نے بھی جب باوجود دلائل بینہ کے آپ کی مخالفت
 کو نہ چھوڑا۔ تو آپ نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ لیکن حق کی کچھ اسی میت
 ان کے دلوں پر طاری ہوئی۔ کہ بجز فرار کے ان کو کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔
 اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”لَمَّا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارَى
 حَتَّى يَهْلِكَا كَلِمَةً“ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۹۹) کہ اگر وہ مباہلہ کرتے
 تو ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ پس مذہبی اختلافات
 کے لئے آخری طریق فیصلہ ”مباہلہ“ ہے۔ فریقین احکم الحاکمین خدا کی عدالت
 سے صحیح اور سچے فیصلے کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک سال کے اندر جھوٹے
 کو بر باد کر کے حق و باطل میں ابدی فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد
 قادیانی علیہ السلام نے بھی اپنے پیارے آقا و سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل کیا۔ اور جب دلائل عقلی و نقلی اور نشانات ارضی
 و سماوی غرضیکہ ہر طرف سے ان پر اتمام حجت ہو چکی۔ تو آپ نے ان کو آخری
 طریق فیصلہ (مباہلہ) کی طرف بلایا۔ اور تحریر فرمایا: ”سواب اٹھو اور مباہلہ کے
 لئے تیار ہو جاؤ۔ تم سن چکے ہو کہ میرا دعویٰ دو باتوں پر مبنی تھا۔ اول نصوص
 قرآنیہ اور حدیثیہ پر۔ دوسرے الہامات الہیہ پر۔ سو تم نے نصوص قرآنیہ اور
 حدیثیہ کو قبول نہ کیا۔ اور خدا کے کلام کو یوں ٹال دیا۔ جیسا کہ کوئی شکا توڑ کر بینک
 دے۔ اب میری بنا دعویٰ کا دوسرا شک باقی رہا۔ سو میں اس ذات قادر و غیور

کی آپ کو قسم دیتا ہوں۔ جس کی قسم کوئی ایماندار رد نہیں کر سکتا۔ کہ اب اس دوسرے
بنار کے تصفیہ کے لئے مجھ سے مباہلہ کر لو۔ (انجام آتھم ص ۶۵)

”اور یوں ہو۔ کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام
الہامات کے پرچے کو جو لکھ چکا ہوں۔ اپنے ٹاکھ میں لے کر مباہلہ میں حاضر ہونگا
اور دعا کر دنگا۔ کہ الہی! اگر یہ الہامات جو میرے ٹاکھ میں ہیں۔ میرا ہی افترا
ہے۔ اور تو جانتا ہے۔ کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔ یا اگر یہ خیطانی
دساوس ہیں۔ اور تیرے الہامات نہیں۔ تو آج کی تاریخ سے ایک سال
گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر۔ کہ جو
موت سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر۔ جب تک کہ موت آجائے۔
تیری عزت ظاہر ہو۔ اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں۔ لیکن اے خدا
علیم و خیر اگر تو جانتا ہے۔ کہ یہ تمام الہامات جو میرے ٹاکھ میں ہیں۔ تیرے
ہی الہام ہیں۔ اور تیرے منہ کی باتیں ہیں۔ تو ان مخالفوں کو جو اس وقت
حاضر ہیں۔ ایک سال کے عرصہ میں نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی
کو اندھا کر دے۔ کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو فجنون اور کسی
کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر
آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں
تو دونوں فریق کہیں ”آمین“ ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر ایک شخص
جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو۔ جناب الہی میں یہ دعا کرے۔ اور یہ دعا فریق
ثانی کر چکے۔ تو دونوں فریق کہیں ”آمین“

”اسی مباہلہ کے بعد اگر میں ایک سال کے اندر مر گیا۔ یا کسی ایسے عذاب
میں مبتلا ہو گیا۔ جس میں جاں برمی کے آثار نہ پائے جائیں۔ تو لوگ میرے
فتنہ سے بچ جائیں گے۔ اور میں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤں گا۔
لیکن خدا نے ایک سال تک مجھے موت اور آفات بدنی سے بچالیا۔ اور میرے

مخالفوں پر قہر اور غضب الہی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور ہر ایک ان میں سے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا ہو گیا۔ اور میری بد دعا نہایت چمک کے ساتھ ظاہر ہو گئی۔ تو دنیا پر حق ظاہر ہو جائیگا۔ اور یہ روز کا جھگڑا درمیان سے اٹھ جائیگا۔

آپ نے یہاں تک لکھا کہ :- میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے۔ جب تمام وہ لوگ جو مباحلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں۔ ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار نہ ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا۔ تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور میں ان کے ماتھے پر توبہ کرونگا۔ (انجام آتھم ۱۸۹۶ء ص ۶۷)

یہ دعوت مباحلہ تحریر فرما کر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے مخالف علماء کو نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں مخاطب فرمایا :-

”گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان ! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس سال کے پہنچنے کے بعد نہ میدان مباحلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور توبہ کو چھوڑے۔“ (انجام آتھم ۱۸۹۶ء ص ۶۷)

یہ وہ آخری طرقتی فیصلہ تھا جس کے لئے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے مندرجہ بالا پر شوکت الفاظ میں اپنے مکفر علماء کو دعوت دی۔ رسالہ ”انجام آتھم“ ان کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا۔ مگر ان میں سے ایک بھی میدان میں نہ آیا۔

ضروری یادداشت

پاکٹ بک ہذا میں فردوس الاخبار ”دیلمی“ کے بقدر حوالے ہیں۔
 ان کا نمبر صفحہ اس نسخہ کے مطابق ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ نظام حیدر آباد
 دکن میں موجود ہے۔ اور جس کا ”نمبر ۲۱۴ فن حدیث“ ہے۔ اس بات
 کا ثبوت کہ حوالے درست ہیں۔ وہ مصدقہ نقل ہے۔ جس پر مہتمم صاحب
 کتب خانہ آصفیہ کے دستخط ہیں۔ جو خاکسار خادم کے پاس محفوظ ہے۔
 اسکی نقل مطابق اصل درج ذیل ہے:-
 ”نقل عبارت فردوس الاخبار صحیح ہے۔ مقابلہ کیا گیا۔ دستخط سید
 عباس حسین مہتمم کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی ۲۲ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ
 حیدر آباد دکن“

اصل تحریر جو چاہے۔ مجھ سے دیکھ سکتا ہے۔
 (۲) یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب کا اصل نام ”دیلمی“ دال کے ساتھ
 ہے۔

(۳) دیلمی مشہور محدث گذرا ہے۔ وفات ۸۰۵ھ۔ علامہ ذہبی
 نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کے متعلق ”هُوَ حَسَنُ الْمُصْرِفَةِ
 فِي الْحَدِيثِ“ لکھا ہے۔ نیز کشف الظنون جلد ۱ ص ۸۲ پر بھی اسکا
 ذکر ہے۔ اس سے مشکوٰۃ اور سیوطی نے روایت لی ہے۔ خادم

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات

الہامات پر اعتراضات

(۱) اَنْتَ مِیْتِیْ وَاَنَا مِنْکَ

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود نے اسکو "استعارہ" قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۶ حاشیہ) لہذا "تَفْسِیْرُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یُرْفَعُ بِہِ قَائِلُہٗ" درست نہیں (ب) عربی زبان میں یہ محاورہ اتحاد و محبت کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے۔ "مَنْ شَرِبَ مِنْہٗ فَلَیْسَ مِنِّیْ" (لقمہ ۳۳۶) یعنی جو اس پیر میں سے پانی پے گا۔ وہ مجھ سے نہیں۔ اور فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَإِنَّہٗ مِنِّیْ (ابراہیم ۶) یعنی جو میری پیروی کرے گا۔ وہ مجھ سے ہوگا۔

(۲) حدیث میں بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا:- "اَنْتَ مِیْتِیْ وَاَنَا مِنْکَ" (مشکوٰۃ باب المناقب صفحہ ۵۶) (بخاری جلد ۲ کتاب الصلح باب کیف یدُتَبُّ ہَذَا)

(۳) اشعری قبیلہ کو فرمایا:- "ہُمْ مِیْتِیْ وَاَنَا مِنْہُمْ" (بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۳۳) (ابن قدام الاشعریین) قصہ عمان و البحرین و ترمذی جلد ۲۳ مجتہبائی و بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ کتاب النظام باب شرکت فی الطعام) یعنی وہ مجھ سے ہیں۔ اور میں ان سے۔

(۴) حدیث میں ہے۔ "اَنَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنِّیْ"

فَمَنْ اَذٰی مُؤْمِنًا فَقَدْ اَذٰنِیْ وَمَنْ اَذٰنِیْ فَقَدْ اَذٰی اللّٰہَ

عَزَّوَجَلَّ" (فردوس الاخبار ویلی ص ۱۱۱ باب الا لاف راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ)

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میں خدا کے عزوجل سے ہوں۔ اور مومن مجھ سے ہیں۔ پس جو شخص کسی مومن کو ایذا دیتا ہے۔ وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے۔ اور جو مجھ کو ایذا دیتا ہے۔ اس نے گویا خدا کو ایذا پہنچائی۔

(۴) مندرجہ ذیل حدیث اس سے بھی واضح ہے :-

”يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّخِي مُنِّي وَأَنَا مِنْهُ“ (دیلی ص ۲۹۱)
 سطر ۱ باب البیاء راوی حضرت انس بن مالک (رض) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ”خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سخی مجھ سے ہے۔ اور میں سخی سے ہوں“ اس حوالہ میں اللہ تعالیٰ نے ”منی“ کا محاورہ انسانوں کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔

(۵) حدیث کی شرح میں لکھا ہے :- ”قَوْلُهُ هُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ“
 يُرَادُ بِهِ الْإِتِّصَالُ أَيْ هُمْ مُتَّصِلُونَ بِي ”عاشیہ بخاری جلد ۲ ص ۶۲۹ مطبع کاظمی میرٹھ) کہ اس سے مراد اتصال ہے۔ وہ میرے قریب ہیں۔

(۶) آنحضرت صلعم نے حلم۔ حسن خلق اور پرہیزگاری کے متعلق فرمایا :-
 ”ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَا مِنْ اللَّهِ“ (عجم صغیر طبرانی ص ۱۲۶)

(۷) وفيات الاعیان لابن خلکان میں ہے :- ”بل هذا كما يقال
 ”مَا أَنَا مِنْ فُلَانٍ وَلَا فُلَانٌ مِنِّي يُرِيدُونَ بِوَالْبُعْدِ مِنْهُ
 وَالْإِنْفَةِ وَمِنْ هَذَا قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّيْهُمُ ”وَلَكِنَّ الْمَرْءَ نَالِيَسٌ مِنَّا وَ
 عَلَيَّ مِنِّي“ وَأَنَا مِنْهُ (وفیات الاعیان جلد ۱ ذکر ابوتام الطائی) کہ (ابوتام
 کا قول ”لست من مسعود“) اسی طرح کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں آدمی
 سے نہیں ہوں۔ اور نہ وہ مجھ سے ہے۔ اصل زبان کی مراد اس سے اس
 شخص سے بعد اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔ کہ ولد الزنا ہم میں سے نہیں۔ اور یہ کہ علی رضی
محبہ سے اور میں علی سے ہوں۔

(۸) عربی شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی سے کہتا ہے: "فَإِنْ كُنْتُ
مِنْكِ أَوْ تُرِيدِينَ مُحَبَّتِي الْخ" (حما سے محبتاؤں کے) کہ اگر تو مجھ
سے ہے۔ اور میری مصاحبت چاہتی ہے۔ الخ پس اَنْتَ مِنْتِي وَ اَنَا
مِنْكَ کا مطلب یہ ہے۔ کہ تجھے مجھ سے محبت ہے۔ اور مجھے تجھ سے

تیرا وہی مقصد ہے۔ جو میرا ہے۔

(۲) اَنْتَ مِنْتِي بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِي

(ب) اَنْتَ مِنْتِي بِمَنْزِلَةِ وَلَدِي

جواب :- حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں :- "خدا تعالیٰ بیٹوں سے
پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۷۶)

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے
فرماتے ہیں :-

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے

اور نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں

یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے

ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اپنا نائب قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ اِیسا ہی

بجائے "قُلْ لِعِبَادِ اللَّهِ" (یعنی کہہ دے کہ اے اللہ کے بندو۔ خادموں)

کے "قُلْ لِعِبَادِي" (زمر ۶۴) (یعنی اے نبی! ان سے کہہ "اے

میرے بندو" خادموں) اور یہ بھی فرمایا "فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ

اَبَاءَكُمْ" پس اس خدا کے کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو۔

اور از قبیل مشابہت سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتنا خد

جو شخص اس امر سے بیگانہ ہے وہ میری جماعت نہ ہوگا۔ اور جو نہ بیگانہ ہے وہ میرا ہمراہی ہوگا۔ (تفسیر ثنائی جلد ۱ ص ۱۹۵)

ولد سے پاک ہے۔۔۔۔ اور میری نسبت بیانات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے :- قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ (یعنی کہہ دے۔ کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ جس پر وحی ہوتی ہے۔ بے شک تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ اور سب خیر و خوبی قرآن میں ہے) (دافع البلاء حاشیہ ص ۷)

(۲) قرآن میں ہے ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ“ (بقرہ ۱۵۶) کہ خدا کو اس طرح یاد کرو۔ جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ گویا خدا ہمارا باپ نہیں۔ مگر بمنزلہ باپ ہے۔ جس طرح ایک بیٹا اپنا ایک ہی باپ مانتا ہے۔ اور اس رنگ میں اسکی توحید کا قائل ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہے۔ کہ اسکو ”وحدہ لا شریک“ یقین کیا جائے۔ اور جو اس رنگ میں خدا تعالیٰ کی توحید کا قائل اور اس کے لئے غیرت رکھنے والا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کو بمنزلہ اولاد ہوگا۔

(۳) الہام میں ”أَنْتَ وَلَدِي“ نہیں۔ بلکہ ”بِمَنْزِلَةِ وَلَدِي“ ہے۔ جو صریح طور پر خدا کے بیٹے کی نفی کرتا ہے۔ (۴) حدیث میں ہے :- ”الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَأَحْسَنِ الْخَلْقِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ“ (مشکوٰۃ باب الشفقة مطبع نظامی ص ۳۶ و مطبع مجتہائی ص ۲۵) کہ تمام لوگ اللہ کا کنبہ ہیں۔ پس بہترین انسان وہ ہے۔ جو خدا کے کنبہ کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لفظ ”ابن اللہ“ کے متعلق لکھتے ہیں ”اگر لفظ ابنائے بجائے محبوبان ذکر شدہ باشد چه عجب؟ (الفوز الکبیر ص ۱۳) ”أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيدِي وَتَفْرِيدِي“ جواب :- ”توحید“ اللہ تفرید“ مصدر ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے ”واحد جاننا“

اور ”یکتا جاننا“ پس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو خدا کو واحد اور یکتا جاننے کے مقام پر ہے۔ یعنی اپنے زمانہ میں سب سے بڑا موجد ہے۔ فلا اعتراض (۲) حضرت مرزا صاحب نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں:۔ ”تو مجھ سے الیا ہی قرب رکھتا ہے۔ اور الیا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو“ (اربعین ص ۲۵)

(۴) أَنْتَ مِنْ مَّا بَنَيْنَا وَهُمْ مِنْ فَشَلٍ

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے:۔ ”اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقویٰ کا پانی۔ وفا کا پانی۔ صدق کا پانی۔ حب اللہ کا پانی جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں۔ جو شیطان سے آتی ہے“ (انجام آقہم حاشیہ ص ۵۶) (۲) قرآن مجید میں ہے:۔ ”خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ“ (انبیاء ۳۶) اسکی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا ہے:۔ ”انہ لکثرۃ عجلہ فی احوالہ کائنۃ خُلِقَ مِنْہ (جلالین محبتی ص ۲) کہ انسان اپنی مختلف حالتوں میں بڑی جلدی سے کام لیتا ہے۔ گویا کہ اسی سے پیدا ہوا۔ یہ نہیں کہ انسان جلدی کا بیٹا ہے۔ (۳) خدا کا پانی۔ الہام الہی اور محبت الہی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے فرمایا ہے۔

ایک عالم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھر تیرے میرے مولیٰ اس طرف دریا کی دھار

(برائین احمدیہ حصہ پنجم)

(۵) رَبَّنَا عَاجِز

جواب :- یہ لفظ ”عاجِز“ (ناکھی درانت) نہیں۔ بلکہ ”عاجِز“ بتشدید جیم ہے۔ جس کا ترجمہ پکارنے والا۔ آواز دینے والا ہے۔ یہ لفظ ”عجز“

سے مشتق ہے۔ دیکھئے لغت میں :- عَجَّ عَجَّاً وَ عَجِيجاً آواز
بانگ کرو ومنہ الحدیث افضل الحجۃ العَجَّۃ وَ الثَّجَّۃ یعنی
برداشتنی آواز بہ تلبیہ و قربان کردن ہدیہ را : (منتہی العرب و الفرائد
الدریہ) کہ عَجَّ عَجَّاً وَ عَجِيجاً کے معنی آواز دینے اور پکارنے کے
ہیں : جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ حج میں افضل ترین آواز دینا (تلبیہ اور
لبیک کہنا) اور قربانی دینا ہے۔ الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہمارا خدا
دنیا کو اپنی طرف بلاتا ہے۔

(۶) اِسْمَعُ وَلَدِیْ

اے میرے بیٹے سن ! (البشری جلد ۱ صفحہ ۴۹)

جواب :- یہ بالکل غلط ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کا کوئی الہام "اِسْمَعُ
وَلَدِیْ" ہے۔ حضرت کی کسی کتاب سے یہ دکھاؤ۔ اور انعام لو۔
(ب) حضرت کا الہام تو "اَسْمَعُ وَ اَرِیْ" ہے۔ کہ میں اللہ سناتا بھی
ہوں۔ اور دیکھتا بھی ہوں۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳ نیز انجام آکھٹ ۵۰)
(ج) معترض نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ وہ حضرت مرزا صاحب کی تالیف
یا تصنیف نہیں۔ بلکہ بابو منظور الہی کی مرتبہ ہے۔ اس میں انہوں نے جلد ۱
صفحہ ۹ پر حوالہ دیا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب ؑ کے مکتوبات جلد ۲
سے یہ الہام نقل کیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں "اِسْمَعُ وَلَدِیْ" نہیں۔ بلکہ
"اَسْمَعُ وَ اَرِیْ" ہے۔ بابو منظور الہی صاحب کی مرتبہ کتاب البشری میں
کاتب کی غلطی سے "واری" کی بجائے "ولدی" بن گیا۔ حضرت
صاحب کی کسی کتاب میں "ولدی" نہیں ہے۔ بابو منظور الہی صاحب نے
"الفضل جلد ۹ صفحہ ۹۶" میں اس غلطی کا اعتراف کیا ہے کہ "البشری جلد ۱
صفحہ ۹ سطر ۱ حضرت مسیح موعود کا ایک الہام غلطی سے "اَسْمَعُ وَ اَرِیْ"
کی بجائے "اِسْمَعُ وَلَدِیْ" چھپا ہے۔ اور ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔

۱) اَنْتَ اِسْمِیْ اَلْعَلِیُّ

یعنی تو میرا سب سے بڑا نام یعنی خدا ہے۔

الجواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اسکا ترجمہ کر دیا ہے۔
 ”تو میرے اسم اعلیٰ کا منظر ہے۔ یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ رہیگا۔
 (تریاق القلوب ص ۱۸ تقطیع کلاں ص ۱۹۲ مطبوعہ ۱۹۲۲ء)

۲) گویا اس الہام میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے :-

کَتَبَ اللّٰهُ لَا غُلُبَیْنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ خدا نے لکھ چھوڑا ہے۔

کہ اللہ اور اس کے رسول ہی غالب رہیں گے۔

۳) ”اَسْمُکُمْ“ معنی اس الہام میں یہ صفت کے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں ”اِنْ لِّیْ اَسْمَاءٌ..... اَنَا الْمَاحِی“ کہ میرے کئی نام ہیں۔ میں ماحی ہوں۔ جس سے کفر کو مٹایا جائے گا۔ یہ آنحضرت صلیم کی صفت ہے۔ پس اس الہام میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے۔ جو ”اعلیٰ“ یعنی سب پر غالب آنے والی ہے۔ چونکہ ہر نبی خدا کی اس صفت کا منظر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو بھی اس صفت کا منظر قرار

دیا ہے

۸) اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ

جواب ۱۔ آنحضرت صلیم نے فرمایا: ”قَالَ اللّٰهُ اَطْلَعْتُ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّةُ اَوْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ“ (بخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدراً جلد ۲ ص ۵۷ مطبوعہ الیوم مصر) مسلم باب فضائل اہل بدر جلد ۲ ص ۳۵۹ و مشکوٰۃ مجتبیٰ ص ۵۷۷ کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر واقف ہوا۔ اور کہا۔ کہ جو چاہو کرو۔ اب تم پر جنت واجب ہو گئی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔
 ثابت ہوا کہ خدا کے مقبولوں پر ایک وہ حالت آتی ہے۔ جب بدی اور گناہ سے

ان کو انتہائی بعد ہو جاتا ہے۔ اور اس پر انتہائی کراہت ان کی فطرت میں داخل کر دی جاتی ہے۔ فلا اعتراض۔

(۲) چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس الہام کی تشریح فرما دی ہے :-

”اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں کہ منہیات شرعیہ تجھے حلال ہیں۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تیری نظر میں منہیات مکروہ کے گئے ہیں۔ اور اعمال صالحہ کی محبت تیری فطرت میں ڈال گئی ہے۔ گویا جو خدا کی مرضی ہے۔ وہ بندے کی مرضی بنا کی گئی اور سب ایمانیات اس کی نظر میں بطور فطرتی تقاضا کے محبوب کی گئیں۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ (برائین احمدیہ جلد ۵ ص ۵۶ حاشیہ در حاشیہ ۷۱ نیز تقریر حضرت المحکم جلد ۳ ص ۳۷)

(۹) ”كُنْ فَيَكُونُ“

جواب :- یہ حضرت مسیح موعود کا الہام تو ہے۔ مگر اس کے پہلے ”قُلْ“ محذوف ہے۔ جس طرح سورۃ فاتحہ کے پہلے ”قُلْ“ محذوف ہے۔ یعنی یہ خدا تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی آریہ یا عیسائی کہہ دے۔ کہ دیکھو محمد (صلعم) تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا بھی میری عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا اس کو کہتا ہے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ ماھو جوا بکم فھو جوا بنا۔

۲۔ اگر مندرجہ بالا جواب تسلیم نہ کرو۔ تو حضرت ”پیران پیر“ جناب سید عبدالقادر جیلانی رحم کا یہ ارشاد پڑھ لو :-

(۱) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي بَعْضِ كُتُبِهِ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ أَطِيعْنِي أَجْعَلُكَ تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ وَقَدْ فَعَلَ ذَلِكَ بِكَثِيرٍ مِنْ أَنْبِيَائِهِ دَخَا صِهْرٌ مِنْ بَنِي آدَمَ“

دفتوح الغیب مقالہ ۷۱ اور حاشیہ قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر مطبوعہ مصر صفحہ (۳۱)۔

(۲) ثُمَّ يَرْدُّ عَيْنَكَ التَّكْوِينِ فَتَكُونُ بِالْأَذِنِ الْقَرْنِ الَّذِي لَا
غَبَا رَ عَلَيْهِ (ایضاً)

ہر دو عربی عبارتوں کا ترجمہ "ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب" مطبوعہ
اسلامیہ سٹیم پریس لاہور کے صفحہ ۲۴ پر یہ درج ہے۔
"اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی آدم میں اللہ
ہوں۔ اور نہیں میرے سوا کسی کوئی دوسرا معبود۔ میں جس چیز کو کہتا ہوں۔ کہ
ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔ تو میری فرمانبرداری کر تجھے بھی ایسا ہی کر دوں گا۔ کہ جس
چیز کو تو کہے گا۔ ہو جا۔ وہ ہو جائیگی۔ اور اللہ نے بنی آدم کے کئی نبیوں اور ولیوں
کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔

غرضیکہ اس کے بعد درجہ تکوین (یعنی کن فیکون کرنے کا خادم) عطا ہوگا۔ اور
تو اپنے ہی حکم اور اذن صریح سے پیدا کر کے گا۔" (ندائے غیب ص ۲۴)
(۱) لَوْلَا لَكُ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاقَ

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح فرماتے ہیں :-
"ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی
جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے۔ اور زمین
پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی
حاشیہ ص ۹۹)

(۲) حضرت "پیران پیر" غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور واصل
باللہ لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ جو فتوح الغیب میں درج ہے :-
"بِهِمْ ثَبَاتُ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَقَسْرُ الْأُمُوتِ وَالْأَحْيَاءِ إِذْ جَعَلَهُمْ
صَلْبَهُمْ أَوْ تَادَا لِلْأَرْضِ الَّتِي رَحَى فَكُلُّهَا كَالْجَبَلِ الَّذِي رَسَا"
(مقالہ نمبر ۱۷ آخری سطور نیز قلائد الجواہر حاشیہ ص ۲۱) ترجمہ :- انہیں کی وجہ سے
زمین و آسمان اور زندوں و مردوں کا قیام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گسترہ

زمین کے لئے بطور منج کے بنایا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو وہ وقار ہے۔ (مداغیب
ترجمہ اردو فتوح الغیب ص ۲۲)

(۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”بِهِمْ تَمْطُرُ
السَّمَاءُ وَتَنْبُتُ الْأَرْضُ وَهُمْ شَحْنُ الْبُذُودِ وَالْعِبَادُ بِهِمْ يَدْفَعُ
الْبَلَاءُ وَعَيْنُ الْخَلْقِ“ در سالہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی کلام الشیخ
عبدالقادر جیلانی مطبوعہ میمنیہ مصر مجلس ۱۲۱۱ھ یعنی اپنی اولیاء اللہ ہی
کی وجہ سے آسمان بارش برساتا اور زمین نباتات اگاتی ہے۔ اور وہ ملکوں اور
انسانوں کے ہیں۔ اور اپنی کی وجہ سے مخلوقات پر سے بلا طتی ہے۔

(۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ”الِشَاءُ اِمَانِ اَهْلِ اَرْضِ
اِنَّهُ وَغَنِيْمَتِ رَوْزِ كَارِ اِنَّهُ - بِهِمْ يُمَطَّرُونَ وَبِهِمْ يُرْزَقُونَ در شان
شان است“ (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۹۲)

(۱۱) رَأَيْتُنِي فِي الْمَنَامِ عَيْنَ اللَّهِ (رَأَيْتُهُ كَمَا لَا اِسْلَامَ)
”میں نے کشف میں دیکھا۔ کہ میں خدا ہوں۔ (کتاب البریہ ص ۷۹)

جواب ع: :- یہ خواب ہے۔ اور خواب کو ظاہر پر محمول کرنا ظلم ہے۔ حضرت
یوسف ع کا خواب۔ اگر کہو کہ خواب میں بھی ایسا کام بنی نہیں کر سکتا۔ جو بیداری
میں نا جائز ہو۔ تو اس کے لئے مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پڑھو :-

(۱) ”رَأَيْتُنِي فِي يَدَيَّ سَوَادَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ“ (مسلم کتاب الرؤیا جلد ۱ ص ۲۷)
(ب) اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى قَالَ بَيْنَا اَنَا نَائِمًا رَأَيْتُنِي فِي يَدَيَّ سَوَادَيْنِ
مِنْ ذَهَبٍ“ (بخاری کتاب الرؤیا باب النعیم فی المنام جلد ۴ ص ۱۳۴ مطبع المیہ
مصر جلد ۳ صفحہ ۹۷) کہ آنحضرت صلوٰۃ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا
کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ بیداری
میں سونا مرد کے لئے پہننا ناجائز ہے۔

ع: - حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے آگے ہی تعبیر بھی لکھی ہے۔ اسکو

کیوں حذف کرتے ہو؟ ” وَمَا نَعْنِي بِهَذِهِ الْوَاقِعَةِ كَمَا يُعْنِي فِي كِتَابِ
 اصْحَابِ وَحَدِّثِ الْوُجُودِ وَمَا نَعْنِي بِذَلِكَ مَا هُوَ مَذْهَبُ الْمُحَلُولِينَ
 بَلْ هَذِهِ الْوَاقِعَةُ حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّيْهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ بِحَدِيثِ
 الْبُخَارِيِّ فِي بَيَانِ مَرْتَبَةِ قُرْبِ السَّوَابِلِ لِعِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ
 دَائِمَةً كَمَالَاتِ اسْلَام ۵۶۶) کہ میں اس خواب سے وحدت الوجودیوں کے مذہب
 کی طرح یہ معنی نہیں لیتا۔ کہ گویا میں خود خدا ہوں۔ اور نہ حلولیوں کی طرح یہ کہتا ہوں
 کہ خدا مجھ میں حلول کر آیا۔ بلکہ میرے خواب کا یہی مطلب ہے۔ جو بخاری کی قرب نوافل
 والی حدیث کا مطلب ہے۔ کہ جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے۔ تو میں
 اس کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں۔
 جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ پاؤں بن جاتا ہوں
 جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ ص ۸ مطبع البیروت)
 (۳) نیز تعطیر الانام فی تعبیر المنام مؤلف علامہ سید عبدالغنی النابلسی مطبوعہ مصر
 میں جو تعبیر خواب کی بہترین کتاب ہے۔ لکھا ہے :- ” مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ كَيْفَهُ
 صَادَ الْحَقُّ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى اِحْتَدَى اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ”
 کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے۔ کہ وہ خدا بن گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ عنقریب
 خدا تعالیٰ اسکو ہدایت کی منزل مقصود تک پہنچائیگا۔

(۱۲) ” زَمِنَ اَوْرَا سَمَانَ كَوْ بَنَیَا ”

جواب ۱۰۔ یہ بھی مندرجہ بالا کشف ہی کا حصہ ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ
 نے اسی خواب کے ضمن میں لکھا ہے۔ کہ میں نے خواب ہی میں زمین و آسمان بنایا۔ اور
 اسکی تعبیر بھی حضور نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ص ۵۶۶ پر اس خواب
 کو نقل فرما کر یہ تحریر کی ہے :- ” اِنَّ هَذَا الْخَلْقَ الَّذِي رَأَيْتُهُ اِشَارَةً اِلَى
 تَارِيْخَاتِ سَمَآوِيَّةٍ وَارْضِيَّةٍ ” کہ یہ زمین و آسمان جو میں نے خواب میں
 دیکھے ہیں۔ تو یہ اشارہ ہے۔ اس امر کی طرف کہ آسمانی اور زمینی تاریکات میرے

ساتھ ہوں گی۔

۲۔ پھر آپ اپنی کتاب چشمہ مسیحی صفحہ ۳۵ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا ہے۔ اور پھر میں نے کہا:- کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا۔ کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس کشف سے مطلب یہ تھا:- کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا۔ کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے۔ اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔“

۳۔ پھر فرمایا:- ”خدا نے ارادہ کیا ہے۔ کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے

وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہے جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوئے۔ اور خدا ان سے ظاہر ہو گا۔ اور

نیا آسمان وہ نشان ہے۔ جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ (رکشتی نوح ص ۱)

اپنی معنوں میں یہ محاورہ کتب سابقہ انجیل میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ ”اس

وعدہ کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راستبازی

بسی رہے گی۔“ (۲۔ پطرس ص ۱۳)

(۱۳) ابن مریم بننے کی حقیقت

حیف۔ حمل۔ دروزہ کی تشریح

بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:- ”مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا

وَالشَّيْطَانُ يَمْسُهُ حِينَ يُولَدُ فَيَسْتَهْلِكُ صَارِخًا مِمَّنْ

مَسَّ الشَّيْطَانُ إِلَّا هَ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا“ بخاری کتاب التفسیر۔

سورۃ آل عمران جلد ۳ ص ۶۹ و جلد ۲ کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ مَطْمَعِ الْإِبْلِيسِ (مصر) کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو بوقت

دادت شیطان مس کرتا ہے۔ اور بچہ جب اسے مس شیطان ہوتا ہے۔ تو وہ ضحاک

چلاتا ہے۔ مگر مریم اور ابن مریم کو مس شیطان نہیں ہوتا۔

اس پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب ”مریم“ اور ”ابن مریم“ ہی مس شیطان سے پاک ہیں۔ تو پھر کیا باقی انبیاء کو غموماً اور آنحضرت صلیم کو خصوصاً مس شیطان ہوا تھا؟ اس کا جواب علامہ ذہبی نے تفسیر کشاف میں یہ دیا ہے :-

”مَعْنَاهُ إِنَّ كُلَّ مَوْلُوْدٍ يَطْمَعُ الشَّيْطَانُ فِيْ اِغْوَاثِهِ اِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا فَاِنَّهُمَا كَانَا مَعْصُوْمَيْنِ وَكَذَلِكَ كُلُّ مَنْ كَانَ فِيْ صِفَتِهِمَا“ (تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۳) کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں :-
کہ شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ سوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے۔ اور اس طرح ہر وہ بچہ (بھی اس میں شامل ہے) جو مریم اور ابن مریم کی صفت میں ہے۔

گویا آنحضرت صلیم کی حدیث میں ”مریم“ اور ”ابن مریم“ سے صرف دو انسان ہی مراد نہیں۔ بلکہ دو قسم کے انسان مراد ہیں۔ گویا جو مریم کی صفت میں اور ابن مریم کی صفت میں مومن اور انبیاء ہوں۔ وہ سب ”مریم“ اور ”ابن مریم“ کے نام سے نبی کریم صلیم کی زبان مبارک پر یاد کئے گئے ہیں۔ ان صفات کی مزید تشریح قرآن میں ہے :- ”فَرَبَّ اللّٰهُ مَثَلًا لِّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمَرَاتٌ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِّیْ بَیْتًا عِنْدَكَ فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الظَّالِمِیْنَ وَمَرْیَمَ اَبْنَتْ عِمْرَانَ الَّتِیْ اٰخَصَّنَا فَرْجَهَا فَفَخَنَّا فِیْہِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمَاتِ رَبِّہَا وَکُتِبَہٗ وَکَانَ مِنَ الْقَائِمِیْنَ (پ ۲۸ التقریم آخری رکوع)
کہ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کی مثال فرعون کی بیوی آسیہ کے ساتھ دی ہے۔
جبکہ اس نے دعا کی۔ کہ اے میرے رب! میرے لئے جنت میں گھر بنا۔ اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔ اور ان ظالموں کی قوم سے مجھ کو رہائی بخش اور (خدا نے مثال دی ہے مومن مردوں کی) مریم بنت عمران کے ساتھ جس نے

اپنی شرمگاہ کی پوری حفاظت کی۔ پس ہم نے اسیں اپنی روح پھونکی۔ اور وہ خدا کے کلام اور اسکی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہوئی۔ اور وہ فرما نہر داروں میں سے تھی۔

ان آیات سے ماقبل کی ملحقہ آیات میں کافر مردوں کو دو عورتوں نوح اور لوط کی بیویوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے خاوند مومن تھے۔ مگر وہ دونوں کافر تھیں۔ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ مومن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) آسیہ (زوجہ فرعون) صفت (۲) مریم صفت۔ پہلے وہ جو کفر کے غلبہ کے نیچے دب چکے ہوں۔ اور وہ اس سے نجات پانے کے لئے درست بدعا ہوں۔ اور دوسرے وہ جن پر روز اول سے ہی بدی غلبہ نہ پاسکی ہو۔ (الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا) دوسری قسم کا مومن قرآنی اصطلاح میں ”مریم“ کہلاتا ہے۔ پھر وہ اس مریم حالت سے ترقی کر کے رَفَقْنَا فِيهِ مِثْرَ زُوحَلَا کے مطابق ”ابن مریم“ کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ مقام مریم صدیقیت ہے۔ اور مقام ”ابن مریم“ مقام نبوت۔ گویا ہر نبی پر روز مانے آتے ہیں۔ پہلے وہ مقام مریم میں ہوتا ہے۔ یعنی پیدائش ہی سے بدی سے پاک ہوتا ہے۔ اور اسی حالت کے متعلق قرآن مجید نے ”فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ مُمَرًّا مِّنْ قَبْلِهِ“ میں اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس مریم حالت سے ترقی کر کے نبوت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور ان دونوں حالتوں میں وہ مس شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں۔ بخاری کی مندرجہ عنوان حدیث کے۔ سورہ تحریم کی آیات سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہ اپنے احسان کے انتہائی مقام پر پہنچ کر حاملہ ہوئیں۔ اور اس حمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خدا کے نبی تھے۔ پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک مومن مرد بھی پہلے مریم حالت میں ہوتا ہے۔ اور پھر ایک روحانی اور مجازی حمل سے گذرتا ہوا مجازی ”ابن مریم“ ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ مومن مرد مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ”مریم“ ہوتا ہے۔ اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں

”ابن مریم“ کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام کافروں اور مومنوں کو چار عورتوں ہی سے تشبیہ دی ہے۔ مرد عورتیں تو نہیں۔ ہاں استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ان کو عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی نکتہ معرفت کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں اشارہ فرمایا ہے:

دستے بودم بزرگ مریمی دست زادادہ بہ پیران زمی
بعد ازاں آن قادر و رب مجید روح عیسیٰ اندراں مریم دمید
پس بنفش رنگ دیگوشد عیاں زادراں مریم مسیح ابن زماں
پھر فرمایا: یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی منتقل ہو جائیگا۔
(کشتی نوح ص ۱۴) اس موقع پر کشتی نوح کی اصل عبارت سیاق و سباق کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

(۱۴) روحانی حمل

روحانی اور معنوی حمل کے لئے مندرجہ ذیل حوالے یاد رکھنے چاہئیں:-

(۱) الْخَوْفُ ذِكْرُ الرَّجَاءِ الشَّيْ مِنْهُمَا يَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْإِيمَانِ
(دیکھو شرح التعارف ص ۵۵) مشہور صوفی حضرت سہل فرماتے ہیں: کہ خوف مذکور اور امید مومنث ہے۔ اور ان دونوں کے ملنے سے حقائق ایمان پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) اسی طرح سے امام الطائفہ الشیخ السہروردی فرماتے ہیں: یَصِيرُ الْمُرِيدُ جُزْءَ الشَّيْخِ كَمَا أَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِي الْوِلَادَةِ الطَّبْعِيَّةِ وَتَصِيرُ هَذِهِ الْوِلَادَةُ أَنْفَاءً وَلَا دَةَ مَعْنَوِيَّةً (عوارف المعارف جلد ۱ ص ۵۵)

کہ مرید اپنے پیر کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادت طبعی میں۔ مرید کا اپنے پیر سے پیدا ہونا (اصل اور حقیقی معنوں میں نہیں۔ بلکہ) معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں ”حمل“ کا لفظ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی ہے۔ ”وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَنًّا لَوْ لَا“ (مریم ۶۴) پھر مومنوں کے متعلق بھی آیا ہے۔ ”لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا“

اَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا" یہاں "حمل" "اٹھانے" کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ پس محض لفظ "حمل" پر مذاق اڑانا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ "استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا" (کشتی نوح ص ۷) اور "حمل" کے لفظ سے حقیقی اور عام معنی مراد نہیں لئے بلکہ "حامل صفات عیسوی" مراد لیا ہے۔ مریخی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہونا "کشتی نوح ص ۷" تو پھر اس پر بے وجہ مذاق اڑانا شرافت سے بعید ہے۔

(۱۵) حیض

مندرجہ ذیل حوالے پڑھو۔ "كَمَا أَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِيضًا فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ مُوجِبٌ لِنَقْصَانِ اِيْمَانِهِنَّ لِمَنْعِهِنَّ عَنِ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ فَكَذَلِكَ لِلرِّجَالِ مَحِيضٌ فِي الْبَاطِنِ وَهُوَ مُوجِبٌ لِنَقْصَانِ اِيْمَانِهِمْ لِمَنْعِهِمْ عَنْ حَقِيقَةِ الصَّلَاةِ" (البيان جلد ۱ ص ۳۷) کہ جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے۔ جو ان کے ایمان میں نقص کا موجب ہوتا ہے۔ ان کو نماز اور روزہ سے روک کر۔ اسی طرح سے مردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے۔ اور وہ ان کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔ ان کو نماز کی حقیقت سے نادان فہم کرنے کے سبب۔ گویا وہ شخص جو حقیقت نماز سے بے بہرہ ہو۔ صوفیاء کی اصطلاح میں کہیں گے۔ کہ اسے حیض ہے۔

(۲) جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے۔ ایسا ہی ارادت کے رستہ میں مریدوں کو حیض آتا ہے۔ اور مریدوں کے رستہ میں جو حیض آتا ہے۔ تو وہ گفتار کے رستہ سے آتا ہے۔ اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ اس حیض میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا۔ (انوار الازکیا و ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطار مطبع مجیدی کاپنور ضلع در ذکر

نوٹ ۱۔ غیر احمدیوں نے اب جو نیا ترجمہ تذکرۃ الاولیاء کا شائع کیا ہے۔ اس میں سے یہ عبارت نکال دی ہے۔ مگر ۱۹۲۱ء سے پہلے چھپے ہوئے سب ترجموں میں یہ عبارت موجود ہے۔ گویا بحرفون الکلم عن مواضعہ کی مماثلت کو پورا کیا ہے۔ خادّم

(۳) بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ کیا کسی نبی نے بھی حیض کا لفظ مردوں کی طرف منسوب کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں مندرجہ ذیل حدیث یاد رکھنی چاہیے۔ حدیث میں ہے۔

”الْكَيْدُ بِحَيْضِ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ طَهَارَتُهُ“۔

دہلی ص ۱۶۱ سطر ۱۱ راوی حضرت سلمان رضی یعنی آنحضرت صلیع نے فرمایا۔ کہ جھوٹ مرد کا حیض اور استغفار اس کی طہارت ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کا مطلب صرف یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی اور بدی میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی اور گندگی نہیں۔

(۴) حضرت مسیح موعود ؑ نے کہیں نہیں لکھا۔ کہ مجھے ”حیض“ آیا۔ بلکہ آپ نے تو اس کی نفی کی ہے۔

(۵) حضور نے لفظ ”حیض“ کی نفی کرتے ہوئے ساتھ ہی اس کا مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ ”یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ناپاکی اور خباثت کی تلاش میں ہیں“ (اربعین ص ۱۹) گویا یہاں عورتوں والا حیض مراد نہیں۔ بلکہ ”مردوں والا حیض“ مراد ہے۔ جیسا کہ حوالہ ۱ و ۲ و ۳ میں صوفیائے کرام کی تحریرات اور حدیث سے دکھایا جا چکا ہے۔

(۱۶) دروزہ

اسی طرح دروزہ کا محاورہ ہے۔ جو ”تکلیف“ اور ”معیشت“ کے معنی میں ہزار ہا سال سے مردوں کے متعلق بھی بولا جاتا رہا ہے۔

۱۱) خود حضرت صاحب نے اسکی تشریح فرمائی ہے۔ ”مخاض“ دروزہ سے مراد اسجگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ یا محاورہ ترجمہ یہ ہے۔ ”درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا“ (براہین حصہ پنجم ص ۵۳ حاشیہ) نیز دیکھو کشتی نوح حاشیہ (۲) انجیل میں ہے: ”کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی اور درد درہ میں پڑی تھیں“ (رومیوں ص ۴۲)

(۳) تورات میں ہے: ”خدا کہتا ہے۔“ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا۔ اور اپنے کو روکتا رہا۔ مگر اب میں اس عورت کی طرح جسکو درد زہ ہو۔ چلاؤں گا۔ اور مایوں گا۔ اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا“ (یسعیاہ ۶۲) تفصیل دیکھو صداقت پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب سوال ۹)

موجودہ انجیل و توریت خدا کا کلام ہوں یا نہ ہوں۔ مگر محاورہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ پہلی کتابوں میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت نے خود ہی تشریح فرمادی ہے۔

(۱۷) کشف سرخی کے چھنڈے

جواب ۱۔ خواب میں خدا تعالیٰ کو انسانی صورت میں دیکھنا جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رَأَيْتُ رَبِّي فِي مَسْجِدَةٍ شَابَتْ أَمْرًا وَقَطِطَ لَهُ وَفَسَّةٌ مِثْلُ شَعْبِي وَفِي رَجُلَيْهِ نَعْلَانِ مِثْلِ ذَهَبٍ“ (البیہقی) والیوالتواہجوا ہر جگہ اعلیٰ طہرانی و موضوعات کبیر ص ۴۷) کہ میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان بے ریش لڑکے کی صورت میں دیکھا۔ اس کے لمبے لمبے گھنے بال ہیں۔ اور اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اعلیٰ قاری جیسے جلیل القدر محدث نے اسے درج کر کے اس کی تائید

میں یہ قول نقل کیا ہے۔ ”حدیث ابن عباس لا ینکرہ الا
معتزلی (موضوعات کبیر ص ۷۷) کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی
سروی ہے اور اس سے سوائے معتزلی کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس
حدیث کے معنی ملا علی قاری نے کئے ہیں :- ”ان حیل علی المنام فلا
انکال فی المقام (موضوعات کبیر ص ۷۷)

نوٹ :- موضوعات کے بعض ایڈیشنوں میں یہ حدیث اور اس کے متعلقہ
حوالجات صفحہ ۳۹ پر ملتے ہیں

یعنی اگر اس واقعہ کو خواب پر محمول کیا جائے۔ تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی
(بات صاف ہو جاتی ہے)

(۲) حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ”پیران پیر“ فرماتے
ہیں :-

”رَأَيْتُ رَبِّي الْعِزَّةَ فِي الْمَنَامِ عَلَى صُورَةِ أُمِّي“ (در بحر المعانی ص ۶۷)
یعنی میں نے خدا تعالیٰ کو اپنی والدہ کی صورت میں دیکھا۔

(۳) ”جناب مولوی محمد قاسم صاحب (نانو تووی - بانی دیوبند)

نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا۔ کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا
ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی۔ کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا
اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہوگی۔“ (سوا بخیری
مولوی محمد قاسم صاحب مؤلف مولوی محمد یعقوب نانو تووی صفحہ ۳۰)

(۴) پھر لکھا ہے :- ”انک تری فی المنام واجب الوجود الذی
لا یقبل المسور فی سورۃ یقول لک معبر المنام صحیح
صارأیت و لکن تاویلہ کذا و کذا“ (الیواقیت والحوار

جلد ۱ ص ۱۶۳) تم (اگر) خدا تعالیٰ کو جو کسی صورت میں بھی مقید نہیں ہوتا
خواب میں دیکھو۔ تو تعبیر بتانے والا تم سے کہیگا۔ کہ جو کچھ تم نے دیکھا صحیح

ہے۔ لیکن اسکی تعبیر یہ ہے۔

(۵) خواب کا واقعہ متمثل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے دیکھو مندرجہ ذیل عبارات :-

(۱) تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۴ پر حضرت حسن بصری رحمہ کے حالات میں ایک واقعہ درج ہے۔ کہ آپ کا ہمساہ شمعون نامی آتش پرست تھا۔ حضرت حسن نے سنا۔ کہ وہ سخت بیمار اور قریب المرگ ہے۔ آپ نے اسے تبلیغ کی۔ اور وہ اس شرط پر مسلمان ہوا۔ کہ حضرت حسن رحمہ اسے جنت کا پر دانہ لکھ دیں۔ اس پر اپنے اور بزرگان بصرہ کے دستخط ثبت کر کے شمعون کی قبر میں (جب وہ مر جائے تو) اس کے ٹاٹھ میں دے دیں۔ تاکہ اگلے جہان میں گواہ رہے۔ چنانچہ حضرت حسن نے ایسا ہی کیا۔ مگر بعد میں خیال آیا۔ کہ میں نے یہ کیا کیا؟ اسکو جنت کا پر دانہ کیونکر لکھ دیا؟ لکھا ہے :- اسی خیال میں سو گئے۔ شمعون کو دیکھا۔ کہ شمع کی طرح تاج سر پر اور مکلف لباس بدن میں پہنے ہوئے بہشت کے باغوں میں ٹھل رہا ہے۔ اس نے حضرت حسن سے کہا۔ ”حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے محل میں اتارا ہے۔ اور اپنے کرم سے اپنا دیدار دکھایا۔۔۔۔۔ اب آپ کے ذمہ کچھ بوجھ نہیں رہا۔ ادا آپ سبکدوش ہو گئے۔ لیجئے یہ اپنا اقرار نامہ کیونکہ اب اسکی ضرورت نہیں۔ جب حضرت حسن خواب سے بیدار ہوئے۔ تو اس خط کو اپنے ٹاٹھ

میں دیکھا۔ (الوارالاندر کیا ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴ ذکر الحسن بصری)
(۴) قَالَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ الْجَدَلِ دَخَلْتُ مَدِينَةَ رَسُولِ اللَّهِ
وَبِي فَاقَةً فَتَقَدَّمْتُ إِلَى قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى وَسَلَّمَ عَلَيْهِ
وَعَلَى صَاحِبَيْهِ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِي فَاقَةً وَأَنَا ضَيْفُكَ
ثُمَّ تَنَحَّيْتُ وَنِمْتُ دُونَ الْقَبْرِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى جَاءَ
إِلَيَّ فَقُمْتُ فَدَفَعَنِي إِلَى رَغِيفٍ فَأَكَلْتُ بَعْضَهُ وَالتَّيْتُ

وَفِي يَمِينِي بَعْضُ الرَّغِيفِ“ (منتخب الکلام فی تعبیر الاحلام مؤلفہ ابن سیرین و تشریح مصری ص ۱۱)

اس عبارت کا ترجمہ شیخ فرید الدین عطار رحمہ کے الفاظ میں یہ ہے :-
 ”حضرت عبد اللہ بن جلال فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینۃ النبی میں گیا اور مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آنحضرت صلی علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا۔ اور حضور اور حضور کے دونوں ساتھیوں کو السلام علیکم کہا۔ اور عرض کیا کہ حضرت! میں سخت بھوکا ہوں۔ اور آپ صی کا مہمان ہوں۔ یہ کہہ کر میں قبر سے پرے ہٹ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم میری طرف تشریف لائے ہیں۔ میں دبغرض تعظیم کھڑا ہو گیا۔ آنحضرت نے مجھے ایک نان دیا۔ میں نے اس میں سے آدھا کھا لیا۔ جب بیدار ہوا۔ تو نان کا باقی حصہ میرے ہاتھ میں تھا۔“ (تذکرۃ الاولیاء ذکر عبد اللہ بن جلال صفحہ ۱۹۸)

(۷) حضرت اسماعیل شہید رحم نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم در منام دیدند و آنجناب سے فرما بدست مبارک خود ایشان را فوراً نیدند..... و بعد از آنکہ بیدار شدند۔ در نفس خود ذائقہ اذال روئے حقه ظاہر و باہر یافتند“ (صراط مستقیم مجتبیٰ ص ۱۱۷) کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا۔ کہ آپ صی میں تین کھجوریں کھا رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے۔ تو واقعی منہ میں ذائقہ موجود تھا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف سے مندرجہ ذیل باتیں مد نظر تھیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے قلم کے ساتھ زیادہ سیما ہی لگا کر اسکو چھپا دیا۔

(۱) خدا نیست سے بہت کر سکتا ہے۔ اور آدمیوں کا عقیدہ غلط ہے کہ خدا نیست سے بہت نہیں کر سکتا۔ بلکہ مادہ ہی سے کوئی چیز بنا سکتا ہے۔

(۲) سرفخی کے چھینٹے لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی کے طور پر تھے۔

(۳) دستخط کرانے سے مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے لیکھرام کے قتل کا

فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حدیث میں ہے :-

”خَلَقَ اللَّهُ ثَلَاثَةَ أَشْيَاءَ بَيِّدَةٍ خَلَقَ آدَمَ بَيِّدَةً وَكُتِبَ

التَّوْرَةَ بَيِّدَةً وَغَسَّ سَنَ الْفَرْسِ دَوْسَ بَيِّدَةً“ (دیلی ص ۱)

کہ خدا تعالیٰ نے تین چیزیں خاص اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ حضرت آدم کو

اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور فردوس

کو اپنے ہاتھ سے بویا۔

اب تم جس قدر اعتراض سرفخی کے چھینٹوں والے کشف پر کرتے ہو۔ کہ

اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کاغذ پر لکھا بھی کرتا ہے؟ وہ کاغذ کس کارخانے

کا بنا ہوا تھا۔ سیاہی کس کارخانے کی تھی؟ قلم کیسا تھا؟ وغیرہ وغیرہ یہ

سب اعتراضات ”کُتِبَ التَّوْرَةَ بَيِّدَةً“ پر بھی پڑ سکتے ہیں۔

مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُ بَنَّا۔

(۱۰) عبد اللہ سنوری رضا نے جو موقع کا گواہ تھا۔ حنفی میان دیا۔ کہ اس وقت

کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ سرفخی کہیں سے آسکتی۔ بلکہ میں نے خود سیاہی

حضرت کے کرتے پر گرتی دیکھی۔ (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۱۹ء)

(۱۸) كَاتَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے خدا تعالیٰ کا

جلال اور حق کا ظہور مراد لیا ہے۔ (دیکھو آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷)

”يَنْظُرُ بِظُهُورِهِ جَلَالَ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ نیز حقیقۃ النومی ص ۹۵

”جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا“

(۲) حدیث میں ہے: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

قَالَ يَنْزِلُ رَبِّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا“

(بخاری کتاب الصلوة باب الدعاء والصلوة من آخر الليل جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

مطلب الیہ مصر و مشکوٰۃ مجتہائی ص ۹۱ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہمارا رب ہر رات پہلے آسمان پر اتر آتا ہے۔ کیا معنی؟ لکھا ہے:-
 ”النُّزُولُ وَالْهَبُوطُ وَالصَّعُودُ وَالْحَرَكَاتُ مِنْ صِفَاتِ
 الْأَجْسَامِ وَاللَّهُ تَعَالَى مُتَعَالٍ عَنْهُ وَالْمُرَادُ نَزُولُ الرَّحْمَةِ
 وَقَسْمُ بَهْ تَعَالَى“ در حاشیہ مشکوٰۃ مجتہائی ص ۹۱ کہ نازل ہونا۔ اترنا
 چڑھنا اور حرکات یہ تو جسم کی صفتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے پاک ہے۔
 اللہ کے نازل ہونے سے مراد اسکی رحمت کا نازل ہونا اور قرب کا حاصل
 ہونا ہے۔

(۳) مؤطا امام مالک ص ۱۲۱ کے حاشیہ باب ما جاء في ذكر الله میں لکھا ہے:-
 ”قَوْلُهُ يَنْزِلُ رَبَّنَا أَيُّ نَزُولٍ رَحْمَةٍ“ کہ آنحضرت صلعم کا فرمانا کہ خدا نازل
 ہوتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔
 (۴) تلخیص المفتاح کے ص ۶۶ پر لکھا ہے:- ”وَقَدْ يُطْلَقُ الْمَجَازُ.....
 بِحَذْفِ لَفْظٍ أَوْ زِيَادَةِ لَفْظٍ كَقَوْلِهِ تَعَالَى جَاءَ رَبِّي“۔ اِیُّ اَمْرٍ
 رَبِّي“ یعنی بعض دفعہ مجاز میں کوئی لفظ حذف کیا جاتا ہے۔ یا زیادہ کیا جاتا ہے۔
 جیسے خدا تعالیٰ کا فرمانا ”جَاءَ رَبِّي“ کہ تیرا رب آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے
 کہ خدا تعالیٰ کا حکم آیا۔ پس كَانَتْ اِنَّهٗ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ کا مطلب بھی
 خدا کی رحمت۔ خدا کے فضل۔ خدا کے جلال اور اس کے حکم کا نازل ہونا ہے۔

(۱۹) يَتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يَتِمُّ اسْمِي

تیرا نام پورا ہو جائیگا۔ مگر میرا (خدا کا) نام پورا نہ ہوگا۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی خود تشریح فرمائی
 ہے:-

(۱) براہین احمدیہ جلد دوم ص ۲۷۷ حاشیہ در حاشیہ میں الہام ”یا احمد یتم“

یتیم اسمک ولا یتیم اسمی درج فرما کر اس کے آگے بین السطور تحریر فرماتے

ہیں:-
 ”رَأٰی اَنْتَ فَاِنْ فَيَنْقُطُ تَعْمِيْدُكَ وَلَا يَنْتَرِي مَحَامِدُ اللّٰهِ
 فَاِنَّهَا لَا تَعْدُ وَلَا تُحْصٰی“ یعنی اس الہام کا مطلب یہ ہے کہ اسے احمد
 تو فوت ہو جائیگا۔ اور تیرے کمالات اور محامد ختم ہو جائیں گے۔ مگر خدا کے محامد
 ختم نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ لاتعداد اور بے شمار ہیں۔

(۲) پھر حضرت مسیح موعودؑ خطبہ الہامیہ ص ۱ پر تحریر فرماتے ہیں:-

”اِذَا اَنَارَ النَّاسَ بِنُوْرٍ رَبِّهِ اَوْ بَلَغَ الْاَمْرَ بِقَدْرِ الْكِفَايَةِ فَحِيْنَئِذٍ
 يَتِمُّ اسْمُهُ وَيَدْعُوْهُ رَبُّهُ وَيَرْفَعُ رُوْحَهُ اِلٰی نَقْطَتِهِ النَّفْسِيَّةِ“

یعنی جب انسان کامل لباس خلافت زیب تن کر لیتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ
 بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اس کے رب کے ارادہ میں ہے۔ توقف کرتا ہے۔
 تاکہ مخلوق کو نور ہدایت کے ساتھ منور کرے۔ اور جب خلقت کو اپنے رب کے نور
 کے ساتھ روشن کر چکا۔ یا امر تبلیغ کو بقدر کفایت پورا کر دیا۔ پس اس وقت اس
 کا نام پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رب اس کو بلاتا ہے۔ اور اسکی روح اس
 کے نقطہ نفسی کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ گویا وہ فوت ہو جاتا ہے۔
 پس الہام ”یَتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يَتِمُّ اسْمِي“ کا مطلب یہ ہے کہ تو فوت
 ہو جائیگا۔ مگر میں (یعنی خدا) فوت نہیں ہوں گا۔ فلا اعتراض

(۲۰) اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِي

عربی غلط ہے ”ہو“ کی بجائے ”ہما“ چاہیے تھا۔ کیونکہ زمین و آسمان ہمیں ذکر ایک
 جواب:- یہ جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ”وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ
 اَنْ يُرْسُوْا رَتُوْبَهُ“ کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں
 کہ ان کو خوش کیا جائے۔ آپ کے قاعدہ کے مطابق یہاں بھی ”یُرْسُوْا“ کی بجائے

”یُرْفُوهَا“ چاہیے تھا۔

(۲۱) عَتَجَبِينَ لَأَمْرِ اللَّهِ

عربی غلط ہے۔ ”مِنْ أَمْرِ اللَّهِ“ چاہیے تھا۔ ”عجب“ کا صمد لام نہیں آتا۔
جواب :- ”عجب“ کا صمد لام آتا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

مشہور عرب شاعر جعفر بن عُبَيْدَةَ الْحَارِثِي جبکہ وہ مکہ میں قید تھا کہتا ہے :-

عَجِبْتُ لِمُسْرَاهَا وَأَنِّي تَخَلَّصْتُ

إِلَى ذِي بَابِ السَّجِينِ دُونِي مُغْلَقُ (حماسہ ص ۸)

کہ میں نے اپنی معشوقہ کے چلے آنے پر تعجب کیا۔ کہ ایسی حالت میں قید خانے کا دروازہ
مقفول ہے۔ پھر وہ کس طرح میرے پاس پہنچ گئی۔

اس شعر میں عجب کا صمد ”لَا“ آیا ہے۔ پس تمہارا اعتراض باطل ہے۔

(۲۲) يَحْمَدُكَ اللَّهُ مِنْ عَرْشِهِ

”حمد“ کا لفظ سوائے خدا کے اور کسی پر بولا نہیں جاتا

جواب :- حمد کا لفظ غیر اللہ پر بھی بولا جاسکتا ہے۔ (۱) آنحضرتؐ کا نام ہی

محمد تھا۔ (۲) ایک مرتبہ آنحضرتؐ صلعم سے کسی شخص نے کچھ سوال کیا۔ حضورؐ نے

تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا: ”أَيُّنَ السَّأَلُ“ کہ یہ سائل کہاں ہیں؟ اس کے متعلق

بخاری مسلم میں لکھا ہے۔ ”كَأَنَّهُ حَمْدُهُ“ (گویا کہ رسول اللہ صلعم

نے اس شخص کی تعریف (حمد) کی) بخاری باب الصدقة علی الیتامیٰ جلد ۱ ص ۲۹۹ مصری

مسلم باب تخوف ما يخرج من زهرة الانبياء جلد ۱ ص ۳۸۷ مصری و مشکوٰۃ

کتاب الرقاق)

(۳) ”إِفْعَلْ هَذَا الَّذِي أَمَرْتُكَ بِهِ لِنَقِيْمَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“
مَقَامًا مَحْمُودًا يَحْمَدُكَ الْخَلَائِقُ كُلُّهُمْ وَبِخَالِقِهِمْ تَبَارَكَ

وَتَعَالَى "دفعہ ابن کثیر جلد ۶ ص ۹۲) کہ "يُنْعَثُكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْنُودًا" کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ "یہ جو میں نے تجھے حکم دیا۔ اس کو بجالا" تاکہ میں تجھ کو قیامت کے دن مقام محمود پر کھڑا کروں۔ تمام دنیا تیری حمد کریگی۔ اور خالق کون و مکان (خدا تعالیٰ) بھی تیری حمد کرے گا۔"

(۲۲) قرآن مجید میں بھی ہے:- "وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا" (زال عمران ۱۹۶) کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بنیاد کسی کام کرنے کے ہی تعریف کی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس متعدد مثالیں ہیں۔ جن کو بخوف تطویل درج نہیں کیا گیا۔

(۲۳) "حجر اسود منہم"

حضرت فرماتے ہیں کہ خواب میں کسی شخص نے میرے پاؤں کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔

جواب ۱۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمادی ہے:-
 "وَإِنِّي أَنَا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ الَّذِي دُفِنَ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ
 وَالنَّاسُ يَمَسُّهُ يَتَبَرَّكُونَ" اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:- "قَالَ
 الْمُعَبِّرُونَ أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فِي عِلْمِ الرُّوِّ يَا الْمُرَوِّ
 الْعَالَمُ الْفَقِيهُ الْحَكِيمُ" (الاستفتاء عربی ص ۱۱۱)

کہ میں وہ حجر اسود ہوں۔ جس کو خدا نے دنیا میں قبولیت دی ہے۔ اور جس کو لوگ برکت حاصل کرنے کے لئے چھوتے ہیں۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ استادانِ فن تعبیر نے لکھا ہے کہ علمِ رؤیا میں حجر اسود سے مراد عالمِ فقیہ اور حکمت والا انسان ہوتا ہے۔

گویا خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رؤیا کی تعبیر بھی فرمادی ہے
 (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کو فرماتے ہیں:-
 "يَا عَلِيُّ! أَنْتَ بِمَنْزِلَةِ الْكَعْبَةِ" (فردوس الاخبار دہلی ص ۳۱۲ باب البیاض)
 یعنی اے علی! تو منزلہ کعبہ کے ہے

طیچی پیچی (۱۲۴)

طیچی پیچی بھی فرشتے ہوا کرتے ہیں؟

جواب ۱۔ فرشتے کانے بھی ہوا کرتے ہیں؟ بخاری میں ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أُرْسِلَ مَلَكَ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ مَكَهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ أُرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ فَزَادَ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ يَفْعَلُ يَدًا عَلَى مَتْنِ ثَوْبِ قَلْبِهِ بِكُلِّ مَا عَطَيْتُ بِهِ يَدًا بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةً قَالَ أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ قَالَ رُبَّ نَخَارِي كِتَابِ الصَّلَاةِ بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ جَدًّا ص ۱۵۳ مطبع البیہ مصر

اس کا ترجمہ "تجرید البخاری اردو" شائع کردہ مولوی فیروز الدین امین سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے۔ "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا گیا۔ جب وہ آیا۔ تو حضرت موسیٰ نے اس کو ایک طمانچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ پس وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا۔ اور عرض کی۔ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا۔ جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے اس کی آنکھ دوبارہ اسے عنایت کی۔ اور ارشاد ہوا۔ پھر جا کر ان سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں۔ پس جب قدر بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے۔ ہر بال کے عوض میں انہیں ایک ایک سال زندگی دی جائیگی۔ حضرت موسیٰ عا بولے۔ اے پروردگار! پھر کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا پھر موت آئیگی۔ جس پر موسیٰ نے کہا۔ تو پھر ابھی سہی" (تجرید بخاری اردو جلد ۱ ص ۱۵۳) بھلا "طیچی" تو محض نام ہے۔ تم تو عملاً عزرائیل ع کو بھی کانامانتے ہو۔

(۲) حضرت مسیح موعود ع نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ وہ فرشتہ تھا۔ بلکہ فرمایا ہے۔ کہ "فرشتہ معلوم ہوتا تھا" (مکاشفات ص ۳۸) نیز خواب میں جو اس فرشتہ نما

انسان نے اپنا نام بتایا ہے۔ وہ صرف ”یہی“ ہے۔ مگر تم محض شرارت سے ”یہی یہی“ کہتے ہو۔ جو یہود کی مثل یہ صرفون الکلم عن موالہ صنفہ کا مصداق بنتا ہے۔

عزرائیل کو طمانچہ مار کر کاناکرنے کی حدیث بخاری جلد ۲ ص ۱۵۴ کتاب بدء الخلق باب وفات موسیٰ و ذکرہ بعدہ۔ نیز مسلم جلد ۲ ص ۲۲۵ مطبع العامرة مصر کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ نیز مشکوٰۃ ص ۲۹۹ مطبع جہد ری باب بدء الخلق ذکر الانبیاء فصل الاول۔ میں بھی موجود ہے۔

(۳) حضرت مسیح موعودؑ نے اس کا ترجمہ بتایا ہے۔ ”یہی پنجابی زبان میں وقت مقررہ کو کہتے ہیں۔ یعنی عین ضرورت کے وقت آنے والا۔ (حقیقۃ الرحی ص ۳۲) (۴) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا۔ تو اس پر کیا اعتراض ہے۔ یہ تو ایک صفاتی نام ہے۔ نبی کی اپنی زبان (پنجابی) میں گویا خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے۔ اور تم اس پر ہنستے ہو۔ اور مذاق اڑاتے ہو۔ اور اگر نبی کی اپنی زبان میں الہام نہیں ہوتا۔ تو اس پر اعتراض کرتے ہو۔ کہ غیر زبان میں الہام کیوں ہوا۔ خدا تعالیٰ نے تم کو اسی کشف کے ذریعہ سے ملزم اور مافوق کیا ہے۔ کہ تمہاری پنجابی زبان تو ایسی زبان ہے۔ کہ غالباً اس کا اکثر حصہ مذاق ہی مذاق میں اڑایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے عام طور پر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو افصح الالسنہ (عربی) میں الہام کیا۔ کیونکہ ضرورت زمانہ اور ملہم کی فطرتی پاکیزگی مقتضی تھی۔ کہ فصاحت اور بلاغت کا معجزہ اسے دیا جاتا۔ مگر پنجابی زبان اسکی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے آپ کو الہامات کا اکثر حصہ عربی زبان میں ہوا۔

(۵) باقی رہا تمہارا کہنا کہ اس نے جھوٹ بولا اور پہلے کیا۔ کہ میرا کوئی نام نہیں اور بعد میں دوبارہ پوچھنے پر اپنا نام بتایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ”یہی“ جیسا کہ بیان ہوا۔ اس کا ذاتی نام (علم) نہیں۔ بلکہ صفاتی نام ہے۔ گویا نفی

ذاتی نام کی ہے۔ اور اثبات صفاقی کا۔ جب اس نے کہا۔ کہ میرا کوئی نام نہیں تو اس نے اپنے ذاتی نام یعنی (عَلَم) کی نفی کی۔ اور جب اس کو کہا گیا۔ کہ ”کچھ“ تو بتاؤ۔ تو اس نے اپنی ڈیوٹی (عین وقت پر پہنچ کر مدد کرنا) کو مدنظر رکھ کر اپنا صفاقی نام بتا دیا۔ اب اس کو جھوٹ کہنا اپنی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے۔ جو انبیاء کو بھی جھوٹ بولنے کا عادی قرار دیا کرتے ہیں۔ گویا ہر بات میں ان کو جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔

(۶) بخاری شریف کے پہلے باب کی دوسری حدیث میں ہے: ”فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْيَانًا يَا تَيْيَبُ مِثْلُ صَلَافِ الْجَرَسِ“ کہ اکثر دفعہ فرشتہ وحی نے کرشن ٹن ٹن کی آواز کی طرح آتا تھا۔ یہ اب ”ٹن ٹن“ کوئی فرشتہ نہیں۔ بلکہ اس کی آمد کی کیفیت بیان کی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ”تیبی“ اس کی صفت ہے۔

(۷) نماں فرشتوں کے نام ”صفاقی“ بھی ہوتے ہیں۔ جو ان کے ذاتی نام (عَلَم) کے سوا ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

”اسم جبریل عَبْدُ اللَّهِ وَاسْمُ مِيكَائِيلَ عَبْدُ اللَّهِ وَاسْمُ إِسْرَافِيلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ“ (دیلی ص ۵۵ باب الالف راوی ابو امامہ رضی) آنحضرت صلیع نے فرمایا۔ کہ جبرائیل کا نام عبد اللہ ہے۔ اور حضرت میکائیل کا نام عبد اللہ اور حضرت اسرافیل کا نام عبد الرحمن ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ فرشتوں کے صفاقی نام بھی ہوتے ہیں۔ جو ان کی ڈیوٹیوں کے اعتبار سے رکائے گئے ہیں۔ اب حضرت جبرائیلؑ کا نام آنحضرت صلیع نے ”عبد اللہ“ بتایا ہے۔ تم سوا ذراہ تمسخر شرار سے حضرت جبرائیل کے متعلق یہ کہے کہ ”میاں عبد اللہ“ یہ وحی لایا۔ تو

جو جواب تمہارا سو وہی ہمارا سمجھ لو۔
(۲۵) کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا (البشری جلد ۲)
یہ مرزا صاحب کو اپنے متعلق الہام ہوا۔

جواب :- تم دھوکے سے کام لیتے ہو۔ ”البشری“ جس میں یہ الہام درج ہے۔ اس کے آگے ہی تشریح بھی موجود ہے۔ ”کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا“ (یعنی کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ یا شاید کمترین سے مراد کوئی شریعہ مخالف ہے) (البشری جلد ۲ ص ۱۲) ”تم لا تقربوا الصلوٰۃ“ تو پڑھتے ہو۔ مگر ”وانتم سُکادنی“ بہنم کر جاتے ہو۔ ۶ کچھ تو لوگو خدا سے شرماء

(۲۵) ”میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا“

جواب :- ”وانتم سُکادنی“ بھی پڑھو۔ لکھا ہے :- اس وحی کے بعد ایک ناپاک روح کی آواز آئی۔ ”میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔“ (البشری جلد ۲ ص ۹۵)

گو یا تمہارے جیسی ناپاک روح کے متعلق ہے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے عذاب سے بے خبر ہے۔ اور اسی حالت میں ہی اپنے لئے سامان جہنم بہم پہنچا رہی ہے۔ فاعتبروا حضرت کا اپنے متعلق الہام ہے۔ ”خوش باشی کہ عاقبت نکو خواہ بود“ (البشری جلد ۲ ص ۱۹)

(۲۶) ”ہم مکہ میں سرنگے یا مدینہ میں“

جواب :- اسکی حضرت مسیح موعودؑ نے خود یہ تشریح فرمائی ہے :- یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے۔ اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں سرگے۔ یا مدینہ میں۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں کے دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنی ہیں۔ کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔ خود بخود لوگوں کے دل

ہماری طرف مائل ہو جائیں گے۔ فقرہ ”کَتَبَ اللّٰهُ لَاَعْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِي“
نکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور فقرہ ”سَلَامًا سَلَامًا“ مدینہ کی طرف
(البشری جلد ۲ ص ۱۶)

(۲۷) ”غُثْمُ غُثْمُ غُثْمُ“ بے معنی فقرہ ہے

جواب ۱۔ تمہارے جیسے ہی ”داناؤں“ نے حضرت شعیب کو کہا تھا: ”یا
شُعَيْبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ“ (ہود کو ۸۶) یعنی اے
شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔
(ب) حضرت امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں: ”قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے
کی ہیں تکلیف نہیں دی گئی۔۔۔۔۔ متقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ
ہیں۔ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنی کے لئے موصوع نہیں“ (علم
الکلام ترجمہ اردو ”الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۵۶)

ج۔ ”غُثْمُ غُثْمُ غُثْمُ“ حضرت کا کوئی الہام نہیں ہے۔ بلکہ ”غُثْمُ“
”غُثْمُ غُثْمُ“ ہے۔ اور اس کے معنی ہیں۔ اسکو مال یکدم دیا گیا۔ الہام
کے ساتھ ہی ترجمہ بھی الہام ہوا ہے۔ الہام کے الفاظ یہ ہیں: ”غُثْمُ غُثْمُ“
”غُثْمُ لَهْ دُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهْ دَفْعَةً“ (البشری جلد ۲ ص ۵۷)
”دیا گیا اسکو مال اسکا اچانک“ لغت میں ہے: ”غُثْمُ لَهْ دُفِعَ لَهْ“
”دفعۃً بیکرةً مِنْ اَمْوَالِ“ (من بعد زیر لفظ غُثْمُ) کہ غُثْمُ کے معنی ہیں۔ اسکو
یکدم مال دیا گیا۔ پھر عربی انگریزی ڈکشنری ”الفرائد الدریہ“ میں لکھا ہے۔

”غُثْمُ“ To give at once to anyone
یکدم کسی کو (مال) دینا۔ پس یہ الہام بے معنی نہیں۔ اور تمہارا اسکو ”غُثْمُ غُثْمُ“
پڑھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی دھرم بھکشو بھیسا بد زبان آریہ ”آلہ سہو کو“ ”آلہ
”آلہ“ کر کے پڑھ کر اس پر تمسخر اڑائے۔

”(۲۸) ایک ہفتہ تک کوئی باقی نہ رہیگا“

بے معنی ہے

جواب :- خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ”إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ اللَّهِ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ“ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک دن انسانوں کے ہزار سال کے برابر ہے۔ اور انجیل میں بھی ہے: ”یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔ اے ہزار برس ایک دن کے برابر۔ خداوند اپنے وعدہ میں دیر نہیں کرتا۔“ (۲۔ پطرس ۳) پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اور سات ہزار سال کے بعد دنیا پر قیامت آجائیگی۔ چنانچہ حج الکرامہ ص ۳۱ پر لکھا ہے: ”در بعض روایات آمدہ کہ عمر دنیا ہفت ہزار سال است۔ پس بس۔ چنانچہ حکیم ترمذی در نوادر الاصول در حدیث طویل۔۔۔ باسناد خود تا ابو ہریرہ رضی روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا صلیم..... مدت دنیا از روزیکہ مخلوق شدہ تا آنروز کہ قاشود بماند و آل ہفت ہزار سال است..... و انس بن مالک گفتہ کہ فرمود رسول خدا صلیم..... عمر دنیا کہ ہفت ہزار سال است اخرجه ابن عساکر فی تاریخہ وینزوی (ابن عساکر) مرفوعاً از انس رضی روایت کردہ کہ عمر دنیا ہفت روز است“ لیکن بطریق صحیح و از ابن عباس اس آمدہ کہ دنیا ہفت روز است دہر روز ہزار سال (حج الکرامہ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسکی تشریح اپنی کتاب تحفہ گوڑوید اور برامین احمدیہ حصہ پنجم میں تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اور اس البام کے متعلق تو حضرت نے صاف فرمادیا ہے: ”اور دنیا کی عمر بھی ایک ہفتہ بتلائی گئی ہے اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں۔ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ اللَّهِ كَأَلْفِ

سَنَةِ مِثَالَةِ دُونَ " (اخبار بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء)

(۲۹) پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت " بے معنی الہام ہے

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں :- " بہر جون ۱۹۹۹ء کو مجھے یہ الہام ہوا۔ پہلے بیہوشی۔ پھر غشی۔ پھر موت۔ ساتھ ہی اس کی یہ تفہیم ہوئی۔ کہ یہ الہام ایک مخلص دوست کے متعلق ہے۔ جس کی موت سے ہمیں رنج پہنچے گا۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بہت سے دوستوں کو یہ الہام سنایا گیا۔ اور احکم ۲۲ جون ۱۹۹۹ء میں درج ہو کر شائع کیا گیا۔ پھر آخر جولائی ۱۹۹۹ء میں ہمارے ایک بنایت مخلص دوست یعنی ڈاکٹر محمد بوڑخیچاں اسسٹنٹ سرجن ایکٹنگ لکھنؤ موت سے قصور میں گذر گئے۔ اول بے ہوش رہے۔ پھر یکدم غشی طاری ہو گئی پھر اس ناپائیدار دنیا سے کوچ کیا۔ اور ان کی موت اور اس الہام میں صرف بیس بائیس دن کا فرق تھا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۳ و ۲۱۴)

(۳۰) (الہام ۵ شعبان ۱۳۲۲ھ)

موت تیرہ ماہ حال کو ایک دم میں دم رخصت ہوا۔ پٹ پھٹ گیا۔ سوال :- کس کا؟

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :- مجھ کو ۲۲ جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کی کئی تاریخوں میں وحی الہی کے ذریعہ سے بتلایا گیا۔ کہ ایک شخص اس جماعت میں سے ایک دم میں رخصت ہو جائیگا۔ اور پٹ پھٹ جائیگا۔ اور شعبان کے مہینہ میں وہ فوت ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان ۱۳۲۲ھ میں میاں صاحب نور بہادر جو صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا۔ یکدم ایک دم میں پٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔ (تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۲۱۵)

(۳۱) "ابلی اؤس"

جواب :- "ابلی" کا ترجمہ ہے۔ "اے میرے خدا" اور "اؤس" کا ترجمہ ہے "انعام"

”عطیہ“ ”المنجہ“ میں ہے: ”اَوْصَا وَايَا سَا. اَعْطَى. عَوَّضَ
اَلْاَوْسَ. اَلْعَطِيَّةُ“ (المنجہ ص ۳۱)

کہ ”اَوْسَ“ کے معنی ہیں۔ اس نے انعام دیا۔ معاوضہ دیا۔ ”اَوْسَ“ کے معنی
ہیں ”عطیہ“ اور یہی معنی ”الفرائد الدریہ“ میں بھی مذکور ہیں۔ پس ”ایلی اوس“
کے معنی ہوں گے۔ اے میرے خدا! مجھ پر انعام کر مجھے اجر دے۔

(۳۲) ”هُوَ شَعْنًا نَعِيسًا“

جواب :- (۱) ”هُوَ شَعْنًا“ کے معنی ہیں ”کرم کر کے نجات دے“ ”اے
خداوند! میں منت کرتا ہوں کہ نجات بخشے۔“ (دیکھو زبور ۱۱۸)

(ب) انجیل مطبوعہ ۱۹۲۶ء میں ہے: ”ابن داؤد کو هُوَ شَعْنًا“ اور اس
آیت میں ”هُوَ شَعْنًا“ پر حاشیہ میں لکھا ہے: ”اس کے معنی ہیں کرم کر کے
نجات دے۔“ (متی ۲۱)

(ج) ”نَعِيسًا“ کا ترجمہ عبرانی میں ہے ”granted“ (قبول ہوئی) گویا
”هُوَ شَعْنًا“ میں جو دعائی ”نَعِيسًا“ کے لفظ میں ساقی ہی اس کی قبولیت بھی الہاماً
بتادی گئی۔

(۲) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کا ترجمہ تحریر فرمادیا ہے:-
”جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ شَعْنًا نَعِيسًا۔۔۔ ترجمہ: اے خدا! میں
دعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے نجات دے دی
یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔ اور یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو دعا کی صورت میں
کی گئی۔ اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ موجودہ
مشکلات ہیں۔ یعنی تنہائی۔ بے کسی۔ ناداری کسی آئندہ زمانہ میں وہ دور کر دی
جائیں گی۔ چنانچہ پچیس برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اس زمانہ میں
ان مشکلات کا نام نہ رہا۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۳۱)

(۳۳) ”پچیس دن یا پچیس دن تک“ (الہامی طریقہ ۱۹۰۵ء)
جواب :- حضرت نے اس کی تشریح میں فرمایا: ”ایک ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ۔“

ہو گا۔ (بدرہ مارچ ۱۹۰۴ء ص ۲) چنانچہ پورے پچیسویں دن یعنی ۳ مارچ
 ۱۹۰۴ء کو الہام کے اخبارات میں شائع ہو چکنے کے سولہ دن بعد ایک پرمیت
 آتشین گولہ آسمان پر سے مختلف شہروں میں گرتا نظر آیا۔ چنانچہ لاہور کے مشہور
 انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس پر لکھا۔ ”کئی نامہ نگاروں
 نے ہمیں اس شہادت کے متعلق خطوط لکھے ہیں۔ جو انوار (۳ مارچ) کی شام
 کو پونے پانچ بجے کے قریب دیکھا گیا۔ یہ نہایت چمکدار تھا۔ اور لاہور میں جب یہ
 گرتا دیکھا گیا۔ تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی دوسری دھواں سی تھی۔ جیسے دھواں
 ہوتا ہے۔“ (۳ اپریل ۱۹۰۴ء)

(۳۴) ”افطروا صوم“

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسکی تشریح فرماتے ہیں :- ظاہر ہے
 کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے۔ اور یہ الفاظ اپنے اصل معنوں
 کی رو سے اسکی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ صرف ایک استعارہ ہے۔۔۔۔۔
 اور اسکا اصل مطلب یہ ہے۔ کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کرونگا۔ اور کبھی کچھ مہلت
 دوں گا۔ اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے۔ اور کبھی روزہ رکھ لیتا ہے۔ اور اپنے
 تئیں کھانے سے روکتا ہے۔ اور اس قسم کے استعارے خدا کی کتابوں میں بہت ہیں
 جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے۔ کہ قیامت کو خدا کہیگا۔ کہ میں بیمار تھا۔ میں بھوکا
 تھا۔ میں تنگ تھا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۸)

(۲) پھر فرماتے ہیں :- ”میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دوں گا۔ کہ کچھ حصہ برس کا تو میں
 افطار کروں گا۔ یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کروں گا۔ اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ
 رکھوں گا۔ یعنی امن رہیگا۔ اور طاعون کم ہو جائیگی۔ یا بالکل نہیں رہے گی (دافع البلاء ص ۱۰۰)
 (۳) وہ حدیث جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ دیا ہے۔ مسلم میں ہے :-
 ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ

تعدنی یا ابن آدم استطعمتک فلم تطعمنی یا ابن آدم استسقیتک فلم تسقینی (مسلم عیادۃ المرین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار تھا۔ تو نے میری تیمارداری نہ کی اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا۔ تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ مگر تو نے مجھے نہ پلایا (بخاری ریاض الصالحین ص ۱۸۷ مصری) پس خدا بیمار ہو سکتا ہے بھوکا پیاسا ہو سکتا ہے۔ مگر روزہ نہیں رکھ سکتا؟

(۳۵) "أَخْطِي وَأُصِيبُ"

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے: "اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دوں گا۔ اور کبھی ارادہ پورا کر دینگا۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے۔ کہ میں مومن کی قبض روح کے تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۸۷ حاشیہ)

(۳۶) وہ حدیث جسکی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ بخاری میں ہے: "وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا كَأَعْلَى تَرَدَّدِي عَنْ نَفْسِي الْمَوْتِينَ" (بخاری کتاب الرقاق باب التوابع جلد ۴ ص ۱۸۷ مصری) خدا تعالیٰ فرماتا ہے: کہ میں نے کسی چیز کے متعلق کبھی اتنا تردد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی روح قبض کرنے کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے۔

(۳۷) البام "الیوسسی الیشن" میں جماعت احمدیہ کے قیام کی پیشگوئی "مضر صحت" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محنت شاقہ و شب بیداری کا ذکر اور "آثار صحت" میں ایک آدمی کی بھائی صحت کی خبر دی گئی ہے۔ جس کے

لے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی (دیکھو بدر جلد ۲ ص ۱۷۱)

(۳۷) "خیراتی"

مرزا صاحب کے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نام "خیراتی رام" تھا۔

الجواب :- لعنة الله على الكاذبين۔ حضرت مسیح موعود نے ہرگز "خیراتی رام" نہیں لکھا۔ بلکہ ایک فرشتے کا بحالت رویا آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جس نے اپنا نام "خیراتی" بتایا۔ آگے یہ تمہارا کام ہے۔ کہ تم "لَيَّا بِالسَّنَةِ" والی آیت کے مطابق اپنے پاس سے الفاظ کو بگاڑ کے کچھ کا کچھ بنا دو۔ جس طرح آنحضرت کے دشمن "رَاعِيْنَا" کو "رَاعِيْنَا" کر کے پکارتے تھے۔

باقی رہا فرشتے کا نام تو درحقیقت یہ لفظ "خیراتی" ہندی۔ پنجابی یا اردو کا نہیں۔ بلکہ عربی لفظ ہے۔ جو "خَيْرَاتِي" ہے۔ جو "خَيْر" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "نیکیوں والا" "بی" نسبتی ہے۔ یہ اس فرشتے کا صفاتی نام ہے۔ تم تو دو فرشتوں کے قائل ہو۔ جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں ایک نیکیوں والا اور دوسرا بدیوں والا۔ پھر اعتراض کیوں؟

(۳۸) "بے سنگہ بہادر"

جواب :- اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا کے طاقتور شیر کو فتح نصیب ہوگی۔ اور "غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

لو اے ماہر سپر سید خواہد بود

اور دشمن کو تباہ کیا ہے۔ کہ وہ ناکام رہے گا۔ ج

ماکتہ شیریں پر نہ ڈال اے روبرو زار و نزار

باقی لفظ جے سنگہ پر مذاق اڑانا ایسی ہی جہالت ہے۔ جیسے کوئی شخص خدا کے متعلق گاڈ یا پرمیشور کا لفظ سن کر اس پر مذاق اڑائے۔

(۳۹) "آریوں کا بادشاہ"

جواب :- کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "سَيِّدُ دُنْيَا" یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ

نہیں ملتے۔ کیا آریہ انسان نہیں۔ تو گویا آنحضرت صلعم آریوں۔ دہریوں۔ عیسائیوں
یہودیوں غرضیکہ سب کے بادشاہ ہیں۔

(۲) کیا کسی قوم کا بادشاہ ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہ کا بھی وہی مذہب
ہے۔ جو رعایا کا ہو؟ کیا جارج پنجم آریوں کا بادشاہ نہیں۔ تو کیا وہ بھی آریہ
ہے؟ اورنگ زیب کیا ہندوؤں کا بادشاہ نہ تھا؟ تو کیا وہ بھی ہندو تھا؟
بادشاہ کی رعایا میں مومن بھی ہوتے ہیں۔ اور کافر بھی۔ شریف لوگ بھی ہوتے
ہیں اور بد معاش بھی وہ سب کا بادشاہ ہوتا ہے۔ آخر انسانوں میں بد معاش
بھی تو شامل ہیں۔ پھر ”اَنَا سَيِّدٌ وَلِدَا دَمٍ“ جو آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ
میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو اس کا کیا مطلب ہے۔ فدا را اعتراض کرتے
وقت کبھی تو خدا کا خوف بھی دل میں رکھا کرو۔

(۳) ایک دانا کس کس نے کھانا

جواب :- ”دانے“ سے مراد اسمٰجیہ قرآن مجید ہے۔ یعنی باوجود اس قدر مختصر
ہونے کے پھر بھی تمام دنیا کے لئے روحانی غذا بن کر ان کی بھوک کو مٹاتا ہے۔

(۴) آسمان مٹھی بھر رہ گیا

جواب :- اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ عنقریب آسمان سے قسری نشان
ظاہر ہوں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جنگ یورپ کی پیشگوئی کرتے
ہوئے فرمایا :-

اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربانی نشا آسمان صلی کر یگا کھینچ کر اپنی کٹار

حضرت ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

آسمان اے غافلوا! اب آگ برسانے کو ہے

(۵) اِنِّیْ بِاٰیٰتِکَ بَالِغِیْ رُبِّیْ (الحکمہ جلد ۵ ص ۱۵۸)

خدا نے مرزا صاحب کی بیعت کی (نعوذ باللہ) البشری میں اسکا یہی ترجمہ
لکھا ہے۔ کہ ”میں نے تیری بیعت کی“۔

الجواب :- بابو منظور الہی صاحب کا ترجمہ مندرجہ البشری بالکل غلط ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ترجمہ کے بالمقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب دافع البلاء کے فٹ پر اس الہام کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں :-

” میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے۔۔۔ تو بھی اس خرید و فروخت کا اقرار کر۔ اور کہہ دے۔ کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔“

(۲) اس الہام میں خدا کے ساتھ اس خرید و فروخت کا ذکر ہے۔ جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے :-

” إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآتٍ لَهُمُ الْجَنَّةُ “ (پ ۱۱ ۳۶) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا نے ان کے مال اور جانیں خرید لی ہیں۔ اور ان کے بدلہ میں ان کو جنت دی ہے۔

(۳۱۴) ”أَسْهَرُوا أَنَا م“

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق یہی فرمایا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سونے سے پاک ہے۔ مطلب اس الہام کا یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بعض دفعہ گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ سزا بھی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے متعلق بھوکا رہنے کھانے پینے۔ کپڑا پہننے ننگا رہنے وغیرہ کے اگر استعارات استعمال ہو سکتے ہیں۔ (جیسا کہ ہم مسلم کی حدیث کے حوالہ سے سوال نمبر ۳۲ کے جواب میں بیان کر آئے ہیں) تو سونے جاگنے کا استعارہ کیوں استعمال نہیں ہو سکتا؟

(۳۱۴) ”إِصْبِرْ سَكْفَرٌ غَمٌّ يَا مَرْزَا (مکاشفات ص ۲۸)

کہ اے مرزا صبر کر غم ابھی فارغ ہوتے ہیں۔

جواب :- ہاں خدا تعالیٰ کبھی یہ بھی فرمایا کرتا ہے۔ کہ اے بندو! ابھی غم فارغ

ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "سَنَنْفِرُ غُرُكُمُ أَيُّهَا الثَّقَلَيْنِ" (رحمن م)
 کہ اے دو مخلوق! (یعنی جنوں اور انسانوں) ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ
 ہوں گے۔ فلا اعتراض۔

نوٹ :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں لفظ "لَکَ" نہیں
 ہے۔ اس لئے اس میں تہدید کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ نیز لفظ "إِصْبِرْ" اس
 بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام تسکین دہی کی غرض سے ہے۔ پس مولوی محمد علی
 امیر پیغام کی کتاب "بیان القرآن" کا حوالہ قابل اعتنا نہیں۔ اور نہ وہ ہم
 پر حجت ہے۔

(۱۵) قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں

جواب :- یہ حضرت مسیح موعود کا الہام ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قرآن مجید
 میرے منہ کی باتیں ہیں۔ کلام میں صیغہ غیب سے صیغہ متکلم کی طرف اس
 طرح تبدیل ہوئی ہے۔ جس طرح "الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مِلْكُ يَوْمِ الدِّينِ"
 آیاتِ نعبہ میں پختہ غیب کے صیغے ہیں۔ اور پھر صیغہ حاضر شروع ہو جاتا
 ہے۔ فلا اعتراض۔

(۱۶) قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى
 مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ" (ال عمران رکو ۱۷۴)

کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ تم اب ہو
 اس آیت میں "لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ" میں "الْمُؤْمِنِينَ" مفعول
 بصورت صیغہ غیب ہے۔ مگر "أَنْتُمْ عَلَيْهِ" میں اپنی "مومنین" کو
 ضمیر مخاطب سے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اگر معترض کا اسلوب بیان مد نظر
 ہوتا۔ تو "عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ" کی بجائے "عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ" چاہیے
 تھا۔ مگر صیغہ غیب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی فقرہ میں صیغہ مخاطب میں
 تبدیل کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس

پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں اسے اسلوب بیان کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ مگر خوف طوالت اپنی دو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۶) مرزا صاحب کو شیطانی الہامات ہوتے تھے۔

جواب ۱۔ (۱) قرآن مجید میں ہے۔ ”تَنْزِيلٌ عَلٰی كَتٰبٍ اَقْبَاتِمْ“ کہ شیطانی الہامات بدکار اور جھوٹے لوگوں پر ہوا کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضور نے تذکرۃ الشہادتین علیہ السلام پر چیلنج کیا ہے کہ ”اور تم کوئی عیب۔ افتراء، جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔۔۔۔۔۔ کون تم میں ہے۔ جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔“ اور پھر حضرت کی پاکیزہ زندگی کی مولوی محمد حسین جیسا شدید دشمن بھی گواہی دے چکا ہے۔

(۲) ”اَكْثَرُكُمْ سَكَدَ ذُبُوْنٌ“ کہ شیطانی الہامات اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ جن پر تم بھی کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنی خاموشی سے ان کے صدق پر ہر تصدیق ثبت کرتے ہو۔ (۳) حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب انجام آقہم کے حوالے پر اپنے الہامات کے خدائی ہونے پر غیر احمدی علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ تم اس وقت کیوں مقابلہ پر نہ آئے۔

۱۔ اتم تو ہر نبی پر القائے شیطانی ہو جانے کے قائل ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے متعلق بھی تمہارے مولویوں نے مانا ہے۔ کہ آپؐ کو شیطانی الہام ہوا۔

اس لئے تم اگر حضرت مرزا صاحب پر بھی یہی بہتان باندھو۔ تو معذور ہو۔

”قَدْ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَواتُہِ عَلَیْہِمْ وَسَلَّمَ فِي سُورَةِ النَّجْمِ بِحَجَلِیْسٍ مِنْ قَسْرِیْسٍ بَعْدَ ” اَفْرَعٰیْتُمْ اللّٰتَ وَالْعُزٰی وَفَنَاتِ الثّٰلِثَةِ الْاٰخِرٰی بِالْقَلٰءِ الشَّیْطٰنِ عَلٰی لِتٰمِیْنِہِ صَلَواتُہِ عَلَیْہِمْ وَسَلَّمَ وَ اِلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ حٰیْرِ عَلِیْمِہِ بِہِ تِلْكَ الْاَشْیَا نِشِقُ الْعُلٰی وَ اِنْ شَفَاعَتُہُمْ مِّنْ کَثْرَتِہِی“

فَقَرَأَ حَتَّىٰ يَذْلِكَ (جلالین مجتہدائی ص ۲۵۶) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات "اَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ" کے آگے القاءِ شیطانی سے یہ پڑھ دیا۔ "تِلْكَ الْعُزَّىٰ اِنتِی الْعُلَىٰ" کہ یہ بہت عظیم الشان بت ہیں۔ اور قیامت کو ان کی شفاعت کی توقع رکھنی چاہیے۔ بتوں کی یہ تعریف سن کر مشرک بہت خوش ہوئے۔ اس کے آگے لکھا ہے کہ جبرائیل ؑ آئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ الہام الہی نہیں۔ بلکہ شیطانی القاء ہے۔ تمہارے اکثر مفسرین نے "مَا مِنْ نَبِیٍّ وَّلاَ رَسُوْلٍ اِلَّا اِذَا تَمَشَّى اَكْفَى الشَّیْطٰنُ رَفِیْ اُمْنِیَّتِیْہ" کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ ہر نبی کو القاءِ شیطانی ہوتا رہا ہے۔ اور سورۃ النجم کی تفسیر میں انہوں نے مندرجہ بالا فضول اور لہجہ قصہ آنحضرت کی طرف منسوب کیا ہے (استغفر اللہ العیاذ باللہ) پس تم لوگ جو تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی القاءِ شیطانی سے پاک نہیں سمجھتے۔ بجالیکہ آپ کی محبت کا دم بھرتے ہو۔ تو حضرت مرزا صاحب کو اگر شیطانی الہامات پانے والا کہہ دو۔ تو کیا گلہ ہو سکتا ہے مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو۔

جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیروں سے

(۴۷) غیور بانوں میں الہامات

مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِہٖ لَیُبَیِّنَ لَهُمْ
جواب :- ۱۔ اس آیت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ بنی کو الہام اس کی قوم کی زبان میں ہوتا تھا۔ مفسرین نے اس کے یہ معنی کہے ہیں :- "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ اٰی مَثَلِہٖمَا یُلَیْقُوْنَ مَنْ اُرْسِلَ عَلَیْہُمْ مِنَ الْاُمَمِ"
(روح المعانی جلد ۴ ص ۲۹) کہ "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بنی اس قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ جس کی طرف وہ مبعوث ہوتا تھا۔

(ب) إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ إِلَّا مَتَكَلِّمًا بِلُغَتِهِمْ (تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا مِنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ خازن جلد ۳ ص ۸۲) کہ بنی اپنی قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی پنجابی اور اردو ہی بولتے تھے۔

(۲) اس آیت میں گزشتہ انبیاء کا ذکر ہے۔ جیسا کہ لفظ أَرْسَلْنَا بصیغہ ماضی سے ثابت ہے۔ اور دوسرا قرینہ ان معنوں کی تائید میں ”قَوْمِهِ“ کا لفظ ہے۔ کیونکہ گزشتہ انبیاء مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر جو بنی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہ ہو۔ بلکہ تمام قوموں کی طرف مبعوث ہو۔ وہ اس آیت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر قوم سے بنی کی قومیت رکھنے والے لوگ مراد ہو۔ جیسا کہ آنحضرت صلیع کے ساتھ قریش تھے۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلیع کو سارا قرآن مجید قریش کی زبان میں الہام نہیں ہوا۔ جیسا کہ آیت ”إِنَّا هَذَا إِنَّا لَسَا جِہَا إِنَّا“ (طہ) قریش کی زبان میں ”إِنَّا هَذَا یُنْ“ چاہیے تھی۔

(۳) اگر کہو کہ اس آیت میں بنی کا اسکی قوم کی زبان میں الہام ہونا ہی مراد ہے۔ تو خواہ لفظ الہام آیت میں موجود ہو یا نہ ہو۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں حضرت سلیمان کے متعلق ہے۔ ”عَلَّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ“ (نمل) حضرت سلیمان کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولی سکھائی گویا ان کو کوؤں۔ چیلوں۔ کبوتروں۔ بٹیروں۔ بدبہوں۔ اور تمام جانوروں کی زبان میں الہام ہوا۔ آخر انگریزی۔ عربی۔ فارسی وغیرہ تو انسانوں ہی کی زبانیں ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔ مگر ”کان کان“ تو انسانوں کی زبان نہیں۔ اسیں بھی اگر بنی کو الہام ہو سکتا ہے۔ تو یہاں کیا اعتراض ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو پرندوں کی زبان سکھانے کے لئے اس کے قواعد اور اس کے الفاظ بھی تو بتائے ہوں۔ فلا اعتراض

۱۴، حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے۔ مگر پھر بھی آپ پر اس زبان میں الہام ہونا ایک معجزہ ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قادیان میں بھی کوئی انگریزی دان اس وقت موجود نہ تھا۔ یہ دلیل ان لوگوں کو دی گئی۔ جو الہام کو نبی کے دماغی خیالات قرار دیتے تھے تا یہ معلوم ہو کہ الہام میں نبی کے اپنے خیالات کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ الہام ایسی زبان میں بھی نازل ہو سکتا ہے جس کو نبی خود بھی نہ جانتا ہو۔ پھر اس الہام کے معنی خدا تعالیٰ خود ہی ملہم کو بتا دیتا ہے۔ خواہ جلد یا بدیر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

۱۵، اور ہم نے یہ جو لکھا۔ کہ آیت ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ“ میں آنحضرت ص سے پہلے انبیاء کا ذکر ہے۔ کیونکہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف رسول ہو کر آتے تھے۔ اسکی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ فضائل نبوی کے ضمن میں ایک حدیث ہے جس کا مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذیل قول کے مطابق ہے:-

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَضَّلَ مُحَمَّدًا عَلَى الْأَنْبِيَاءِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلَّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ الْآيَةُ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِمُحَمَّدٍ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ“ فَأَرْسَلَهُ اللَّهُ إِلَى الْعَرَبِ وَالْإِنْسِ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی فضائل نبی ص ۱۵۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ آنحضرت ص کو تمام انبیاء و مر فیضیت دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسکی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ ان کے سامنے خوب کھول کر بیان کر سکے۔ مگر ہمارے نبی کریم ص کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ گویا آپ کو اللہ تعالیٰ نے

جن و انس کی طرف رسول کر کے بھیجا۔ ”هَذَا الَّذِي نَبِيٌّ صَحِيحٌ اَلْاِسْنَادُ“
 مستدرک للحاکم مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور
 اسکی سند مضبوط ہے۔ مندرجہ بالا عبارت سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔
 (۱) ”وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ“ والی آیت گزشتہ انبیاء کے متعلق ہے۔
 (۲) آنحضرت صلیع بھی اس آیت میں شامل نہیں۔ صرف آپ سے پہلے رسول ہی
 شامل ہیں۔

(۳) ”قوم“ سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کی ہدایت کے لئے وہ بنی آئے۔

(۴) آنحضرت صلیع کی قوم تمام دنیا ہے۔ کیونکہ آپ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیح موعودؑ بھی داخل نہیں۔ کیونکہ آپ بھی کسی خاص
 قوم کی طرف نہیں بلکہ ساری دنیا کی طرف آئے تھے۔

غیر احمدی :- حضرت مرزا صاحب نے چشمہ معرفت صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے۔

”یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے۔ کہ انسان کی اصلی زبان تو کوئی اور ہو۔ اور
 الہام اسکو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اسیں تکلیف مالا یطاق
 ہے“

الجواب :- خدا کے لئے دھوکا نہ دو۔ وہاں چشمہ معرفت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ
 ”علم“ جس زبان کو نہ سمجھتا ہو۔ اسیں اسکو الہام نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو ذکر یہ
 ہے۔ کہ آریہ کہتے ہیں۔ الہامی کتاب اس زبان میں نازل ہونی چاہیئے۔ جو کسی انسان
 کی زبان نہ ہو۔ تاکہ ایشورجی مہاراج نا انصاف نہ ٹھہریں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وید
 سنسکرت میں نازل ہوئے۔ جو کہیں بولی نہیں جاتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
 نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ کہ یہ بالکل غیر معقول اور بے ہودہ امر ہے۔ کہ ”انسانی“
 (کہ علم کی) زبان تو کوئی اور ہو۔ اور الہام اسکو کسی ایسی زبان میں ہو۔ جسکو وہ
 (انسان) سمجھتا ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ کیونکہ اسکو علم کسی دوسرے
 سے بھی سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن کسی ایسی زبان میں الہام ہونا جو انسانی زبان ہو۔

”تکلیف مالا یطاق“ نہیں۔ کیونکہ اگر ملہم خود اس زبان کو نہیں جانتا۔ تو دوسروں سے معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے ص ۲۱ پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوتے ہیں نوٹ ۱۔ اس سوال کے جواب کے لئے چشمہ معرفت ص ۲۹۔ ص ۲۱ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس دعوے کا علم اصل عبارت کو پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

(۸۸) بعض الہامات مرزا صاحب سمجھ نہ سکے اور بعض غلط معنی سمجھے۔

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں: ۱۔ انبیاء اور مہمیں صرف وحی کی سچائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی رائے ہے۔ نہ کہ خدا کا کلام۔ (اعجاز احمدی ص ۲۱) ”اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارے میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ دلائل تو آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں۔ اور اس قدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی۔ تو وہ اس یقین کو مضرت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جو چیزیں انسان کے قریب لائی جائیں۔ اور آنکھوں کے قریب کی جائیں۔ تو انسان کی آنکھ ان کو پہچاننے میں غلطی نہیں کھاتی۔ اور قطعاً حکم دیتی ہے۔ کہ یہ فلاں چیز ہے۔ اور اس مقدار کی ہے۔ اور وہ حکم صحیح ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز قریب نہ لائی جائے۔ اور مثلاً نصف میل یا پاؤں میل سے کسی انسان کو پوچھا جائے۔ کہ وہ سفید شے کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ایک سفید کپڑے والے انسان کو ایک سفید گھوڑا خیال کرے۔ یا ایک سفید گھوڑے کو انسان سمجھ لے۔ پس ایسا ہی نبیوں اور رسولوں کو ان کے دعویٰ اور ان کی تعلیموں کے متعلق بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے۔ اور ان میں اس قدر تواتر ہوتا ہے۔ جس میں کچھ شک باقی نہیں رہتا۔ لیکن بعض جزوی امور جو اہم مقاصد میں سے نہیں ہوتے۔ ان کو نظر کشفی دور سے دیکھتی ہے۔ اور ان میں کچھ تواتر نہیں ہوتا۔ اس لئے

کبھی ان کی تشخیص میں دھوکہ بھی کھا لیتی ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۲۶)
 (۲) حدیث میں ہے: ۱۔ قَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
 رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَهْجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ
 وَهِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرْتُ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ
 (بخاری باب ہجرت النبی صلعم وامنحایہم إلی المدینہ جلد ۲
 ص ۱۳۳ و کتاب الرؤیا باب اذا رأى بقرا تنحر جلد ۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ مطبع الہیہ
 ترجمہ: حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں
 بہت کھجوریں ہیں۔ پس میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یامہ ہے۔ یا ہجر۔ مگر دراصل
 وہ تقادینہ دثرب (در رؤیا النبی وخی) (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۳ حاشیہ جلد ۳
 ص ۱۳۳ حاشیہ) نبی کی روایا وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں روایات نبوی کو وحی میں
 شامل کیا گیا ہے: ۱۔ اَوَّلُ مَا بَدِئْتُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الْقَادِقَةُ (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۳ باب التبعیر) کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی میں سے سب سے پہلے رؤیا صادقہ شروع

ہوئیں۔

(۳) قرآن مجید میں بھی حضرت نوح کا واقعہ مذکور ہے: "وَاصْنَعِ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا
 وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُخَسَّرُونَ" کہ خداوند
 نے حضرت نوح کو وحی کی۔ اور حکم دیا کہ تو ہمارے حکم سے ایک کشتی بنا۔ اور تو
 ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ ضرور غرق ہو جائیں گے
 پھر لکھا ہے: "فَلَمَّا أَحْمِلُ فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَوْبَيْنِ أَتَيْنَ وَ
 أَهْلَكَ إِلَّا بَنِي سَبْقٍ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ أَمَنَ" (ہود کو ۶۷)
 کہ ہم نے کہا کہ اے نوح اس کشتی میں کہے سوار ہو ایک جوڑے میں سے دو دو۔
 اور اپنے اہل کو بھی بجز اس کے جس کے متعلق پہلے ہم کہہ چکے ہیں۔

اور مومنوں کو بھی۔ پس جب طوفان تلاطم خیز آیا۔ اور حضرت نوحؑ کا بیٹا
 (جو ظالم تھا۔ اور جس کے متعلق حکم تھا۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
 کہ اس کو کشتی میں نہ بٹھانا) جب وہ ڈوبنے لگا تو۔ ”وَنَادَىٰ نُوحٌ
 ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا“ تو حضرت
 نوحؑ نے اس کو آواز دی۔ اور کہا۔ کہ اے بیٹا۔ آہمارے ساتھ کشتی میں
 سوار ہو جا۔ مگر وہ نہ آیا۔ اور ڈوب گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ خدا تعالیٰ کو
 کہتے ہیں۔ ”وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي
 وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ“ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ
 لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا
 لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ“
 (ہود کو ۴۱) اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا اے اللہ میرا بیٹا
 تو میرے اہل میں سے تھا۔ اور تیرا وعدہ تو سچا رہوتا ہے۔ اور تو (تو)
 احکم الحاکمین (یعنی سب سے سچا فیصلہ کرنے والا) ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا
 اے نوحؑ وہ تیری ”اہل“ میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے
 پس تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق گفتگو نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ میں
 تجھ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ توجاہلوں میں سے نہ بن۔

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ بنی ایک وقت تک وحی کے
 سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ اس کو غلطی پر قائم نہیں رکھتا۔
 جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے۔

(۴) پھر اہلسنت والجماعت کے عقائد کی مشہور و معروف کتاب ”نیر اس
 شرح الشرح لعقائد نسفی“ میں لکھا ہے۔ ”إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فِي كَوْنِهِ خَطَا كَمَا ذَكَرَهُ
 الْأَسْوَلِيُّونَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

يَسْأَدِرُ الصَّخَابَةَ فِيمَا لَمْ يُوحَ إِلَيْهِ وَهُمْ يُرَاجِعُونَ
 فِي ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ صَلَاحٌ مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ اللَّهِ
 سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ مِنْ قَبْلِ نَفْسِي
 فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَخْطِئُ وَأُصِيبُ (نبراس ص ۳۹) کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی غلط بھی
 ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں نے لکھا ہے۔ اور ان امور میں جن کے متعلق
 آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لے لیا کرتے تھے
 اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف
 سے کہوں۔ وہ تو درست ہوتی ہے۔ (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں)
 ہاں جو بات میں اس وحی الہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں۔ تو یاد
 رکھو۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔ اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہوں۔ اور درست
 اجتہاد بھی۔

(۴۹) نبی کا الہام بھول جانا

مرزا صاحب اپنے بعض الہامات بھول گئے۔

جواب :- وحی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ۱، وہ جو لوگوں کے لئے بطور نشان
 اور بغرض ہدایت نازل ہوتی ہے۔ ۲، جو نبی کی اپنی ذات کے متعلق ہوتی
 ہے۔ اور اس کا لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اول الذکر قسم کی
 وحی نبی کو بھول نہیں سکتی۔ ہاں دوسری قسم کی وحی بعض دفعہ خدا تعالیٰ
 اپنی خاص حکمت کے ماتحت نبی کے لوح دل سے محو فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ
 قرآن مجید میں بھی: "سَلَفِي مُدْكٌ فَلَا تَنْسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ"
 (سورۃ اعلیٰ پ ۱۶۳) کہ اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید پڑھیں گے
 اس کو مت بھولنا سوائے اس کے جس کو خدا تعالیٰ خود بھلانا چاہے۔
 ۲، يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ (رعدہ رکوع ۶) کہ خدا تعالیٰ

جس وحی کو چاہتا ہے۔ مٹا دیتا ہے۔ اور جسکو چاہتا ہے مضبوط کر کے
دل میں ثبت کر دیتا ہے۔

(۳) بخاری میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقُولُ فِي الْمَسْجِدِ
فَقَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اسْقَطْنَهَا
مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا "بخاری کتاب الشهادات باب شہادت
(الاعمالی و امرہ جلد ۲ ص ۶ مصری)

ترجمہ ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص
کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ تو آپ نے فرمایا: "اللہ اس پر رحمت
کرے۔ اس نے فلاں فلاں سورۃ کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول گیا
تھا۔ مجھے یاد دلادی۔"

(۴) یہ ضروری نہیں کہ جو وحی بنی پر نازل ہو۔ وہ سب لوگوں تک پہنچائی
جائے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کئی ایسے الہامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
ہوئے۔ جو قرآن مجید میں من و عن مذکور نہیں۔ جیسے "وَإِذْ يَعِزُّكُمْ اللَّهُ
(حَدَّثَنَا الطَّائِفِيُّ) (انفال ۱۶) وہ اصل وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟
مفصل دیکھو مضمون "اہل قرآن سے چار سوالات" مشمولہ پاکٹ بک ہذا

(۵) بخاری میں ہے: فَقَالَ اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ
الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ الْمُبَيِّحَةُ الْعِشْرِينَ فَخَطَبَنَا
وَقَالَ إِنِّي أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ انْسِيْتُهَا أَوْ نَسِيتُهَا
فَأَتَمَسُّوْهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ فِي الْوَتْرِ "بخاری کتاب الصلوۃ
الترویح باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاولی جلد ۲ ص ۲۵ حضرت
ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان کے
درمیان عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر آپ بیسویں تاریخ کی صبح کو باہر تشریف

لائے۔ اور ہم سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”مجھے لیلة القدر دکھائی گئی تھی
مگر پھر مجھ سے بھلا دی گئی۔ یا یہ فرمایا کہ میں بھول گیا۔ پس اب تم اسکو
(رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

(۶) بخاری میں اس سے بھی زیادہ واضح حدیث اس باب میں حضرت عبادہ
بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: - خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى
لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَنَلَّاحِي رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَنَلَّاحِي فَلَا تَنْ
وَفَلَانٌ فَسَفَعْتُ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرُكُمْ رَخَارِي كِتَابُ الصَّلَاةِ
التَّوَارِيحُ بَابُ رَفْعِ مَعْرِفَةِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ جلد ۲۵ (مصری) کہ آنحضرت
ایک دن ہمیں لیلة القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے تو (آپ نے
دیکھا کہ) مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں جھگڑا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔
کہ میں باہر آیا تھا۔ تاکہ تم کو لیلة القدر بتاؤں۔ پس فلاں فلاں دو آدمی آپس
میں جھگڑا رہے۔ اس نے لیلة القدر مجھے بھلا دی گئی۔ اور قریب تھا کہ
اسکا علم تمہارے لئے مفید ہوتا۔“

حصہ دوم: پیشگوئیوں پر اعتراضات

(۵۰) پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ
خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ

جب کوئی قوم اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق
ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل کرنے سے قبل آخری اتمام
محبت کے طور پر ایک حکم دیا کرتا ہے۔ وہ حکم اپنی ذات میں نہایت معمولی حکم
ہوتا ہے۔ مگر اس حکم کی خلاف ورزی آونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوتی ہے

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اسی قانون کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے :-
 "وَإِذَا رَدُّنَا أَنْ تُهْلِكَ قَوْمٌ يَكْفُرُوا بِآيَاتِنَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا" (بنی اسرائیل ۲۷)
 کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس کے خوشحال لوگوں کو
 ایک حکم دیتے ہیں۔ جس پر وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ اس میں۔ پس ان پر فرد جرم لگ
 جاتا ہے تو ہم اہل کو بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس قسم کی تمام حجت کی ایک مثال سورۃ الشمس میں بیان فرمائی ہے :-
 فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةُ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا. فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا
 فَدَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَحَسَّوْا سَكَا.

پس قوم یہود سے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ کہ خدا کی اس اونٹنی کا
 خیال رکھو۔ اور اس کو پانی پلاؤ۔ پس انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور اونٹنی کے
 پاؤں کاٹ دیئے۔ پس ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے گناہ اور نافرمانی کے باعث
 ان کو ہلاک کر دیا۔

پس یہی سنت الہیہ تھی۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود
 علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ وہ لوگ جیسا کہ تفصیل
 آگے آئیگی۔ خدا تعالیٰ کے منکر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے دشمن تھے۔
 مہند و تہذیب اور مہند و ابن رسوم کا ان پر گہرا اثر تھا۔ جس طرح ہندوؤں
 کے ہاں اپنی گوترا اور خاندان میں نکاح ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ
 لوگ (سزا احمد بیگ وغیرہ) بھی یہ خیال کرتے تھے۔ کہ اسلام نے جو چچا۔ باموں
 اور خالہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ نہایت قابل اعتراض
 ہے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ مندرجہ بالا رشتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح
 کرنا حقیقی ہمیشہ کے ساتھ نکاح کے مترادف ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی خالہ کی لڑکی (حضرت زینب) سے نکاح کیا۔ وہ بھی ناجائز تھا۔ سو

خدا تعالیٰ نے ان کی بدکرداریوں اور نافرمانیوں کے باعث رجن کی تفصیل آگے
 آئیگی، ان کو قوم صالح کی طرح ایک آخری حکم دیا۔ کہ وہ (احمد بیگ) اپنی لڑکی کا
 نکاح حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کر دیں گے۔ تو یہ نکاح قرآن مجید کی آیت
 ”كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ“ کے مطابق (کہ صادقین سے تعلق پیدا کرو) موجب
 رحمت اور برکت ہو گا۔ (۲) چونکہ حضرت کا رشتہ ان لوگوں کے ساتھ اسی
 قسم کا تھا۔ جس کو وہ ہندوانہ رسوم کے ماتحت برا سمجھتے تھے۔ اس لئے
 خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے اسی امر کو چنا۔ جس طرح آنحضرت صلعم کے زینب
 مطلقہ زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:- کہ
 ”لَكَيْلًا يَكُونَنَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاءِ يَسُوْهُمْ
 اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ حَقًّا“ (احزاب ۵۷)

ہم نے یہ نکاح کیا۔ تاکہ مومن اپنے متبتوں کی مطلقہ بیویوں کے ساتھ نکاح
 کرنے کو برا نہ سمجھیں۔ گویا اس بدرسم کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
 کا زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ بعینہ اس جگہ بھی اسی امر کو چنا۔ تا ان کی اصلاح
 ہو۔ اور یہ خیالات فاسدہ ان کے دماغ سے نکل جائیں۔

(۳) تیسری حکمت اسیں یہ تھی۔ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی اصلاح مقصود تھی
 اور تاریخ اسلامی سے ثابت ہے۔ کہ بعض اوقات نبی کے ساتھ جسمانی رشتہ
 لڑکی کے خاندان کی اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت
 ابوسفیان اور سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کے آنحضرت صلعم کے نکاح میں آ جانے
 کی وجہ سے ان کے خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ
 نے اتمام حجت کے لئے یہ آخری حکم مرزا احمد بیگ وغیرہ کو دیا۔

فحائلین انبیاء کا شیوہ تکذیب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔

جو اپنی تمام شروط کے ساتھ لفظاً لفظاً پوری ہو گئی۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :- ”اور ہم نے سلطان محمد کے بارے میں اس کی موت کی وجہ تاخیر علیحدہ اشتہار میں ایسے طور پر ثابت کر دی ہے۔ جس کے قبول کرنے سے کسی ایماندار کو عذر نہیں ہو گا۔ اور بے ایمان جو چاہے سو کہے۔ یا درکھنا چاہے کہ یہ پیشگوئی اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ پوری ہو گئی۔ جس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کر سکتا۔“ (انوار الاسلام ص ۷۱)

نوٹ ۱۔ بعض ان لوگوں نے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا علم نہیں۔ خاکسار بر طعن کیا ہے۔ کہ گویا یہ دعویٰ کہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ خاکسار کی ایجاد ہے۔ جیسا کہ مولوی ثناء اللہ جس نے اس پاکٹ بک کی نقل کر کے ایک اشتہاری پاکٹ بک ”ثنائی پاکٹ بک“ کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے صفحہ پر یہی اعتراض لکھا ہے۔ حالانکہ یہ محض اس کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔ خادم اہل بصیرت نے اس پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور حقانیت کی ایک دلیل سمجھا۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے بیسیوں آدمی حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ مگر ”علما و ہم“ اپنے شیوہ استہزاء و تمسخر سے باز نہ آئے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلیع کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ”فَلَمَّا قَفَنِي زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًّا زَوْجَنَا كَهَا“ کہ جب زید دفن نے حضرت زینب رحمہ کو طلاق دے دی۔ تو ہم نے آپ کے ساتھ آسمان پر نکاح پڑھ دیا۔ یہی لفظ ”زَوْجَنَا كَهَا“ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے محمدی بیگم کے متعلق فرمایا۔ وہاں شرائط کے تحقق کے باعث حضرت زینب کا نکاح ہو گیا۔ مگر پھر بھی مخالفین اس پر اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔ اور آج تک اس کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں شرائط کے عدم تحقق کے باعث محمدی بیگم کا نکاح نہ ہوا۔ تو

اس پر بھی مخالفین اعتراض کرنے میں پیش از پیش ہیں۔ غرضیکہ کہ نکاح کا ہونا یا نہ ہونا باعث اعتراض نہیں۔ بلکہ اس کا باعث درحقیقت وہ فطری بغض ہے جو روز ازل سے موافقین و مکذبین کے شامل حال رہا ہے۔

چنانچہ ہم محمدی بیگم کے ساتھ متعلقہ پیشگوئی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ذیل کر کے اہل بصیرت حضرات سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ خدا کے لئے انصاف و خدا ترسی کے ساتھ اس پیشگوئی پر نظر ڈالیں گے۔ تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگا۔ کہ نہ صرف یہ کہ اس پیشگوئی پر مخالفین کی طرف سے جس قدر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ وہ سراسر باطل ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ یہ پیشگوئی بعینہ اسی طرح جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بیان فرمایا تھا۔ پوری ہوئی۔ واللہ موق

مخالفین علماء کی غلط بیانیوں

مخالف علماء اس پیشگوئی پر اعتراض کرنے کے لئے ہمیشہ صداقت اور انصاف کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ محمدی بیگم کے ساتھ میرا نکاح ہو جائے گا۔ اگر میرا نکاح محمدی بیگم سے نہ ہوا۔ تو میں جھوٹا ہو جاؤں گا۔ اور "بد سے بدتر ٹھہروں گا"۔ چونکہ مرزا صاحب کا نکاح محمدی بیگم سے نہیں ہوا۔ لہذا مرزا صاحب جھوٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ) یہ وہ طریق ہے۔ جس کے وہ اس پیشگوئی کو پیش کر کے توام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا شاہد ہے۔ کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ افتراء اور دھوکہ ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی طرح پیشگوئی فرمائی ہوتی۔ تو غیر احمدی علماء کا اعتراض درست ہوتا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مخالف علماء ہمیشہ اصل واقعات کو حذف کر کے بے حد تحریف کے ساتھ پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پیشگوئی کی غرض و غایت

اس پیشگوئی کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کی اصل غرض و غایت

کویاں کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:-

إِنَّ اللَّهَ دَرَأَىٰ أَبْنَاءَ عَمَّىٰ وَغَيْرَهُمْ مِنْ شُعُوبِ آبِي وَأُمِّي
الْمَعْمُورِينَ فِي الْمَهْلِكَاتِ وَالْمُسْتَغْرِقِينَ فِي السَّيِّئَاتِ مِنَ
الرُّسُومِ الْقَبِيحَةِ وَالْعُقَابِ الْبَاطِلَةِ وَالْبِدْعَاتِ وَرَأَىٰ
مُتَقَارِبِينَ الْجَذَبَاتِ النَّفْسِ وَإِسْتِغْلَالَ الشَّهَوَاتِ وَالْمُنْكَرِينَ
لِوَجُودِ اللَّهِ وَمِنَ الْمُفْسِدِينَ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴ مطبوعہ ۱۹۹۳ء)

خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں
راحمہ بیگ وغیرہ) کو مہلک خیالات و اعمال میں مبتلا اور رسوم قبیحہ - عقار
باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا۔ اور ان کو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات
کے لحاظ سے پیروان جذبات و شہوات نفسانیہ میں۔ اور نیز یہ کہ وہ وجود
خداوندی کے منکر اور فساد ہی میں۔ اس کے آگے یہاں تک فرمایا کہ: وَكَانَ
أَشَدَّ كُفْرًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْمُنْكَرِينَ لِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَدَرِهِ
وَمِنْ أَهْلِ الدَّهْرِ بَيِّنٌ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۴) وہ لوگ خدا
اور رسول کے بچے منکر اور قضا و قدر کے نہ ماننے والے بلکہ دہریہ تھے۔
ان کا بے دینی اور دہریت کا پوری طرح علم مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا
ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرمایا:-

” فَأَتَفَقَىٰ ذَاتَ لَيْلَةٍ رَّبِّي كُنْتُ جَالِسًا فِي بَيْتِي إِذْ جَاءَنِي رَجُلٌ
بَاكِيًا فَفَزَعْتُ مِنْ جِوَارِيهِ فَقُلْتُ أَجَاءَكَ نَعْيٌ مَمُوتٍ. قَالَ
بَلْ أَكْثَرُ مِنْهُ. رَّبِّي كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَهُ هُوَ لَا يَدْرِي الَّذِينَ ارْتَدُّوا
عَنْ دِينِ اللَّهِ فَسَبَّ أَحَدُهُمْ رَسُولَ اللَّهِ سَبًّا شَدِيدًا غَلِيظًا
سَمِعْتُ قَبْلَهُ مِنْ قَوْمٍ كَافِرٍ وَرَأَيْتُهُمْ أَنَّهُمْ يَجْعَلُونَ الْقُرْآنَ
تَحْتَ أَقْدَامِهِمْ وَيَتَكَلَّمُونَ بِكَلِمَاتٍ يَرْتَعِدُ اللِّسَانُ مِنْهَا

فَقِيلَ مَا وَ يَقُولُونَ إِنَّ دُجُودَ الْبَارِي كَيْسَ بِشَيْءٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ فِي الْعَالَمِ إِنَّ هُوَ إِلَّا كَذِبُ الْمُفْتَرِينَ. كَلَّمْتُ أَوْلَاسَ حَذَقْتُكَ مِنْ مَعَالِيهِمْ فَاتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَقْعُدْ مَعَهُمْ وَ كُنْ مِنَ التَّائِبِينَ
(آئینہ کلمات اسلام ص ۵۶۸)

یعنی ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا۔ اور اس سے پوچھا کہ کیا تم کو کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ! میں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دین خداوندی سے مرتد ہو چکے ہیں۔ پس ان میں سے ایک نے آنحضرت صلیم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سنی۔ اور میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ اور ایسے کلمات بولتے ہیں کہ زبان بھی ان کو نقل کرنے سے گندی ہوتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود کوئی چیز نہیں۔ اور یہ کہ دنیا میں کوئی معبود نہیں۔ یہ صرف ایک جھوٹ ہے۔ جو مفتریوں نے بولا۔ میں نے اسے کہا کہ کیا میں نے تمہیں ان کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو۔ اور آئندہ ان کے ساتھ کبھی نہ بیٹھنا۔ اور توبہ کرو۔

وَ كَانُوا يَسْتَهْزِءُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ (قَاتِلْهُمْ اللَّهُ) إِنَّ الْفُتُورَ أَنْ مِنْ مَفْتَرِيَاتِ مُحَمَّدٍ (صَلِيم) وَ كَانُوا مِنَ الْمُؤْتَفِكِينَ (ص ۵۶۸) کہ وہ خدا اور رسول پر تمسخر کرتے اور کہتے تھے کہ قرآن نمود بالہ۔۔۔ آنحضرت کا افتراء ہے۔ اور وہ مرتد تھے۔

غرضیکہ ان لوگوں کی یہ حالت تھی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو خدا کی ہستی ہی کے سرے سے منکر تھے۔ ایسا دعویٰ اور زیادہ اشد ہزارا اور تمسخر کا محرک

ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہایت بے باکی اور شرارت کے ساتھ سلوک کرنا شروع کیا۔ اور کہا۔ **كَلْبًا تَنَابُيَا يَسِيءُ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ** (ص ۵۶۸ آئینہ کمالات اسلام) کہ اگر یہ سچا ہے۔ تو کوئی نشان ہمیں دکھائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :- **فَكُتِبُوا كِتَابًا كَانَتْ فِيْهِ سَبُّ رُسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . وَسَبُّ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَانْكَارُ وُجُوْدِ الْبَارِئِ عَزَّ اِسْمُهُ وَمَعْذِلُكَ طَلَبُوا فِيْهِ اَيَّاتِ صِدْقِيْ مَبْنِيَّةٍ وَاَيَّاتِ رُجُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَرْسَلُوْا كِتَابَهُمْ فِي الْاَفَاقِ وَالْاَقْطَارِ وَاَعَالُوْا بِهَا كُفْرًا اَلِهِنْدِ وَعَتَوْا عَتُوًّا كَبِيْرًا (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۸)**

کہ انہوں نے ایک خط لکھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو گالی دی ہوئی تھیں۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار تحریر تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھ سے میری صداقت اور خدا کی ہستی کے لئے نشان طلب کیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنا یہ خط آفاق و اقطار میں شائع کیا۔ اور ہندوستان کے دیگر غیر مسلموں (عیسائیوں) نے اس میں لان کی بہت مدد کی۔ اور انہوں نے انتہائی سرکشی کی۔

ان کی اس انتہائی شوخی اور مطالبہ نشان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ جس کا ذکر حضرت نے آئینہ کمالات اسلام کے ص ۵۶۹ پر بدیں الفاظ شروع فرمایا ہے :-

وَقُلْتُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ اَنْصُرْ عَبْدَكَ وَاَخْذُلْ اَعْدَاءَكَ اَللّٰهُمَّ کہ میں نے کہا۔ اے میرے خدا! اے میرے خدا! اپنے بندے کی مدد فرما۔ اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حضور کو الہاماً وہ نشان دیا گیا جس کے

لے وہ لوگ اس قدر بے تاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا :-
 « اِنِّیْ رَاٰیْتُ عِصْیَانَهُمْ وَطُغْیَانَهُمْ فَسَوْفَ اَصْرِبُ لَهُمْ بِالْوَاغِ
 الْاَفَاتِ اُیْبِدُهُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوٰتِ وَ سَتَنْظُرُ مَا اَفْعَلُ
 بِهِمْ وَ كُنَّا عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَادِرِیْنَ۔ اِنِّیْ اَجْعَلُ نِسَاءَهُمْ
 اَزْوَاجًا وَاَبْنَاءَهُمْ یَتَامٰی وَ یُیُوْتُهُمْ ضَرْبَةً لِّیَذُقُوْا
 طَعْمَ مَا قَالُوْا وَ مَا كَسَبُوْا وَلٰكِنْ لَا اَهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَّاحِدَةً
 بَلْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا لَّعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ وَ یَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِیْنَ
 اِنَّ لَّعَنَتِیْ نَازِلَةً عَلَیْهِمْ وَ عَلٰی جَدْرَانِ بُیُوْتِهِمْ وَ عَلٰی مَغِیْرِهِمْ
 وَ كِبٰیْرِهِمْ وَ نِسَائِهِمْ وَ رِجَالِهِمْ وَ نَزَّلْنٰ الَّذِیْ دَخَلَ اَبْوَابَهُمْ
 وَ كَلَمَهُمْ كَانُوْا مُلْعُوْنِیْنَ » (آئینہ کلمات اسلام صفحہ ۵۶۹)

ترجمہ :- میں نے ان کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی۔ پس میں عنقریب ان
 کو مختلف قسم کی آفات سے ماروں گا۔ اور ان کو آسمان کے نیچے ہلاک کروں گا۔
 اور عنقریب تو دیکھے گا۔ کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں؟ اور ہم
 ہر ایک چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو بیوائیں۔ ان کے بچوں کو یتیم اور
 ان کے گھروں کو دیران کروں گا۔ تاکہ یہ مزا چکھیں۔ اس کا جو انہوں نے
 کہا۔ اور کیا۔ لیکن میں ان کو یکدم ہی ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ
 وہ رجوع کریں۔ اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور میری لعنت ان پر
 اور ان کے گھروں کی چار دیواری پر اور ان کے بڑوں اور ان کے چھوٹوں۔ ان کی
 عورتوں اور ان کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اتریں
 نازل ہونے والی ہے۔ اور وہ سب کے سب ملحوں ہوں گے۔

پیشگوئی کی مزید تفصیل

مندرجہ بالا عبارت میں صاف طور پر بتایا گیا تھا۔ کہ ان کی عورتوں کو بیوائیں

اور ان کے بچوں کو یتیم کر دیا جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی توبہ اور رجوع کی شرط بھی مذکور ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان کو یکدم ہلاک نہیں کرے گا تاکہ اگر وہ توبہ کر لیں۔ توبہ جائز ہے۔

ان کی عورتوں کو بیوائیں اور بچوں کے یتیم بننے کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمائی ہے :- کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی دختر کلاں (محمدی بیگم) کا رشتہ حضرت مسیح موعودؑ سے کر دیگا۔ تو وہ اور اسکا خاندان اسی طرح روحانی برکات سے حصہ پائے گا۔ جس طرح ام حبیبہ بنت ابوسفیان اور سودہ بنت زمعہ نے خدا کے رسول صلعم کے نکاح میں آکر اپنے قبیلہ اور خاندان کو پہنچایا۔ کہ ان کے خاندان اور قبیلے ان کے نکاح کے باعث اسلام میں داخل ہو گئے، الباقی الہی نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا۔ کہ وہ اپنی اندرونی حالت (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے باعث ہرگز یہ رشتہ نہیں کرے گا۔ اور اس صورت میں جس دن وہ کسی اور شخص سے اس کا نکاح کر دے گا۔ اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں اور جس شخص سے اس لڑکی کا نکاح ہوگا۔ وہ ۲½ سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیگا۔ اور لڑکی بیوہ ہونے کے بعد حضرت کے نکاح میں آئے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں :-
 ”اس خدا کے قادر حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے۔ کہ تمام سداک اور مردوت تم سے اس شرط سے کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے۔ جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا۔ تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جاوے گی۔ وہ بعد نکاح سے اڑھائی سال تک اور

ایسا ہی والد اس دفتر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۸)
 الہام الہی نے ساکھ ہی ایک اور بات تو یہ تبادی۔ کہ را، مرزا احمد بیگ اپنی
 لڑکی کا نکاح ضرور کسی دوسری جگہ کروئیگا۔ چنانچہ اس کے لئے الہامات یہ
 ہیں:۔ ”كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَكْبِرُونَ فَسَيَكْفِيكَمُ
 اللَّهُ وَيُرُدُّهُمْ إِلَيْكَ“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۶)

یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ اور ان کے ساکھ تمسخر و
 استہزاء کیا۔ خدا تعالیٰ انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔
 یہ دونوں الہامات تبار ہے ہیں۔ کہ لڑکی کا رشتہ ضرور کسی دوسری جگہ ہو
 جائیگا۔ وہ لوگ اس غشار الہی کی تکذیب کریں گے۔ اور لڑکی کا دوسری
 جگہ نکاح کر دیں گے۔ دوسرا الہام تو صریح طور پر تبادی ہے۔ کہ نکاح ضرور
 دوسری جگہ ہوگا۔ ”واپس لانا“ (ریدھا) کا لفظ اس پر صریح نص ہے۔
 (۲) بات یہ بھی تبادی گئی۔ کہ احمد بیگ اور اس کے داماد وغیرہ کی ہلاکت
 توبہ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہوگی۔

”كَأُتِبِكُمْ مِّنَ الشَّوَابِ“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۹)
 کہ میں ان کو یکدم ہلاک نہ کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کر لیں
 اور توبہ کر نیوالوں میں سے ہو جائیں۔

(۲) اگر وہ توبہ نہ کریں گے۔ تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا۔ یہاں تک
 کہ وہ نابود ہو جائیں گے۔ ان کے گھر بچواؤں سے بھر جائیں گے۔ اور ان
 کی دیواروں پر غضب نازل ہوگا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے۔ تو خدا رحم کے
 ساکھ رجوع کرے گا۔ (۱۸۸۶ء ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء ضمیمہ اخبار ریاض مہند
 امرت سرمارچ ۱۸۸۶ء مشورہ آئینہ کمالات اسلام)

دونوں عبارتیں بالکل واضح ہیں۔ اور کسی تشریح کی محتاج نہیں صاف

طور پر ان میں توبہ کی شرط مذکور ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں پر جن کی ہلاکت کی پیشگوئی کی گئی تھی اگر وہ توبہ نہ کریں۔ اور رجوع نہ لائیں گے تو عذاب نازل ہوگا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے۔ تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔“

۱۳، تیسرا ثبوت اس امر کا کہ پیشگوئی میں توبہ کی شرط مذکور تھی حضرت مسیح موعود کے مندرجہ ذیل الہامات میں۔ جو حضور نے اس پیشگوئی کے متعلق شائع فرمائے۔۔

”رَأَيْتَ هَذِهِ الْمَرْءَةَ وَآثَرَ الْبُكَاءِ عَلَى وَجْهِهَا فَقُلْتُ
أَيَّتُهَا الْمَرْءَةُ تُوْبِي تُوْبِي فَإِنَّ الْهَلَاءَ عَلَى عَقِبَيْكَ وَ
الْمُصِيبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكَ يَمُوتُ ذِيْبَتِي مِنْهُ كَلَابٌ
مُسْتَعِدَّةٌ“۔ (اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء حاشیہ و تبلیغ رسالت
جلد ۱ ص ۱۳۱)

کہ میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو (کشفی حالت میں) دیکھا اور رونے کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ پس میں نے اس سے کہا۔ کہ اے عورت! توبہ کر۔ توبہ کر۔ کیونکہ ہلا تیری اولاد پر ہے۔ اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے۔ ایک مرد مر جائیگا۔ اور اس کی طرف سے کئے باقی رہ جائیں گے۔

ان الہامات میں ”توبی توبی“ کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں۔ کہ وہ مصیبت جو اس خاندان پر آنے والی تھی۔ وہ توبہ سے ٹل سکتی تھی اور ”توبی توبی“ میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس اندازی پیشگوئی میں ”توبہ“ کا دروازہ بہت وسیع ہے۔

کبیرہ گناہوں کو چھوڑ کر جو دوسرے صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ ان کے

لئے ایک آدمی کی دعا سے دوسرے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ التحيات میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

”رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ“ کہ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش۔ اسی طرح سے اپنی ذریت کے لئے بھی دعا سکھائی گئی۔ کہ ”رَبِّ اجْعَلْ لِي مَقِيْمًا صَلَوٰةٍ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِي“ کہ اے اللہ مجھے اور میری ذریت کو بھی نماز کا قائم کرنے والا بنا۔ غرضیکہ ”توبی توبی“ میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کر کے بتایا گیا ہے کہ اس پیشگوئی میں جو ”توبہ“ کی شرط لگائی گئی ہے۔ تو اس کے لئے دروازہ بہت کھلا ہے۔ یہاں تک کہ ”نانی“ کی دعا اور استغفار سے نواسی کی مصیبت ٹل سکتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ خود توبہ اور استغفار کریں۔

پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل پیشگوئی یہ نہ تھی۔ کہ ”محمدی بیگم میرے نکاح میں آجائیں گی“ بلکہ پیشگوئی یہ تھی۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد ”اگر توبہ نہ کریں گے“ (دیکھو مندرجہ بالا اقتباس ۱۷۱ از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) تو تین اور اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیں گے۔ اور ان کی ہلاکت کے بعد محمدی بیگم ”بیوہ ہو کر“ حضرت کے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اسی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے :-

”خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر و شتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کر رکھی ہے۔ کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی رڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا۔ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت

ہو جائے گا۔ اور آخر وہ عورت میرے نکاح میں آئیگی۔
 اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمدی بیگم کا
 حضرت کے نکاح میں آنا احمد بیگ اور سلطان محمد کی موت پر موت
 تھا۔ یہ ہے۔

يَمُوتُ بَعْلُهَا وَابْنُهَا إِلَى ثَلَاثِ سَنَةٍ مِنْ يَوْمِ النِّكَاحِ
 ثُمَّ نَزَّهَا إِلَيْكَ بَعْدَ مَوْتِهِمَا “ (کرامات الصادقین آخری
 ٹما ٹیٹل پیج)

کہ اس کا خاوند اور باپ یوم نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائیگا
 اور ان دونوں کی موت کے بعد ہم اس عورت کو تیری طرف واپس لائیں گے
 (۳) اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نکاح کی
 پیشگوئی اصل پیشگوئی نہ تھی۔ بلکہ اصل پیشگوئی احمد بیگ اور سلطان محمد
 کی ہلاکت تھی۔ یہ ہے۔

كَانَ أَصْلُ الْمَقْصُودِ الْإِهْلَاكَ وَتَعْلَمُ أَنَّهُ هُوَ
 الْمَلَاكُ وَامَّا تَزْوِجُهَا إِيَّايَ بَعْدَ إِهْلَاكِهَا لَكِنَّ
 وَالْهَالِكَاتِ فَهُوَ لَا عَظَامَ إِلَّا نِيَّةً فِي أَعْيُنِ الْمَخْلُوقَاتِ
 (انجام آتھم ص ۲۱۶)

کہ میری پیشگوئی کا اصل مقصد تو (ان دونوں کا) ہلاک کرنا تھا۔
 اور اس عورت کا میرے نکاح میں آنا ان کی موت کے بعد ہے۔
 اور وہ بھی محض نشان کی عظمت کو لوگوں کی نظر میں بڑھانے کے لئے
 نہ کہ اصل مقصود۔

غرضیکہ یہ ثابت ہو گیا۔ کہ حضرت کی اصل پیشگوئی یہ تھی۔ کہ
 مرزا سلطان محمد اور احمد بیگ ”اگر توبہ نہ کریں گے“ تو تین سال کے
 عرصہ میں فوت ہو جائیں گے۔ اور ان کی ”وفات کے بعد“ محمدی بیگم

حضرت کے نکاح میں آئیگی۔

یہاں پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو یہ بتایا۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد اگر توبہ نہ کریں گے۔ تو تین برس کے عرصہ میں ہلاک ہوں گے۔ جب خدا نے توبہ کی شرط لگا دی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا وہ اس شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں؟ اور اگر اٹھائیں گے۔ تو کس حد تک؟ کیونکہ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اسکو تو معلوم تھا۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں؟ تو اس سوال کا جواب ”قوی قوی“ دے الہام کے ساتھ ہی اگلے الفاظ میں دیا ہے۔ فرمایا :-

”قَوِّیْ تَوْبَتِیْ“ فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلَىٰ عَقِبَيْکَ وَالْجُمُعَةُ نَازِلَةٌ عَلَیْکَ یَمُوتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ سَلَابٌ مُّتَعَدِّدٌ
 رتبه اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۶۸ء و تبلیغ رسالت ۱۳۳۱ جلد ۱ حاشیہ

کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر۔ تجھ پر اور تیری لڑکی کی لڑکی پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ (ان دونوں مردوں احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے) ایک مرد ہی مرے گا۔ (یعنی وہ توبہ نہیں کرے گا۔ لیکن دوسرا توبہ کر کے شرط سے فائدہ اٹھالے گا۔ اور نہیں مرے گا۔ اور اس طرح سے عورت بیوہ نہ ہوگی۔ نہ نکاح ہوگا) اور کتنے بھونکتے رہ جائیں گے کہ نکاح کیوں نہیں ہوا۔ یعنی بے وجہ اعتراض کرتے رہیں گے۔ اس الہام میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے ایک شخص توبہ کی شرط سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ اور اسکی موت ہوگی۔ دوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ جائے گا۔ ”یَمُوتُ“ واحد مضارع مذکر کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

کہ ”ایک مرد مرے گا خادم۔“

اب ہم مندرجہ بالا بحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی یہ تھی۔

۱، احمد بیگ ضرور اپنی لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دیگا
(یُرَدُّ هَآئِلِیْكَ)

۲، نکاح کرنے کے بعد ”اگر توبہ نہ کریں گے“ تو تین سال کے عرصہ میں احمد بیگ اور اسکا داماد مرجائی گئے۔ اور اندریں صورت لڑکی بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئیگی۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء صمیمہ ریاض منہ اسرت سرمایہ ۱۸۸۶ء)

۳، توبہ کی شرط سے دونوں میں سے ایک فائدہ نہیں اٹھائیگا۔ اور مرجائے گا۔ (دیموت)

۴، دوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اٹھائیگا۔ اور توبہ کر کے بچ جائے گا۔ (دیموت) کیونکہ دونوں میں سے ایک نے مرنا ہے۔

۵، لڑکی بیوہ نہ ہوگی (نتیجہ شق چہارم)

۶، اس وجہ سے نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد میں ہونا تھا۔ (انجام آتم ص ۲۱۶)

۷، اور وہ لوگ جو ہر حالت میں زبان نکالنے کے عادی ہیں۔ (جن کو قرآن کیم نے اعراف رکوع ۲۲ میں ”یلہث“ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ وہ اس پر اعتراض کرتے رہیں گے۔ دینی منہ کلاب متعذدۃ)

پیشگوئی پوری ہوگئی

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ بالا امور پر مشتمل تھی۔ آؤ! اب ذرا واقعات پر نگاہ ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ کیا

خدا کے مہیج موعودؑ بیان فرمودہ باتیں پوری ہوئیں یا نہ؟ واقعات نے
بتا دیا۔ کہ حضرت مہیج موعود علیہ السلام نے جس طرح پیشگوئی کی تھی۔
حرف بحرف اسی طرح پوری ہوئی :-

۱، احمد بیگ نے محمدی بیگم کا نکاح ۱۸۹۲ء کو مرزا سلطان محمد
سے کر دیا۔

۲، احمد بیگ نے توبہ کی شرط سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور روز نکاح سے
پانچ مہینے ۲ دن بعد یعنی ۳ ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہو گیا۔ اور "میموت"
وائے الہام کا ایک پہلو پورا ہو گیا۔

۳، سلطان محمد نے "توبہ کی شرط سے پیشگوئی کے مطابق فائدہ اٹھایا۔
اور توبہ کر کے بچ گیا۔ (میموت کا دوسرا پہلو بھی پورا ہو گیا)
۴، چونکہ سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ گیا۔ اس لئے
محمدی بیگ بیوہ نہ ہوئی۔

۵، چونکہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس لئے نکاح بھی نہ ہوا۔ (دیکھو نکاح بیوہ
ہونے کے بعد ہونا تھا۔ انجام آتھم ۲۱۶)

۶، مستر ضنین آج تک اعتراض کرتے اور اپنی مخصوص ہرزہ درائی سے
باز نہیں آتے۔ اور خود بخود "و یبقی منہ حلاب متعددة"
وائے الہام کو پورا کرتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت مہیج موعود علیہ السلام نے جس طریق سے پیشگوئی فرمائی
تھی۔ بعینہ اسی طرح پوری ہوئی۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیشگوئی میں "توبہ"
کی شرط تھی۔ محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا تین سال میں سلطان محمد
اور احمد بیگ کی موت پر موقوف تھا۔ اور ان دونوں کا تین سال میں مرنا
ان کے توبہ نہ کرنے پر موقوف تھا۔ سلطان محمد نے توبہ کی "وہ تین
سال میں نہ سرا۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔ لہذا نکاح نہ ہوا۔ اذافات

الشرط فات المشروط-

ہمارے تمام بیان کا انحصار صرف دو باتوں پر ہے۔
(۱) پیشگوئی میں توبہ کی شرط موجود تھی۔

(۲) سلطان محمد نے "توبہ" کی شرط سے فائدہ اٹھایا۔

اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوں۔ تو پھر کسی منصف مزاج اور حق پسند انسان کو اس پیشگوئی پر کوئی معمولی سے معمولی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ محمدی بیگم کا نکاح حضرت مسیح موعود عہد سے صرف اس صورت میں ہونا تھا۔ کہ سلطان محمد توبہ نہ کرے۔ اور تین سال

میں مرجائے۔ اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ سلطان محمد نے واقعی توبہ کی۔ اور اس وجہ سے تین سال میں سرنے سے بچ گیا۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ سو اس بات کا ثبوت کہ اصل پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط

موجود تھی۔ ہم صفحہ ۵۸۰ پر آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۹

و اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء والہام "تَوْبِي تَوْبِي فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلَى

عَقِيْبَتِكَ" درج کر آئے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود عہد کی دو اور

تحریریں درج کرتے ہیں:-

(۱) مَا كَانَ الْإِنَّمَاءُ فِي هَذِهِ الْمُقَدِّمَةِ إِلَّا كَانَ مَعَهُ

شَرْطٌ دَاخِلٌ فِي الْإِنَّمَاءِ (ص ۲۲۳) کہ اس پیشگوئی کے متعلق مجھے ایک بھی الہام

نہیں ہوا۔ جس میں شرط مذکور نہ ہو۔

(۲) اور بعض نادان کہتے ہیں۔ کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری

نہیں ہوئی۔ اور وہ نہیں سمجھتے۔ کہ یہ پیشگوئی شرط تھی۔ اور اس میں خرافہ

کی وحی اسکی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کر کے یہ تھی "تَوْبِي تَوْبِي فَإِنَّ

الْبَلَاءَ عَلَى عَقِيْبَتِكَ"۔ یعنی اے عورت توبہ کر توبہ کر کہ تیری راکھی کی راکھی

پر بلا آینوالی ہے" (عنیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۴)

سلطان محمد کی توبہ کا ثبوت

اب صرف اس امر کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ باقی رہا۔ کہ مرزا سلطان محمد نے توبہ کی۔ اور فی الواقع پیشگوئی کی اس شرط سے فائدہ اٹھایا۔ سو یاد رہے کہ اسکی توبہ کے پانچ ثبوت ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا ثبوت اس امر کا کہ سلطان محمد نے توبہ کی فطرت انسانی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جب دو انسانوں کے متعلق ایک ہی حالت میں سے گزرنے کی پیشگوئی ہو۔ اور ان دونوں میں سے ایک پر بعینہ پیشگوئی کے مطابق حالت طاری ہو جائے۔ تو دوسرے کو بھی یقین ہو جائے گا۔ کہ میری بھی یہی کیفیت ہونے والی ہے۔ زید اگر عمر اور بکر کو یہ کہے۔ کہ تم دونوں دو گھنٹے کے اندر کنوئیں میں گر کر مر جاؤ گے۔ اب اگر ایک ہی گھنٹہ بعد عمر واقعی کنوئیں میں گر کر مر جائے۔ تو طبعاً و فطرۃً بکر کو اپنی موت کا یقین ہو جائے گا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ اور احمد بیگ عین ميعاد مقررہ کے اندر حسب پیشگوئی مر گیا۔ تو سلطان محمد پر خوف طاری ہوتا۔ اور اس کا توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرنا یقینی اور لازمی امر تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں :-

”سو ایک دانا سوچ سکتا ہے۔ کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد جسکی موت پیشگوئی کا ایک جزو تھی۔ دوسری جزو واسے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ گویا وہ جیسا ہی مر گیا ہوگا۔ چنانچہ اس کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے۔ جو ایک حکیم صاحب ہاشمہ لاہور کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔ جن میں انہوں نے اپنی توبہ اور استغفار کا حال لکھا تھا۔

کہ ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا۔ کہ تاریخ وفات سلطان محمد
 قائم نہیں رہ سکتی۔ (داشتمہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء ص ۱۷)
 (ب) ”اور جب احمد بیگ فوت ہو گیا۔ تو اسکی میرہ عورت اور دیگر
 پس ماندگان کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دعا اور تضرع کی طرف بدن متوجہ
 ہو گئے۔ جیسا کہ سنا گیا ہے۔ کہ اب تک احمد بیگ کے داماد کی والدہ
 کا کلیجہ اپنے حال پر نہیں آیا۔ سو خدا دیکھتا ہے۔ کہ وہ شونیوں میں کب
 آگے قدم رکھتے ہیں۔ پس اسی وقت وعدہ اس کا پورا ہوگا۔ (حجۃ اللہ
 ص ۱۱ مطبوعہ ۲۶ مئی ۱۸۹۴ء)
 نیز، سلطان محمد کی توبہ کا دوسرا ثبوت اس کا مندرجہ ذیل تحریری اور
 دستخطی بیان ہے:-

از انبالہ چھاؤنی

21 $\frac{3}{13}$

برادر دم سلمہ

فوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزا جی
 صاحب مرحوم کو نیک بزرگ۔ اسلام کا خدمتگذار۔ شریف النفس
 خدا یاد پہنچے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مریدوں سے
 کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔۔۔۔۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں۔ کہ
 چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل
 نہ کر سکا۔

نیاز مند

سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹

عکس اصل خط مرزا سلطان محمد صاحب

نیاں چھاپنے
3/3/20

اسلام علیہ السلام - نوارش نامہ ایک پوچھا یا داری کا
شہر پور میں خباب مرزا جی صاحب مرحوم کو

نیک - بزرگ اسلام کا خدائے شریف

خدا یا دہیلے ہی اور اب ہی خیال کرنا
ہو - مجھ کو اپنے سریدوں کے قسم
مخافت نہیں ہے بلکہ انہیں سرتاموں کہ
چند ایک سورات و ہم کو اپنے زندگے

میں اول شرف حاصل کرے

نیاں چھاپنے

سالہ ۹۹

مندرجہ بالا الفاظ اگر کسی عام آدمی نے لکھے ہوں۔ تو کوئی اہم بات نہ ہو۔ مگر سلطان محمد جس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے موت اور اس کی بیوہ کے اپنے نکاح میں آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ اور اپنی متعدد کتب و اشتہارات میں اس کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ اسکو حضرت مسیح موعودؑ سے طبعاً انتہائی دشمنی اور عناد ہونا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں حضرت بار بار تحریر فرما رہے تھے۔ کہ سلطان محمد نے توبہ کی ہے۔ اور وہ خود تو اس امر کو جانتا تھا۔ کہ اس نے توبہ کی ہے۔ یا نہیں؟ اگر اس نے فی الواقع توبہ نہ کی تھی۔ تو وہ جانتا تھا۔ کہ حضرت صاحب نفوذ باللہ سچ نہیں فرما رہے۔ تو ایسے شخص کی قلم سے یہ نکلنا کہ میں جناب مرزا جی صاحب کو نیک۔ بزرگ وغیرہ سمجھتا ہوں۔ اگر معجزہ نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ (۳) تیسرا ثبوت سلطان محمد کی توبہ کرنے کا اس کا اپنا بیان ہے۔ ”میرے خسر جناب مرزا احمد بیگ صاحب واقع میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے۔ مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے۔ اپنے دوسرے بندوں کی بھی سزا اور رحم کرتا ہے۔۔۔۔۔ میں ایمان سے کہتا ہوں۔ کہ یہ نکاح والی پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ باقی رسی بیعت کی بات۔ سو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں۔ اتنا نہیں ہو سکا۔۔۔۔۔ باقی میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے یکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا۔ تاہیں کسی طرح مرزا صاحب پر نالاش کر دیں۔ اگر وہ روپیہ میں لیتا۔ تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا۔ جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔

(۴) چوتھا ثبوت مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ تحریری بیان ہے۔ جو ان کے صاحبزادہ برادر مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب نے الفضل میں شائع کرایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احباب کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پیشتر اس کے کہ میں اپنا اصل مدعا ظاہر کروں۔ یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب اپنے ہر دعویٰ میں صادق اور مامور من اللہ ہیں۔ اور اپنے قول و فعل میں ایسے صادق ثابت ہوئے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک پیشگوئی مرزا احمد صاحب وغیرہ کے متعلق ہے۔ اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی۔ اور ایسی انذاری پیشگوئیاں خدا تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اس لئے کرایا کرتا ہے کہ جن کے متعلق ہوں۔ ان کی اصلاح ہو جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَحْذِيرًا۔ کہ ہم انبیاء کو نشانات اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرمادیا ہے کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی

اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ جب وہ قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔
 اور اپنی صلاحیت کی طرف رجوع کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنا معلق عذاب
 بھی ٹال دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ
 نیز حضرت موسیٰ کی قوم کے حالات وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ سے
 ظاہر ہے۔ اس صورت میں اندامی پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا
 ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب
 کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی
 سہستی سے انکار کیا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک
 کی ہتھک کی۔ اور اشتہار دے دیا۔ کہ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے۔
 تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی
 اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب
 ہلاک ہو گئے۔ اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا
 جس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے۔ کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔
 تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور الرحیم کے ماتحت قہر کو رحم میں
 بدل دیا۔ میں پھر زور دار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود
 علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔ میں ان لوگوں سے جن کو
 احمدیت قبول کرنے میں یہ پیشگوئی حائل ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ
 مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یہ
 وہی مسیح موعود ہیں۔ جن کی نسبت بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
 پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور ان کا انکار بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کا انکار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
 کیا ہی درست فرمایا ہے۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
 میں درند سے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اک زمان کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا

پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

خاک مرزا محمد اسحاق بیگ پٹی۔ ضلع لاہور۔ حال وارڈ چک نمبر ۱۶۵-۱۶۲
(منقول از الفضل ۲۶ فروری ۱۹۳۳ء ص ۹)

(۵) پانچواں ثبوت مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ چیلنج ہے۔ جو
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معترضین علماء کو دیا :-

”فیصلہ تو آسان ہے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے۔ تو احمد بیگ کے داماد
سلطان محمد سے کہو۔ کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو
میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے۔
تو میں جھوٹا ہوں۔“

”اور ضرور ہے۔ کہ یہ وعید کی موت اس سے حتمی رہے۔ جب تک کہ
وہ گھڑی نہ آجائے۔ کہ اس کو بے باک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے۔
تو اٹھو۔ اور اس کو بے باک اور مکذب بناؤ۔ اور اس سے اشتہار دلاؤ
اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو“ (انجام آئیم حاشیہ ص ۳۲)

اس اعلان کو شائع ہوئے ۳ سال ہو گئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام
اس اعلان کے بعد ۱۲ سال تک زندہ رہے۔ مگر کوئی مخالف مولوی مرزا سلطان
صاحب سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکا۔

پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح
ہو گئی۔ کہ مرزا سلطان محمد نے پیشگوئی کے مطابق توبہ کی۔ اور اس وجہ سے
تین سال میعاد کے اندر فوت نہ ہوئے۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔ اور اس
لئے نکاح نہ ہوا۔ (اذافات الشرط فافات الحشر و ط)

اور اس سب معاملہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ”کلام متعددہ“ نے مختلف مواقع
پر اپنی بدگوئی کی عادت کے مطابق حضرت کی اس پیشگوئی پر تمسخر اور استہزاء

کیا۔ اور حضرت کی یہ پیشگوئی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک ازالہ ادنام اور اپنی دوسری
کتابوں میں زور دیا ہے۔ کہ ضرور میرا نکاح محمد بیگم سے ہو جائیگا۔ اور بڑی
متحد یا نہ عبارتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ نکاح کب ہوگا؟
ظاہر ہے۔ کہ جب سلطان محمد کی موت پر وہ بیوہ ہو جائیگی۔ سلطان محمد
کی موت کب ہوگی؟ ”اگر وہ توبہ نہ کرے گا“

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر عبارت جو مخالف مولوی پیش کرتے
ہیں۔ درست ہے۔ ہمیں مسلم ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے۔ کہ پیشگوئی کے بعد اگر
سلطان محمد توبہ نہ کرتا۔ اور پھر بھی زندہ رہتا۔ اور نکاح نہ ہوتا۔ تو حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں تو نکاح سلطان محمد
کی عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ اس لئے جس قدر عبارات نکاح کے متعلق
ہیں۔ وہ بھی سلطان محمد کے توبہ نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہیں۔

۱۵۱۔ بیعت کیوں نہ کی؟

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ سلطان محمد نے توبہ کر لی۔ تو کیا ہوا۔ بات تو
جب تھی۔ کہ وہ بیعت کر لیتا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے۔ کہ یہ پیشگوئی
۱۸۸۲ء سے لیکر ۱۸۸۸ء تک مکمل ہوئی۔ اور توبہ کی شرط بھی اشتہار ۲ فروردین
اور ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء میں ہے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نہ بنی
ہونے کا تھا۔ نہ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا۔ نہ آپ اس وقت تک بیعت لیتے
تھے۔ بلکہ جو شخص بیعت کرنے آتا تھا۔ حضور ”کُتِبَ بِصَافُور“ کہ میں مامور
نہیں ہوں) کہہ کر انکار کر دیتے تھے۔ (بیعت ۱۸۸۹ء میں ہوئی) نہ اس زمانہ
میں احمدی غیر احمدی کا سوال تھا۔ کیونکہ حضور نے اپنی جماعت کا نام ”مسلمان فرقہ
۱۹ء میں رکھا۔ پس ”توبہ“ کی شرط سے مراد ہرگز ہرگز بیعت یا نبوت مسیحی

و مہدویت کا اقرار یا احمدی ہونا نہ تھا۔ اس زمانہ میں حضرت کا دعویٰ صرف اس قدر تھا کہ میں اسلام کا خد متگزار ہوں۔ اور اسی بات کا احمد بیگ اور سلطان محمد کو انکار تھا۔ اب سلطان محمد کے خط کو دیکھ لو۔ اس میں اس نے حضرت کو "اسلام کا خد متگزار" تسلیم کیا ہے۔ نیز خدا یاد کہہ کر خدا کی سہتی کا بھی اقرار کر لیا ہے۔ اور "شریف النفس" کہہ کر تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت مسیح موعود عدا کی یہ پیشگوئی ہرگز ہرگز نفاذیت کے جو کش کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا۔ جس کی تعمیل میں حضرت نے اسکو شائع کیا۔ پس اگر سلطان محمد کو اس پیشگوئی کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "اسلام کا خد متگزار" اور "شریف النفس" اور "خدا یاد" نہ کہتا۔

پس جس جس چیز کا پیشگوئی کی اشاعت کے وقت ان لوگوں کو انکار تھا۔ بعینہ انہی امور کا اقرار اس خط میں موجود ہے۔ پس سلطان محمد نے مکمل توبہ کی ہے۔ بیعت وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۲، تقدیر مبرم

حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آختم میں نکاح کو "تقدیر مبرم" قرار دیا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود عدا کی تحریرات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ تقدیر بعض حالات اور شرائط کے ساتھ مشروط ہونے کی صورت میں "تقدیر مبرم" بنتی ہے۔ اور جب تک وہ شرط یا شرائط پوری نہ ہوں۔ اس وقت تک اس تقدیر کے "قطعی مبرم" ہونے کا تحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آختم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"اب آختم صاحب قسم کھالیوں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے" (ضیاء الحق ص ۱۶)

گویا آختم کی موت "تقدیر مبرم" اس صورت میں ہوگی۔ جبکہ وہ قسم کھالیا

قسم نہ کھانے کی صورت میں تقدیر مبرم نہ ہوگی۔ پس جس طرح اس "تقدیر مبرم" کے ساتھ "قسم کھانے" کی شرط ہے۔ اسی طرح محمدی میکم کے نکاح میں سلطان محمد کی توبہ کی شرط ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے ادھر ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۲) "تقدیر مبرم" کا دعا اور صدقہ سے ٹل جانا احادیث نبویہ معلوم سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے :-

(۱) أَكْثَرُ مِنَ الدُّعَاءِ فَإِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ " (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۶۷ کتاب الصواب)

کہ کثرت سے دعا کر کیونکہ دعا تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

(۲) رَوَيْ أَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْقَدَقَةَ لَتُدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ " (روضة الراحين بر حاشیہ قصص الانبیاء ص ۲۶۴)

روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ صدقہ بلا مبرم کو بھی جو آسمان سے نازل ہونے والی ہو۔ روک دیتا ہے۔

(۳) الدُّعَاءُ جُنْدٌ مِنْ أَجْنَادِ اللَّهِ مُجَنَّدَةٌ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ أَنْ يَكْرَمَ " (فردوس الاخبار دیلمی ص ۱۸۱ آخری سطر)

کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ دعا خدا تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک جہاز لشکر ہے۔ جو قضا کو اس کے مبرم ہونے کے بعد بھی ٹلا دیتی ہے۔

(۴) روح البیان جلد ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ مصر پر بھی قضا مبرم کے ٹلنے کا ذکر ہے۔

۵۳، ثناء اللہ کا خط

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہزاروں جتن کر کے اہلحدیث ۱۴ مارچ ۱۹۲۲ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے ۱۶ سال بعد ایک غیر مصدقہ "تحریر مرزا

سلطان محمد کی طرف منسوب کر کے شائع کی۔ ہماری طرف سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ یا تو اصل تحریر ہمیں دکھائی جائے۔ یا اس کا عکس شائع کیا جائے۔ (جس طرح ہم نے کیا ہے) تاکہ پبلک پر اصل حقیقت واضح ہو۔ مگر آج تک مولوی صاحب ہمارے اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ نیز اگر ایسی کوئی تحریر ہو بھی۔ تو پھر بھی وہ قابل اعتنا نہیں اور ع مشیت کہ بعد از جنگ یاد آید۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج کے الفاظ یہ ہیں :-

”پھر اس کے بعد جو میدان خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس کے اس کی موت تجاوز کرے۔ تو میں جھوٹا ہوں۔“ (انجام آٹھم ص ۳۲ حاشیہ)

پس اس عبارت کے پیش نظر سلطان محمد کی کسی ایسی تحریر کا حضرت کی زندگی میں شائع ہونا ضروری تھا۔

۵۴، مقدمہ دیوار میں حضرت کا بیان

یعنی غیر احمدی مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان مقدمہ گورداسپور متعلقہ ”دیوار“ سے یہ الفاظ پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیا کرتے ہیں۔ کہ حضرت نے فرمایا :-

”میرے ساتھ اس کا نکاح ضرور ہوگا۔“ امید کیا مجھے یقین ہے۔“ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ یہودیانہ تفریق سے حضرت کے درمیان فی الفاظ حذف کر دیا کرتے ہیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں :-

”میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا۔ جیسا کہ پیشگوئی میں ہے۔ وہ سلطان محمد سے بیاہی گئی۔ جیسا کہ پیشگوئی میں تھا۔ ایک وقت آتا ہے۔ کہ عجیب اثر پڑے گا۔ پیشگوئی کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی پیشگوئی تھی۔ کہ وہ دوسرے کے ساتھ بیاہی جائیگی۔ اس لڑکی کے باپ کے مرنے اور خاوند کے مرنے کی پیشگوئی شرعی تھی۔ اور شرط توبہ اور رجوع الی اللہ تھی۔ لڑکی کے باپ نے توبہ نہ کی۔ اس لیے وہ بیاہ کے بعد چند مہینوں کے اندر مر گیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جزو پوری ہو گئی۔“

اس کا خوف اس کے خاندان پر پڑا۔ خصوصاً شوہر پر پڑا۔ جو پیشگوئی کا ایک جز تھا
 انہوں نے توبہ کی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی
 آئے۔ عورت اب تک زندہ ہے۔ (الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء ص ۱۵۱۲ جلد ۲۹)
 بیان حضرت مسیح موعود (ع)

(۵۵) نکاح فسخ یا تاخیر میں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ ”نکاح
 فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا۔“ اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر سلطان محمد اپنی
 توبہ پر قائم رہے۔ اور بے باکی کر کے تکذیب کا اشتہار نہ دے۔ تو اس صورت میں
 وہ حضرت کی زندگی میں نہیں مرے گا۔ اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت سے نہیں
 ہوگا۔ ”فسخ ہو گیا“ لیکن اگر انجام آتھم کے چیلنج کے جواب میں اس نے حضرت
 کی زندگی میں ”تکذیب کا اشتہار دے دیا“ تو پھر خدا کی مقرر کردہ میعاد کے
 اندر مر جائیگا۔ اور محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آجائے گی۔ اندریں صورت
 نکاح ”تاخیر میں پڑا ہوا“ متصور ہوگا۔

یہی معنی ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت ”بَلِ الْأَمْرُ قَائِمٌ
 عَلَىٰ حَالِهِ“ کے کہ سلطان محمد کی توبہ سے کلی طور پر معاملہ ختم نہیں ہو گیا۔ اور
 ”دعیدی موت اس سے ہمیشہ کے لئے مل نہیں گئی۔ بلکہ اب بھی اس کے سر پر
 کھمبہ“ ہوئی کھڑی ہے۔ جس وقت وہ تکذیب کرے گا۔ اسی وقت خدا کی مقرر کردہ
 میعاد کے مطابق پکڑا جائیگا۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعود ع کی تحریرات اس پیشگوئی
 کے متعلق بالکل صاف اور واضح ہیں۔

”زَوْجَنَا كَمَا“

یہ الہام در حقیقت قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ ”فَلْتَأْتِنِي زَيْدٌ“

مِنْهَا وَطَرًا زَوْجَنَا كَهَا" (را حزاب) کہ ہم نے آنحضرت صلیم کا نکاح
زینب کے ساتھ اس کے مطلقہ ہونے کے بعد کر دیا۔

حضرت کو یہ الہام محمدی بیگم کے متعلق ہوا۔ پس اس کا مطلب یہ ہو گا۔
کہ سلطان محمد کی بیوہ ہونے کے بعد ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔
چنانچہ خود حضرت مسیح موعود نے اس الہام کو انجام آختم صفحہ ۶۰ پر درج کر کے
اس کا مندرجہ ذیل ترجمہ تحریر فرمایا ہے:-

"بعد واپسی کے ہم نے نکاح کر دیا"

یعنی سلطان محمد کی موت پر "يَرُدُّهَا إِلَيْكَ" کا دوسرا مفہوم جب پورا
ہو گا۔ تو اس وقت خدا تعالیٰ نے نکاح پڑھ دیا ہے۔

۱۲، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اور واضح فرمایا ہے۔

"اور یہ امر کہ الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ عورت کا نکاح آسمان پر میرے

ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس نکاح

کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا۔ خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی۔ جو اسی

وقت شروع کی گئی تھی۔ اور وہ یہ کہ آيَتُهَا الْمَرْءُ لَا تَزَوِّجُ تَزَوِّجِي فَإِنَّ

الْبَيَّاتِ عَلَى عَقِبَيْكِ۔ پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا۔ تو نکاح

فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا" (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۲)

"فسخ یا تاخیر" کی تشریح اوپر آچکی ہے دیکھو ص۔

۱۳، حدیث میں آتا ہے:- کہ آنحضرت صلیم نے فرمایا:-

اُخْرِجِ الطَّبْرَانِي وَابْنِ عَسَاكِرَ عَنْ أَبِي أَمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّمَ قَالَ لِيَحْدِثُ بَعْدَ مَا شَعُرْتُ أَنَّ اللَّهَ رَوَّجَنِي مَرْيَمَ

ابْنَتِ عِمْرَانَ وَكُلُّشُمُومَ أُخْتِ مُوسَى وَامْرَأَةً فَرَسًا عَوْنًا

قَالَتْ كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ (فتح البیان جلد ۷، ص ۱۱۷) کہ

طبرانی اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلیم نے حضرت

خدیجہ رحمہ سے فرمایا کہ اے خدیجہ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے میرا نکاح پرفہ دیا ہے عیسیٰ کی مال سریم۔ موسیٰ کی بہن کاتھوم اور فرعون کی بیوی آسیہ کے ساتھ۔ حضرت خدیجہ رحمہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔ حدیث کے الفاظ میں بھی ”ذَوَّجْنِي“ اسی طرح ماضی ہے جس طرح ”ذَوَّجْنَا كَتَا“ میں۔

پیشگوئی کے نتائج

اس پیشگوئی کے بعد مندرجہ ذیل اصحاب اسی خاندان میں سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ہیں:-

۱) اہلیہ مرزا احمد بیگ صاحب (والدہ محمدی بیگم) یہ موصیہ ہیں۔ ۲) ہمیشہ محمدی بیگم ۳) مرزا محمد احسن بیگ جو مرزا احمد بیگ کے داماد ہیں۔ اور اہلیہ مرزا احمد بیگ کے کنبائے ہیں۔

۴) عنایت بیگ ہمیشہ محمدی بیگم (۵) مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ صاحب (۶) مرزا محمود بیگ پوتا مرزا احمد بیگ (۷) دفتر مرزا نظام الدین ان کے گھر کے سب افراد احمدی ہیں۔ (۸) مرزا گل محمد صاحب

پسر مرزا نظام الدین صاحب (۹) اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (موصیہ تھیں) (۱۰) محمود بیگ ہمیشہ محمدی بیگم (۱۱) مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب ابن مرزا سلطان محمد صاحب پٹی۔ یہ وہ افراد ہیں۔ جو خاص طور پر اس خاندان کے

ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور یہ سب کے سب اس نکاح والی پیشگوئی کے بعد ہی داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے ہیں۔ پیشگوئی میں اگر کوئی قابل اعتراض امر ہوتا۔ تو پہلے ان لوگوں کو اس پر اعتراض کرنا چاہیے تھا۔ مگر وہ لوگ جو اس کے متعلق سب سے بڑھ کر مقام غیرت پر ہو سکتے ہیں۔ ایمان لائے ہیں۔ اور خود مرزا سلطان محمد صاحب کہتے ہیں۔ کہ ”میں ایمان سے کہتا ہوں

کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے شک شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ پس ایسے حالات میں ان مخالف مولویوں کا اس پر اعتراض کرنا صاف طور پر "بیموت و بیفتی کلاب متعددة" کے الہام کو پورا کرتا ہے۔ اور اس کے سوا ان لوگوں کا اور کوئی مقصد نہیں۔

۵۷، پیشگوئی کی غرض

باقی رہا استہزاء اور مذاق اور یہ کہنا کہ نعوذ باللہ یہ پیشگوئی کسی نفسانی خواہش کے ماتحت کی گئی تھی۔ ایسے امور ہیں۔ جن کا جواب کوئی مہذب انسان دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کی غرض و غایت کو ہم ابتدا میں نہایت واضح طور پر بیان کر آئے ہیں۔ کہ ان لوگوں کی مذہبی اور عملی حالت اس نشان کا باعث بنی چنانچہ مولوی محمد یعقوب مصنف عشرہ کاملہ جیسا دشمن بھی اپنی کتاب تحقیق لاثانی میں لکھتا ہے:۔ "مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کی بنیاد بھی تکذیب ہی ہے۔ جیسا کہ نکاح آسانی کے متعلق ان کا پہلا الہام ہے۔ کَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ" (تحقیق لاثانی ص ۱۱۱)

لیکن اگر مولوی لوگ ان روشن واقعات کے باوجود یہی کہتے جائیں۔ کہ یہ پیشگوئی نفسانی تھی۔ تو ان پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر جس کو یہ نہیں مانتے ہیں۔ اس قسم کے حملے کریں۔ تو معذہر میں خصوصاً جبکہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے وہ مقدس انبیاء علیہم السلام بھی جن کو یہ لوگ بھی بنی مانتے اور ان کی عزت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نہیں بچ سکے۔

اور تو اور خود آنحضرت صلیم جن کی امت میں سے ہونے اور جن کا کلمہ پڑھنے کے یہ لوگ مدعی ہیں۔ ان کے متعلق ان علماء نے یہ لکھا ہے:۔

اَمْسِكْ عَيْنَكَ زَوْجَكَ، زَيْنَبُ وَذَلِكَ اَنَّهُ رَاَهَا بَعْدَ
مَا اَنْكَحَهَا زَيْدٌ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهِ وَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ
مَقْلِبِ الْقُلُوبِ (بیضاوی زیر آیت امسک عینک زوجت
و کمالین بر حاشیہ جلالین ص ۳۵۳)

کہ نفوذ باللہ آنحضرت صلعم نے زینبؓ کو دیکھا۔ اس وقت کہ اس کا زید کے
ساتھ نکاح ہو چکا تھا۔ پس آپ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہو گئی۔ اور فرمایا
پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

۱۲) حضرت یوسف علیہ السلام جن کی بریت کے لئے ایک سورت قرآن مجید
میں نازل ہوئی۔ ان کے متعلق کہتے ہیں :-

”وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ قَفَذْتُ مُخَالَطَتَهُ وَهَمَّ قَمَدٌ
مُخَالَطَتَهَا لِمَيْسِرِ الشَّهَوَاتِ لِغَيْرِ الْاِخْتِيَارِ“ (جامع البیان
ص ۲ نیز جلالین مجتہبی ص ۱۹)

کہ نفوذ باللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی زلیخا سے زنا کا ارادہ کیا۔
حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان مفسرین نے لکھا ہے :- ”طَلَبَ
اِمْرَاَةً شَخْصٍ لَيْسَ لَهُ غَيْرُهَا وَتَرَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا“
(جلالین مجتہبی ص ۳ حاشیہ)

کہ حضرت داؤدؑ نے ایک شخص (اور یاہ نامی) کی بیوی لے لی۔ اور اپنی
بیویاں پوری کیں۔ (نفوذ باللہ)

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے متعلق اسی جلالین ص ۳ پر لکھا ہے :- کہ
آپ ایک عورت پر عاشق ہو گئے۔ اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ (معاذ اللہ)
نہر فنیکہ پہلے انبیاء کے متعلق بھی یہی ہے ہودہ کوئی ہوتی رہی ہے۔ اگر حضرت
مسیحؑ جو عود علم کے متعلق معاندین وہی شیوہ اختیار کریں۔ تو انہیں معذور
سمجھنا چاہیئے۔

(۵۸) بہو کو طلاق دلوانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک احمد بیگ وغیرہ کو یہ لکھا تھا۔ کہ اگر تم یہ رشتہ نہ دو گے۔ تو میں اپنے بیٹے فضل احمد کو کہہ کر تمہاری لڑاکی کو طلاق دلوا دوں گا۔ مگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی کے مطابق خسر کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ اگر چاہے۔ تو اپنے بیٹے کو حکم دیکر بہو کو طلاق دلوا سکتا ہے۔ خواہ بیٹا رضا مند ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:-

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ اُحْبَبْتُهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَامَرَنِي اَنْ اُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ (ترمذی کتاب الطلاق و مشکوٰۃ مجتہبیٰ۔ ص ۲۱ باب الشفقة)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ کہ میری ایک بیوی تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ لیکن میرے باپ (حضرت عمر رضی) اس سے نفرت کرتے تھے۔ پس انہوں نے مجھے حکم دیا۔ کہ میں اسے طلاق دیدوں۔ مگر میں نے انکار کیا۔ پھر میں نے آنحضرت صلی علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

(ب) الطَّلَاقُ لِزَوْجِ الْوَالِدَيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ (مشکوٰۃ ص ۲۱ مطبع حیدری) کہ اپنے والدین کی خواہش کے ماتحت طلاق دینا جائز ہے۔

رج ۱، بخاری شریف میں ہے:- کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ آنے اور ان کے وٹاں پر جوان ہو جانے کے بعد مکہ گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پہنچے۔ ان کی بیوی گھر پہنچی۔ آپ اس سے

باتیں کرتے رہے۔ اور جاتی دفعہ بیوی سے کہہ گئے کہ جب اسماعیل مگر
 آئیں۔ تو انہیں میرا السلام علیکم دے دینا۔ اور کہنا کہ "غَيْرَ عَثْبَةٍ
 بَابُكَ" کہ اپنے دروازہ کی دہلیز کو بدل دو۔ جب حضرت اسماعیل مگر
 آئے۔ تو ان کی بیوی نے حضرت ابراہیمؑ کا پیغام دیا۔ تو حضرت اسماعیلؑ
 نے فرمایا۔ "ذَلِكَ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أَفَارِقَكَ الْبَحْثِي يَا هَلِكُ
 فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى" در بخاری جلد ۲ ص ۱۷۱ کتاب بدء الخلق
 باب یزفون النسلان فی الممشی کہ وہ میرے والد (حضرت
 ابراہیمؑ) تھے۔ اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے طلاق دے
 دوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اسے طلاق دے
 دی۔ اور بنو جرہم سے ایک اور عورت سے شادی کر لی۔

۱۲، قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا تَزُكُّوا إِلَى الَّذِينَ
 ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمْ النَّارُ کہ ظالم لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھو
 ورنہ تم کو بھی عذاب پہنچ جائیگا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اگر اپنے بیٹے کو انبیاء گذشتہ
 کی سنت پر عمل کر کے ان لوگوں سے قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی جو خدا
 اور اس کے رسول کے دشمن اور دہریہ تھے۔ تو اپنے فرض کو ادا کیا۔

۱۳، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خصوصاً اس معاملہ میں یہ الہام
 پورا تھا کہ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ قَطَعُوا
 تَعْلُقَهُمْ مِنْهُمْ وَ بَعْدُ وَ مِنْ مَجَالِسِهِمْ خَاوِلَتِكَ مِنْ
 الْمَرْحُومِينَ " (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۷) کہ سوائے
 ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔ اور نیک کام کئے۔ اور ان سے قطع تعلق
 کیا۔ اور ان کی مجالس سے دور رہے۔ پس ان پر رحم کیا جائیگا۔
 (باقی ان سب پر عذاب نازل ہوگا)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام "وَقَطَعُوا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ" پر عمل کرنا چاہتے تھے۔

(۵۹) بستر عیش

حضرت کا یہ الہام ہرگز محمدی بیگم والی پیشگوئی کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اس کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے:-

(۱) یہ الہام صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق نہیں۔ بلکہ آپ کی مقدس جماعت بھی اس الہام میں مخاطب ہے۔
(۲) یہ الہام اس دنیاوی زندگی کے متعلق نہیں۔ بلکہ آخرت کے متعلق ہے:- چنانچہ یہ الہام مکمل طور پر یوں ہے:-

”۵ دسمبر ۱۹۰۵ء۔ بَلَاءٌ وَأَنْوَارٌ۔ بستر عیش۔ خوش باش کہ عاقبت نگو خواہد بود۔ فَبَشِّرْهُ بِمَا يَنْبَغِي“ (پس مومنوں کے لئے بشارت ہے) ”(البدر جلد ۳ عاصک کالم ۳۳ والبشری جلد ۲ ص ۸۷) فارسی الہام صاف طور پر تبارک ہے۔ کہ یہ ”عاقبت“ کے متعلق ہے۔ عربی الہام تبارک ہے۔ کہ اس میں جماعت احمدیہ بھی مخاطب ہے۔

(۳) لفظ ”عیش“ بھی ہمارا مؤید ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:-
لَا عِيشَ إِلَّا عِيشُ الْآخِرَةِ“ کہ حقیقی زندگی (عیش) آخرت ہی کی ہے۔

(۴) قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے:- مُمْتَكِيْن عِلَى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَاقٍ“ (رحمن ۳۶) نکیہ لگائے ہوں گے بستروں پر جن کے استر گاڑے ریشم کے ہوں گے۔ (۵) الْفُورُشُ مَا يُفْرَشُ وَيُنَامُ عَلَيْهِ (المنجد ص ۶) وہ جو بچھایا جائے اور اس پر سویا جائے۔ گویا جنت کی ”عیش“ (زندگی) میں ہر مومن کا بستر ہوگا۔ پس الہام ”بستر عیش“ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔
(۶) وعید کا لٹنا:- ہم اس مضمون کے شروع میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محمدی بیگم والی

پیشگوئی میں ”توبہ“ کی شرط تھی۔ اور سلطان محمد نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن اگر پیشگوئی میں توبہ کی شرط نہ بھی ہوتی۔ تو بھی یہ وعید پیشگوئی تھی۔ اور خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق سلطان محمد کا توبہ و استغفار سے تین سال کے عرصہ میں پنج جانا کوئی غیر ممکن امر نہ تھا چنانچہ :-

۱، خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ”وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ (انفال رکوع ۷۷) کہ خدا تعالیٰ استغفار کرنے والوں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲، حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا۔ ”أَنْتَ أَجَلُكُمْ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً“ کہ تمہاری زندگی بس چالیس راتیں ہیں۔ اس میں کوئی شرط توبہ وغیرہ کی مذکور نہ تھی۔ مگر وہ لوگ بہت ڈرے۔ توبہ اور استغفار کی۔ ”فَتَنَادُوا إِلَى اللَّهِ فَاسْتَجَبْنَا لَهُمْ وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنَ الْغَمِّ“ (البیان جلد ۸ ص ۲۷) کہ وہ لوگ خدا کے سامنے گڑگڑائے۔ پس خدا تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔ اور ان پر سے عذاب کوٹلا دیا۔

۳، روح المعانی میں خلف وعید کے متعلق لکھا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَزَّ وَجَلَّ يَجُوزُ أَنْ يُخْلِفَ الْوَعِيدَ وَإِنْ أَمْتَنَ أَنْ يُخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِهَذَا رَوَتْ السُّنَّةُ فِي حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ اللَّهُ عَلَى عَمَلِهِ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجَزٌ لَهُ وَ مَنْ وَعَدَهُ عَلَى عَمَلِهِ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ وَمِنْ أَدْعِيَةِ الْأَيُّمَةِ الصَّادِقِينَ يَا مَنْ إِذَا وَعَدَ وَكَادَ إِذَا تَوَعَّدَ عَصَا (روح المعانی جلد ۲ ص ۵۵ مصری)

کہ خدا تعالیٰ کے لئے جائز ہے۔ کہ وہ وعید (عذاب کی پیشگوئی میں) تخلف کرے۔ اگرچہ وعدہ میں تخلف ممتنع ہے۔ اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کسی سے (عام) ثواب کا وعدہ کرے۔ تو اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ ناں عذاب (وعید) کی صورت میں وہ مختار ہے۔ کبھی سزا دیتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ اور ائمہ صادقین کی دعاؤں میں ایک یہ ہے۔ کہ "اے اللہ جب وعدہ کرے۔ تو پورا کرے۔ اور جب ڈرائے (وعید کرے)، تو معاف فرمائے"

(۴)، اَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ الْمَشْهُورَ فِي الْجَوَابِ اَنَّ اَيَّامَ الْوَعْدِ مُطْلَقَةٌ وَاَيَّامُ الْوَعِيدِ وَابْنُ وَرْدَتٍ مُّطْلَقَةٌ حَذَفَ قِيْدُهَا لِـمَزِيْدِ التَّخْوِيفِ (روح المعانی جلد ۴ ص ۱۹ مطبوعہ مصر)

کہ وعدہ ہمیشہ مطلق (غیر مشروط) ہوتا ہے۔ اور "وعید" خواہ وہ بظاہر غیر مشروط ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی شرط حذف کر دی گئی ہوتی ہے۔ تاکہ خوف زیادہ بڑھ جائے۔

(۵)، حضرت علامہ نضر الدین فرماتے ہیں :-

"وَعِنْدِي جَمِيعُ الْوَعِيْدَاتِ مُشْرُوْطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يُلْزَمُ مِنْ تَرْكِهٖ دُخُوْلُ الْكِذْبِ فِي كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی"

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مصر)

کہ میرے نزدیک تمام وعیدی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا۔ تب پوری ہوگی۔ پس اگر وعید پورا نہ ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۶)، تفسیر بیضاوی میں ہے :- "بَيِّنَاتٌ وَعِيْدٌ الْفَسَادِ مُشْرُوْطٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ"

(بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران پہلا رکوع زیر آیت ان اللہ لا یخلف الميعاد)

کہ خدا تعالیٰ کافروں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کرتا ہے۔ تو ہمیشہ اس میں
مخفی طور پر یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا۔ تو عذاب
آجائے گا۔

(۱) مسلم الثبوت ص ۲۸ ” اِنَّ الْاِلٰهَ اَدْرِىٰ كَلَامِهِ تَعَالٰی مُقَيَّدٌ
بِعَدَمِ الْعَفْوِ“

کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔

(ایک سوال)

ایک سوال ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا احمد بیگ
کی موت کے لئے تین سال کی میعاد اور سلطان محمد کی موت کے لئے
اڑھائی سال کی میعاد مقرر فرمائی تھی۔ جس سے بادی النظر میں یہ معلوم
ہوتا ہے۔ کہ پہلے سلطان محمد کو مرنا چاہیئے تھا۔

(۱) سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلطان محمد
کے لئے اڑھائی سال اور مرزا احمد بیگ کے لئے تین سال کی میعاد مقرر
فرمانا ہر اہل بصیرت انسان کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
صداقت اور راستبازی کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ احمد بیگ عمر کے لحاظ
سے بڑا تھا۔ اور اسکا داماد جوان۔ طبعی طور پر احمد بیگ کی موت کے متعلق
یہ خیال کیا جاسکتا تھا۔ کہ وہ سلطان محمد سے پہلے مرے گا۔ اور اگر حضرت
مسیح موعود علیہ السلام اپنی طرف سے اندازہ لگا کر پیشگوئی کرتے۔ تو احمد بیگ
کی وفات کے لئے سلطان محمد سے کم میعاد مقرر فرماتے۔ لیکن الہام میں
ایسا نہیں۔ بلکہ احمد بیگ کے لئے تین سال اور سلطان محمد کے لئے ۱۲ سال
کا وعدہ کیا گیا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ یہ پیشگوئی انسانی دماغ کا
اختراع نہ تھا۔

(۲) دوسرا امر جو اس میعاد کے تعین سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ پیشگوئی

جذبات انسانی کے نتیجہ میں ہمیں کی گئی تھی۔ کیونکہ زیادہ قصور احمد بیگ کا تھا۔ اور وہی مستہزیب اور مکفر میں کے گروہ میں شامل تھا۔ نیز رشتہ کے لئے اسی کے ساتھ سلسلہ جنبا فی کیا گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ اسی کے انکار کا نتیجہ تھا۔ اور اگر جذبات انسانیہ کا کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ تو یہی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام احمد بیگ کی موت کی میعاد کم مقرر فرماتے۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہوا۔ جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی جذبات کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو اطلاع دی حضور نے اسی طرح اسے شائع فرمادیا۔

(۳) پیشگوئی میں زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی تھی۔ اور اگر احمد بیگ اور سلطان محمد اپنی اسی حالت پر بدستور قائم رہتے۔ جس حالت میں کہ وہ پیشگوئی کے بیان کرنے کے وقت تھے۔ تو ان کی موت کی میعاد علی الترتیب تین وارٹھائی سال ہوتی۔ مگر احمد بیگ اپنی پہلی حالت پر قائم نہ رہا۔ اور لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد اور زیادہ شوخ ہو گیا۔ اس لئے وہ میعاد مقررہ کے اندر بہت جلدی پکڑا گیا۔ بخلاف سلطان محمد کے کہ اس نے اصلاح کی اور توبہ اور استغفار کی طرف رجوع کیا۔ کما تر۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے احمد بیگ کی میعاد تین سال مقرر کر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ یہ زیادہ سے زیادہ مہلت ہے۔ جو احمد بیگ کو دی جائیگی۔ مگر وہ اس فائدہ ہمیں اٹھائے گا۔ اور تین سال سے بہت پہلے جلدی سی مر جائیگا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو جو خط ۱۳۴۲ھ میں لکھا تھا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا تھا:-

وآخر المصاب موتك۔ فتموت بعد النكاح الى ثلث سنين بل موتك قريب (آیہ کمالا اسلام ص ۵۳) ترجمہ یہ ہے ۱۔ کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئیگی۔ وہ

تیری موت ہوگی۔ تو روز نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائیگا۔ بلکہ تیری موت اس سے بھی قریب ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں :-

”خدا نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا۔“ (حاشیہ اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء ص ۶ ص ۶)

اخبار ریاض مہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالات (اسلام) مندرجہ بالا دونوں حوالہ جات میں حضرت نے صراحت فرمادی ہے۔ کہ احمد بیگ کو اگر وہ زیادہ شوخی نہ کرے۔ تو زیادہ سے زیادہ تین سال مہلت مل سکتی ہے۔ لیکن وہ شوخی کر کے جلدی فوت ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک قابل غور امر

مندرجہ بالا عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام ص ۵۲ میں سے فقرہ ”آخر المصائب موتک“ کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی۔ وہ تیری موت ہوگی۔ خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو بتا دیا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا ہے۔ کہ اسکی موت کو اس کے خاندان کے لئے ”آخری مصیبت“ بنائے۔ اور اس کے بعد پھر کوئی مصیبت اس خاندان پر اس پیشگوئی کے ماتحت نہ آئے۔ اس لئے احمد بیگ کی موت جب ۱۸۹۲ء میں ہو گئی تو۔ ”آخر المصائب موتک“ کے مطابق ضروری تھا۔ کہ سلطان محمد اس کے بعد فوت نہ ہو۔ غرضیکہ

احمد بیگ کی موت کا واقعہ ہو جانا اور پیشگوئی کے مطابق واقعہ ہو جانا اس پیشگوئی کے عظیم الشان نتائج کی خوشخبری دیتا تھا۔ جو اس خاندان کے اکثر افراد کے حلقہ بگوش اصدیت ہونے کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اور اس طرح سے یہ پیشگوئی اس خاندان کے مطالبہ ”فَلَنُتَبِّئَنَّ بِآيَةِ انْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ“ کہ اگر یہ سچا ہے۔ تو نشان دکھائے، کے جواب میں ایک زبردست نشان ثابت ہوئی جس نے ان لوگوں کی جو دہریت اور ارتداد کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے کایا پلٹ دی۔ اور ان کو خدا کے پیارے مسیح موعود کی شناخت اور قبولیت کی روشنی سے منور کر دیا۔ دہریت کی جگہ اسلام نے اور ارتداد کی جگہ تعلق و محبت رسول نے لے لی۔

اور یہی وہ عظیم الشان تغیر ہے۔ جس کو دنیا میں پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء و کتب لائے۔ اور جس کی جھلک خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ داروں میں اس پیشگوئی کے ذریعہ دکھائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”کس قدر میرے دعوتی کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ محض افتراء ہے۔ بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ اور میری کسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جابل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے۔“ (ضمیمہ برائین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۹)

”اے نادان! اول تعصب کا پردہ اپنی آنکھ پر سے اٹھاتے تھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ سب پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت ایک تند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے۔ پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ زمین نے نشان دکھائے۔ اور آسمان نے بھی۔

اور دوستوں میں بھی نشان ظاہر ہوئے۔ اور دشمنوں میں بھی۔ مگر انہوں نے
لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن خدا اس کام کو
نا تمام نہیں چھوڑے گا۔ جب تک کہ وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا
دے۔ (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص ۱۳)

ایک یہ بھی ان کا اعتراض ہے۔ کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ اس اعتراض
کے جواب میں تو صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ کہ لعنة الله على الكاذبین
اگر وہ میری کتابوں کو غور سے دیکھتے۔ یا میری جماعت کے اہل علم و واقفیت
سے دریافت کرتے۔ تو معلوم ہوتا۔ کہ کئی ہزار پیشگوئیاں اب تک پوری ہو
چکی ہیں۔ اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ نہیں
بلکہ ہزاروں گواہ ہیں۔ (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص ۱۹)

(۶۱) ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد والی پیشگوئی

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات

جواب :- ۱، دسمبر ۱۹۰۵ء اپنی وفات سے ۲ ۱/۲ سال قبل آپ نے ”الوصیت“
شائع فرمائی۔ اس کے صفحہ پر یہ الہامات درج ہیں :- ”قَرَبَ اجْلَاسُ الْمُقَدَّرِ
دَیْرَی وَفَاتِی کَا مَقْرَرِہٖ وَقْتِ آگِیَا ہِے“ ”خَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ“ ”دَیْرَی رَبِّکِ
مَرْوَفِی سَے بَہِیْتِ کَمِ دَقْتِ بَاقِی رَہِ گِیَا ہِے“ ”بَہِیْتِ تَحْوَڑَی دِن رَہِ گئے ہِیں“

۲، ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء میں ہے۔ روایا :- ایک کوری ٹینڈ میں مجھے کچھ پانی
دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اسیں باقی رہ گیا ہے۔ لیکن نہایت صاف اور
مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام ہوا۔ ”آبِ زَنْدَکِی“ ”ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء
اس میں ”دو تین گھونٹ“ ”زندگی کا پانی باقی رہنا مذکور ہے۔ اور اس کے
پورے اڑھائی سال بعد حضور فوت ہوئے۔ گویا کل میعاد یعنی سال بتائی

گئی۔ جس کو بعد میں عبدالحکیم نے چرا کر اپنے نام سے شائع کیا۔ جیسا کہ آگے آئیگا۔

(۳) ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء "افسوسناک خبر آئی ہے۔ اور انتقال ذہن لاہور کی طرف ہوا ہے۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔" (ریویو جلد ۶ ع ۳)
(۴) ۲۰ دسمبر ۱۹۰۷ء :- "بھرام کہ وقت تو نزدیک رسید ۲۷ کو ایک واقعہ ہمارے متعلق "اللہ خیر و آتی" (یعنی اللہ ہی سب اچھا اور باقی رہنے والا ہے) حضور کی وفات کی "افسوسناک خبر" لاہور کی طرف سے آئی۔ اور حضور ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو کفن میں لپیٹ کر قادیان لائے گئے۔
(۵) ۷ مارچ ۱۹۰۸ء "ما تم کدہ" اس کے بعد دیکھا کہ جنازہ آتا ہے۔

عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ نے جب "الوصیت" شائع فرمادی۔ اور اپنا وہ رویا بھی شائع فرمادیا۔ جس میں حضور کی عمر "دو تین سال" بتائی گئی تھی۔ تو اس کے پورے سات مہینے بعد عبدالحکیم مرتد نے ۱۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو لکھا :-
سہ سالہ پیشگوئی :- "مرزا مسرور کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے ساتھ شریفنا ہو جائیگا۔ اور اسکی میعاد تین سال بتائی گئی ہے۔" (کاناد جال صفحہ ۵)
اعلان الحق و اتمام الحجت و تکمیل صلی

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب :- اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے ۱۶ اگست ۱۹۰۷ء کو اشتہار "خدا سچے کا حامی ہو" شائع فرمایا۔ اور اس میں خدا کا یہ الہام درج کیا "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اور ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ خدا کے فرشتوں کی کچھ موٹی تلوار تیرے آگے ہے۔"

پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا۔ رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَ
 كَاذِبٍ دَأْنَتْ تَرَى كُلَّ مَصْلِحٍ وَصَادِقٍ (یعنی اے رب! سچے اور
 جھوٹے میں فرق کر کے دکھا دے۔ اور تو ہر مصلح اور سچے کو جانتا ہے)
 پہلی پیشگوئی منسوخ { عبد الحکیم مرتد "شجرہ خبیثہ" تھا۔ جو "مآلہا
 ۱۴ ماہیہ نہی پیشگوئی { مین قسار کے مطابق اپنی بات پر قائم نہ رہا۔
 اور اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو بدیں الفاظ منسوخ کرتے ہوئے لکھا: "اللہ نے
 مرزا کی شوفیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ مبعاد میں سے جو ۱۱ جولائی
 ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی۔ دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دیئے۔ اور مجھے
 یکم جولائی ۱۹۰۶ء کو الہاماً فرمایا۔ کہ "مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت
 ٹاویہ میں گرایا جائیگا۔" دیکھو رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ ص ۷
 مؤلفہ عبد الحکیم مرتد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب ۱۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود
 نے ۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو "تبصرہ" نامی اشتہار شائع فرمایا۔ "اپنے دشمن سے کہہ
 کہ خدا تجھ سے موافقہ لیگا۔ اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤنگا۔ یعنی دشمن جو کہتا
 ہے۔ کہ جولائی ۱۹۰۶ء سے چودہ مہینہ تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا
 ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔ اور تیری
 عمر کو بڑھاؤں گا۔ تا معلوم ہو۔ کہ میں خدا ہوں۔ اور ہر ایک (مر میرے اختیار میں
 ہے۔

نوٹ ۱۔ اس الہام میں لفظ "جھوٹا کر دینگا" اور "عمر کو بڑھاؤں گا" خاص
 طور پر قابل غور ہیں۔ کیونکہ بڑھاؤں گا کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ حضور کی تاریخ وفات
 تو حضرت کے اپنے الہامات کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۰۸ء سے پہلے ہی ہے۔ مگر محض
 دشمن کو جھوٹا کرنے کی غرض سے خدا تعالیٰ اسکو "بڑھانے کی پیشگوئی کرتا ہے
 گویا عمر بڑھانا محض دشمن کو "جھوٹا" کرنے کی غرض سے ہے۔ (دبس)

چودہ ماہیہ پیشگوئی بھی منسوخ :- چودہ ماہ والی پیشگوئی کے مطابق میعاد پیشگوئی
یکم ستمبر ۱۹۰۶ء نکلتی تھی۔ مگر تبصرہ کے شائع ہونے کے بعد مرتد ڈاکٹر نے اسے
اور تبدیلی کر دی اور لکھا: ”الہام ۱۶ فروری ۱۹۰۶ء“ مرزا ۲۱ سادون ۱۹۶۵ء
مطابق ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء تک ہلاک ہو جائیگا۔“ (دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ ص ۲۶)
حضرت مسیح موعودؑ کا جواب :- جب عبدالحکیم نے ۱۶ فروری ۱۹۰۶ء کو
۱۴ اگست ۱۹۰۶ء تک والی پیشگوئی شائع کی۔ تو اس وقت حضرت مسیح موعودؑ
چشمہ معرفت لکھ رہے تھے۔ حضور نے اسکی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل
فرمائی۔ اور تحریر فرمایا: ”میں اسکی شر سے محفوظ رہوں گا“ (چشمہ معرفت ص ۳۲)
۱۴ اگست تک والی پیشگوئی منسوخ :- مگر عبدالحکیم مرتد اس پر بھی قائم نہ
رہا۔ اور لکھا: ”مگر کسی طرح اس (حضرت مسیح موعودؑ) کی بے باکی اور سرکشی
میں کمی نہ ہوئی۔ اور مرزائیوں کا ارتداد اور کفر بے حد بڑھتا گیا۔ جسکی تفصیل
کانادجال کے مطالعہ سے ظاہر ہوگی۔ ایک موقع پر بے اختیاری میری زبان
سے یہ بددعا نکلی۔ اے خدا! اس ظالم کو جلد غارت کر۔ اے خدا! اس بد معاش
(خاکش بدین۔ مخادم) کو جلد غارت کر۔ اس نے ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء مطابق ۲۱ سادون
۱۹۶۵ء تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی (اعلان الحق و اتمام الحجۃ تکمیدہ ص ۹)
اپنے ۸ مئی ۱۹۰۶ء کے خط میں لکھتا ہے :- ”مرزا قادیانی کے متعلق میرے
جدیدہ الہامات شائع کر کے ممنون فرمادیں۔ (۱) مرزا ۲۱ سادون ۱۹۶۵ء
(۱۴ اگست ۱۹۰۶ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔ (۲) مرزا کے
کنبہ میں سے ایک بڑی معرکتہ الارا عورت مر جائیگی۔“ (پیہ اخبار ۱۹۰۶ء
۱۵ مئی و المحدث ۱۵ مئی ۱۹۰۶ء) گویا اب اس نے ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء کی
تعیین کر دی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی
آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۶ء کو فوت ہوئے۔ اور اس کے شر سے محفوظ رہے۔ وہ
”جھوٹا“ ہو گیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی پیشگوئیوں کے مطابق

۲۷ کو حضور کا جنازہ لاہور سے قادیان کی طرف لایا جا کر دارالامان میں مدفون ہوئے۔

۲۸ کو "کی صحت کا ثبوت :- (۱) ہم رگست تک والا الہام ۶۱ فردری کا ہے (اعلان الحق و تکمیلہ و اتمام الحجۃ ص ۱) مگر ہم رگست کو "والا" "الہام" مٹی کے پہلے ہفتہ کا ہے (دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکمیلہ ص ۳۲ سطر ۱۸)

(۲) "تک" والا "الہام" "جدید" نہیں۔ بلکہ تین مہینے کا پرانا "الہام" تھا۔ ۸ مئی کو اس نے "کو" والا الہام لکھا ہے۔ اور اس کو "جدید" قرار دیا ہے۔ اور خود اقرار کیا ہے۔ کہ مئی ۱۹۰۷ء میں مجھے "کو" والا الہام ہوا تھا۔ (دیکھو اعلان الحق وغیرہ ص ۳۲)

(۳) دوسرا الہام "جو معرکتہ الآرا عورت کی موت کے متعلق ہے۔ وہ ۸ مئی ۱۹۰۷ء کا ہے۔ یعنی اس دن کا جس دن اس نے یہ "الہام" بغرض اشاعت اخبارات میں بھی بھیجا ہے۔ (دیکھو اعلان الحق وغیرہ ص ۳۲ آخری سطر) مگر "تک" والا الہام کے ساتھ معرکتہ الآرا عورت کی موت کا ذکر نہیں۔ (۴) عبد الحکیم نے خود اقرار کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر درج ہو چکا۔ کہ ہم رگست تک والی میعاد منسوخ کی گئی" (اعلان الحق وغیرہ ص ۹)

عبد الحکیم مرتد جھوٹا ہو گیا

مولوی ثناء اللہ امرتسری اکی شہادت :- "ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے۔ یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے۔ جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کے اہم بیٹ میں ان کے الہامات درج ہیں۔ کہ ۲۱ رسا دن یعنی ہم رگست کو مرزا مر گیا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معرکتہ ایڈیٹر عیسٰی اخبار نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے۔ کہ "۲۱ رسا دن کو" کی بجائے "۲۱ رسا دن تک" ہوتا

تو خوب ہوتا۔ (المحدث ۱۲ جون ۱۹۰۶ء)

ضروری نوٹ :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک "تبصرہ"

میں لکھا ہے :- کہ میرا دشمن میری آنکھوں کے سامنے ہی اصحاب فیل کی طرح

نیست و نابود ہو جائیگا۔ مگر! یہ حضرت کا اپنا اجتہاد ہے۔ الہام جو حضور کو ہوا۔

وہ دین درج ہے "الْحَذَرُ كَيْفَ فَعَلَى رَيْثُ بِاصْحَابِ الْفِيلِ" حضرت

صحاب نے تر کے لفظ سے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ گویا وہ میری آنکھوں

کے سامنے ہی ہلاک ہوگا۔ حالانکہ یہ آیت قرآن مجید میں جہاں آتی ہے۔ وہاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مخاطب کرتی ہے

اور "الْحَذَرُ" کے الفاظ اس موقع پر مستعمل ہوئے ہیں۔ حالانکہ اصحاب فیل

کی تباہی کا واقعہ آنحضرت نے اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ آپ

کی ولادت سے بھی قبل ہو چکا تھا۔ اسی طرح اس الہام کو جو حضرت مسیح موعود

کو بتایا گیا تھا کہ عبدالحکیم پر جو عذاب آئے گا۔ آپ اپنی زندگی میں اسکو دیکھ نہیں

سکیں گے۔ جس طرح اصحاب فیل کی تباہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اور نبی سے اجتہادی

غلطی ممکن ہے۔ جیسا کہ بنو نضیر شرح الشرح عقائد نسفی میں ہے :-

وَمَا كَانَ النَّبِيُّ مِنْكُمْ إِلَّا أَنْتُمْ كَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ يَخْتَارُ مَا كُنْتُمْ

تَحْطُوا كَمَا أَذْكُرُ إِلَّا أَنْتُمْ لَيْسْتُمْ فِي حَدِيثِ نَبِيِّكُمْ مَعَكُمْ مَا خَدَّكُمْ

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا أَقُولُ فِيكُمْ مِنْ قَبِيلِ نَفْسِي فَإِنَّمَا

أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَخْطِئُ وَأُصِيبُ "ملا" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات

اجتہاد کرتے تھے۔ تو وہ غلط بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں نے لکھا ہے۔ اور

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات تو میں

کہوں۔ کہ خدا نے کہی ہے۔ تو وہ بالکل درست۔ اور پاک ہوگی۔ مگر جو بات اسکی

تشریح کرتے ہوئے میں اپنی طرف سے کہوں۔ ضروری نہیں کہ درست ہی ہو۔

کیونکہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ کبھی درست بات بتاتا ہوں۔ اور کبھی

مجھ سے خطا بھی ہو جاتی ہے۔ (مفصل دیکھو سوال ۲۹ کا جواب)
 (۲) حضرت مسیح موعودؑ کی یہ سب تحریرات عبدالحکیم کی پیشگوئیوں کے
 بالمقابل ہیں۔ جب اس نے اپنی طرف سے شرائط کو تبدیل کر دیا۔ تو حضرت کے
 جوابات بھی بحال نہ رہے۔ تم الزام تو اس صورت میں دیتے۔ کہ وہ اپنی بات
 پر قائم رہتا۔ اور پھر حضرت پر اعتراض کرنے کا اسے موقع ملتا۔ حضرت کی غرض
 تو ”رَبِّ خَدَّیْ نَبِیْنِ صَادِقٍ وَ کَاذِبٍ“ کی تھی۔ کیا سچے۔ جھوٹے میں
 فرق نہیں ہوا؟ کیا حضرت ”اس کے شر سے محفوظ“ نہیں رہے؟ اور اسکو خدا
 نے جھوٹا نہیں کیا؟ اور پھر کیا وہ ۱۹۱۹ء میں پھیپھڑے کی مرض (سل) سے
 ہلاک نہیں ہوا؟ اور وہ فرشتوں کی کچھ سوئی تلوار سے مسلول نہیں کیا گیا؟
 اگر یہ سب واقعات سچے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت
 میں کون سے شک و شبہ کی گنجائش ہے؟

(۶۲) مولوی ثناء اللہ کی آخری فیصلہ

سوال :- مرزا صاحب نے ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی کی۔
 جواب :- یہ افتراء ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے ہرگز ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی
 نہیں کی۔ چنانچہ آپؑ اشتہار ”آخری فیصلہ“ میں لکھتے ہیں :- ”یہ کسی الہام یا
 وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں“ کوئی مخالف حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر سے
 یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ حضرت نے ثناء اللہ کے اپنی زندگی میں مرنے کی پیشگوئی
 کی تھی۔ ہاں اسکو دعوت مباہلہ دی تھی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے :-
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب انجام آتھم میں تمام علماء
 گدی نشینوں اور پیروں کو ”آخری فیصلہ“ (مباہلہ) کی دعوت دی۔ چنانچہ
 آپؑ لکھتے ہیں :-

”وَ اَخْرَجُوا لِیَعْلَمَ خُرُوجُکُمْ دَالِیَ بَرَاِزِ الْحَبَاہِلَةِ هَذَا الْخُرُوجُ

حَبِيلٍ اَرَدْنَا لَا فِيْ هٰذَا الْبَابِ ” (انجام آئتم ص ۱۶۵) پس آخری علا
تمہارے لئے امید ان مباہلہ میں رکھنا ہے۔۔۔۔۔ یہ آخری طریق فیصلہ
جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس دعوت مباہلہ میں آپ نے فرمایا۔ کہ فریقین ایک دوسرے کے حق میں
بد دعا کریں۔ کہ فریقین میں سے جو فریق جھوٹا ہے۔ اسے خدا تو اسکو ”ایک سال
کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کرے۔ کسی کو اندھا کر دے۔ اور
کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی
کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کرے۔ اور کسی
کی جان پر اور کسی کی عزت پر“ (انجام آئتم ص ۱۶۶)

اور اس کے بعد لکھا:- ”گواہ رہ اسے زمین اور اسے آسمان! کہ خدا کی لعنت
اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور
توبہ کو چھوڑے۔ اور نہ بھٹکا کرنے والی مجلسوں سے الگ ہو“ (انجام آئتم ص ۱۶۷)
اس رسالہ میں مخاطبین میں سے مولوی ثناء اللہ کا انبر گیارہ تھا۔ مولوی ثناء اللہ
صاحب نے اس چیلنج کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنی مہر خاموشی سے اس جبری اللہ
فی حل الانبیاء کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لیکن جب ہر طرف سے
ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ تو اس بد قسمت جانور کی طرح جو شیر کو دیکھ کر انتہائی بدحواسی
سے خود ہی اس پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ
مباہلہ پر آمادگی ظاہر کی۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا

حضرت مسیح موعود کا جواب

”مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے۔ جس میں وہ
یہ درخواست کرتا ہے۔ کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں
کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں۔ کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے

وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔“ (اعجاز احمدی ص ۱۴)
 ”اگر وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے۔ کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے۔ تو
 ضرور وہ پہلے مریں گے۔“ (اعجاز احمدی ص ۱۵)
 ”اب اس پر قائم رہیں۔ تو بات ہے۔“ (اعجاز احمدی ص ۱۶)

ثنائی حیدر جوی

”چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں۔ نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ
 یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔۔۔ میں افسوس
 کرتا ہوں۔ کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں۔“ (الہامات مرزا ص ۸۵ طبع دوم
 دہلا طبع ششم)

لیکن جب ہر طرف سے لعن طعن ہوئی۔ تو لکھا۔۔

ثناء اللہ کی دوبارہ آمادگی

در البتہ آیت ثانیہ (فَقُلْ تَعَالَوْا سَدِّعُوا بَنَاءَ نَاوَا بَنَاءَ كُمْ
 ثُمَّ بَنِّتْهُمْ لِنَفْسٍ يٰمُؤْمِنِينَ) پر عمل کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ میں اب بھی ایسے مباہلہ
 کے لئے تیار ہوں۔ جو آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے۔ جسے مرزا صاحب
 نے خود تسلیم کیا ہے۔“ (المحدث ۲۲ جون ۱۹۰۶ء ص ۱۷)

”مرزا میو! آپے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عید گاہ
 امرت سرتیار ہے۔ جہاں تم پیچھے صوفی عبد الحق غزنوی سے مباہلہ کر کے
 آسانی دولت اٹھا چکے ہو۔ (جھوٹ ہے۔ وہاں ہرگز کوئی ایسا مباہلہ نہیں
 ہوا۔ جس میں فریقین نے ایک دوسرے کے حق میں بددعا کی ہو۔ حضرت مسیح موعیہ
 نے کوئی بددعا نہیں کی تھی۔ بخدا قسم) اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ جس نے
 ہمیں رسالہ انجام آفتم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہے۔ کیونکہ جیت تک

پینچمبر جی سے فیصلہ نہ ہو۔ سب امت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ (الہجدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء ص ۱)

حضرت مسیح موعود کا جواب

”مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ سرزاد صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ بے شک آپ قسم کھا کر بیان کریں۔ کہ یہ شخص (حضرت مسیح موعود) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں۔ کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں۔ تو لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے۔ اس میں تو صرف لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ آیا ہے“ (خبر بدر ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء ص ۱)

ثنائی فرار

”میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اسکو کہتے ہیں۔ جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے۔ مباہلہ اور ہے؟“ (الہجدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء ص ۱)

ابھی یہ ثنائی فرار محض ظہور میں نہیں آیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو علیم و خیر ہے۔ اپنے مسیح موعود کو اسکی اطلاع دیکر اپنے شکار کو دنیا کے سامنے شرمندہ کرنے کے ایک ذریعہ کی تحریک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق حضور نے آخری تمام حجت کے طور پر ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے دعا و مباہلہ ”مولوی ثناء اللہ صاحب اسر قری کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان سے مشائع فرمادی۔ جس میں اپنی طرف سے دعا فرمائی۔ کہ خدا تعالیٰ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر دے۔ اور بالآخر لکھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب

اس اشتہار کو اہلحدیث میں شارح فرما کر ”جو چاہیں۔ اس کے نیچے لکھ دیں
اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

مولوی شہداء اللہ نے اس اشتہار کو اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۴ء میں
شارح کیا۔ اور اس کے نیچے یہ لکھا:۔

”اول اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے
اسکو شارح کر دیا۔“ تمہاری یہ تحریر کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں
ہو سکتی۔“ ”میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا۔ تو میرے مرنے
سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے۔“ خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم
ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص ہلاکت
میں نہ پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں۔“ خدا تعالیٰ
جھوٹے۔ دغا باز۔ منفسد اور نافرمان لوگوں کو ایسی عمریں دیا کرتا ہے۔

تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں۔“ (نوٹ:۔ یہ عبارت
”نائب ایڈیٹر کی طرف سے لکھی گئی۔ مگر مولوی شہداء اللہ نے اسکی تصدیق
کی۔ اور لکھا کہ ”میں اسکو صحیح جانتا ہوں“ اہلحدیث ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء
”مختصر یہ کہ یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسکو
منظور کر سکتا ہے۔“ (اقتباسات از اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۴ء ص ۵۵)

”آنحضرت علیہ السلام باوجود سچا بنی ہونے کے مسیدہ کذاب سے
پہلے انتقال ہوئے۔ اور مسیدہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے
مرا۔“ (مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۴ء ص ۹) ”کوئی ایسی نشانی دکھاؤ
جو ہم بھی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مر گئے تو کیا دیکھیں گے۔ اور کیا ہدایت
پائیں گے۔“ (اخبار وطن امرتسر ۲۶ اپریل ۱۹۰۴ء ص ۱) پس چونکہ
مولوی شہداء اللہ نے اپنی پرانی عادت کے مطابق نجران کے عیا کیوں
کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مباہلہ سے فرار اختیار کیا۔ اس لئے مباہلہ نہ

ہوا۔ اور شمار اللہ کو خدا تعالیٰ نے اس کے تسلیم کردہ اصول کی رو سے
 ”جھوٹے۔ دغا باز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں“ کی طرح لمبی عمر دی۔
 اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ”کے پیچھے“ زندہ رکھ کر ”مسید کذاب“
 ثابت کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار ”مسودہ مباہلہ“ ہے۔ جس طرح
 قرآن مجید کی آیت مباہلہ میں ”لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِینَ“ آنحضرتؐ
 کی طرف سے ”مسودہ مباہلہ“ تھی۔ دلائل چونکہ عیسائی بھاگ گئے۔ اس لیے
 مباہلہ نہ ہوا۔ اور وہ نہ مرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”لَمَّا خَالَ
 الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارَى كُلِّهِمْ حَتَّى يَهْلِكُوا“ (تفسیر کبیر
 جلد ۲ صفحہ ۹۹) کہ اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے۔ اور آنحضرتؐ عیسیٰ کی طرح ”لعنت
 اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِینَ“ کہہ دیتے۔ تو ان میں سے ہر ایک۔ ایک سال کے
 اندر ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر مولوی شمار اللہ بھی
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان مباہلہ سے بھاگ نہ
 جاتا۔ اور حضرت کی طرح وہ بھی بد دعا کرتا۔ تو یقیناً ہلاک ہو جاتا۔ جیسا کہ
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے :-

”اگر وہ (شمار اللہ) اس چیلنج پر مستعد ہوئے۔ کہ کاذب عداوق کے پہلے
 مرجائے۔ تو ضرور وہ پہلے مرے گئے۔“ (اعجاز احمدی صفحہ ۳۶)
 پس جس طرح دلائل پر بھران کے عیسائیوں کا فرار ”خدا کی فیصلہ برد
 مباہلہ“ کے رشتہ میں روک کا موجب ہوا۔ یہاں بھی شمار اللہ کا مندرجہ بالا
 فرار اس کو ہلاکت سے بچا گیا۔ نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرتؐ
 سے بڑے ہیں۔ اور نہ مولوی شمار اللہ بھران کے عیسائیوں سے بڑا ہے۔

اشتہار آخری فیصلہ دعائے مباہلہ تھا

۱۹۰۷ء
 (۱) خود مولوی شمار اللہ لکھتا ہے :- ”کرشن قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء

کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا۔ (مرقع قادیا فی جون ۱۹۰۸ء ص ۱۵)

(۲) ”آج تک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ گول مول رکھا کرتے تھے۔“ ”اشتہار مرزا قادیا فی کا انتقال اور اسکا نتیجہ“ شائع کردہ ثناء اللہ ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء

(۳) اس اشتہار کا عنوان ہے۔ ”مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ“ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک ”آخری فیصلہ“ مباہلہ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں :-

”ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں۔ کسی علمی بات کو نہ سمجھیں۔

بدرابدر بایدر سانس نہ دے۔ کہ آؤ ایک آخری فیصلہ بھی سنو۔ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں۔ اپنے

کھائی بند نزدیکی اور تمہارے کھائی بند نزدیکی بلائیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ خدا خود فیصلہ کر دیگا۔“ (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص ۳۴)

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ دعا مباہلہ ہی تھی۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں :-

”مباہلہ بھی ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی“

(بدر ۱۲ مئی ۱۹۰۶ء)

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک جھوٹا سچے کی زندگی میں

صرف اور صرف مباہلہ ہی کی صورت میں مرتا ہے۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں :-

”یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرتا ہے۔ ہم نے تو اپنی

نصایف میں ایسا نہیں لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ مباہلہ

کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو۔ وہ سچے کی زندگی میں مرتا ہے۔

کیا آنحضرت صلعم کے سب اعدا ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے ہزاروں
 اعدا آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کر نیا والا سچے
 کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے
 مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے
 ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے؟ اور
 تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے۔ کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے
 ہیں۔ کیا کسی نبی۔ ولی۔ قطب۔ غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا۔ کہ سب
 اعدا مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے۔ ہاں اتنی بات
 صحیح ہے۔ کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں۔ تو وہ سچے کی زندگی
 میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کر نیا لے سے پوچھیں۔ کہ ہم نے کہاں
 لکھا ہے۔ کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور
 ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو۔ جہاں یہ لکھا ہے "الحکم" (اکتوبر ۱۹۰۶ء)
 (۶) ثناء اللہ اگر اسکو اشتہار مباہلہ نہ سمجھتا تھا۔ تو اس کے جواب میں یہ کیوں
 لکھا کہ :- "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری
 کے اسکو شائع کر دیا۔"

کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ یک طرفہ بددعا کے لئے دوسرے کی اجازت کی ضرورت
 نہیں ہوتی۔ منظوری یا عدم منظوری کا سوال صرف اور صرف اسی
 صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دعائے مباہلہ ہو۔

(۷) عنوان اشتہار ہے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ
 "ساتھ" کا لفظ صاف طور پر تباہ ہے۔ کہ یہ یک طرفہ دعا نہیں۔
 بلکہ دونوں فریقوں کی رضا مندی کا سوال ہے۔ اگر یک طرفہ دعا ہوتی
 تو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ "ہونا چاہیے تھا۔
 مجسٹریٹ جب فیصلہ کرتا ہے۔ تو زید یا بکر کے متعلق" فیصلہ کرتا ہے۔

جب یہ کہا جائے۔ کہ ”زید نے بکر کے ساتھ فیصلہ کیا۔“ تو اسکا مطلب یہ ہوگا۔ کہ زید اور بکر دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ ہوا۔ اگر ایک فریق بھی نارضا مند ہو۔ تو انہیں صورت ”وہ فیصلہ“ قائم نہ رہے گا۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ اس فیصلہ پر رضامند نہ ہوا۔ اور لکھا۔ کہ ”یہ تحریر تمہاری صحیحہ منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسکو منظور کر سکتا ہے۔“ تو وہ دعا ”فیصلہ“ نہ رہی۔

(۸) حضرت کا لکھنا کہ ”جو چاہیں۔ اس کے نیچے لکھ دیں۔“ صاف طور پر بتاتا ہے۔ کہ حضرت اس مسودہ مباہلہ کو مکمل اسی صورت میں سمجھتے تھے جب ثناء اللہ بھی اس کے نیچے اپنی منظوری لکھ دے۔ ورنہ اگر ایک طرف دعا ہوتی۔ تو اس کے نیچے ثناء اللہ کے لکھنے یا نہ لکھنے کا سوال پیدا نہ ہوتا۔

(۹) حضرت کا لکھنا کہ ”اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں“ صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ حضرت کا منشا یہی تھا۔ کہ ثناء اللہ کے ہاتھ سے حضور کی دعا اور اپنی تصدیق دونوں ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔ تا مسودہ مباہلہ مکمل ہو کر ثناء اللہ کا خاتمہ کر دے۔

(۱۰) مولوی ثناء اللہ خود لکھتا ہے۔

”مرزا جی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا۔
(مترجم قادیانی دسمبر ۱۹۰۴ء ص ۳۷)

(۱۱) ”وہ (حضرت مسیح موعودؑ - خادیم) اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵۱۵ء میں چنچ اٹھا تھا۔ کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے۔“ (اہلحدیث ۹ جون ۱۹۰۴ء)

(۱۲) حضرت لکھتے ہیں۔

”میں جانتا ہوں۔ کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور

آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے۔

اور ہم ابھی عہد میں حضرت کے ملفوظات (از الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء) میں دکھا چکے ہیں کہ یہ اصل صرف اور صرف مباہلہ ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔
(۱۳) حضرت نے اپنے اس اشتہار میں جو انجام جھوٹے کا تحریر فرمایا ہے۔ وہ بعینہ وہی ہے۔ جو انجام آختم میں حضرت نے جھوٹا مباہلہ کرنے والے کا تحریر فرمایا ہے۔ (حوالہ اوپر گزر چکا ہے)

(۱۴) مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے۔ ”مرزا یو! کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کے لئے بلایا ہے۔ بتلاؤ۔ تو انعام لو“
(المجد بیٹ ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

اگر حضرت کا اشتہار ۱۵ اپریل محض یک طرفہ بددعا تھی۔ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جو پہلے انبیاء میں نہ ملتی ہو۔ اور جس کا ثناء اللہ کو انکار ہو۔ جیسا کہ وہ لکھتا ہے:-

”اس قسم کے واقعات بے شمار ملتے ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے مخالفوں پر بددعائیں کیں۔“ (رونداد مباہلہ لدھیانہ ص ۷۷)
پس مولوی ثناء اللہ کے مطالبہ کا مطلب صرف یہی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام جب مباہلہ کے لئے بلاتے ہیں۔ تو پہلے اپنے مخالف کی منظوری سے لیتے ہیں۔ یہاں پر حضرت نے ثناء اللہ کی بغیر منظوری سے اسکو شائع کر دیا۔ پس ثناء اللہ اس طریق کار کی مثال مانگتا تھا۔

ثنائی عذرات

ثناء اللہ کو عذر ہے۔ کہ مباہلہ کے لئے شرط یہ تھی۔ کہ حقیقہ الوحی شائع ہونے اور ثناء اللہ کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کے بعد مباہلہ ہو گا۔ اب حضرت

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہی اسکو کیوں شائع کر دیا؟
 سو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ ثناء اللہ نے اپنے اخبار ۲۹ مارچ ۱۹۰۴ء میں
 جب چیلنج مباہلہ دیا۔ تو حضرت نے اسکو مہلت دینے کے لئے دلپسند فرمایا کہ
 ”باوجود اسقدر شوخیوں اور دلائل زاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور
 میں آتی ہیں۔ حضرت اقدس نے اس پر رحم کر کے فرمایا ہے۔ کہ یہ مباہلہ چند روز
 کے بعد ہو۔ جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔“ (بدر
 ۱۴ اپریل ۱۹۰۴ء) لیکن چونکہ ثناء اللہ نے ۱۹ اپریل ۱۹۰۴ء کے اہلحدیث
 میں پھر فرار اختیار کر لینا تھا۔ (جس کا حوالہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور خدا تعالیٰ
 کو اسکا علم تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو
 ۱۵ اپریل ہی کو اس کے فرار کے چھپنے سے پہلے ہی دعا مباہلہ لکھنے کی ہدایت
 فرمادی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں
 بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔“ (بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۴ء)
 حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ثناء اللہ سے کوئی ”معاہدہ“ نہ تھا
 کہ حقیقۃ الوحی چھپنے تک مباہلہ نہ ہوگا۔ یہ صرف حضرت مسیح موعود کا اپنا
 ارادہ تھا جوہ رحم کے۔ ثناء اللہ نے اس تجویز کی منظوری کا اعلان نہیں
 کیا تھا۔ کہ وہ ”معاہدہ“ کی صورت اختیار کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے ارادہ
 کو (جوہ اس فرار کے جو ثناء اللہ کو نبوالا تھا) بدل دیا۔ اس بات کا ثناء اللہ کے
 لئے کوئی فرق نہ تھا۔ کہ مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے پہلے ہو۔ یا بعد میں
 کیونکہ وہ تو ۲۹ مارچ ۱۹۰۴ء کے اہلحدیث میں مباہلہ پر آمادگی ظاہر کر چکا تھا۔
 اب مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہو۔ یا بعد میں۔ یہ حضرت مسیح موعود
 کی مرضی پر موقوف تھا۔ حضرت کا ارادہ کتاب کے چھپنے کے بعد مباہلہ کرنے کا تھا
 تا ثناء اللہ کو ایک اور موقع دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ثناء اللہ کی بدنیتی کو

دیکھ کر فوراً حضرت کے ارادہ کو بدل دیا۔ پس ثناء اللہ کا اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر

باقی رہا مولوی ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ بدر ۱۳ جون ۱۹۰۶ء میں ایڈیٹر صاحب بدر نے لکھا ہے۔ کہ مباہلہ قرار نہیں پایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ خود مانتا ہے کہ یہ تحریر ایڈیٹر صاحب بدر کی اپنی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-
”بے نور بدر کے ایڈیٹر نے کمال ایماندار سے اپنا جواب تو شائع کر دیا۔“
(مرقع قادیانی نومبر ۱۹۰۶ء ص ۲۲)

اب خود ایڈیٹر صاحب اخبار بدر کا بیان ہے۔ کہ یہ تحریر ان کی اپنی طرف سے تھی حضرت مسیح موعودؑ کے حکم یا علم سے نہیں لکھی گئی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں :- (اخبار بدر موزع ۱۳ جون ۱۹۰۶ء ص ۲ کالم نمبر اول میں جو نوٹ بعنوان ”نقل خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب“ شائع ہوا ہے۔ ”یہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے مطالبہ حقیقۃ الہی کا جواب ہے۔ جو میں نے خود لکھا تھا۔ اور یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدس نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ دی تھی۔ میں نے اپنی طرف سے جواب لکھ دیا تھا۔ اس بیان کی اشاعت مناسب ہے۔ تاکہ کوئی شخص اس نوٹ کو حضرت کی طرف منسوب کر کے مغالطہ نہ دے سکے“ (تجلیات رحمانیہ ص ۱۷۱)

جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس اشتہار کو دعائے مباہلہ سمجھتے تھے۔ اور خود مولوی ثناء اللہ بھی اس کو دعائے مباہلہ ہی قرار دیتا تھا۔ تو اس کے بالمقابل ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر محبت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ خود اہلحدیث حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیر تک کو نہیں مانتے۔ (اہلحدیث ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریر

مولوی ثناء اللہ یہ کہا کرتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے موقع پر جو مضمون ”محمود اور محمدی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ“ بعنوان ”صادقوں کی روشنی“ شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ یہ دعا ”دعا کے مقابلہ“ نہیں تھی۔ اب تم کیوں اسکو مقابلہ کی دعا قرار دیتے ہو۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ صرف کھا دھوکا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اشتہار ”آخری فیصلہ“ دعا کے مقابلہ نہ تھا۔ بلکہ حضور نے تو اس میں یہ لکھا ہے۔ کہ وہ ”مقابلہ“ نہ تھا۔ کیونکہ مقابلہ تو اس صورت میں ہوتا۔ کہ شمار اللہ بھی بالمقابل قسم کھاتا یا دعا کرتا۔ مگر چونکہ اس نے بالمقابل دعا نہیں کی۔ اس لئے مقابلہ نہیں ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اسی مضمون کو صفائی اور صراحت کے ساتھ اس مجوزہ طریق کار کو ”مقابلہ“ قرار دیا ہے۔ اور پھر شمار اللہ کے انکار کا ذکر کر کے فرمایا ہے۔ کہ ”مقابلہ“ نہیں ہوا۔ چنانچہ چند اقتباسات اس مضمون سے یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

”یہ ایک فیصلہ کا طریق تھا۔ جس سے جھوٹے اور سچے میں فرق ہو جائے۔ اور اسکی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی۔ کہ حق اور باطل میں کچھ ایسا امتیاز پیدا ہو جائے۔ کہ ایک گروہ بنی نوع انسان کا اصل واقعات کی تہ تک پہنچ جائے۔ اور شرافت اور نیکی کا مقتضا یہ تھا۔ کہ مولوی شمار اللہ اس دعا کو پڑھ کر اپنے اخبار میں شائع کر دیتا۔ کہ میں مجھ کو یہ فیصلہ منظور ہے۔ مگر عیساکہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اسکو سوائے ہشیاری اور چالاک کے اور کسی بات سے تعلق ہی نہیں اور اگر وہ ایسا کرتا۔ تو خداوند تعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتا۔ اور شمار اللہ اپنی تمام گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔ اور اسے معلوم ہو جاتا۔ کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے۔ جو جھوٹوں اور سچوں میں فرق کر دکھلاتی ہے۔ اور جو بدی اور بد ذاتی کرتا ہے۔ اپنے کے کی سزا کو پہنچاتا ہے۔ اور شریر اپنی شرارت کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ مگر جبکہ برخلاف اس کے اس نے اس فیصلہ سے بھی انکار کیا۔ اور لکھ دیا کہ مجھکو یہ فیصلہ منظور نہیں۔ تو آج جبکہ حضرت صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ اسکا یہ

دعوئی کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں۔ اور یہ میری سچائی کی دلیل ہے۔ کہاں تک سچائی پر مبنی ہے؟ (تشہید الاذمان جلد ۳ صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳)

”یہ جان بوجھ کر حضرت کی وفات کو اس دعا کی بنا پر قرار دیتا ہے۔ کیونکہ باوجود اقرار کرنے کے کہ میں نے انکار کر دیا تھا۔ پھر اپنی سچائی ظاہر کرتا ہے۔ کیا یہ اتنی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ کہ اس مباہلہ یا دعا کی ضرورت تو سچے اور چھوٹے کے فیصلہ کے لئے تھی۔“ (صفحہ ۲۶۲ بحوالہ سبق)

”اس وقت تو سچائی کے رعب میں اگر اس نے حیلہ بازی سے اپنا سر عذاب الہی کے پتے سے نکالنا چاہا۔ مگر جبکہ اس کے انکار مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا۔ تو اس نے اس منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دہرنا شروع کر دیا۔“ (صفحہ ۲۶۸)

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات سے صاف طور پر عیاں ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مستودہ اور دعائے مباہلہ ہی قرار دیا ہے اور ثناء اللہ کے انکار کو ”انکار مباہلہ“ کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ پس ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ حضرت نے اسکو دعائے مباہلہ قرار نہیں دیا۔ سرتاسر دھوکا ہے۔ (۴) چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے حافظ محمد حسن مرحوم اہلحدیث لاہور کے مطالبہ کے جواب میں مندرجہ ذیل حلفی بیان دیا:-

”میں خدا کو حاضر ناظر جان کر شہادت دیتا ہوں۔ کہ مجھے کامل یقین ہے۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر اس اعلان کے مطابق آئے۔ جو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خلاف ۱۹۰۷ء میں کیا تھا۔ تو وہ ضرور ہلاک ہوتے۔ اور مجھے یہ یقین ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر جو میں نے مضمون لکھا تھا۔ اس میں بھی لکھ چکا ہوں۔ کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے متعلق جو کچھ حضرت مسیح موعود نے لکھا تھا۔ وہ دعائے مباہلہ تھی۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کے مقابل پر دعا نہیں کی۔ بلکہ اس کے

مطابق فیصلہ چاہنے سے انکار کر دیا۔ وہ مباہلہ کی صورت میں تبدیل نہ ہوئی۔
 اور مولوی صاحب عذاب سے ایک مدت کے لئے بچ گئے۔ میری اس تحریر
 کے شاہد میری کتاب ”صادقوں کی روشنی“ کے یہ فقرات ہیں :-
 ”مگر جبکہ اس کے انکار مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح بدل گیا۔ تو اس نے منسوخ
 شدہ فیصلہ کو پھر دہرانا شروع کر دیا۔“ نیز ”اگر وہ ایسا کرتا۔ تو خداوند تعالیٰ
 اپنی قدرت دکھاتا۔ اور شاء اللہ اپنی گندہ دہانیوں کا مزا چکھ لیتا۔“ غرض میرا
 یہ ہمیشہ سے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا دعائے مباہلہ
 تھی۔ لیکن بوجہ اس کے کہ مولوی صاحب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ وہ
 دعا مباہلہ نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طریق کو بدل دیا۔“
 (خاکسار مرزا محمود احمد ۳/۱۶)

جسد خبریہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ ”آخری فیصلہ“ کے اشتہار میں
 سب جیسے خبریہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اشتہار بطور پیشگوئی کے
 ہے۔ نیز حضرت کا الہام ہے: ”اُجِیْبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ“ تو
 اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جب حضرت نے اس میں صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ کہ
 ”یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے فیصلہ
 چالا ہے۔“ پھر اسکو کس طرح ”پیشگوئی“ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور پھر دعا
 کو ”جسد خبریہ“ قرار دینا بھی ثناء اللہ جیسے عالم کے سوا اور کسی کا کام نہیں۔ کیونکہ
 ”دعا“ کبھی جسد خبریہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ”جسد انشائیہ“ ہوتا ہے۔
 ۲، حضرت کا الہام ”اُجِیْبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ“ اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ وہ اس
 دعا کے متعلق ہے۔ تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ثابت
 کر آئے ہیں۔ یہ دعا دعائے مباہلہ تھی۔ جس کا نتیجہ اس صورت میں نکلنا تھا۔

کہ فریقین اس پر متفق ہو جاتے۔ اور اسکی منظوری کے معنی یہی ہو سکتے ہیں۔
 کہ اگر فریق ثانی نے اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیا۔ تو یقیناً یقیناً وہ ہلاک ہو جائیگا۔
 جیسا کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے بخران کے مفرور عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ
 ”لَمَّا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارَى كَذَّبَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا يَخْتَفُونَ“ (تفسیر کبیر
 جلد ۲ ص ۲۹۹) گویا آنحضرت صلی علیہ وسلم کی طرف سے جو دعا ”لعنت اللہ علی الکاذبین“
 قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اسکو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ اور اگر عیسائی اس
 طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے۔ تو وہ یقیناً یقیناً ہلاک ہو جاتے۔
 لطیفہ ۱۔ شمار اللہ!۔ آپ لوگ تو مجھ کو ابو جہل کہا کرتے ہیں۔ خدا نے مرزا صاحب
 کی دعا کے اثر کو ابو جہل کی خواہش کے مطابق کیوں بدل دیا۔ ابو جہل تو آنحضرت
 سے پہلے مر گیا تھا۔

احمدی ۱۔ اگر محض بد دعا ہوتی۔ تو نہ ٹلتی۔ وہ دعائے مباہلہ تھی۔ جس کے لئے
 اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سچے کے بالمقابل جھوٹے فریق کی منظوری بھی
 ضروری ہے۔ (حکمی تفصیل اور مذکور ہے) لیکن پہلے ابو جہل نے تو بد دعا کی تھی
 کہ اے اللہ اگر آنحضرت صلی علیہ وسلم سچے ہیں۔ تو مجھ کو ہلاک کر۔ اس لئے وہ ہلاک
 ہو گیا۔ تم بھی ذرا اسی قسم کی بد دعا کرو۔ پھر اگر سچ جاؤ۔ تو ہم تمہیں ”ابو جہل“ نہیں
 کہیں گے۔ تم تو ”ابو جہل“ کے لقب پر فخر کیا کرتے ہو۔ ذرا ابو جہل کی مماثلت کو پورا
 کرو۔ تو بات ہے۔ بد دعا کر کے پھر سچ کر یہ ثابت کیوں نہیں کر دیتے۔ کہ درحقیقت
 تم ابو جہل نہیں ہو۔

ایک اور ثبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک مولوی شمار اللہ اشتہار آخری فیصلہ
 کو ”دعائے مباہلہ“ اور ”مسودہ مباہلہ“ ہی سمجھا رہا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ
 ہے کہ جب ۱۵ مارچ ۱۹۰۷ء (تاریخ دعا) سے ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ تو حضرت

مسیح موعودؑ کی وفات سے چند دن پہلے اپنے ایک مضمون میں جو مرقع قادیانی میں پہلی جون کو چھپا۔ لکھتا ہے :- ”مرزائی جماعت کے جو شیخے ممبر و اب کس وقت کے منتظر ہو۔ تمہارے پیر مغاں کی مقرر کردہ مباہلہ کی میعاد کا زمانہ تو گزر گیا۔“ (مرقع قادیانی یکم جون ۱۹۰۷ء)

گویا وہ اس اشتہار کو دعاء مباہلہ ہی قرار دیتا ہے۔ مگر کہتا ہے۔ کہ دیکھ لو میں ایک سال میں نہیں مرا۔ اور نہ مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ لہذا وہ دعائے آخر گئی لیکن جب حضور فوت ہو گئے۔ تو جھٹ کھینے لگ گیا۔ کہ مباہلہ کے نتیجہ میں مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اس پر جب اسے پکڑا گیا۔ کہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا۔ کہ تم بھی اس کا اقرار کر کے بددعا کرتے تو (اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے) جھٹ پیسٹرا بدلا۔ اور اب یہ کہتا ہے۔ کہ وہ مباہلہ کی دعا نہیں تھی۔ بلکہ ایک طرفہ دعا تھی۔ سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں :-

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا

ورنہ تجھے میری صداقت پر براہیں پیشمار

(۶۳) اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ”ثُمَّ إِنِّي أَخَذْتُكَ بِمِصْبَاحٍ مِنْ ذُلْفَى“ کہ تیری عمر اسی برکس یا اس کے قریب ہوگی حضورؑ فرماتے ہیں :-

”جو الفاظ وحی کے عمر کے متعلق ہیں۔ وہ چوتھراور چھپا سی سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹ ضمیمہ)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس پیشگوئی کے مطابق قریباً ۷۶ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) یہ عجیب امر ہے۔ اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ کہ

ٹھیک بارہ سو نوے ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ
و مخاطبہ پا چکا تھا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۵) گویا حضور پر وحی ۱۲۹ھ میں
نازل ہو چکی تھی۔ جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی۔ تو خدا تعالیٰ
نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔ (تریاق القلوب ص ۷)
ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

معاہدہ چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں جبکہ میں وحی ربانی سے پایا افتخار
دراہمن احمدیہ حصہ پنجم و در ششمین

پس ثابت ہوا کہ ۱۲۹ھ میں آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ آپ ۱۳۲۶ھ
میں فوت ہوئے۔ گویا ۱۲۹ھ کے بعد ۳۶ سال زندہ رہے۔ ۴۰ + ۳۶ = ۷۶ سال
پس حضرت کی عمر ۷۶ سال ثابت ہوئی۔ (۲) "میری طرف سے ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء
کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا۔ جس میں یہ فقرہ ہے۔
کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے۔ پچاس
برس کا جوان ہے۔ (تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۱۷ حاشیہ) گویا ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء
کو حضرت کی عمر ستر برس کے قریب تھی۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۹۰۸ء میں
حضور فوت ہوئے۔ تو بوقت وفات آپ کی عمر ۷۵ برس کے قریب ثابت ہوئی
اور قمری لحاظ سے ۷۷ برس!

(۳) "مجھے دکھلاؤ کہ آئتم کہاں ہے۔ اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی
قریب ۷۶ سال کے۔ اگر ٹمک ہو۔ تو اسکی پنشن کے کاغذات دفتر سرکاری سے
دیکھ لو۔ (اعجاز احمدی ص ۱۷) دب، آئتم کی عمر قریباً میرے برابر تھی۔ (انجام آئتم
حاشیہ ص ۷۷) سر عبد اللہ آئتم صاحب ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام
فیروز پور فوت ہو گئے۔ (انجام آئتم ص ۱۷) گویا حضرت کی عمر بوقت وفات ۷۶ + ۲
= ۷۸ گویا قریباً ۷۶ سال ہوئی۔

نوٹ:- "بعض لوگ اخبار بدر ۸ اگست ۱۹۰۴ء ص ۵ کالم ۲ کا حوالہ دیکر یہ

مخالطہ دیا کرتے ہیں۔ کہ گویا اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
 ”کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت جو آپ کی عمر تھی۔ اسکا مقابلہ عبد اللہ آتھم
 کی عمر سے کیا ہے۔“ حالانکہ خوب اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بالکل
 غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دوسری تحریر اس بات کو
 بالکل واضح کر دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آتھم کی زندگی ہی میں
 آتھم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :- ”اگر آپ چونسٹھ سال کے ہیں۔ تو میری
 عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی۔“ (اشتہارہ ۵ اکتوبر ۱۸۹۴ء منقول از تبلیغ
 رسالت جلد ۳ ص ۱۶۱)

گویا اس حساب سے ۱۸۹۴ء میں حضرت کی عمر قریباً ساٹھ سال تھی۔ اس کے
 چودہ سال بعد ۱۹۰۸ء میں آپ فوت ہوئے۔ $۶۰ + ۱۴ = ۷۴$
 گویا حضرت مسیح موعود عم کی عمر عبد اللہ آتھم کی عمر کے مطابق حساب کی
 رو سے کم از کم ۷۴ سال بنتی ہے۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔ اس حوالہ
 سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ ۱۹۰۸ء میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت آپ کی
 عمر قریباً ۶۸ سال تھی۔ نہ کہ ۶۴ سال جیسا کہ مخالفین بدر کی عبارت پیش
 کر کے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

(۱۰) حضرت اپنی کتاب نصرۃ الحق (۱۹۰۵ء) میں یہ تحریر فرما کر کہ خدا نے مجھے
 بتایا ہے۔ کہ میری عمر ۸۰ سے پانچ سال کم دیش ہوگی۔ فرماتے ہیں :- ”اب
 میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔“ اس کے تین سال بعد آپ فوت ہوئے۔ تو
 اس لحاظ سے آپ کی عمر ۷۳ سال کے قریب اور قمری لحاظ سے ۷۵ سال کے
 قریب ثابت ہوئی۔

مخالیفین کی شہادت : (۱۰) ظفر علی آف زمیندار کے والد مولوی سراج الدین
 صاحب نے حضرت مسیح موعود عم کی وفات پر لکھا :- مرزا غلام احمد صاحب
 ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اس وقت آپ کی عمر

۲۲-۲۳ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صلاح اور متقی بزرگ تھے (زمیندار ۸ جون ۱۹۰۸ء ص ۵)
 (۲) مولوی ثناء اللہ امرتسری:۔ مرزا صاحب کہہ چکے ہیں کہ میری موت غریب اسی سال سے کچھ نیچے اوپر ہے جس کے سبب زمین غائب آپ ٹے کر چکے ہیں۔
 (الہدیت ۳ مئی ۱۹۰۸ء) اس تحریر کے پورا ایک سال بعد حضرت فوت ہوئے
 (۳) "چنانچہ خود مرزا کی عمر بقول اس کے پچھتر سال کی ہوئی۔" (الہدیت ۳ جولائی ۱۹۰۸ء ص ۳ کالم ۷)

(۴) "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبد اللہ آتھم..... عیسائی کی بابت لکھتے ہیں:۔ کہ..... اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی چونسٹھ سال کے (ص ۳)
 اس عبارت سے پایا جاتا ہے کہ عبد اللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ آئیے۔ اب ہم تحقیق کریں۔ کہ آتھم کب مرا تھا؟ شکر ہے کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم ص ۷ پر لکھتے ہیں:۔ (چونکہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب ۳ جولائی ۱۹۰۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کے قریب تھی۔ بہت خوب! آئیے اب یہ معلوم کریں۔ کہ آج ۱۹۰۸ء میں ۱۹۰۶ء کو گزرے ہوئے کے سال ہوئے ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزا کی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں۔ بہت اچھا۔ چونسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آج کل پچھتر سال ہے۔" (مرقع قادیانی فروری ۱۹۰۸ء ص ۷)
 گویا فروری ۱۹۰۸ء میں حضرت کی عمر بقول ثناء اللہ ۵۷ سال تھی۔ اس کے تین مہینے بعد فوت ہوئے۔ تو حضرت کی عمر بہر حال مذکورہ بالا عمر سے زیادہ ہی ہوگی کم تو نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اب ثناء اللہ اور دوسرے دشمن کہتے ہیں۔
 (۵) جو شخص ستر برس سے متجاوز ہو۔ جیسے خود بدولت (مرزا صاحب)

بھی ہیں۔ (تفسیر ثنائی مطبوعہ ۱۸۹۹ء حاشیہ ص ۱۷۱ و طبع دوم ص ۹) گویا
 ۱۸۹۹ء میں حضرت کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ ۱۹۰۶ء میں یعنی ۹ سال بعد
 آپ فوت ہوئے۔ تو اس حساب سے حضرت کی عمر ۷۹ سال سے زیادہ ثابت ہوئی۔
 (۶) مولوی محمد حسین بٹالوی رسالہ اشاعت السنۃ ۱۸۹۳ء میں حضرت کے متعلق
 سخت غصہ میں آکر لکھتا ہے۔ دو سو ۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت
 چودہ برس زندہ رہے۔ گویا ۶۳ + ۱۴ = ۷۷ سال ہوئی۔ اور یہ اسرخاص طور پر
 یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے متعلق مولوی محمد حسین
 بٹالوی کی یہ شہادت جو اس نے حضرت کی وفات سے قبل دی۔ سب سے زیادہ قابل
 استناد ہے۔ کیونکہ وہ حضرت کا بچپن سے دوست اور ہم مکتب بھی تھا۔ چنانچہ وہ
 خود لکھتا ہے۔ "مولف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف
 ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مولف صاحب ہمارے
 ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے۔ ہمارے
 ہم مکتب بھی۔) اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۷۱

عمر کے متعلق اختلاف کا اصل سبب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے
 جس جس جگہ اپنی عمر کا ذکر کیا ہے۔ تخمیناً اور اندازاً ہی تحریر فرمایا ہے۔ کیونکہ جس زمانہ
 میں حضور پیدا ہوئے۔ اس زمانہ کی کوئی یادداشت محفوظ نہیں۔ کیونکہ اس زمانہ
 میں بچوں کی عمر لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں :- "عمر کا اصل
 اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ اب اس وقت تک
 جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم (ضمیمہ
 براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۱۹۳) اس لحاظ سے بھی حضرت کی عمر ۷۹ سال کے قریب
 بنتی ہے۔ مخالفین کے نزدیک حضرت مرزا صاحب کا یہ فرمانا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔
 کہ میری عمر ۷۹ سے ۸۵ تک ہوگی۔ دراصل الہام نہیں۔ بلکہ خود حضرت مرزا صاحب
 کا اپنا اختراع اور افتراء تھا۔ دراصل الہام نہ تھا۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ

حضرت مسیح موعودؑ ۱۹۰۵ء دسمبر میں الوصیت میں شائع فرماتے ہیں کہ جسے الہام ہوا ہے۔ کہ جَاءَ وَقْتُكَ قَرَبَ أَجَلِكَ الْمَقْدَرُ یعنی تیرا وقت وفات آگیا۔ اور تیری عمر کی جو میعاد مقرر کی گئی تھی۔ اب پوری ہو گئی۔ گویا بتا دیا گیا۔ کہ اب وہ عمر کے متعلق پیشگوئی جو آپ نے کی تھی۔ اس کے مطابق آپ کی عمر پوری ہو گئی ہے۔ اب اگر تم اسکو الہام نہ مانو۔ اور اس کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کا افتراء قرار دو۔ تو کم از کم تم کو یہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک آپ کی عمر ۷۵-۸۵ کے اندر اندر تھی۔ بہر صورت یہ الہام تم کو گرفت کرتے ہیں۔

نوٹ :- یہ بالکل غلط ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے الحکم ۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء میں یہ فرمایا ہے۔ کہ میں نے کسی بزرگ سے دعا کر داکے ۱۵ سال عمر بڑھوا لی ہے۔ اور اب میری عمر ۹۵ سال ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے قطعاً عمر کا ۹۵ سال ہونا نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک خواب کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور خواب تعبیر طلب ہے۔ جس طرح آنحضرت صلیم کا سونے کے کنگن پہننے خواب اور حضرت یوسفؑ کا خواب۔

(۲) مردان علی صاحب حیدر آبادی نے ۵ سال اپنی عمر کے کاٹ کر حضرت کے پیش کئے۔ تو یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ کہ حضرت نے اسے قبول فرمایا تھا۔ کوئی شخص اپنی عمر کاٹ کر دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ ورنہ صحابہ رضوانہ علیہم زندگیاں آنحضرت صلیم کو دے دیتے۔ مردان علی صاحب نے اپنے اخلاص کا اظہار اس طریق سے کیا۔ وہ حوالہ دکھاؤ۔ جس میں حضرت نے یہ فرمایا ہو۔ کہ میں نے مردان علی صاحب کی پیشکش کو منظور کر لیا۔

(۳) مولوی عبد الکریم سے حضرت کا خواب میں اصرار سے اپنی اس قدر عمر پانے کے لئے جو حضور کی جماعت کو مستحکم کرنے کے لئے کافی ہو۔ دعا کرانا۔ مگر حضرت مولوی صاحب مرحوم کا دعائے کرنا اور بجائے دعا کے ٹاٹھا اور پراٹھا کر اکیس اکیس کہتے

جانا حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی زبان سے بتا دیا۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی جماعت کے استحکام کے لئے کل اکیس سال ملیں گے۔ چنانچہ حضرت نے بیعت ۱۳۰۶ء کے اوائل میں لی ہے۔ اور وفات ۱۳۲۶ء میں ہوئی۔ گویا آپ بیعت کے بعد ۲۱ سال تک اپنے سلسلہ کو مستحکم فرما کر تشریف لے گئے۔

(۶۴۱) منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا

اعتراف ۱۔ مرزا صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ میں منظور محمد صاحب کے گھر بیٹا ہو گا جس کا نام بشیر الدولہ۔ عالم کباب وغیرہ ہو گا۔ مگر وہ بیٹا پیدا نہ ہوا۔
 الجواب ۲۔ حضرت کے اصل الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔ ”۱۹ فروری ۱۹۰۶ء روپا دیکھا۔ کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی۔ اور یہ الہام ہوا۔ ”بشیر الدولہ“ فرمایا کسی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔“ (بدر جلد ۲ ص ۲۷۷ و مکاشفات ص ۴۲)
 والحکم ۲۴ فروری ۱۹۰۶ء (ص ۱) پس حضرت صاحب نے صاف طور پر فرما دیا ہے۔ کہ ”منظور محمدؑ کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ الہامیہ تعیین کی گئی۔ اور حضرت نے ضروری قرار نہیں دیا۔ کہ منظور محمد سے مراد میں منظور محمد صاحب ہی ہوں حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ خواب ہے۔ اور خواب میں نام صفات کے لحاظ سے بتائے جاتے ہیں۔ پس منظور محمد سے مراد وہ شخص ہے۔ جو انسانوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ منظور نظر اور محبوب ہے۔ اور وہ آنحضرت کے سچے خادم حضرت مسیح موعودؑ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

مَنْ فَوْقَ بَيْنِي وَبَيْنَ الْمُصْطَفَى
فَاتَهُ مَا عَزَّ فَنِي وَمَسَارَاتِي

اور بشیر الدولہ سے مراد حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب "خلیفۃ المسیح الثانی" ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں۔ جو "عالم کباب" بھی ہیں۔ ظفر علی جیسے بد باطن حاسد آپ سے پوری طرح جلتے ہیں۔ اور سد میں انتہا سے زیادہ گذر گئے ہیں۔
 (۲) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے "عالم کباب" ہونے کا دوسرا واضح ثبوت یہ ہے کہ حضور مارچ ۱۹۱۱ء میں خلیفہ ہوئے۔ اور اس کے قریباً ایک ماہ بعد جنگ عظیم شروع ہوئی۔ جس سے عالم کباب ہو گیا۔

(۶۵) قادیان میں طاعون

اعتراض :- مرزا صاحب نے کہا تھا کہ قادیان میں ہرگز طاعون نہیں آئیگی۔ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔

الجواب :- یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہ حضرت نے قادیان میں طاعون کا آنا ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ قادیان میں طاعون آئیگی تو سہی۔ مگر طاعون جارف یعنی جھاڑو دینے والی طاعون نہیں آئیگی۔ چنانچہ حضرت دافع البلاء میں فرماتے ہیں۔ "ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی۔ جو گھاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جائیوالی ہوتی ہے" (ص ۲) پھر فرماتے ہیں "میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا۔ خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون سے مریں۔ یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آئے" (دافع البلاء ص ۳) کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر طور پر ہو جائے۔ جو بربادی بخش نہ ہو۔ اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے۔ "دافع البلاء ص ۴" (۱) "ادنیٰ" کا لفظ عربی زبان میں اس پناہ دینے کو کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی آدمی کسی حد تک مصیبت رسیدہ ہو کر پھر امن میں آجاتا ہے۔ "اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گھاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ معنی نہیں کہ ہرگز (میں طاعون نہیں آئیگی" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۳)

”ادی“ کا لفظ زبان عرب میں ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قدر معیبت یا ابتلا کے بعد اپنی پناہ میں لیا جائے۔ اور کثرت مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اَلَمْ يَجْعَلْ لَّكَ يَتِيْمًا قَادِي“ اسی طرح تمام قرآن شریف میں ”ادی“ اور ”ادی“ کا لفظ ایسے ہی موقعوں پر استعمال ہوا ہے کہ جہاں کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد پھر آرام دیا گیا۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۷۷ حاشیہ طبع اول ۱۹۰۲ء) پس ان پیشگوئیوں کے مطابق قادیان کو ایک دفعہ ”کسی قدر“ عذاب کے بعد اپنی امان میں لے لیا گیا۔ اور اسی کو حضرت نے صرف قادیان ہی کی نسبت سے ”طاعون زوروں پر تھا“ قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۸۸) لیکن قادیان میں کبھی بھی طاعون جارت نہیں آئی۔ جو بربادی افگن ہوتی ہے۔ ہاں حضرت نے اعلان فرمایا تھا: ”اِنِّیْ اَحَافِظُ کُلَّ مَسْنٍ فِی الدَّارِ وَ اَحَافِظُکُمْ خَاصَّةً“ کہ تیرے گھر کی چار دیواری میں رہنے والے طاعون سے محفوظ رہیں گے اور تیری تو خاص حفاظت کی جائیگی۔ (خواہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہوں یا باہر) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت نے بیانگ دہل اعلان فرمایا: ”میرا ہی نشان ہے کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ اسروہہ میں رہتا ہے۔ خواہ امرت سر میں۔ اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہیگا کہ اسکا فلاں مقام طاعون سے پاک رہیگا۔ تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔ (دافع البلاء ص ۸۸) چنانچہ چراغ الدین جمونی ہلاک ہوا۔ تفصیل دیکھو حقیقۃ الوحی میں۔ اس چینج کو کوئی منظور نہ کر سکا۔ لہذا حضرت کی صداقت ثابت ہوئی۔

محمد حسین بٹالوی کا ایمان

(۶۶)

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ محمد حسین بٹالوی ایمان لائے گا۔ مگر وہ ایمان نہیں لایا۔

الجواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین ثمالوی کو فرعون قرار دیا ہے۔
 دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۶۵، ص ۶۶ (۲) پھر فرماتے ہیں: ”فرعون سے مراد
 محمد حسین ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ وہ بالآخر ایمان لائیگا۔
 مگر مجھے معلوم نہیں۔ کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ اَمَنْتُ اَنْتَ
 لَا اِلَهَ اِلَّا اَنْتَ اَلَّذِي اَمَنْتُ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَآئِيْلُ“ یا پر سیزگار لوگوں کی طرح
 (واللہ اعلم) (استفتار اردو ص ۲۲ حاشیہ) فرعون کے ایمان لانے کا واقعہ جس
 کی طرف حضرت نے محولہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید سورہ یونس ۶۱
 میں ہے۔ کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس نے آواز دی کہ اَمَنْتُ اَنْتَ لَا اِلَهَ
 اِلَّا اَلَّذِي اَمَنْتُ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَآئِيْلُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ کہیں
 ایمان لایا۔ کہ وہی ایک خدا ہے۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں مسلمان ہوں
 اب فرعون کے ایمان لانے کا بجز خدا تعالیٰ کی شہادت کے اور کون انسان گواہ
 ہے۔ بعینہ اسی طرح محمد حسین کے ایمان کا بھی خدا کا الہام گواہ ہے۔ اب اگر کوئی آریہ
 یا عیسائی تم سے فرعون کے ایمان لانے کا ثبوت پوچھے۔ تو جواب اب تم اسکو دو گے۔ وہی
 جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لو۔

(۶۶) عبد اللہ آفتم

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حقیقی اور سچا مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے
 اور یہ کہ موجودہ عیسائیت کسی صورت میں اس مذہب کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ جو
 حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے قائم ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو
 عیسائیت پر کھلا کھلا غلبہ عطا کیا۔

عیسائیوں نے اپنے نامزدہ ڈپٹی عبد اللہ آفتم کو جون ۱۸۹۳ء میں خدا کے مسیح موعودؑ
 کے مقابل کھڑا کیا۔ جب اس پر دلائل بینہ اور براہین قاطعہ کی رو سے کامل طور پر حجت تمام
 ہو چکی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا کے بزرگ و برتر سے اطلاع پا کر اعلان

فرمایا۔ کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو
نعوذ باللہ دجال کہا ہے۔ اسکی اس جرم کی پاداش میں خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے
کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ تو پندرہ ماہ کے عرصہ میں ناویہ میں گرایا جائیگا۔ اور
اس سے یہ ثابت ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ کو اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلعم
کے لئے بے انتہا غیرت ہے۔ اور یہ کہ اس کے نزدیک سچا دین صرف اور صرف اسلام ہی
خدا کے پیارے مہیج موعود نما کی یہ ہیبت ناک پیشگوئی شائع کر دی گئی۔ اور اس میں
آتھم کو ہلاکت سے بچنے کا طریق بھی بتا دیا گیا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا۔ تو اس
ہلاکت سے بچ جائیگا۔

پیشگوئی کا شائع ہونا تھا۔ کہ ڈپٹی آتھم کے لئے جس "ناویہ" کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس
کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ وہ توبہ اور استغفار دعا اور رجوع میں لگ
گیا۔ وہ اس گستاخی کے لئے جو اس نے پاکبازوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ کی شان
میں کی تھی۔ روتا اور خدا کے حضور گڑ گڑاتا رہا۔ وہ برابر پندرہ ماہ تک انتہائی پریشانی
سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ در بدر پھرتا رہا۔ وہ عیسائیت جسکی اشاعت اور
تبلیغ اس پیشگوئی سے قبل اسکی غذا تھی۔ اب اسکو موت کا پیالہ نظر آتی تھی۔ وہی
اسلام اور بانی اسلام جن کی تردید کرنا اور جن کو گالیاں دینا وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا
تھا۔ اب اسکی نظر میں اسقدر قابل اعتراض و تردید نظر نہ آتے تھے۔

وہی عبداللہ آتھم جس کے لئے ایک دن بھی عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تردید
کے بغیر گزارنا غیر ممکن تھا۔ متواتر پندرہ مہینے ایک غیر منقطع سکوت اور لامتناہی
خاموشی کے ساتھ شہر لبشہر پھرتا رہا۔ اور ایک حرف بھی اپنی زبان سے اسلام یا بانی
اسلام کے خلاف نہیں نکالا۔

یہ معنی خیز حیرت انگیز سکوت اور عبرتناک سراسیمگی اسلام اور خدا کے مہیج موعود
کی صداقت پر زبردست دلیل تھی۔ اور اس طرح سے عبداللہ آتھم کا پندرہ ماہ کا عرصہ
گزارنا سعید الفطرت انسانوں کے لئے یقیناً یقیناً خدا کے زبردست مکر و حیل تھا

کی کرشمہ نمائی کا زبردست ثبوت تھا۔ مگر نور کے دشمنوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔
اور اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم نے درحقیقت
”رجوع نہیں کیا تھا“ اور یہ کہ خدا کے مسیح موعود کی پیشگوئی نفوذ باللہ جھوٹی نکلی۔
خدا کا مسیح موعود ایک دفعہ پھر خدا کی طرف سے حجت باہرہ اور دلائل بینہ کی تلوار
ہاتھ میں دیکر میدان میں نکلا۔ اور عبد اللہ آتھم ہی کے ذریعہ ایک دوسرے نشان
سے صاف اور واضح طور پر اس بات پر مہر ثبت کر دی۔ کہ سچا اور حقیقی دین خدا کے
نزدیک اسلام ہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے پے اشتہار است شائع کئے۔ کہ اگر تم
لوگ اس دعویٰ میں سچے ہو۔ کہ عبد اللہ آتھم نے رجوع نہیں کیا۔ تو تم اسے کہو۔ کہ وہ
حلف اٹھا کر کہہ دے۔ کہ میں نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اگر اس حلف کے بعد
وہ ایک سال تک زندہ رہ جائے۔ تو میں جھوٹا ہوں۔ آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔
بلکہ چار ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم ہرگز
قسم نہیں کھا لیگا۔ کیونکہ اس کے زیادہ اس بات کو اور کوئی نہیں جانتا۔ کہ اس نے
فی الحقیقت حق کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اب اگر آتھم عیسائیوں کے اس قول کی تردید
نہ کرے۔ اور نہ قسم کھائے۔ تو بھی وہ عذاب سے بچ نہ سکیگا۔ چنانچہ حضرت تھور ہفر بائبل
”اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے۔ کہ جو ہونا تھا۔ وہ سب ہو چکا اور آگے
کچھ نہیں“ (انوار الاسلام ص ۱۸)

”اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے
ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھائیں۔ تو پھر بھی خدا تعالیٰ
ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفا کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔
اور وہ دن نزدیک ہیں۔ دور نہیں“ (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ ص ۱۸)
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ”وہ دن“ جو عبد اللہ آتھم کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا گیا تھا
وہ بہت ”نزدیک“ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری اشتہار پر ابھی

سات چھینے بھی نہیں گذرے تھے۔ کہ آٹھم ۲۷ جولائی ۱۸۹۷ء کو بمقام فیروزپور
رہا ہی ملک عدم ہوا۔

خدا تعالیٰ نے آٹھم کے ذریعہ سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر
زندگی اور موت کے دو نشان ظاہر فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
رجوع کرنے سے آٹھم نے پندرہ ماہ کے عرصہ میں ”زندگی“ پائی۔ اور اس کے بعد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان کو چھپانے کے نتیجہ میں اسے ”موت“ حاصل
ہوئی۔ اور اس نشان میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اطاعت ہی حقیقی زندگی بخشتی ہے۔ اور آپ کی مخالفت ایک موت کا پیالہ
ہے۔ جس کا پینے والا روحانی موت سے بچ نہیں سکتا۔ (لغیہ دیکھو ص ۱۸۰ پاکستانک بک ہاؤس)

(۶۸) محمد حسین کی ذلت

مرزا صاحب نے لکھا تھا۔ کہ محمد حسین ذلیل ہوگا۔ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی
الجواب :- محمد حسین پر کسی ذلتیں آئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب ”بطلانوی
کا انجام“ مصنفہ جناب میر قاسم علی صاحب۔ اجمالاً یہاں کچھ لکھا جاتا ہے۔
۱) محمد حسین نے حضرت پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگایا۔ کہ آپ گویا مہدی خونی کے قاتل
نہیں۔ مگر بعد میں اس نے خود گورنمنٹ سے زمین حاصل کرنے کے لئے بطور خوشامدیہ
لکھا۔ کہ کوئی ایسا جنگ اور جہاد کرنے والا مہدی نہیں آئے گا۔ اور یہ کہ اس مہدی کے
بارے میں جب قدر حدیثیں ہیں۔ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ اس نے ۱۸۹۷ء اکتوبر
کو ایک انگریزی فہرست شائع کی۔ جس میں مہدی کی آمد کا انکار کیا۔ چنانچہ غیر احمدی
علماء ہی سے حضرت نے مہدی خونی کے منکر کے متعلق فتویٰ کفر حاصل کر لیا۔ پس محمد حسین
مسلمات کی دوسری ذیل ہوا۔ (تفصیل دیکھو حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار
۱ جنوری ۱۸۹۹ء) (۲) محمد حسین نے حضرت کے الہام و تعجب لامرینی
پر بخوبی اعتراض کیا تھا۔ کہ ”عجب“ کا صمد لام نہیں آتا۔ اس کے جواب

میں جب حضرت نے احادیث کتب لغت اور شعراء عرب کے کلام سے "عجب" کے صمد لام کی مثالیں شائع کیں۔ تو محمد حسین نے خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اپنی خفت کو یہ کہہ کر مٹانا چاہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ قرآن میں "عجب" کا "قن" صمد آیا ہے۔ (البانات مرزا مصنفہ ثناء اللہ امرتسری ص ۳۳) (محمد حسین نے خونی مہدی کا انکار کر کے گورنمنٹ سے زمین حاصل کی۔ اور بخاری میں ہے۔ کہ جس گھر میں ہل داخل ہو جاتا ہے۔ وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ دَرَأَى سِكَّةً وَشَيْئًا مِنْ آلَةِ الْخُرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى يَقُولُ لَا يَدْخُلُ هَذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ الذِّلَّةَ) (بخاری کتاب الوکالت باب ما یحذر من عواقب جلد ۲ ص ۲۸ مصری) حضرت ابو امام باہلی رضی سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے ہل کا ایک پھل اور کھیتی کرانے کا ایک آلہ دیکھا۔ تو فرمایا۔ کہ میں نے رسول کریم صلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ یہ جس قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں ذلت آ جاتی ہے۔ محمد حسین ڈالوی کا عالم اور غیر زمیندار ہو کر "اخذ الى الارض" کا مصدق بننا یقیناً حدیث کے الفاظ میں اس کے لئے ذلیل ہونا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اپنے گھر میں ہل کو داخل نہیں کیا۔ بلکہ حضور تو پیدا ہی زمیندار خاندان میں ہوئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلم کی پیشگوئی مندرجہ ابوداؤد حارث حراث (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی ص ۱۱۱ باب اشراف الساعة) والی پوری ہوئی۔ اس لئے آپ کے لئے یہ موجب ذلت نہیں۔

نوٹ :- یاد رہے۔ کہ یہاں حدیث میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو تجارت یا دوسرے پیشے چھوڑ کر غیر زمینداری سے زمینداری اختیار کرتے ہیں۔ نیز اس زمینداری کا ذکر ہے۔ جو انسان کو دنیا داری ہی میں مشغول کر دے۔ اور اپنے مذہبی عقائد منحرف کر اسے۔ جیسا کہ محمد حسین کے ساتھ ہوا۔ ورنہ آنحضرت صلم نے امام مہدی کو بھی زمیندار قرار دیکر تباہ کیا۔ کہ زمینداری برا پیشہ نہیں۔

(۶۹) نَافِلَةٌ لَّكَ

مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی۔ کہ ایک اور بیٹا مبارک احمد کے بعد پیدا ہوگا۔ مگر وہ پیدا نہ ہوا۔

الجواب :- حضرت نے خود اس الہام کی تشریح فرمادی ہے :- چند روز ہوئے الہام ہوا تھا۔ ”اَنَا بُشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةٍ لَّكَ“ ممکن ہے۔ کہ اس کی تعبیر ہو۔ کہ محمود کے ہاں ایک کا پیدا ہو۔ کیونکہ ”نافلہ“ پوتے کو بھی کہتے ہیں۔ یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو۔ (الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء ص ۱) پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقتہً الوحی میں فرماتے ہیں :- ”اَنَا بُشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةٍ لَّكَ“ ”ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں۔ جو تیرا پوتا ہوگا“ (ص ۹) پس وہ ”نافلہ“ جسکی بشارت دی گئی تھی۔ صاحبزادہ حافظ مرزا انصاری صاحب مولیٰ فیاض خٹک اکبر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز میں (والعلم عند اللہ) اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور حضور کے جانیوں کی ایک اور صاحبزاد میں گویا دشمنوں کے مقابلہ میں حضرت صاحب کو پوتا تک کی بشارت دی۔

حصہ سوم تحریرات پر اعتراضات (۷۰) شاعر ہونا

قرآن مجید میں ہے :- وَمَا عَلَّمْنَاكَ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَكَ الشِّعْرُ اِنَّ يَتَّبِعُكَمُ الْغَاوُونَ“ بنی شاعر نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاعر تھے۔
جواب :- بے شک قرآن مجید میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں۔ اور قرآن مجید نے شاعر کی تعریف بھی کر دی ہے۔ فرمایا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ قَادٍ يَهْتَمُّونَ وَانَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (الشعر لافری رکوع) کہ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ شاعر وہی میں سرگردان پھرتے ہیں۔ یعنی ہوائی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور جو کچھ

وہ کہتے ہیں۔ وہ کرتے نہیں۔ گویا شاعر وہ ہے۔ جو راہی گھوڑے دوڑائے۔ خیالی
 پلاؤ پکائے۔ ۱، ۲، اس کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو۔ فرمایا۔ ”مَا عَلَّمَنَا الشُّعْرُ“
 کہ ہم نے آنحضرت صلعم کو راہی گھوڑے دوڑانا اور محض باتیں بنانا نہیں سکھایا۔ حضرت
 مسیح موعود علیہ السلام میں بھی دونوں باتیں پائی نہیں جاتیں۔

۲، لغت میں لکھا ہے۔ وَقَوْلُهُ حِكَايَةٌ عَنِ الْكُفَّارِ بَلْ افْتَرَا لَا بَلْ هُوَ شَاعِرٌ
 وَقَوْلُهُ شَاعِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ..... لَمْ يَقْصِدْ وَاهَذَا الْمَقْصَدُ فِيهِ
 دَمُوعٌ بِهِ ذَلِكَ أَنَّهُ ظَاهِرٌ مِنَ الْكَلَامِ إِنَّهُ لَيْسَ عَلَى أَسَالِيبِ
 الشُّعْرِ وَلَا يَخْفَى ذَلِكَ عَلَى الْأَعْتَامِ فَضْلًا عَنْ بُلْغَاءِ الْعَرَبِ
 وَأَنَّهُ دَمُوعٌ بِالْكَذِبِ فَإِنَّ الشُّعْرَ يُعْبَرُ بِهِ عَنِ الْكَذِبِ وَالشُّعْرُ
 الْكَاذِبُ..... قِيلَ أَحْسَنَ الشُّعْرِ الْكَذِبُ (مفردات راغب ص ۲۶۲ و ۲۶۳)

کہ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے۔ کہ کافر آنحضرت صلعم کو..... شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ اس
 سے مراد کافروں کی کلام موزون کہنا نہ تھی۔ بلکہ جس بات کا آنحضرت پر اعتراض کیا جاتا
 تھا۔ وہ اور تھی۔ ورنہ قرآن کا نثر ہونا تو ایسی بات ہے۔ کہ کلام سے خود ہی ظاہر ہے۔

کہ یہ شعروں کی طرز پر نہیں (اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ چہ جائیکہ
 بلنا عرب نثر اور نظم میں تمیز نہ کر سکتے ہوں۔ پس اصل بات یہ ہے۔ کہ انہوں نے آنحضرت
 پر ”جھوٹ“ بولنے کا حسد کیا تھا۔ کیونکہ شعر سے مراد ”جھوٹ“ لی جاتی ہے۔ اور

شاعر کے معنی میں ”کاذب“ (جھوٹا)..... عربی ضرب المثل ہے۔ کہ سب سے اچھا شعروہ
 جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔ ۲، منطق کے امام علامہ شریف کہتے ہیں۔ ”وَالشُّعْرُ
 إِنَّ مَدَارَهُ عَلَى الْكَافِئِ وَمِنْ ثَمَّةٍ قِيلَ أَحْسَنَ الشُّعْرِ الْكَذِبُ“

(الحاشية الكبرى على شرح المطالع ص ۱۰۰ مصری) کہ شعر کا مدار جھوٹ پر

ہوتا ہے۔ اور ضرب المثل میں ہے۔ کہ سب سے اچھا شعروہ ہے۔ جس میں بہت جھوٹ ہو۔

تیسرا جواب ۱۔ قرآن مجید میں ہے۔ ”وَمَا عَلَّمَنَا الشُّعْرُ“ کہ ہم نے آنحضرت

کو شعر نہیں سکھایا۔ اب اگر ”شعر“ سے مراد کلام موزون لیا جائے۔ تو یہ غلط ہے۔

کیونکہ قرآن جو آنحضرت صلیم کو سکھایا گیا ہے۔ اس میں کلام موزون ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ۱۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

(۲) حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلیم نے جنگِ حنین کے موقع پر فرمایا ۱۔ ۵
أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ و یوم حنین جلد ۳ ص ۱۷۷ مصری) کہ میں بنی ہوں۔ جھوٹا نہیں۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اب وزن کے لحاظ سے یہ بحر زجر محذوف ہے۔ اور قافیہ بھی ملتا ہے۔ (۳) پھر حدیث میں ہے۔ کہ ایک جنگ کے موقع پر جب آنحضرت کی انگلی پر زخم آگیا۔ تو آپ نے اس انگلی کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ۵

هَلْ أَنْتَ إِلَّا أَصْبَعٌ دُرْمِيَّتْ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتْ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من ینکب فی سبیل اللہ جلد ۲ ص ۱۶۷ مصری)

کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو ایک انگلی ہے جس میں سے کہ خون بہ رہا ہے۔ اور یہ جو کچھ تجھے ہوا۔ خدا کی راہ میں ہوا ہے۔ اب یہ بھی کلام موزون ہے۔ پس اگر شعر سے مراد کلام موزون نیا جائے۔ تو یہ بالبداهت باطل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلیم پر اسکی زد پڑتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شعر سے مراد جھوٹ ہی ہے۔ پس نفس شعر بلحاظ کلام موزون کے بری چیز نہیں۔ رد آنحضرت صلیم شعر کہنے اور پڑھتے حضرت مسیح عیسیٰ نے فرمایا ہے۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق اس ڈھب کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے
نیز حضرت کا الہام ہے۔ ”در کلام تو چیز سے ست کہ شعراء را در راں دخی نیست“

۱۱، غلط حوالے اور جھوٹ کے الزامات

مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں بعض حوالے غلط دیے ہیں۔ مثلاً ۱۔ خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَسْهُودِي بخاری میں نہیں ہے۔ :-

الجواب :- بنی کوہم سہو اور نسیان سے پاک نہیں مانتے۔ ۱، قرآن میں ہے۔ ”نَسِيْ اٰدَمُ“ کہ آدم بھول گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ”نَسِيَّا حَوْتَمًا“

کہ وہ مچھلی بھول گئے۔ اور آگے لکھا ہے کہ شیطان نے انہیں بھلا دیا۔ خود آنحضرت
 صلعم نے فرمایا ہے۔ ”إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ (۲) اُخْطِیْ وَأُصِیْبُ (۳) نیز اس
 شرح الشرح لتقائد نفسی ص ۹۲ (۴) کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بعض دفعہ
 خطا کرتا ہوں۔ (۵) بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک دفعہ عشاء یا عصر کی
 نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ وَرَجُلٌ بِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّيْ
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنَسِيْتُ أُمَّ قَصِرْتُ فَقَالَ لَمَّا نَسَ وَلَمْ تَقْصُرْ
 قَالَ بَلَى قَدْ نَسِيْتُ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ“ دوسری روایت میں ہے۔ فَقَالَ
 أَكْمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ. فَقَالُوا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكْتَ“
 و بخاری کتاب الصلوة باب من یكبر فی السجدة السهو جلد ۱ ص ۱۴۱
 و باب تشیکک الاصابع جلد ۱ ص ۲۴۳ مصری کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جسکو
 آنحضرت صلعم ذوالیہدین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس نے آنحضرت صلعم
 سے پوچھا کہ کیا آپ بھول گئے ہیں۔ یا نماز قصر کر کے حضور نے پڑھی ہے؟ آنحضرت
 نے جواب دیا کہ نہ تو میں بھولا ہوں۔ اور نہ نماز ہی قصر کی گئی ہے۔ اس پر ان صحابہ
 نے جواب دیا کہ حضور بھول گئے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم
 نے باقی صحابہ سے پوچھا کہ کیا ذوالیہدین ٹھیک کہتا ہے۔ تو سب نے جواب دیا کہ
 ہاں وہ ٹھیک کہتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ اور دو رکعتیں
 جو آپ نے چھوڑ دی تھیں۔ پڑھیں۔ اور بعد میں سجدہ سہو بھی کیا۔ دیکھو صحیح مسلم
 جلد ۱ ص ۲۱۵ اب کیا آنحضرت صلعم کے قول ”لَمَّا نَسَ وَلَمْ تَقْصُرْ“ کو کوئی
 شخص جھوٹ قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ (۶) صحیح ترمذی کتاب المناقب میں
 ہے۔ عَنْ أَبِي ابْنِ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِي إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى
 أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ فَقَرَأَ عَلَيَّ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ
 كَفَرُوا“ وَقَرَأَ فِيهَا آيَاتِ الدِّينِ عِنْدَ اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةَ الْمُسْلِمَةَ
 وَلَا إِلَهَ دُونَهُ وَلَا التَّمَرَّيْنَةَ وَلَا الْمَجُوسِيَّةَ وَمَنْ يَعْمَلْ

خَيْرًا فَلَئِنْ يُضْرَكُمْ وَلَوْ كُنْتُمْ اِلَّا بَنِي اٰدَمَ فَادِيًا مِّنْ مَّالٍ لَا بُتْغَىٰ عَلَيْهِ
 ثَانِيًا وَلَوْ كُنْتُمْ لَهُ ثَانِيًا لَا بُتْغَىٰ عَلَيْهِ ثَالِثًا وَلَا يَمْدُ عِوَجُوتِ ابْنِ
 اٰدَمَ اِلَّا التَّرَابُ وَيَتُوبُ اللّٰهُ اِلَىٰ مَنْ تَابَ اِلَى اللّٰهِ هَذَا حَدِيثٌ
 حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ ترمذی باب المناقب مناقب ابی ابن کعب جلد ۲ صفحہ ۲۲۹
 (مجتبائی) کہ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے
 فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو قرآن پڑھ کے سناؤں چنانچہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لَسْمَ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا“ والی سورت پڑھی۔ اور اس میں
 یہ بھی پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف خالص اسلام ہے۔ نہ یہودیت نہ
 نصرانیت اور نہ مجوسیت۔ پس جو اچھا کام کرے۔ اس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔
 اور اگر بنی آدم (انسان) کے لئے ایک وادی مال و دولت سے بھری ہوتی۔ تو ضرور
 وہ ایک دوسری وادی چاہتا۔ اور اگر اس کو دوسری وادی بھی مل جاتی۔ تو وہ
 تیسری کی تلاش کرتا۔ اور انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی
 اور خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اب اس
 حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ
 الْخَفِيَّةُ الْمُسْلِمَةُ“ الی الاخر کو قرآن مجید ”لَسْمَ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا“
 والی سورت کی آیات قرار دیا ہے۔ ذرا کوئی مولوی صاحب ”لَسْمَ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا“
 والی سورت میں تو کجا سارے قرآن میں سے کسی جگہ سے نکال کر دکھا دیں۔
 نوٹ ۱۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ”آیات“ منسوخ ہو گئی ہیں۔ کیونکہ یہ بات کہ خدا
 کے نزدیک دین خفیۃ المسلمہ ہے۔ اور یہ کہ انسان بڑا حریص ہے وغیرہ یہ سب اخبار
 ہیں۔ نہ کہ احکام! اور اس پر سب غیر احمدی علماء کا اتفاق ہے۔ کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں
 (۲) کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا کے نزدیک دین ”خفیۃ المسلمہ“ نہیں۔ بلکہ یہودیت
 اور نصرانیت ہو گیا ہے؟ (۳) ان ”آیات“ کی ناسخ کو کسی آیت ہے۔ جس کی وجہ سے
 آیات منسوخ ہو گئی ہیں۔ یا درکھنا چاہیے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ ”قُرْءَانٌ“

ہے۔ یعنی آنحضرتؐ نے اس سورت میں یہ عبارت پڑھی تھی۔ اسکو سورت کی تفسیر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ورنہ نہ قال فیہا "کہنا چاہیے تھا۔

دہی علامہ سعد الدین تفتا زانی ملا خسرو۔ ملا عبدالحکیم ان میںوں نے لکھا ہے۔ کہ حدیث یکثرکم الارثیت بعدنی بخاری میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موجودہ بخاری میں نہیں ہے۔ (توضیح شرح تلویح جلد ۱ ص ۲۱) اسی طرح سے حدیث خیر السوڈان ثلاثۃ لقمان وبلال و مہجہ مولی رسول اللہ صلی علیہ وسلم رواہ البخاری فی مدحہ عن واثلۃ ابن الاسقع مرفوعاً کذا ذکر ابن الربیع لکن قول البخاری سہو قلم امّامین الشاقل اذ من المصنف فان الحدیث لیس فی البخاری (موضوعات کبیر ص ۲) کہ حدیث سوڈان کے بہترین آدمی ہیں۔ یعنی (۱) لقمان (۲) بلال (۳) مہج جو آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ یہ حدیث بخاری میں واسطہ بن الاسقع سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ کہ علامہ ابن ربیع کا یہ کہنا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ یہ یا تو مصنف کا سہو قلم ہے۔ اور یا کاتب کا۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ وہ مولوی جو ہذا خلیفۃ اللہ المہدیؑ "والی حدیث کے بخاری میں سے نہ ملنے پر حضرت مسیح موعودؑ پر "کاذب" ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ کیا وہ اپنے علامہ تفتا زانی ملا خسرو۔ ملا عبدالحکیم اور علامہ ابن الربیع کو بھی "کاذب" کہیں گے۔

(۶) امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے۔ کہ کیف انتم اذا نزل عیسیٰ ابن مریم فیکم من السماء واما مکم منکم رواہ البخاری کہ بخاری میں ہے۔ کہ کیف انتم اذا نزل من السماء حالانکہ بخاری میں قطعاً من السماء کا لفظ نہیں۔ (ہذا خلیفۃ اللہ المہدیؑ) حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی کتاب شہادۃ القرآن میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم وہی جواب دیتے ہیں۔ جو حضرت ملا علی قاری نے امام ابن الربیع کی طرف سے دیا تھا۔ "والکن قول البخاری سہو قلم امّامین

النَّاقِلِ أَوْ مِنَ الْمَصْنُوعِ" کہ یہ قول کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو سہو کتابت ہے۔ یا سبقت قلم مصنف۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں صاف طور پر فرمادیا ہے۔۔ اور میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اعلیٰ حدیث (بخاری و مسلم منہ خادم) نے ان کو نہیں لیا۔ ازالہ اوہام ص ۳۳ و ص ۱۱۵ طبع سوم و حمامۃ البشری ص ۱۱۷) گویا بخاری و مسلم میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "هَذَا خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِي" (آسمان سے آواز آنا کہ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے) بہر حال مہدی کے متعلق ہے۔ پس حضرت مسیح موعود کے اپنے صاف بیان کے مطابق یہ حدیث بخاری میں نہیں۔ ہاں یہ حدیث اسی طرح صحیح ہے۔ جس طرح بخاری کی دوسری احادیث۔ کیونکہ۔ كَذَا ذَكَرَ السَّيُوطِيُّ وَ فِي الرَّوَايَةِ هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ وَ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ (ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۶۹ حاشیہ مطبوعہ مصر) کہ حدیث "هَذَا خَلِيفَةُ اللَّهِ الْمَهْدِي" کو سیوطی نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور زوائد میں ہے۔ کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس کو امام حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق بھی صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث ابونعیم اور تلخیص المتشابہ و جمع الکرامہ ص ۲۶۶ پر درج ہے۔ بھلا تم لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا سکتے ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو تم بھی نبی مانتے ہو۔ اور جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ "صِدْقَانِيًّا" کہ وہ سچ بولنے والے نبی تھے۔ تم ان کے متعلق بھی یہ کہتے اور مانتے ہو۔ کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے (ا، بخاری میں ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْذِبُ إِبْرَاهِيمُ إِلَّا ثَلَاثًا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ" (بخاری کتاب بدء الخلق باب قول الله تعالى واتخذ الله إبراهيم خليلاً جلد ۱ ص ۱۴ مطبوعہ

مطبع الہیہ و مشکوٰۃ مطبع نظامی ص ۳۱ باب بدر الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام نیز
 مسلم جلد ۲ ص ۲۲۵ کتاب الفضائل باب فضل ابراہیم خلیل اللہ مطبوعۃ مطبعة
 العامرہ و مشکوٰۃ مطبع حیدری ص ۹۹ کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین مرتبہ
 اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ مگر تین
 جھوٹ (۲) صحیح ترمذی میں ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ فِي شَيْءٍ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ
 قَوْلُهُ إِنِّي سَقِيمٌ وَلَمْ يَكُنْ سَقِيمًا وَقَوْلُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ
 هَذَا وَقَوْلُهُ لِسَارَةٍ افْتَتِي هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔
 (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ انبیاء جلد ۱ ص ۱۶۳ مطبع احمدی) کہ حضرت
 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم نے کبھی کسی
 چیز میں جھوٹ نہ بولا۔ مگر صرف تین موقعوں پر۔ ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ
 بیمار نہ تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ یہ بت ان کے بڑے بت نے توڑے ہیں۔ اور ان کا اپنی
 بیوی سارہ کو کہنا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (۳) بخاری میں
 ہے کہ قیامت کے دن جب سخت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اور لوگ بھاگے بھاگے سب
 انبیاء کے پاس جائیں گے کہ وہ ان کی خدا تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں۔ تو سب انکار
 کر دیں گے۔ جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ تَوَقُّعُ قَوْلِ
 لَهُمْ إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا كَمْ يَغْضِبُ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ
 يَغْضِبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَّابًا ثَلَاثًا كَذَّابًا فَذَكَرَهُنَّ
 أَبُو حَتَّىٰ فِي الْحَدِيثِ نَفْسِي نَفْسِي إِذْ هَبُوا إِلَىٰ غَيْرِي۔ (بخاری کتاب
 التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح جلد ۳ ص ۹۹ مصری) حضرت
 ابراہیم علیہ السلام ان کو جواب دیں گے کہ میرا رب سخت غصہ میں ہے۔ ایسے غصے میں
 کہ اس سے قبل کبھی اتنا غصہ نہ ہوا تھا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غصہ نہ ہوگا۔

اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے۔ (ابو حیان نے ایک حدیث میں ان تینوں جھوٹوں کی تفصیل دی ہے) پس مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ جس نبی کو قرآن کریم سچا کہتا ہے۔ تم اس کے متعلق کہتے ہو۔ کہ اس نے نعوذ باللہ تین جھوٹ بولے گویا تیرے نزدیک جھوٹ بولنا معیار صداقت ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اگر تم اعتراض کرو۔ تو معذور ہو۔

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ میرے دشمن ہو جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیروں سے

(۶۲) قرآن و حدیث میں طاعون

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ قرآن و حدیث میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔
الجواب :- قرآن مجید میں "وَاخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ" (نمل ۶۶) کہ ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے۔ جو ان کو کاٹے گا کیونکہ لوگ خدا کی آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ "تُكَلِّمُهُمْ" کے معنی کاٹنے ہی کے ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتاب "المنجد" میں ہے۔ "كَلَمَهُ تَكَلَّمَ مَا جَرَّحَهُ" "كَلَمَ" یعنی کَلَمَهُ کے معنی ہیں۔ اس نے اس کو زخم لگایا۔ "كَلَمَهُ" کَلَمًا "كَلَمَ" کَلَمَ کے معنی بھی زخم لگانے کے ہیں۔ (۲) بخاری میں ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلِمٍ يُكَلِّمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا (بخاری کتاب الوضوء باب مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ جلد ۱ ص ۳۷ مصری) کہ آنحضرت مسلم نے فرمایا۔ کہ ہر ایک زخم جو کسی مسلم کو خدا کی راہ میں لگے۔ قیامت کے دن اپنی اسی حالت میں ہو گا۔ چنانچہ طاعون کا کیڑا انسان کو کاٹتا ہے۔ جس سے طاعون ہوتی ہے۔ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ فَيَكُونُ عَنِّي نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَاصْحَابُهُ فَيُرْسِلُ اللَّهُ عَلَيْهِمُ النَّعْتَ فِي رِقَابِهِمْ فَيَقْبَحُونَ فَرَسِي كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (مسلم جلد ۲ کتاب الفتن ص ۳۷ مصری باب ذکر صفات الدجال) پس خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی متوجہ ہوں گے اور خدا تعالیٰ ان کے مخالفوں

کے خیموں میں ایک پھوڑا (طاعون) ظاہر کرے گا۔ پس وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے گئے۔ "نصف" کے معنی پھوڑا اور طاعون کے ہیں۔ ردیکھو عربی لغت مصنف (۱۷۷۷ء)۔

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیات و احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:-

"خدا تعالیٰ کی کتابوں میں بہت تصریح سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود ع کے زمانہ میں ضرور طاعون پڑیگی۔ اور اس سری کا انجیل میں بھی ذکر ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُّهِلْكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُّعَذِّبُوهَا الْاٰخِرَ (نبی اسرائیل ۶۷) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں ہوگی۔ جسکو ہم کچھ مدت پہلے قیامت سے یعنی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ ہلاک نہ کر دیں۔ یا عذاب میں مبتلا نہ کریں۔" (نزدول المسیح صفحہ ۱۸)

(۲) یہی طاعون ہے۔ اور یہی وہ دابة الارض ہے۔ جسکی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں ہم اسکو نکالیں گے۔ اور وہ لوگوں کو اسکی گمراہی کاٹے گا۔ کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ" اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے محبت ان پر پوری ہو جائیگی تو ہم زمین میں سے ایک بانور نکال کھڑا کریں گے۔ وہ لوگوں کو گمراہی کاٹے گا۔ اور زخمی کرے گا۔ اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ دیکھو سورۃ النمل الجوز نمبر ۲۰ (نزدول المسیح صفحہ ۳۸)

(۳) یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔ کہ وہ دابة الارض یعنی طاعون کا کھڑا زمین میں سے نکلیگا۔ اس میں یہی مجید ہے۔ کہ تادم اس بات کی طرف اشارہ کرے۔ کہ وہ اس وقت نکلیگا۔ کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف مہجک کر خود دابة الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں۔ کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین

جو متقی نہیں ہیں۔ اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اس سال
 میں یہ لکھا ہے۔ کہ دابۃ الارض طاعون کا کیرا ہے۔ ان دونوں بیانیوں میں کوئی شخص متناقض
 نہ سمجھے۔ قرآن شریف ذوالمعارف ہے۔ اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں۔
 جو ایک دوسرے کی عند نہیں۔ (نزول المسیح ص ۳۴)

(۲۴) یاد رہے۔ کہ اہلسنت کی قبیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب اکمال الدین
 میں تبصریح لکھا ہے۔ کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑے گا۔ بلکہ اکمال الدین جو شیعہ
 کی بہت معتبر کتاب ہے۔ اس کے ص ۳۳ میں لکھا ہے۔ کہ یہ بھی اس کے ظہور کی
 نشانی ہے۔ کہ قبل اس کے کہ قائم ہو۔ یعنی عام طور پر قبول کیا جائے۔ دنیا میں سخت طاعون
 پڑے گا۔ (نزول المسیح ص ۳۵)

(۲۳) تورات انجیل میں طاعون کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ انجیل اور تورات (ذکر یا ۱۱۴) میں طاعون کی پیشگوئی
 ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔

جواب :- جھوٹ نہیں۔ بلکہ تمہاری اپنی بد قسمتی ہے۔ کہ بے وجہ بنی کے منکر ہو گئے ہو
 انجیل متی کا حوالہ حضرت نے دیا ہے۔ اور یہ حوالہ درست ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۵۶ء
 میں متی ۲۴ پر مذکور ہے۔ کہ مسیح موعود کی ایک نشانی مری کا پڑنا بھی ہے۔ لیکن بعد میں
 عیسائیوں نے اس کو متی ۲۴ سے نکال دیا ہے۔ یحییٰ فوٹو انکم عن توما وینعیہ
 لیکن اگر تم نے مزید تسلی کرنی ہو۔ تو انجیل اوقالیٹ پر جو ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے۔ اس میں بھی
 موجود ہے۔ جا بجا کال اور مری پڑے گی۔

تورات :- حضرت مسیح موعود نے تورات میں بھی طاعون کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے۔
 (کشتی نوح ص ۵۵) چنانچہ اس کے لئے ذکر یا ۱۱۴ دیکھو۔ اور انگریزی بائبل میں تو لفظ پلگ
 And this shall be the plague wherewith the Lord will smite all
 the people. (ذکر یا ۱۱۴)

اور یہ بلیک ہوگی۔ جس سے خدا تعالیٰ تمام ان انسانوں کو جو خدا کے گھر کے خلاف ارمانے
 والے ہوں گے۔ ہلاک کرے گا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام بائبل کا حوالہ درست دیا
 لیکن ذرا لگتے ہوئے "اسمہ احمد" (صفحہ ۷) اور "النبي الامي الذي يبعث دونه"
 "سُكْرُ بَاغِنْدُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانجيل" کے مطابق تورات اور انجیل سے "احمد" کا
 نام اور ایک "امی نبی" کی پیشگوئی نکال دینا۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو۔ کہ انجیل و تورات مجھ سے
 بزرگوں کے حوالہ نہ لے۔ تو یہ مصنف کی غلطی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کی ہوشیاری کا نتیجہ ہے۔ کہ
 وہ ہر دس سال کے بعد انجیل کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ (دیکھو مضمون تحریر بائبل)

۴۷، غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ

سر صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بد دعا کی تھی۔ یہ جھوٹ ہے۔
 اس کے ساتھ کوئی مباہلہ نہ ہوا تھا۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آئتم سنٹ پر جن غلام کو مباہلہ کیلئے قابل
 پر بلایا ہے۔ اور اپنی طرف سے ان کے لئے بد دعا کر دی ہے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر قصوری
 کا بھی نام ہے۔ (انجام آئتم سنٹ) اسکے بالمقابل ان میں سے جو شخص بھی بد دعا کر دیکھا۔ اسکا
 مباہلہ حضرت کیساتھ متحقق ہو جائیگا۔ چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بد دعا کی۔
 اللہ تعالیٰ یا ذوالجلال والاکرام یا مالک الملک جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت
 محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سنی سے اس مہدی کا ذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا
 (جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجا اس فقیر قصوری کی ہے۔ جو سچے دل
 سے تیرے دینی مقیمین کی تائید میں حتیٰ انوس ساعی ہے۔ کہ تو مرزا قادیانی اور اسکے حواریوں کو
 توبہ نصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں۔ تو ان کو مورد اس آیت قرآنی کا بنا۔ فَقَطِّعْ
 عَنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ بِالْاِیَّامِ جَدِيدَتَاكَ وَلَا تَبَايِعْهُ رَفِيعِ دَعَايَ مُؤَلَّفِ غَلَامِ دَسْتِغِيرِ قَسُورِ
 ۲۶۱۶ نیز حقیقۃ الوحی ص ۳۷

۵۵، مولوی اسماعیل علی گڑھی کوئی بدعا نہیں کی تھی

حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی ص ۳۳ حاشیہ پر لکھا ہے "مولوی اسماعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بد دعا کی تھی۔ پھر بعد اس بد دعا کے جلد مر گیا۔ اور اسکی بد دعا اسی پر پڑ گئی۔"

جواب۔ اہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں یہ حوالہ طلب نہ کیا، جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اصل بات کا علم ہے۔ بات یہ تھی کہ علی گڑھی نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ بد دعا تھی۔ ابھی وہ کتاب چھپ ہی رہی تھی کہ علی گڑھی مر گیا۔ مولویوں نے اسکی کتاب میں سے وہ سب بد دعائیں نکال ڈالیں۔ تاکہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر گواہ نہ بن جائے۔ وہ کتاب جو ابھی زیر طباعت تھی۔ مولوی عبد اللہ صاحب سنوری نے دیکھی تھی۔ اور انہوں نے اسکے متعلق شہادت بھی دی تھی۔ کہ اس کتاب کا سرفراش اسلام انمولہ حضرت مسیح موعودؑ کا سائز تھا۔ اگر اس نے کوئی ایسی بد دعا نہ کی تھی۔ تو تم نے حضرت مسیح موعودؑ سے کیوں حوالہ نہ مانگا۔ تمہاری تحریر کی تو یہ حالت ہے۔ کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے ص ۹۹ پر "لَوْ كَلَّمَ مُوَحِّدًا سَمِيًّا" کر دیا۔ تاکہ کسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہو۔ ع کچھ تو لوگو خدا سے شرمادو۔

۵۶، حدیث رسول کے بعد قیامت چاہیگی اسکا حوالہ دو!

جواب۔ یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے۔ اب عن ابی سعید قال لَسَا رَجَعْنَا مِنْ تَبُوتٍ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَأْتِي عَلَى النَّاسِ مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنفُوسَةٌ الْيَوْمَ رَجُمَ صَغِيرٌ طَرَفِي ص ۱۳۱ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی، ابوسعید کہتے ہیں کہ جب ہم جنگ تبوک سے واپس آئے۔ تو ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم پر رسول نہ گذریگا۔ مگر آج زندوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ ہوگا۔ (۱) فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَكُونُ هَذِهِ عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا يَبْقَى مَن

هُوَ ظَهَرَ الْأَرْضِ أَحَدٌ (ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۲۹) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آج کی اس رات سے سو سال نہ گزرے گا کہ روئے زمین پر کوئی باقی نہ ہوگا۔

(۳) اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھا ہے: "إِنَّ الْغَالِبَ عَلَى أَعْمَارِهِمْ أَنَّ لَا تَجَاوِزُ ذَلِكَ الْأَمَدَ الَّذِي أَشَادَ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَكُونُ قِيَامَةُ أَهْلِ ذَلِكَ الْعَصْرِ قَدْ قَامَتْ" (ترمذی ابواب الفتن حاشیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹) کہ ان کی عمروں کے لئے غالب امر یہی تھا کہ وہ اس مدت سے جس کی تعیین آنحضرتؐ صلعم نے کی تھی۔ تجاوز نہ کریں۔ پس زمانہ کے تمام لوگوں پر قیامت آگئی۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے: "مَا مِنْ نَفْسٍ مَنَفُوسَةٍ الْيَوْمَ تَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۱ و مسلم کتاب الفتن) یعنی سو سال نہیں گزرے گا کہ آج کے زندوں میں سے کوئی بھی زندہ جان باقی ہو۔
(۵) مولوی ثناء اللہ اسر سری لکھتا ہے: آنحضرتؐ فداہ امی و ابی نے فوت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ جو جاندار زمین پر ہیں۔ آج سے سو سال تک کوئی بھی زندہ نہ رہے گا۔
(تفسیر ثنائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

(۶) اعتراض :- مرزا صاحب نے "يُخْرِجُنِي أَخِرَ الزَّمَانِ دَجَالٌ يَحْتَلُونَ الدُّنْيَا بِالسِّدِّينِ" کو حدیث قرار دیا ہے۔ اور یہ دجال نہیں بلکہ رجال "راؤ کیساتھ" الجواب :- یہ "رجال" "دال" کے ساتھ ہی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۷ صفحہ مطبوعہ دائرة المعارف نظامیہ حیدرآباد دکن میں "دال" ہی کے ساتھ ہے۔

(۷) قلمی نسخہ میں بھی "دال" ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مولانا مخدوم بیگ صاحب نائب شیخ الحدیث لکھتے ہیں :- "جلد سابع صفحہ ۱۱۱" يَخْرِجُنِي أَخِرَ الزَّمَانِ دَجَالٌ يَحْتَلُونَ الدُّنْيَا بِالسِّدِّينِ الخ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قلمی نسخہ میں رجال بالذال صاف طور پر لکھا ہوا ہے۔ مخدوم بیگ عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ منقول از تجلیات

ربانیہ صفحہ ۹۲

(۸) قرآنی پیشگوئی دربارہ تکفیر مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی مولوی یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے

تحریر فرمایا ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ پیشگوئی ہے۔ کہ جب مسیح موعود آئے گا۔ تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن آیات قرآنی سے استنباط فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ مسیح موعود عہد پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ مضمون نے اپنی تحریرات میں ان آیات کا حوالہ بھی دیا ہے :-

(۱) "قرآن نے بہت سی امثال بیان کر کے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے۔ کہ وضع عالم دوری ہے۔ اور نیکوں اور بدوں کی جماعتیں ہمیشہ بروزی طور پر دنیا میں آتی رہتی ہیں۔ وہ یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دعا۔ غیر المخصوص علیہم سکھایا کہ اشارہ فرما دیا۔ کہ وہ بروزی طور پر اس امت میں بھی آئیں گے ہیں۔ تا بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو جو اس امت میں بروزی طور پر آنے والا ہے۔ ایذا دیں۔" (تزیین القلوب لقطع کلاں ص ۱۵۹ و مطبوعہ ۱۹۲۲ء ص ۳۸۳)

(۲) "وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ نَأْوِيكَ لَهُمُ الْفَاسِقُونَ (نور ۷۶)۔ پس اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کی بھی تکفیر ہوگی۔ کیونکہ وہ خلافت کے آخری نقطہ پر ہے۔" (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۹۹)

(۳) نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۹ و ص ۲۲۶)

(۷۹) وعدہ خلائی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا۔ لوگوں سے روپے لئے۔ کہ تین سو دلائل اسلام کی صداقت کے نکھوں گا۔ مگر سب روپیہ کھا گئے۔ اور دلائل نہ شائع کئے۔ جس سے قومی نقصان ہوا۔ اور وعدہ خلائی بھی۔

الجواب ۱۔ اس اعتراض کے تین حصے ہیں۔ (۱) وعدہ خلائی (۲) روپیہ (۳) قومی نقصان یعنی اگر وہ دلائل شائع ہوتے۔ تو ان سے بہت فائدہ پہنچتا۔ سو وعدہ خلائی کے متعلق یاد رکھنا چاہیے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا ارادہ تو فی الواقع تین سو دلائل براہین احمدیہ

میں لکھنے کا تھا۔ مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے۔ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو مامور فرما دیا۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان کام کی طرف متوجہ کر دیا۔ اس لئے حضور کو مجبوراً براہین احمدیہ کی تالیف کا کام چھوڑنا پڑا۔ اور یہ بات اہل اسلام کے ہاں مسلم ہے۔ کہ حالات کے تبدیل ہونے کے ساتھ وعدہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنت کا وعدہ اور کافر مردوں اور کافر عورتوں کے ساتھ جہنم کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اگر ایک مومن مرتد ہو جائے۔ تو گو پہلے خدا کا اس کے ساتھ وعدہ جنت کا تھا۔ مگر اب وہ دوزخ کے وعدہ کا مستحق ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر ایک ہندو بعد میں مسلمان ہو جائے۔ تو گو اس کے ساتھ پہلے وعدہ جہنم کا تھا۔ مگر اب تبدیلی حالات کی وجہ سے وہ جنت کا مستحق بن جائیگا۔ حضرت مسیح موعود نے تبدیلی حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائٹل پیج کے آخری صفحہ پر فرمایا ہے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ کہ ایک دن حضرت جبرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات آنے کا وعدہ کر گئے۔ مگر حرب وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَقَدْ كُنْتُ وَعَدْتُ نَبِيَّ أَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ قَالَ أَجَلٌ وَلَكِنَّا لَكُنْدُ خَلُ بَيْنَا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا مَسُورَةٌ (مشکوٰۃ باب التساویر ص ۳۸۵) مجتہبائی، کہ آپ توکل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہاں وعدہ تو کر گئے تھے۔ مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہو سکتے۔ جس میں کتا یا تصویر ہو۔

(۳) عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ قَالَتْ الْيَهُودُ لِقَرْنَيْشٍ إِسْأَلُوا عَنْ الرُّوحِ وَعَنْ أَصْحَابِ الْكُهْفِ وَذِي الْقُرْنَيْنِ فَسَلُّوا ۖ فَقَالَ رَيْثُونِي غَدًا أَخْبِرْكُمْ وَلَمْ يَسْتَنْ فَابْطَأَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتَّى شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قَرْنَيْشٌ (تفسیر کمالین برہاشیہ ج ۱ ص ۲۸۱) مجتہبائی، مجاہد سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ یہودیوں نے قریش سے کہا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کل آنا۔ میں تم کو بتاؤں گا۔ اس میں

آنحضرت صلعم نے کوئی استنثار نہ کی۔ بلکہ تشامش بھی نہ فرمایا۔ پس آنحضرت صلعم سے قریباً عشرہ تک وحی رکی رہی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم پر یہ امر شاق گذرا اور آنحضرت صلعم کو قریش نے جھوٹا آدمی قرار دیا۔

دوسرا سوال: ۱۰۔ براہین احمدیہ کا روپیہ: اس کے لئے حضرت مسیح موعود کا یہ اعلان پڑھا۔ ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کر سکیں کو طیار یا ان کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھے مطلع فرمادیں۔ اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا۔ کہ تا چار حصے کتاب کے لیکر روپیہ ان کے حوالے کرے۔ اور میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام ہی کو بھی محض شد بخشنا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا۔ کہ کوئی میرے لئے قیامت کو پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو۔ اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو۔ تو چاہیے۔ کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھ کر کہ اصل وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیج دے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائیگا۔ و تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۲۸ دیکھو اور بعد ۲۸ صفحہ پر حضرت کا عام اشتہار۔ و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۸۹ دیکھو کہ کتاب ایام الصلیحہ (صلی) اس بات کا ثبوت کہ حضرت مسیح موعود نے محض اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے مطابق عملی طور پر روپیہ واپس کیا دشمن سلسلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کا مندرجہ ذیل معاندانہ بیان ہے:۔

”پوری قیمت وصول کر کے۔ اور سو سو آدمیوں کو قیمت واپس دیکر کل کی طرف اپنے آپ کو فارغ البال سمجھا جائے۔ والذکر الحکیم (دکاناد جال) صفحہ آخری سطر) گویا شدید سے شدید دشمن بھی تسلیم کرتا ہے۔ کہ قیمت واپس دی گئی۔ گو وہ اپنے دجالانہ فریب سے حق کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم بات اس کے قلم سے نکل گئی ہے۔

باقی رہا تیسرا سوال کہ تین سو دلائل لکھتے تو اسلام کو فائدہ ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں میں حضرت نے اسلام کی صداقت پر دو قسم کے دلائل

دیئے ہیں۔ (۱) اعلیٰ تعلیمات (۲) زندہ معجزات۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ یہی دونوں ہزاروں دلائل پر حاوی ہیں۔ چنانچہ خود حضرت نے تحریر فرمایا ہے:- ”میں نے پہلے ارادہ کیا تھا۔ کہ اثبات حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلائل برائیں احمدیہ میں لکھوں۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزار ہا نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادے سے پھیر دیا۔ اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت فرمایا۔“ (دیباچہ برائیں احمدیہ حصہ پنجم) نیز حضرت نے اپنی متعدد کتب میں جو ۸۰ سے بھی زیادہ ہیں۔ ان میں صداقت اسلام کے تین سو سے بھی زائد دلائل بیان فرمادیئے ہیں۔ اور اگر غیر احمدی علماء مقابل پر آئیں۔ تو ہم ان کتابوں میں سے وہ دلائل نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

(۸۵) باب :- مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ میں نے برائیں احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں۔ پانچ بھی پچاس ہی کے برابر ہیں۔ صرف ایک نقطہ کا فرق ہے۔ (دیباچہ برائیں احمدیہ حصہ پنجم)

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو پانچ کو پچاس کے برابر قرار دیا ہے۔ تو یہ حساب اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا حساب ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو۔ تو بخاری کی یہ حدیث پڑھو۔ ”فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ“۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد ۱ مصری (۱) کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ”لیجئے یہ پانچ یہ پچاس ہیں“ اور مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث معراج کے یہ الفاظ ہیں: ”قَالَ هَذِهِ خَمْسٌ صَلَوَاتٍ كُلُّ وَاحِدٍ عَشْرٌ فَهَذِهِ خَمْسُونَ صَلَوَاتٍ“۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر ایک دس کے برابر ہے۔ پس یہ پچاس نمازیں ہو گئیں فلا اعتراض۔

(۸۶) انبیاء گزشتہ کے کشوف

مرزا صاحب نے اربعین میں لکھا ہے کہ ”اسلام کے موجودہ ضعف اور دشمنوں

کے متواتر حملوں نے اسکی گواہی دی۔ اور انبیاء گزشتہ کے کشف منہ اس بات پر قطعی
مہر لگا دی۔ کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا۔ کسی نبی کے کشف کا حوالہ دو۔
جواب ۱۔ دراصل حضرت مسیح موعودؑ نے ”انبیاء گزشتہ“ کا لفظ نہیں لکھا۔ بلکہ
”اولیاء گزشتہ“ لکھا ہے۔ چنانچہ اربعین ۲ کے پہلے دونوں ایڈیشنوں میں ”اولیاء“
ہی کا لفظ ہے۔ مگر نئے ایڈیشن میں جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد شائع ہوا
ہے۔ کاتب کی غلطی سے ”انبیاء“ کا لفظ لکھا گیا ہے۔ دیکھو اربعین ۲۱ و ۲۲ مجموعہ
ص ۲۱ و ۲۲ علیحدہ ص ۲۳

۱۸۲) مبارک احمد کی وفات

مرزا مبارک احمد کی وفات پر مرزا صاحب نے لکھا تھا۔ کہ اسکی وفات کے متعلق میں
پہلے سے مشکوک کر چکا تھا۔ کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائیگا۔ یہ جھوٹ ہے (نفوذ باللہ)
جواب ۱۔ حضرت کا اپنا بیان یہ ہے ۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی سید الش کے ساتھ ہی
موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب میں لکھا ہے ”إِنِّي أَسْقُطُ مِنَ اللَّهِ وَ
أُصِيبُ“ مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے۔ اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا (الحکم ۱۸ ستمبر
۱۹۰۶ ص ۵) ۲۔ تریاق القلوب ص ۱ پر ہے ”إِنِّي أَسْقُطُ مِنَ اللَّهِ وَ أُصِيبُ“
کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ اور اسی کی طرف چلا جاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ (۱) چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا۔ یا
یہ کہ رجوع بحق ہوگا۔

(۲) ۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء دیکھو! کہ ہمارے باغ رہیشتی مقبرہ۔ خادیم) میں کچھ لوگ ایک جڑ
لگا رہے ہیں۔ ساتھ ہی الہام ہوا ”مبارک“ (الحکم ۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء)

(۳) خواب میں دیکھا۔ کہ میں ایک عورت کو تین روپے دے رہا ہوں۔ اور اس سے کہتا ہوں۔
کہ کفن کے لئے میں آپ دونوں گا۔ گویا کوئی مر گیا ہے۔ اسکی تجہیز و تکفین کے لئے تیاری ہے
(الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۰۶ء ص ۳) حضرت میاں مبارک احمد صاحب ۱۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو فوت ہوئے۔

(۱۴) میں نے خواب میں دیکھا کہ گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے۔ اور میں معلوم ہوا کہ اس میں ایک سانپ ہے۔ اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکل کر کسی طرف بھاگ گیا ہے۔ اس خیال کے بعد مبارک حمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا۔ اس کے قدم رکھنے کے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے۔ اور سانپ نے حرکت کی (الحکم ۲۷ فروردی ۱۹۰۷ء)
 (۱۵) ”اَنْتَ خَيْرُ رَسُوْلٍ اَللّٰهِ وَاَقْبَمُ“ کہ اللہ نے جو خبر بتلائی تھی۔ وہ واقع ہوئی والی ہے فرمایا۔ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے (الحکم ۲۷ اگست ۱۹۰۷ء)

(۸۱) كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيًّا

- (۱) مرزا صاحب نے چشمہ معرفت میں حدیث لکھی ہے کہ ”كَانَ فِي الْهِنْدِ نَبِيًّا اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُهُ كَاهِنًا“ اس کا حوالہ دو۔
- (ب) مرزا صاحب نے ایسے شخص کو نبی کہا ہے جس کا قرآن میں نام نہیں۔
- الجواب ۱۔ (۱) یہ حدیث تاریخ ہمدان دینی باب الکاف میں ہے۔
- (ب) قرآن مجید میں ہے: (۱) ”وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا رَّحْلًا“ (پ ۵ رکوع ۵ پ ۱۴) کہ ہم نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔ (۲) ”وَإِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ“ (فاطر پ ۳۲ رکوع ۳۲) ”وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“ (رعد رکوع ۲۶ پ ۱۳) پس ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن مجید کے قبل بھی ہندوستان میں کوئی نبی ہو چکا ہے۔
- (ج) باقی رہا ان کو نبی قرار دینا جن کا نام قرآن میں بطور نبی نہیں لکھا ہوا۔ تو آپ ہی کے علماء نے مندرجہ ذیل بزرگوں کو نبی کیسے قرار دیا ہے:-
- (۱) ذوالقرنین نبی تھا۔ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۷۵۲) حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا۔
- کہ ذوالقرنین نبی تھا۔ (۲) خضر (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۷۳۷) حالانکہ قرآن مجید میں خضر کا نام تک نہیں۔ (۳) لقمان (ابن جریر جلد ۲ ص ۷۷ مصری) (۴) فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ والی آیت سورۃ یس کے متعلق مفسرین نے (خصوصاً حضرت ابن عباسؓ نے) (۱) یونسؑ (۲) یونسؑ (۳) شمعونؑ کو ”ہُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ“ کہا ہے۔ (روح المعانی جلد ۷ ص ۲۰۲)

(۷۹) خالد بن سنان بنی تھا۔ زجل لابی بقار جلد ۱ صفحہ ۴۹۹ و تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ نیز مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی کرشن کو بنی مانا ہے۔ (دھرم پرچار صفحہ ۷ و مباحثہ شاہجہاں پور صفحہ ۳)

(۸۲) گر ایل مشیت خاک رانہ بخشم چہ کنم

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلیم کو فارسی زبان میں مندرجہ بالا الہام ہوا۔ اسکا حوالہ دو جواب :- یہ حدیث کتاب کوثر النبی باب الفار میں ہے۔

باقی ربما بنی کو غیر زبانوں میں الہام ہونا تو اسکا جواب بالتفصیل الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گذر چکا ہے۔

(۸۳) طاعون کے وقت شہر سے باہر نکلنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ حدیث میں ہے کہ جس شہر میں وبا ہو۔ اس شہر کے لوگ بلا توقف شہر سے باہر نکل جائیں۔ (ردیو جلد ۶ صفحہ ۳۶۵) حوالہ دو!

جواب :- اولاً "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هَذَا لَطَّاعُونٌ رَجِسٌ فَتَفَسَّ قُورَاعُنُهُ فِي الشَّعَابِ" اے لوگو! یہ طاعون نہایت خبیث چیز ہے۔ پس تم گھائیوں اور سید انوں میں پھیل جاؤ۔ (قول عمرو بن عبسہ) (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۲)

دب) قرآن مجید میں ہے :- "وَإِخْيَيْنَا بِهِ بَلَدًا فَمَيِّتًا" (رق ۱۶) پس شہر یا گاؤں کی ملحقہ زمینیں شہر ہی میں شامل ہیں۔ آنحضرت نے جو منع فرمایا ہے۔ وہ شہر سے باہر نکلنے کا ہے۔

(۸۴) تورات کے چار سو بی

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ چار سو نبیوں کو شیطان الہام ہوا تھا۔ تورات میں

ہرگز یہ نہیں لکھا۔ بلکہ دیاں تو یہ لکھا ہے۔ کہ وہ اجل بیت کے پجاری تھے (۱- سلاطین باب ۱۶)

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن چار سو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ جھوٹے نبی

نہیں تھے۔ اور نہ وہ بعل بت کے پجاری تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تورات کا حوالہ دیا ہے:۔ ”مجموعہ تورات میں سے سلاطین اول باب بائیس آیت انیس میں لکھا ہے۔ کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اسکی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے ہوئے۔ اور بادشاہ کو شکست ہوئی۔“ (ازالہ ابہام طبع سوم صفحہ ۲۵) اور جو جھوٹے نبی بعل بت کے پجاری تھے۔ ان کا ذکر باب ۲۲ میں نہیں ہے۔ بلکہ باب ۱۶ میں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود نے حوالہ باب ۲۲ کا دیا ہے نہ کہ ۱۶ کا۔

(۲) حضرت نے فرمایا ہے:۔ بائیل میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطان الہام ہوا تھا۔۔۔۔۔ اور ایک پیغمبر جس کو جبرائیل سے الہام ہوا تھا۔۔۔۔۔ سو یہ خبر سچی نکلی۔ اور ان چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔“ (ضرورت الامام صفحہ ۱۸۹) اور یہ سب کچھ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہوا موجود ہے:۔ ”اور یہو سفط نے شاہ اسرائیل سے کہا۔ آج کے دن خداوند کی مرضی دن کہ بعل کی مرضی۔ خادم الہام سے دریافت کیجئے تب شاہ اسرائیل نے اس روز نبیوں کو جو قریب چار سو آدمیوں کے تھے۔ اکٹھا کیا۔ اور ان سے پوچھا۔۔۔۔۔ پھر یہو سفط بولا۔ ان کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے؟ اس کے بعد لکھا ہے۔ کہ میکایاہ نبی کو بلا یا گیا۔ (خادم) اس (میکاہ) نے جواب میں کہا۔۔۔۔۔ دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے۔ اور خداوند ہی نے تیری بابت (مجھکو) بری خبر دی ہے۔“ (۱۔ سلاطین باب ۲۲)

غرضیکہ باب ۲۲ واسے نبی بعل واسے نبی نہیں ہیں۔ ان کا ذکر الگ طور پر درج ہے۔ حضرت مسیح موعود نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور ان کی تعداد چار سو نہیں۔ بلکہ چار سو پچاس تھی۔ (۱۔ سلاطین ۱۸/۲۳) پس حضرت نے ان کا حوالہ نہیں دیا۔

(۸۵) بکرے کا دودھ

سرد چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مظفر گڑھ میں ایک بکرے نے ۲۱ سیر دودھ دیا۔

جواب ۱۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں: "فَبُعِثَ بِهِ إِلَى الْخَلِيفَةِ الْمُقْتَدِرِ
وَأَهْدِي مَعَهُ تَبَسَّاهُ ضَرْعٌ يَحْلُبُ لَبَنًا حَكَاكَ الْعَصَوِي وَابْنُ كَثِيرٍ"
ترجمہ اکرامہ ص ۲۵۹ کہ ایک بچے قد کا آدمی خلیفہ مقتدر باللہ کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی
ایک بکر بھی ہدیہ بھیجا گیا۔ اس بکرے کے تھن تھے۔ اور وہ دودھ دیتا۔ اس واقعہ کو صولوی اور
حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

(ب) صولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا۔
اس میں ایسے بھی بہت سے جانور تھے۔ جن کی خلقت غیر معمولی خلقت تھی۔ ان میں ایک بکر تھا
جو قدر ایک پیالہ کے دودھ دیتا تھا۔" مقالات شبلی ص ۶ نیز توڑک جہانگیری ص ۷
نوٹ ۱۔ حال ہی میں جماعت احمدیہ آنسہ ضلع شیخوپورہ نے خاص طور پر ایک دودھ دینے والا
بکر خرید لیا ہے۔ اور صولوی صاحبان کو "الفضل" کے ذریعہ اشتہار دیا گیا ہے۔ کہ وہ اس بکرے
کو دیکھ کر تسلی کر لیں۔ اور اب تک کہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۷ء ہے۔ وہ بکر زندہ موجود ہے۔ خادم
نوٹ ۲۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم وفات مسیح کے اس سچے قائل نہیں۔ کہ گویا ہمارے نزدیک
خدا کسی کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں۔ بلکہ اس سچے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ
عیسیٰ ع فت ہو چکے ہیں۔ اور یہ کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جاسکتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ جھوٹ نہیں بول
سکتا۔ اور نہ وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ نیز اگرچہ اللہ
عزوجل شئیء قدیر کا وہ مفہوم درست ہو۔ جو تم لوگ لیتے ہو۔ تو ذرا یہ تو بتا دو۔ کہ کیا خدا
اگر ہے۔ تو اپنے جیسا ایک خدا بنا سکتا ہے؟ یہ یاد رکھنا کہ خدا غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اور جو پیدا
ہوگا۔ وہ ہر حال مخلوق ہوگا۔

عورت مرد ہو گئی (۸۶)

سرمہ چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرد نے اپنے بچہ کو اپنا دودھ پلایا۔
الجواب ۱۔ ترجمہ اکرامہ میں لکھا ہے۔ "وَفِي سَلْسَلَةٍ أَحْفَرُوا إِلَى الْأَشْمُونِ
إِلَى الْأَمِيرِ مِنْجَنَتْ بِنْتًا عُمَرُهَا خَمْسُ عَشْرَ سَنَةً فَذَكَرَ أَنَّهَا لَمْ تَزَلْ

بُنَا إِلَى هَذِهِ الْغَايَةِ فَاسْتَدَّ الْفَرْجَ وَظَهَرَ لَهَا ذِكْرُهَا وَاسْتَبْرَأَتْ
 فَشَهِدَتْ بِهَا وَاسْمُهَا مُحَمَّدٌ وَبِهَذِهِ الْقَضِيَّةِ نَظِيرُ ذِكْرُهَا
 ابْنُ كَثِيرٍ فِي تَارِيخِهِ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَقَعَ فِي عَصْرِ نَا نَظِيرُ
 ذَلِكَ فِي سَلْبِ ۸۲۲ (جج الکرامہ ص ۲۶۳ سطر ۱) کہ ۶۷۱ھ میں دانی اشمونی نے
 امیر منجک کے پاس ایک لڑکی پیش کی۔ جس کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ اور اس نے ذکر کیا۔ کہ وہ اب تک
 تورہ کی رہی۔ پھر بعد میں اسکی بصر گماہ مفقود ہو گئی۔ اور مردانہ آثار ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ محتمل
 ہوئی۔ اور انہوں نے ان امور کا مشاہدہ کیا۔ اور اس کا نام انہوں نے محمد رکھا۔ اور اس
 واقعہ کی نظیر ہے۔ جس کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے
 کہا ہے۔ کہ ہمارے زمانہ میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ ۸۲۲ھ میں ہوا ہے۔

وَبَاب ۸۷ (۱) مَرْأَاةٌ تَلْوِيْنَ كَوَالِيَا دِي هِي۔ مَثَلًا لِّبَدَاةِ فِرْقَةِ مَوْلِيَا دِي (۱) بِنَامِ الْقَم
 الْجَوَاب: حضرت صاحب نے کسی مولوی کو کوئی گالی نہیں دی۔ بلکہ آپ نے تو آنحضرت صلیم
 کی حدیث کا بڑا نرم سا ترجمہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے: ۱. عَلِمْنَا هُمْ شَرٌّ مِّنْ تَحْتِ
 اَدِيمِ السَّمَاءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم مطبع اٹھدی ص ۳۸) کہ وہ علماء آسمان کے نیچے
 بدترین مخلوق ہوں گے۔ گویا اگر آسمان کے نیچے بد ذات بھی رہتے ہیں۔ تو فرمایا: شَرٌّ هُمْ
 یعنی ان سے بھی وہ بد تر ہوں گے۔ پس حضرت نے تو نرم الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ورنہ
 آنحضرت صلیم نے تو تفصیل کل کا صیغہ بولا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمادیا ہی
 "لَيْسَ كَلَامُنَا هَذَا فِيْ اَخْيَارِهِمْ بَلْ فِيْ اَشْرَارِهِمْ" (الہدی ص ۶۸) کہ ہم
 نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ صرف شریر علماء کی نسبت لکھا ہے۔ ورنہ غیر احمادیوں میں سے جو علماء
 شریر نہیں۔ ہم نے ان کی نسبت یہ نہیں کہا۔

(۲) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَتَاكِ عُلَمَاءِ الْقَتَالِ حَيْثُ وَقَعَ الشَّرْقَاءُ
 الْمُسْهَرَبِيْنَ سَوَاءٌ كَانُوْا مِنْ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَسِيْحِيَّ حَيْثُ رَدَّ
 الْاَرِيَّةُ (دبجۃ النور ص ۶) ہم نیک علماء کی ہتک اور شرفار کی توہین سے خدا کی
 پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔

علماء کی حالت اور (۱) نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں: اب غیر احمدی گواہیاں اسلام کا صرف نام قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔۔۔۔۔ علماء اس امت کے بدتران کے ہیں جو نیچے زمین کے ہیں انہیں سے نفع نہ نکلتے ہیں انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں (اقترب الساعة ص ۱۲)

(۲) اگر مٹو نہ ہو د خواہی کہ بینی علماء سود کہ طالب دنیا باشند (الفوز الکبیر ص ۱۲)
(۳) آج کل کے تھڑے کلاس مولوی جو ذرہ ذرہ بات پر عدم جواز اقتدار کا فتویٰ دیتا کرتے ہیں۔ سوان کی بابت بہت عرصہ ہوا فیصد ہو چکا ہے۔
هَلْ أَفْسَدَ النَّاسَ إِلَّا الْمَكُونُ وَعِلْمَاءُ سُوءٍ دُرُهَا
(المجدیشہ ۱۹۱۲ء) شعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا بادشاہوں علماء سوء اور رہبانوں کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے؟

(۴) افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی رہبر و رشتہ الانبیاء سمجھتے ہیں ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیے (المجدیشہ ۱۹۱۱ء)

(۵) مولوی اب طالب جیفہ دنیا ہو گئے پند و ارشادِ علم پیغمبر کا پتہ لگتا نہیں (المجدیشہ ۱۹۱۲ء)
گالی اور سخت کلامی گالی اور ہے اور اظہارِ واقعہ اور چیز۔ اگر کوئی شخص جو خود اندھا میں فسر ہو۔ اور دوسرے کو کاناکے۔ تو دوسرے آدمی کا حق ہے کہ اسے کہے کہ میں تو کاناکا نہیں۔ چونکہ تم خود اندھے ہو۔ تمہیں میری آنکھ نظر نہیں آتی۔ اب یہ اظہار واقعہ ہے۔ مگر گالی نہیں۔ خود قرآن مجید نے اپنے منکروں کو "شَرُّ الْبَرِّیَّةِ" بدترین مخلوق "کالا نعام" (چوپالیوں کی طرح) قرار دیا ہے۔ بلکہ زینیم (حرام زادہ) بھی قرار دیا ہے۔
نوٹ: ۱۔ زینیم کے معنی ہیں حرام زادہ دیکھو تفسیر کبیر زیر آیت لَا تَطْعَمُ مِلَّ خِلَافٍ مَحِلِّیْنَ
نیز لعنت کے معنی ہیں۔ دَعِی الْقَوْمَ لَیْسَ مِنْهُمْ" اکیا شخص جس کا باپ کسی دوسرے قبیلے کا ہو۔ مگر کسی دوسرے قبیلے اور قوم کے آدمی کی طرف منسوب ہوتا ہو۔

(۶) بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کا سفیر عروہ بن مسعود آنحضرت مسلم

گفتگو کر رہا تھا۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ جو پاس ہی گفتگو میں رہے تھے۔ غصہ میں آگئے۔ فقال لہ
 اَبُو بَكْرٍ الْقَدِیْتُ اَمَصْعَقَ بِبَطْرِ اللَّائِیْتِ (بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی
 الجہاد جلد ۳ ص ۵۷ مصری و زاد المعاد جلد ۱ ص ۳۷) اس کا ترجمہ تجرید بخاری مترجم اردو
 شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے: "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
 (یہ سن کر) عروہ سے کہا۔ کہ لات کی شرمگاہ چوکس۔ یہ عرب میں نہایت محنت گالی سمجھی جاتی تھی۔
 (جلد ۲ ص ۳۱) یاد رکھنا چاہیے۔ کہ وہ شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ بلکہ آنحضرت
 سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گالی نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا۔
 کہ اے محمد! یہ مسلمان اگر ذرا سی بھی تیز لڑائی ہوئی۔ تو آپ کو تنہا چھوڑ کر جاگ جائیں گے۔ اس
 پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اَمَصْعَقَ بِبَطْرِ اللَّائِیْتِ کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر
 کے فقرو کو بھی سن رہے تھے۔ مگر آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو منع نہیں فرمایا۔

(۳) گو مندرجہ بالا حدیث حدیث تقریر کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور حدیث درج
 کی جاتی ہے۔

عَنْ أَبِي كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 يَقُولُ مَنْ تَعَزَّى بِعِزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَعِضُوهُ بِهِنَّ أَبِیْہِ
 وَلَا تَكْنُوْا (مشکوٰۃ کتاب الآداب باب المغافرة والعصیہ ص ۳۵ مطبع انصاری دہلی)
 اس حدیث کا اردو ترجمہ المتقطعات شرح مشکوٰۃ سے درج کیا جاتا ہے۔ "اور
 روایت ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہ کہا۔ سنائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے۔ جو
 کوئی کہ نسبت کرے ساتھ نسبت جاہلیت کے پس کٹواؤ اسکو ستر باپ اس کے کا اور کنایہ
 نہ کرو۔ اس ترجمہ پر حاشیہ میں لکھا ہے: "پس کٹواؤ اسکو ستر باپ اس کے کا اور
 کنایہ نہ کرو۔ بیخیوں کہو۔ کہ اپنے باپ کا ستر کاٹ کر اپنے منہ میں لے لے۔ اس حدیث
 میں نہایت تشدید ہے حق الزاب پر۔ اور حقیقت میں اپنی قوم کی بڑائی کرنا عبث ہے۔
 وَالْمَشْكُوَّةُ بِالْمُتَّقَاتِ جلد ۳ ص ۲۷ مطبوعہ مطبع احمدی (۱۳۲۱ھ)
 (۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الْعَفْوَ اخذ"

الشَّيْءُ بِالْأَسْنَانِ - بِهَنْ أَبْيَهُ بِفَتْحِ الْهَاءِ وَتَخْفِيفِ النُّونِ
 كِنَايَةً عَنِ الْفَرْجِ أَيْ قَوْلُكَ إِنَّهُ "أَعْضُضُ بِذِكْرِ أَبِيكَ" وَآيَةٌ
 أَوْ فَهْجٌ "وَلَا تَكُنُوا ابْدِ كُرَّ الْهَنْ مِنْ الْإِيْرَبْلِ صَرِّحُوا لَهُ"
 ومرتقا وبراہات مشکوۃ ص ۳۵۶ مطبع الصاری کہ "عَضُضُ" کے معنی میں کسی چیز
 کا دانتوں سے پکوانا۔۔۔۔۔ الخ۔ غیر احمدی علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کو جو گالیاں
 دیں۔ ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عبدالحکیم مرتد نے اپنے
 رسالہ "اعلان الحق" ص ۳ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کو "حرامزادہ" لکھا
 ہے۔ ولعنتم اللہ علی من قال مثل ذلک۔ خادم، نیز محمد علی بو پڑی نے اپنے
 رسالہ "صوت ربانی بر سر دجال قادیانی" میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔

(۸۸) ذَرِيَّةُ الْبَغَايَا (آئینہ کمالات)

حضرت مسیح موعودؑ نے قطعاً غیر احمدیوں کو "ذَرِيَّةُ الْبَغَايَا" نہیں کہا۔ بوجہات ذیل:
 جواب ۱۔ (۱) آئینہ کمالات کی اشاعت تک تو حضرت غیر احمدیوں کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔
 چہ جائیکہ "ذَرِيَّةُ الْبَغَايَا" آپ کی طرف سے فتویٰ حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا ہے
 (۲) اس موقع پر حضورؑ نے اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ "قَدْ حَبَّبَ
 إِلَيَّ مِنْذُ دَلَوْتُ الْعِشْرِينَ أَنْ أَنْصُرَ الْمَدِينِ وَأُجَادِلَ الْبَرَاهِمَةَ
 وَالْقَسِيِّينَ" کہ جب میں بیس سال ہوا۔ تبھی سے میری یہ خواہش رہی کہ میں
 آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ میں نے براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ
 اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں۔ جو اسلام کی تائید میں ہیں۔ کل مسئلہ
 (یعنی ہر مسلمان) ان کتابوں کو بنظر استحسان دیکھتا اور ان کے معارف سے مستفید
 ہوتا اور میری دعوت اسلام کی تائید کرتا ہے۔ مگر ذَرِيَّةُ الْبَغَايَا جن کے دلوں پر خدا نے
 مہر کر دی ہے۔ وہ ان کے مخالف ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کے جواب
 میں لیکر ام آریہ نے خط احمدیہ اور "تکذیب براہین احمدیہ" شائع کیں۔ غیر احمدیوں

نے ان کی تائید کی۔ چنانچہ محمد حسین ثالوی نے براہین پر ریویو لکھا۔ مسلم بک ڈپو لاہور نے سیرۂ چشم آریہ کو اپنے فرح پر شائع کرایا۔

۳، "تاج العروس" میں ہے: "الْبَغْيُ الْأَمَّةُ فَاجِرَةٌ كَانَتْ أَوْ غَيْرَ فَاجِرَةٍ" کہ "بغی" کے معنی لونڈی کے ہیں۔ خواہ وہ بدکار نہ ہو۔ تب بھی یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔
 الْبَغِيَّةُ فِي الْوَلَدِ نَقِيضُ الرِّشْدِ وَيُقَالُ هُوَ ابْنُ بَغِيَّةٍ (تاج العروس)
 کہ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ابنِ بغیہ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ ہدایت سے دور ہے۔ کیونکہ لفظ "بغیہ" "رشد" یعنی صلاحیت کا مخالف ہے۔ گویا ذریۃ البغایا "کا ترجمہ ہوگا ہدایت سے دور"۔

۴، حضرت مسیح موعودؑ نے خود "ابن بغا" کا ترجمہ "سرکش انسان" کیا ہے۔
 "سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا کہ میں نے اپنے قصیدہ انجام آتھم میں اس کے متعلق لکھا تھا۔" ۵

أَذِيتَنِي خُبْرًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ

إِنْ كُمْ تَمَّتْ بِالْخُرْجِي يَابْنَ بَغَاءٍ

یعنی خباثت سے تو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہو۔
 تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہروں گا۔ اے سرکش انسان۔ (الحکم جلد ۱۱ ص ۷۷)
 بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۴ء (ص ۱۳) معلوم ہوا کہ "ابن بغا" کا ترجمہ "سرکش انسان" ہے۔ نہ کہ کنجری کا بیٹا۔ اور اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا۔ جو بعض غیر احمدی انجام آتھم کے عربی قصیدہ کے فارسی ترجمہ سے "اے نسل بدکاراں" کے الفاظ پیش کر کے کرتے ہیں۔ کیونکہ انجام آتھم کی عربی عبارت کے نیچے جو ترجمہ ہے۔ وہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ مگر ہمارا پیش کردہ ترجمہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیان فرمودہ ہے جو بہر حال مقدم ہے۔

۵، حضرت امام البغیغہ رحمہ فرماتے ہیں کہ "مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزَّكَاءِ فَهُوَ وَلَدُ الزَّكَاءِ" کتاب الوصیۃ ص ۳ مطبوعہ حیدرآباد، کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے۔ وہ حرام زادہ ہے۔

۱۸۹) حضرت کی ذات پر اعتراضات

ابن سریم کس طرح ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام تو چراغ بی بی تھا؟
جواب :- ”اِطْلَاقُ اسْمِ الشَّيْءِ عَلَى مَا يُشَابِهُهُ فِي الْكَثْرَةِ خَوَاصُّهُ جَائِزٌ“
تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۸۹، کہ ایک چیز کا نام دوسری چیز کو بھی جو اکثر خواص
میں اس سے ملتی ہو۔ دیا جانا جائز ہے۔

(۲) اسم علم بھی بطور مجاز دوسرے کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بلاغت کی کتاب تلخیص
میں لکھا ہے :- ”وَلَا تَكُونُ عَلَمًا إِلَّا إِذَا تَضَعْنَهُ نَوْمًا وَصَفِيَّةٌ كَعَاقِمٌ وَفَتْحٌ
کہ علم استعارۃ استعمال نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب کوئی صفت پائی جائے۔ تو تب اسم علم بھی
استعمال ہو سکتا ہے۔

۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ”مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ عَيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ فِي زَهْدِهِ
فَلْيَنْظُرْ أَبَا الدَّرْدَاءِ“ (منصب خلافت مصنفہ سید اسماعیل شہید ص ۳) کہ تم میں سے
جو عیسیٰ بن مریم کو زہد میں دیکھنا چاہے۔ وہ حضرت ابو الدرداء کو دیکھے۔

۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ”یوسف والیاں“ قرار دیا ہے۔ بخاری میں
ہے :- ”إِنْ كُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ“ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اصل العلم
جلد ۱ ص ۱۲۷) اس کا ترجمہ بخاری مترجم اردو میں یہ لکھا ہے :- ”چنانچہ
حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ٹھیکہ دے ابے شک یقیناً تم لوگ یوسف
کی ہم نشین عورتیں ہو“ (جلد ۱ ص ۹)

نوٹ :- یاد رکھنا چاہیے کہ ”صواحب“ جمع ہے۔ ”صاحِبَةُ“ کی جس کے معنی
ہیں ”بیوی“ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :- ”أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ
صَاحِبَةً“ (انعام ۱۳۴) کہ خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ اسکی بیوی کوئی نہیں
ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کو ”صواحبِ یوسف“ قرار دینے کے
کیا معنی ہوئے؟ خدا دم۔

(۵) حضرت خواجہ میر درد دہلوی فرماتے ہیں: "اللہ اللہ!! ہر انسان بقدرت کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰ وقت خویش است و ہر دم اور ہر اس کے خود معاملہ نفس عیسوی در پیش است" (رسالہ درو مطبع شایعہانی بھوپال ص ۲۱)

(۶) شیخ معین الدین اجمیری رحمہ

د مہدم روح القدس اندر معینے میدد من نمیگوئم مگر من عیسے ثانی شدم
(۷) باقی تفصیلات حیف۔ حل وغیرہ کے متعلق اعتراضات کا جواب الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گذر چکا ہے۔

(۹۰) کسر صلیب

مسیح موعود تو آکر کسر صلیب کرنی تھی؟

جواب: علامہ بدر الدین رحمہ شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے: "فَتَحَنَّنِي هُنَا مَعْنَى مِنَ الْفَيْضِ الْإِلَهِيِّ وَهُوَ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ كَسْرِ الصَّلِيبِ اِظْهَارُ كَذِبِ النَّصَارَةِ" دینی شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۱۵ مصری کہ مجھ کو اس مقام پر فیض الہی سے الہامایہ بتایا گیا ہے کہ کسر صلیب سے مراد نصاریٰ کے جھوٹے ہونے کا اظہار ہے۔

رب، حضرت ملا علی قاری رحمہ نے بھی "يَكْسِرُ الصَّلِيبَ" کے معنی کئے ہیں۔ "أَيُّ يَبْطِلُ النَّصْرَانِيَّةَ" (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) یعنی وہ نصرا نیت کو باطل ثابت کرے گا۔
رح، علامہ نووی نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ (دیکھو نووی شرح مسلم مجتہبی ص ۱۷)
باقی رایہ کہنا کہ مرزا صاحب نے عیسائیت کو تباہ کیوں نہیں کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔
"كِبَاءُ الْحَقِّ وَذَهْقُ الْبَاطِلِ" کے مطابق جس طرح قرآن مجید (حق) کے آنے سے باطل (کفر) دنیا سے بھاگ گیا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے عیسائیت بھی تباہ ہو گئی ہے۔ "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ" قرآن مجید میں ہے۔ کہ ہلاک وہ ہوا۔ جو دلائل سے مغلوب ہو گیا۔

(۹۱) صاحب شریعت ہونا

بنی کے لئے تو صاحب شریعت ہونا ضروری ہے۔ مگر مرزا صاحب صاحب شریعت نہ تھے۔
 جواب :- صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں (۱)، اَنَّ الرَّسُولَ لَا يَجِبُ اَنْ يَكُونَ
 صَاحِبَ شَرْعِيَّةٍ جَدِيدَةٍ (مُسْتَقِلَّةٍ) فَإِنَّ أَوْلَادَ إِبْرَاهِيمَ كَانُوا
 عَلَى شَرْعِيَّتِهِ (روح المعانی جلد ۵ ص ۱۸۶) کہ رسول کیلئے ضروری نہیں کہ وہ
 نئی شریعت لایں والا ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو بنی ہوئے۔ وہ سب ابراہیم
 کی شریعت پر تھے۔

(۲) اُولَئِكَ الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ كِتَابَ الْفُرْقَانِ
 ”الْمُرَادُ بِآيَاتِهِ التَّفْرِيمِ الشَّامِّ لِمَا فِيهِ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالْمَقَالِ
 مِنَ الْأَحْاطَةِ بِالْجَلَائِلِ وَالِدَقَائِقِ أَعْمَدٍ مِنْ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ
 بِالْأَنْزَالِ ابْتِدَاءً..... فَإِنَّ مِمَّنْ ذَكَرَ مَنْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ كِتَابٌ
 مُعَيَّنٌ“ (روح المعانی جلد ۲ ص ۵۲) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو
 پوری پوری تفہیم عطا کرے گا۔ ان حقائق اور دقائق کی جو اس کتاب میں ہیں۔ عام اس
 کہ ان کو کوئی خاص کتاب دی جائے۔ کیونکہ وہ انبیاء جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان میں سے
 کئی ایسے ہیں جن پر کوئی کتاب معین نازل نہیں ہوئی۔ ”دینزدیکھو تذکرۃ الاولیاء ذکر
 حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ (۱۵۷)“

قرآن مجید :- قرآن مجید میں بھی ہے۔ اِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ
 نُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا (مائدہ ۴۷) کہ ہم نے تورا
 نازل کی۔ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اور انبیاء جو تورات کو مانتے تھے۔ اسی سے فیصلہ
 کیا کرتے تھے۔

(۹۲) کفر کا فتویٰ

مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا۔

جواب :- ضرور تھا۔ کہ ایسا ہی ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ يَحْسُرُونَ عَلَى الْعِبَادِ

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤْنَ (یس ۴)
 (۲) وَإِذَا خَرَجَ هَذَا إِلَيْنَا مِمَّا مَهْدِي فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ قَبْلِي إِلَّا
 الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَإِنَّهُ لَا يَبْقَى لَهُمْ رِيَاسَةٌ وَلَا تَمِيزٌ مِنَ الْعَامَّةِ
 (فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۳۷۳) کہ جب امام مہدی آئیں گے۔ تو اس کے سب سے زیادہ
 شدید دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہا رہوں گے۔ کیونکہ اگر مہدی کو مان لیں۔
 تو ان کی عوام پر حکومت اور ان پر امتیاز باقی نہیں رہے گا۔

(۳) ”علماء وقت کہ جو کہ تقلید فقہاء و اقتدائے مشائخ و ابا و خود باشند گوئند کہ میں
 شخص خانہ برانداز دین و ملت ماست و بمخالفت بر خیزند و حسب عادت خود حکم
 بتکفیر و تفصیل دے کنند“ (حجج الکرامہ ص ۳۶۳)

(۴) حدیث ”عَلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ السَّمَاءِ“ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے
 نیز آنحضرت کا فرمانا کہ امام مہدی کو میرا سلام کہنا بھی بتاتا ہے۔ کہ آنحضرت کو معلوم
 تھا۔ کہ ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے۔ جو مہدی پر لعنت بھیجیں گے۔ اور اس کے تریاق
 کے طور پر آنحضرت صلعم نے اسے اپنا سلام بھیجا ہے۔ (دیکھو تحفہ کوثر طویہ ص ۳۷۴ حاشیہ)
 (۵) امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ کہ جب مسیح موعود آئے گا۔ تو علماء و فہم مجتہدات
 اور اعلیٰ نبیاء علیہ السلام از کمال وقت و غموض ماخذ انکار نمازند و مخالف کتاب و سنت
 دانند“ (مکتوبات جلد ۲ ص ۱۷۱ مکتوب ۵۵)

(۶) ”یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہوگا۔ اگر وہ آگے۔ تو سارے مقلد بھائی ان کے جانی
 دشمن بن جائیں گے۔ اور ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے۔ کہیں گے۔ کہ یہ شخص تو ہمارے
 دین کو بگاڑتا ہے۔“ (اقرب الساعة ص ۲۲)

(۹۳) جائے نزول

مسیح نے تو مینارہ و مشقی پر نازل ہونا تھا؟

الجواب:- اس حدیث پر علامہ سندھی نے یہ حاشیہ لکھا ہے:- وَقَدْ وَرَدَ فِي

بَعْضِ الْأَحَادِيثِ أَنَّ عِيسَى يُنْزَلُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ وَفِي رَوَايَةٍ
بِالْأَرْدَنِ وَفِي رَوَايَةٍ بِعَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَا شِئَ
ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ مصری) کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
بیت المقدس میں نازل ہوں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اردن میں نازل ہونگی
فدا جانے۔ درست بات کو لسی ہے۔ پس جہاں مسیح نازل ہوا۔ وہی درست اور صحیح ہے

کسی کا شاگرد ہونا (۹۴)

ہنی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاگرد رہے۔

جواب :- (۱) موسیٰ علیہ السلام ایک خدا کے بندے کو کہتے ہیں: "قَالَ لَهُ مُوسَى
هَلْ أَتَّبَعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُسُلَكَ" (الکہف ۹۴)
(۲) بخاری میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق ہے: "إِذَا كَانَ بِهَا
أَنْبِيَاءُ مِنْهُمْ شَبَّ غُلَامٌ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ" (بخاری کتاب
بدو الخلق باب یزفرون النسلان فی الممشی جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ مصری) جس وقت
ان میں سے کچھ گھروا لے ہوئے۔ اور وہ بچہ جوان ہوا۔ اور () سے اس نے
عربی زبان سیکھی۔

(۹۵) نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا مگر اضا کا نام مرکب تھا

الجواب :- (۱) یہ میاں کہاں لکھا ہے۔ بھلا نام کے مرکب یا مفرد ہونے کا بنوت
کے ساتھ کیا تعلق؟

(۲) قرآن مجید میں ہے: "إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ بِبَشَرٍ
يَكَلِّمُهُ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا"
(آل عمران ۵۶) اس آیت میں فرشتے نے حضرت عیسیٰ کا نام "اسْمُهُ مَسِيحُ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ" بتایا ہے۔ جو مرکب ہے۔

۱۳۱۔ ”اسمعیل“ بھی مرکب ہے اسمعہ اور ایل سے۔ جس کا ترجمہ ہے ”سنی“
 ”اللہ نے“ میری دعا۔ یعنی اللہ نے میری دعا سن لی۔

نبی جہاں مرنے والے دفن ہوتا ہے

حدیث میں ہے۔ مَا قُبِرَ نَبِيٌّ إِلَّا دُفِنَ تَحِثُّ يَتْبَعُهُ مَكْرَمُ رَأْسِهِ فَوْت
 لایور میں ہوئے۔ اور دفن قادیان میں۔

جواب: ۱۰۰ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اسکا ایک راوی الحسین بن عبد اللہ
 ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے: ”تَرْكُهُ أَهْمَدُ بْنُ الْحَنْبَلِ وَعَلِيُّ بْنُ
 الْمَدِينِيِّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ يُقَالُ إِنَّهُ كَانَ يُتَّهِمُ
 بِالزُّنْدَقَةِ“ (حاشیہ علامہ سندھی بر ابن ماجہ ص ۲۵۶ مصری) یعنی امام
 احمد حنبل اور علی بن المدینی اور نسائی نے اس راوی کو ترک کیا ہے۔ اور بخاری نے کہا ہے۔
 کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندقہ تھا۔ (اب) یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے۔ وہاں
 لکھا ہے: ”لَمْ يُقْبَرِ نَبِيٌّ إِلَّا حَيْثُ يَمُوتُ“ (رحم عن ابی بکر) وفيه
 انقطاع“ (کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۲۱) کہ نبی جہاں مرنے والے دفن ہوتا ہے۔ وہیں قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اس
 حدیث میں ”انقطاع“ ہے۔ گویا ناقابل قبول ہے۔ (۲) وقد رَوَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ
 يَدْفَنُونَ حَيْثُ يَقْبَضُونَ كَمَا رَوَى ذَلِكَ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ
 فِيهِ حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْهَاشِمِيُّ وَهُوَ أَضْعَفُ“ (نیل الاوطار
 جلد ۲ ص ۲۵۶) کہ مروی ہے۔ کہ انبیاء جہاں فوت ہوں۔ وہیں مدفون بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ
 ابن ماجہ نے اسکو روایت کیا ہے۔ اس سند سے بس میں حسین بن عبد اللہ ہاشمی ہے جو کہ
 اول درجہ کا ضعیف راوی ہے (۳) ملا علی قاری رحمہ فرماتے ہیں: ”رَأَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
 وَقَالَ غَرِيبٌ وَفِي إِسْنَادِهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْمُتَّقِي“ (مرقاۃ
 شرح مشکوٰۃ) کہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور سافقہ ہی کہا ہے۔ کہ یہ
 حدیث غریب ہے۔ اور اسکی سند میں عبد الرحمن بن علی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

اَلَيْسَ سَبِيْلًا (۲) صحت ہو (۳) بوڑھے والدین نہ ہوں۔ جن کی خدمت اس پر فرض ہو۔ یا چھوٹی اولاد نہ ہو۔ جس کی تربیت ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں تینوں شرائط پائی جاتی تھیں۔ لاہور کے رستہ میں قتل کرنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے۔ اسے اتر اور سیالکوٹ میں گئے۔ مخالفین نے اینٹیں ماریں۔ وہاں آپ پر حملہ کیا گیا۔ آپ پر حج کے لئے جانا فرض نہ تھا۔ کیونکہ حج صرف اس حالت میں ہو سکتا ہے کہ رستہ میں امن ہو۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال حج نہیں کیا۔ محض اسوجہ سے کہ کافر مانع ہو (۲) آپ کو دوران سر اور ذیابیطس کی دو بیماریاں تھیں۔ (۳) آپ کے والد بزرگوار آپ کے سر پر چالیس سال کی عمر تک زندہ رہے۔ اور اس کے بعد اولاد تھی۔

۲، تذکرۃ الاولیاء میں ہے: ”ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ حج کا کیا۔ جب میں بخداد پہنچا۔ تو حضرت ابو ہازم مکی رح کے پاس گیا۔ میں نے ان کو سوتے پایا۔ میں نے تھوڑی دیر مہر کیا جب آپ بیدار ہوئے۔ تو فرمانے لگے کہ میں نے اس وقت حضرت پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تیرے لئے پیغام دیا۔ اور فرمایا کہ کہہ دو کہ اپنی ماں کے حقوق کی نگہداشت کرے۔ کہ اس کے لئے وہی بہتر ہے حج کرنے سے۔ اب تو نوٹ جا۔ اور اس کے دل کی رضا طلب کر میں واپس پھرا اور مکہ معظمہ نہ گیا۔“ (تذکرۃ الاولیاء ذکر ابو ہازم مکی رح ص ۶۸ انوار الازکیا) بھلا ایک ماں کی خدمت تو حج سے بہتر ہے۔ پھر اسلام جس پر ہزاروں مائیں قربان کی جاسکتی ہیں، کی خدمت کرنا کیوں حج سے بہتر نہیں؟

(۳) فَجَاءَتْ اِمْرَاَتَا مَدْيَنَ خُشْعَمَةً... فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْقَةَ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادَةِ فِي الْحَجَّةِ اَذْرَكْتَ اَبِي شَيْخَا كَيْفَرًا لَا يَثْبُتُ عَلٰی الرِّحَالَةِ الْكَافِرَةُ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ (بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج پہلی حدیث جلد ۱) خشم قبیلہ کی ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج فرض ہو گیا ہے۔ وہ بوجہ بڑھاپا اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتے۔ کیا میں اسکی طرف سے حج کر لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں ایسی حدیث مسلم مع نووی جلد ۳ میں بھی ہے (۴) عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِي مَاتَ وَكُنْتُ

يُحْجَعُ أَفَاحِبَةً عَنْهُ قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَتْ عَلَى أَبِيكَ دَيْنٌ أَكُنْتُ قَاضِيَهُ
 قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَيْنُ اللَّهِ أَحَقُّ“ (نسائی جلد ۲ ص ۵ مطبوعہ مصر، حضرت ابن عباس
 سے روایت ہے کہ حضرت عکرمہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے آنحضرت صلیم سے عرض کیا
 یا رسول اللہ کہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا کیا میں اس کی طرف سے حج
 کروں؟ فرمایا کیا اگر تیرے باپ پر کوئی قرضہ ہوتا تو تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا ہاں۔
 فرمایا کہ پھر اللہ کا قرضہ زیادہ قابل ادا کیے گا۔ یعنی اس کو ادا کر دو۔ حضرت مسیح موعود کی طرف
 سے بھی حج بدل کرایا گیا۔ فلا اعتراض۔

فَجَّ الرُّوحَاءِ (۹۹)

آنحضرت صلیم نے فرمایا کہ مسیح موعود حج کرے گا اور فَجَّ الرُّوحَاءِ سے عمرہ کرے گا۔
 آنحضرت صلیم نے مسیح موعود کو حج کرتے دیکھا ہے۔
 الجواب: آنحضرت صلیم نے دجال کو بھی حج کرتے دیکھا ہے کیا دجال بھی حاجی ہوگا؟
 ”رَجُلٌ يَطْلُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا الْمَسِيحُ الْحَقُّ قَالَ“
 (بخاری کتاب بدو الخلق باب واذكر في الكتاب مريم جلد ۲ ص ۱۵ مطبع الہمہ مصر) کہ آنحضرت
 صلیم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں
 نے جواب دیا کہ یہ دجال ہے۔ باقی رہی حدیث ”لَيُهِلَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجَّ الرُّوحَاءِ
 حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيْتِنِي تَهْتَمُّ“ تو یاد رکھنا چاہیے کہ (۱) حدیث کے الفاظ میں
 اد۔ او۔ او کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آنحضرت کے اصل الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ (۲) فَجَّ
 الرُّوحَاءِ کوئی میقات نہیں۔ چنانچہ:-

د، ”فَجَّ بِمَنْطِقِ طَرِيقِ اسْتِدْرَاجِ رُوحَاءِ مَسْكَاةِ بَابِ مَدِينَةِ طَبِيبِ دَوَادِي صُغْرَاءِ دَرَاهِمِ مَكْرَمَةِ
 رَجْحِ الْكَلَامِ ص ۲۹“ پس ثابت ہوا کہ یہ میقات نہیں۔

ب، ”لَيْسَ بِمِيقَاتٍ“ (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۳ ص ۳۹) کہ فَجَّ رُوحَاءِ کوئی میقات
 نہیں (ج) لغت کی کتاب قاموس میں ہے:- ”الرُّوحَاءُ بَنِي الْعَرَبِ مَبْنِي عَلَى ثَلَاثِينَ

اَوَّارِجَيْنِ مَيْلًا مِنَ الْمَدِينَةِ (قاموس جلد ۳ صفحہ ۲۳۲) کہ رودھار میں کے درمیان
 مدینہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ پس یہ نہ میقات ہے۔ اور نہ میقات کے
 بالمقابل۔ ۳، مسلم کی ایک دوسری حدیث اس حدیث کی شرح کرتی ہے: "عَنْ
 ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ
 فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ أَيُّ وَادٍ هَذَا؟ فَقَالُوا وَادٍ الْأَزْرَقِ" قَالَ كَأَنِّي
 أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى (فَذَكَرَ مِنْ كَوْنِهِ وَشَعْرِهِ شَيْئًا) وَاصْنَعَا صَبْعِيهِ
 فِي أُوْنِيهِ جَوَارًا إِلَى اللَّهِ بِالتَّابِيَةِ مَارًّا بِهَذَا الْوَادِي فَقَالَ ثُمَّ
 سِرْنَا حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ؟ فَقَالُوا هَذِهِ شَيْءٌ
 فَقَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُوسُفَ عَلَى نَاقَةٍ حُمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ صُوفٍ
 مَارًّا بِهَذَا الْوَادِي مُلَبِّيًا. "مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۵۵ بحضرت ابن
 عباس کی روایت ہے۔ کہ ہم ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان گئے۔ پس ہم ایک وادی
 سے گزرے۔ آنحضرت صلم نے پوچھا۔ یہ کونسی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وادی
 ازرق۔ آنحضرت ۳ نے فرمایا۔ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ دیکھ آنحضرت صلم
 نے حضرت موسیٰ عم کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے دونوں
 کانوں میں ڈالی ہوئی تھیں۔ اور وہ اس وادی سے گزرتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ راوی
 کہتا ہے کہ پھر ہم آگے چلے یہاں تک کہ ہم ایک ٹیلہ پر پہنچے۔ آنحضرت نے پوچھا کہ یہ کونسا
 ٹیلہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہرشی ٹیلہ ہے۔ آنحضرت صلم نے فرمایا کہ گویا
 میں یونس کو ایک سرنج ارنشی پر سوار ایک صوف کا جتہ پہنے ہوئے اس وادی سے
 گزرتے ہوئے اور لبیک کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح کشفی
 حالت میں آنحضرت صلم نے ان انبیاء کو تبلیہ کہتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح وادی
 فج الروحاء میں احرام باندھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔
 (۴) چنانچہ تصوف کی مشہور کتاب "التعصوف" کی شرح میں ابو ابراہیم اسماعیل
 بن محمد بن عبد اللہ المستعمل لکھتے ہیں۔ "قَالَ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ

مَرَّ بِالْمَخْرُجَةِ مِنَ الرُّوحَاءِ سَبْعُونَ نَبِيًّا حَفَاةً عَلَيْهِمُ الْعَبَاءُ
يَوْمَ مَوْتِ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (شرح التعريف ص ۳) کہ ابو موسیٰ رحمہ فرماتے ہیں۔
کہ آنحضرت معلوم نے فرمایا کہ میں نورو حاء کے مقام پر ایک چٹان کے پاس ستر نبیوں کو
سنگے پاؤں۔ چادریں اوڑھے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ پس اسی نفع الروحاء
کے مقام پر عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔

(۳) پس اس کشف کی تعبیر ہوگی۔ اور تعبیر یہ ہے: "وَمَنْ رَأَى أَنَّهُ حَجَّ
أَوْ اعْتَمَرَ فَإِنَّهُ يَعِيشُ عَيْشًا طَوِيلًا وَتَقْبَلُ أُمُورُهُ وَتُطْفِرُ الْأَنَامُ
فِي تَعْبِيرِ الْأَعْلَامِ جلد ۲ ص ۲۱۱) یعنی جو شخص یہ دیکھے کہ اس نے حج یا عمرہ کیا ہے۔ پس
اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ایسی عمر پائیگا۔ اور اس کی مرادیں پوری ہوں گی۔

(۴) وَارْتَرَأَى فَعَلَ شَيْئًا مِنَ الْأَمْنَاءِ فَهُوَ خَيْرٌ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَقِيلَ
إِنَّ الْفَحْرَامَ تَجَرَّدَ فِي الْعِبَادَةِ أَوْ خَرُجَ مِنَ الْمَذْنُوبِ فَإِنَّهُ
يَكُنْ عَلَى حَقٍّ رَحْمَةً (کتاب الاشارات فی علم العبارات جلد ۲ ص ۲۱۱)
برہاشیہ تعطیر الانام جلد ۱) کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے حج کے مناسک میں سے
کوئی ادا کیا ہے۔ تو یہ بہر حال اچھا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ احرام باندھنا خواب میں (شرط
عبادت کے لئے) یا گناہوں سے بچنے کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ یہ حصول رحمت پر دلالت
کرتا ہے۔

(۵) وَمَنْ رَأَى كَأَنَّهُ خَارَجَ إِلَى الْحَجَّةِ فِي وَقْتِهِ فَإِنَّ كَأَنَّهُ مَغْفُومًا
عَنْهُ فَرَجٌ وَمَنْ رَأَى كَأَنَّهُ يُلَبِّي فِي الْحَرَامِ فَإِنَّهُ يُظْفَرُ وَيَأْمَنُ
مِنَ الْخَوْفِ الْغَالِبِ (منتخب الکلام برہاشیہ تعطیر الانام جلد ۱) کہ خواب
میں جو شخص یہ دیکھے کہ حج کے ایام میں حج کے لئے جا رہا ہے۔ پس اگر تو اس کو کوئی خوف
ہے۔ تو وہ امن پائے گا۔ اور اگر وہ ہدایت یافتہ نہیں۔ تو ہدایت پائے گا۔ اور اگر وہ
مغفوم ہے۔ تو غم دور ہوگا۔ اور اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ احرام کی حالت میں ایسا
کہہ رہا ہے۔ پس وہ کامیاب ہو جائیگا۔ اور خوف سے امن میں ہو جائیگا۔

(۸) اور یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ دجال کافر ہے۔ اسکو طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علامہ نے۔ کہ یہ آنحضرت کے مکاشفات سے ہے۔ خواب میں تعبیر اسکی یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو دکھایا۔ کہ عیسیٰ گردین کے پھر میں گئے واسطے قائم کرنے دین کے۔ اور درستی کرنے فساد کے۔ اور دجال بھی پھر یگا گردین کے بقصد خلل و فساد ڈالنے کے دین میں کذا قال الطیبی و مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص ۳۱۳ و مرقاة شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص ۲۱ و مجمع البحار جلد ۲ ص ۹۱ و بر حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۱ مطبع نظامی

(۹) "کَيْبُطُتٌ" کا معنی اس حدیث میں مولوی ثناء اللہ اسر سہری کے ترجمہ قرآن کو مد نظر رکھتے ہوئے حال کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب مذکور نے آیت "وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّلُنَّ" (نساء ۱۰۶) کا ترجمہ "کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے" کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ثنائی تفسیر سورۃ نساء زیر آیت "وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّلُنَّ")

(۱۰) مرزا صاحب نے تو خدا کا وعدہ حفاظت تھا پھر کیا ورکھا؟

جواب: "وَاللَّهُ يَعْصِمُ مَلَكُوتَهُ مِنَ النَّاسِ" کا وعدہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ساتھ تھا۔ اور یہ وعدہ ابتدائے نبوت میں ہوا تھا۔ (در منشور جلد ۲ ص ۲۹) پھر حضرت ہجرت کے لئے رات کو نکلے۔ اور غار ثور میں چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز در منشور میں ہے۔ کہ "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ بَعَثَ مَعَهُ الْبُوطَالِبَ مِنْ يَهُودِ الْيَمَامَةِ" (میزدیکھو ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان ص ۳۱۰ و بحر محیط جلد ۳ ص ۳۵ مطبوعہ مصر) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں جاتے۔ تو حضرت البوطالب کسی آدمی کو بطور حفاظت ساتھ بھیج دیتے تھے۔ نیز اگر یہ کہو کہ مرزا صاحب نے تو پنج بنی اسلام بھی پورے نہ کیے۔ تو تم یہ بتاؤ۔ کہ کیا نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ بنی اسلام کو پورا کیا ہے؟ آپ کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔

(۱۰۱) مرزا صاحب کے ملازمت کی

الجواب :- بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَوَارِيطِ
لَا أَهْلَ مَكَّةَ (بخاری کتاب الاجارة باب رعى الغنم جلد ۲ ص ۲۱ مصری) کہ
میں چند قیراطیں لے کر کفار مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ نیز قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام
کا اپنے خسر کی بکریاں چرانا پڑھو۔

(۱۰۲) مرزا صاحب نے بددعائیں دیں

الجواب :- (۱) قرآن مجید سے حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا سورۃ نوح میں پڑھو
(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمتہ للعالمین ہیں۔ انہوں نے بھی بددعا کی۔ بخاری میں ہے: "قَالَ
صَلِّمُ اللَّهُمَّ عَلَيَّ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ
..... ثُمَّ سَمَى اللَّهُمَّ عَلَيَّ بِأَيِّ جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ
وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ الْآخِرِ" (بخاری کتاب الصلوة باب اذا التقى على ظهر
المصلي جلد ۱ ص ۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ قریش کو ضرور ہلاک کر۔ آپ
نے تین مرتبہ فرمایا۔ پس قریش پر یہ شاق گذرا۔ کیونکہ آپ نے ان کو بددعا دی تھی۔۔۔ پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر فرمایا۔ اے اللہ ابو جہل کو ضرور ہلاک کر۔ اے اللہ عتبہ بن ربیعہ
اور شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر۔

(۳) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کے لئے سخت بددعا کا ذکر بخاری جلد ۱ ص ۹
کتاب الصلوة باب یہودی بالکبیر میں ہے: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ
لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَيَقُولُ اللَّهُمَّ اشْدُدْ
وِطَائِكَ عَلَى مُضَرٍ وَاجْعَلْ أَعْيُنَهُمْ سِينِينَ كَيْبَنِي يُوسُفَ وَأَهْلَ
الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرٍ مُخَالِفُونَ لَهُ" (حضرت ابو ہریرہ رضی
لہ عنہ روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ
حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ دونوں کہتے تھے۔۔۔ اور کہتے تھے۔۔۔ اے اللہ!

اپنی گرفت قبیلہ مضر پر سخت کر دے۔ اور ان پر قحط سالیاں ڈال دے۔ جیسے یوسفؑ
 کے عہد کی قحط سالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں قبیلہ مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف
 تھے۔“ و ترجمہ منقول از تقرید البخاری مترجم اردو مع اصل متن عربی ہر دو حصہ شائع کردہ
 مولوی فیروز الدین اینڈ ستر لاہور ۱۳۳۵ھ جلد ۱ ص ۱۸۴

مراق (۱۰۳)

مرزا صاحب نے لکھا ہے مجھے مراق ہے۔ (بدیع رجون ۱۹۰۶ء) اور مراق کا ترجمہ
 ہشیر یا بقول مرزا بشیر احمد صاحب (سیرۃ المہدی جلد ۱ ص ۱۳) اور جس کو ہشیر یا ہو۔ وہ
 نبی نہیں ہو سکتا۔ بقول ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب (ریویو اگست ۱۹۲۶ء) پس ثابت ہوا۔
 مرزا صاحب نبی نہ تھے۔ ان کو *Catolep* کا مرض تھا۔ (رسالہ مراق مرزا مولفہ
 حبیب اللہ صفحہ ۲)

جواب: (۱) خدا کے انبیاء کو ہمیشہ مجنون ہی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ ”وَإِنَّا لَنَرِكُمْ
 الْفِتْنَةَ لَشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ“

(۲) سب انبیاء کے سرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بد باطن دشمنوں نے آپ کے متعلق بھی یہی کہا
 کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب *A contribution to the Islam*
civilisation more over (Von kremer) کا صفحہ ۱۸۰ جس کے الفاظ یہ ہیں۔
we make

*our acquaintance with the fable, later on
 repeated with a peculiar zest, that
 Mohammed invented the story of
 inter course with Gabriel in order
 to allay the anxiety of for the epileptic
 fits with which he was often seized*

II Guibert of Nogent writes:- Mohammad however was seized with epileptic fits and ^{فزع} frightened and alarmed at this malady, hastened to the hermit for an explanation. She was there upon answered that the apparant epilepsy was only the Condition in which Moham-
 mada was honoured with divine revelation" (Page 185)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ہرگز تحریر نہیں فرمایا کہ مجھ کو مراق ہے۔ یہ غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مراق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دوران سر اور "سرورد" کا مرض ضرور تھا۔ اور حضرت نے اپنی قریباً ہر ایک کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر حضور نے ایک مقام پر بھی اس کا نام "مراق" نہیں رکھا۔ بدرجہ جون ۱۹۰۶ء جب کا حوالہ معترض نے دیا ہے۔ وہ حضرت کی تحریر نہیں بلکہ ڈائری ہے۔ اور ڈائری حضرت مسیح موعود کی تحریر کے بالمقابل اور خلاف ہونے کی صورت میں حجت نہیں۔ پس اگر "مراق" کے لفظ سے مراد صرف "دوران سر" ہے تو اس قسم کا "مراق" منافق بنوت نہیں۔ اور اگر "مراق" کے لفظ سے مراد "مالیخولیا" ہے تو یہ حضرت کی تحریرات کے سراسر خلاف ہے۔ لہذا قابل قبول نہیں۔ حضرت نے جب صد ہا مرتبہ اس بیماری کا نام اپنی تحریرات میں "دوران سر" تحریر فرمایا ہے۔ اور ایک جگہ بھی "مراق" نہیں لکھا۔ تو ڈائری اس کے خلاف پیش نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں: "ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہو جائے جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی تو اس سے یہ لوگ نہ نکالیں گے کہ اس پر غضب الہی ہو گیا۔ اس لئے پہلے سے اس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کر دوں گا۔"

باقی رہا "دوران سر" اور اس پر مذاق تو اول تو اس لئے کہ یہ سلم کی حدیث میں ہے۔ کہ مسیح موعودؑ
دو زرد چادریں پہنے ہوئے ہوگا۔ آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ڈاکٹری
کی رو سے دوران سر دماغ کے اعلیٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

"The subjects of Migraine are nearly
always of an active Capable and
intelligent type?"

(Price's Text book of Medicine page 1502)

یعنی دوران سر کے مریض قریباً ہمیشہ قابل اور عالی دماغ آدمی ہوتے ہیں۔

باقی رہا سائل کا طرز استدلال سو وہ خود ہی اس کی غلطی پر گواہ ہے۔ جنہوں نے کب کہا ہے
کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بے شک حضرت ام المومنین کی
زبانی ہسٹیریا لکھا ہے۔ مگر اول، آپ کوئی ڈاکٹر نہیں ہیں۔ کہ جو ترجمہ دوران سر کا کیا ہے۔
وہ درست ہو۔ اور نہ حضرت مسیح موعودؑ کو ہسٹیریا کا مرض تھا۔ پس تیسرا حوالہ جو معترضین
نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی بے فائدہ ہے۔ نہ حضرت اپنی نسبت ہسٹیریا تسلیم کرتے ہیں۔ نہ
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ہسٹیریا کا ترجمہ بالیخو لیا کرتے یا سمجھتے ہیں۔ پس مخالف کا استدلال
قطعاً باطل ہے۔ ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب نے محولہ بالا رسالہ میں طبعی نقطہ نگاہ سے ثابت
کر دیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو قطعاً ہسٹیریا نہ تھا ہم نے جو انگریزی عبارتیں *Von Kremer*
کا نقل کی ہیں۔ ان میں وہ آنحضرت صلیم کی نسبت "*Epilepsy*" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔
اور لطف یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی نسبت "*Catalepsy*"
کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور انگریزی ڈکشنری میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی بتایا گیا ہے۔ تشابہت
قلوبہم۔

نوٹ:۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۵ پر *Von Kremer* (فان کریمیر) نے آنحضرتؐ
کی وفات کے متعلق ایسی گندی اور ناقابل بیان فحش نویسی کی ہے۔ کہ ہم اسے یہاں انگریزی میں
بھی نقل نہیں کر سکتے۔ ان غیر احمدیوں کو جو حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی وفات کے متعلق

فحش کلامی کیا کرتے ہیں۔ اس کے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ وہ اس قدر دلا زار ہے کہ حضرت
مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق جو کچھ غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ وہ دسواں حصہ بھی اس تحریر
کا دلا زار نہیں ہے۔

۱۰۴، تناقضات

حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں تناقض ہے۔

الجواب: حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نبی
پہلے ایک بات اپنی طرف سے کہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اس کو بتائے کہ یہ بات غلط ہے۔
درست اس طرح ہے۔ تو دوسرا قول نبی کا نہیں۔ بلکہ خدا کا ہو گا۔ لہذا تناقض نہ ہوا۔ تناقض
کے لئے ضروری ہے۔ کہ ایک ہی شخص کے اپنے دونوں اقوال ہوں۔

(۳) قرآن مجید میں ہے: لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ اگر
یہ خدا کا کلام نہ ہوتا۔ بلکہ خدا کے سوا کسی اور کا ہوتا۔ تو اس میں اختلاف ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ
کلام اللہ کے سوا باقی سب کلام میں اختلاف ہونا چاہیے۔ نبی بھی انسان ہے۔

(۳) حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا: لَا تَخْشَوْهُنَّ عَلَى مُوسَى (بخاری فی الخصومات
باب ما یدکر فی الاشخاص جلد ۲ صفحہ ۳ مصری) کہ مجھ کو موسیٰ سے اچھا نہ کہو۔

ب: مَنْ قَالَ اَنَا خَيْرُ رُسُلٍ يُؤْتِي مَتًى فَقَدْ كَذَبَ (بخاری کتاب التفسیر
سورۃ نساء جلد ۳ صفحہ ۳ مصری) کہ جو یہ کہے۔ کہ میں یونس بن مثنیٰ سے بڑا ہوں۔ وہ جھوٹ
بولتا ہے۔ مگر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا سَيِّدٌ وَلَدِ اَدَمَ وَلَا فَخْرَ (کہ میں
تمام انبیاء کا سردار ہوں۔ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ لِيُؤْمَرَ الْقِيَامَةِ بخاری) کہ میں قیامت
کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ پھر فرمایا: اَنَا اِمَامُ النَّبِيِّينَ۔ اَنَا سَيِّدُ
النَّبِيِّينَ (دوہیلی) کہ میں نبیوں کا سردار ہوں۔

(۴) بخاری میں ایک حدیث ہے۔ وَآتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي حَارِثَةَ فَقَالَ يَا بَنِي
حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ التَفَّكَتُمْ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فِيهِ (بخاری)

کتاب الحج باب حرم المدینہ جلد ۲۱ (مصری) یعنی نبی کریم صلعم قیید بنی حارثہ کے پاس
تشریف لے گئے اور فرمایا۔ "اے بنی حارثہ تم لوگ حرم سے باہر نکل گئے ہو۔ پھر آپ نے
ادھر ادھر دیکھ کر فرمایا۔ "نہیں تم حرم کے اندر ہو۔ اب قَدْ نَخْرُجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" اور بَلْ
اَنْتُمْ فِيْهِ" میں تناقض ہے یا نہیں؟ یہ اسی طرح کا تناقض ہے۔ جس طرح حضرت
مسیح موعودؑ نے پہلے مسیح کی قبر شام میں لکھی۔ بعد میں تحقیقات اور الٰہی تائید سے معلوم
ہوا کہ وہ قبر کشمیر میں ہے۔ تب آپ نے پہلی بات کی تردید کر دی۔
(۵) بعض دفعہ نا سمجھی سے معترف تناقض سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالانکہ دراصل تناقض نہیں ہوتا۔
جیسا کہ قرآن مجید کی آیت وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰی اور مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ
وَمَا غَدٰی میں۔

(۱۰۵) مریدوں کی تعداد

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی۔ لیکن جب ایک سال بعد ہی
انکم ٹیکس کا سوال ہوا۔ تو جھٹ لکھ دیا۔ کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔
جواب :- پہلی تعداد حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام نے اپنے مرید و بی بی عورتوں اور بچوں سمیت
مجموعی لکھی ہے۔ اور دوسری ضرورت الامامؑ والی تعداد صرف چندہ دینے والے مردوں کی
ہے۔ اسیں چندہ دینے والے بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں۔ کیا اس فہرست میں حضرت ام المؤمنین
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی وغیرہ کے نام ہیں؟ ظاہر ہے۔ کہ مؤخر الذکر موقع پر سوال آمدنی
نہ تھا۔ اور وہی لسٹ مطلوب تھی۔ جو ان لوگوں کی ہو جو خود کھاتے اور چندہ دیتے ہیں۔ پس
جب مجسٹریٹ نے ان لوگوں کی لسٹ طلب کی جو چندہ دیتے تھے۔ تو کیا اس کے جواب میں ان
لوگوں کی فہرست دے دی جاتی۔ جو چندہ نہیں دیتے تھے؟ ع
براہین عقل و دانش بسبب گزشت

(۱۰۶) کسی سے قرآن پڑھنا

حضرت مرزا صاحب نے ایام الصلح میں لکھا ہے کہ میں نے کسی شخص سے قرآن مجید نہیں

پڑھا لیکن کتاب البریہ میں لکھا ہے کہ میں نے استاد سے قرآن مجید پڑھا۔

جواب ۱۰: ایام الصلح کے حوالہ میں ایک سطر اور پر آپ نے "اسرار دین" اور ایک سطر بعد "علوم دین" کا لفظ لکھا جو یعنی حضور نے انکار فرمایا ہے۔ تو وہ کسی انسان سے "علوم دین" اور "اسرار دین" سیکھنے کا ہے۔ اور جہاں اقرار فرمایا ہے۔ تو وہ الفاظ قرآن کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اصطلاح قرآن میں الفاظ قرآن "علم قرآن" نہیں ہیں۔ جیسا کہ یَتْلُوا عَلَیْکُمْ آیاتہ و یُزَکِّیْہُمْ وَ یُعَلِّمُہُمْ الْکِتَابَ (جمعہ ۱۶) سے ثابت ہے۔ تلاوت آیات سے مراد الفاظ قرآن اور "علم کتاب" سے مراد معانی و مطالب۔ حقائق و معارف ہیں۔ پس حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ "علم قرآن" میں نے کسی انسان سے حاصل نہیں کیا۔ لہذا کوئی تناقض نہیں۔

(۱۰۷) حضرت مسیح کی چڑیلوں کی پرہیز

مرزا صاحب نے آئینہ کلمات ص ۶۵ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی چڑیلوں کا پردہ از قرآن مجید سے ثابت ہے لیکن ازالہ غلط پر لکھا ہے کہ پردہ ثابت نہیں۔

جواب ۱: اصل عبارتیں درج ذیل ہیں :-

"اس فن (عمل الترب) کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ جاندار کی طرح چلنے لگتا ہے۔ تو اگر اس میں پردہ بھی ہو۔ تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے۔ اور غسل الترب سے اپنی روح کی گرمی اسکو پہنچائی جائے۔ وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور بے جان اور حباد ہوتا ہے۔ صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اسکو جنبش میں لاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان پرندوں کا پردہ از قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ملنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔ اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ (ازالہ اوکام ص ۳۳ طبع اول)"

آئینہ کلمات اسلام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے :-

”حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھیں۔ اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۸) پس کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ انکار حقیقی زندگی کے ساتھ مسیح مہج کے پرواز کا ہے۔ اور اقرار غیر حقیقی اور عارضی پرواز کا ہے۔

(۱۰۸) مرزا صاحب کی بیعت سے وفات ہوئی چنانچہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب نے سیرۃ مسیح موعودہ کے آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی وفات دستوں سے ہوئی۔ جواب :- دستوں کا آنا بیعت کو مستلزم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دستوں کی پرانی بیماری تھی۔ چنانچہ خود حضرت نے اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین ص ۱۲ پر لکھا ہے کہ مجھے دستوں کی پرانی بیماری ہے۔ نیز الزامی جواب کے لئے Van Krenner کی کتاب کا حوالہ ص ۱۸۸ پر دھو۔

(۱۰۹) معراج

الجواب :- بخاری میں معراج کی حدیث کے آخر میں ہے، ”وَأَسْتَيْقِظُ وَهَوِّنِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ بخاری کتاب التوحید باب قَوْلُهُ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا جلد ۴ ص ۱۵۵ (مصری) کہ پھر آنحضرت صلعم جاگ پڑے۔ اور آپ مسجد حرام میں تھے۔ کیا آسمان سے اترنے والا آدمی جاگا کرتا ہے۔ یا سویا ہوا؟

(۱۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت حسن بصری۔ حضرت شاہ ولی اللہ۔ حضرت امام بن قییم یہ سب معراج سدھانی کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے: ”وَأُخْتَلَفَ فِي أَنَّهُ كَانَ فِي الْيَقْلَةِ أَمْ فِي الْمَنَامِ فَحَنَّ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ وَاللَّهِ مَا فَقَدْ جَسَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ عُرِجَ بِرُوحِهِ وَعَيْنِ الْحُسَيْنِ كَانَ فِي الْمَنَامِ رُوحِيًّا رَأَاهُ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ“ (تفسیر کشاف ص ۵۷) کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوا۔ یا سوتے ہوئے۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم آنحضرت صلعم

کا جسم بیان سے کم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح اٹھائی گئی تھی۔ اور حضرت معادینے بھی فرمایا کہ آپ کی روح اٹھائی گئی۔ اور حضرت حسن رحمہ فرماتے ہیں کہ معراج نیند کی حالت میں ایک خواب تھا۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ حضرت عائشہ کا قول وغیرہ رزاد المعاد مصنفہ حافظ ابن قیم جلد ۱ ص ۳۰۵ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۷۵ و سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۶۵ مطبوعہ لندن و ابن جریر جلد ۱ ص ۱۵ و حجة الله البالغة مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ باب الاسرار و تذکرۃ السلوک ص ۱۲ و شرح شفا ملا علی قاری جلد ۱ ص ۲۰۲ و شہاب علی الشفا جلد ۲ ص ۲۸۷ و تفسیر خازن جلد ۱ ص ۱۱۱ و افادہ جلد ۲ ص ۲۲۲ میں درج ہے۔

نوٹ ۱۔ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ رحمہ کی یہ شہادت خواہ عینی نہ بھی ہو۔ پھر بھی قابل قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلف اٹھا کر بیان کی ہے۔ نیز اس کے متعلق لکھا ہے: فَإِذَا لَمْ تَشَاهِدْ ذَلِكَ عَائِشَةُ دَلَّ عَلَى أَنَّهَا حَدَّثَتْ عَنْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَحَدِيثُهَا مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا۔ شہاب علی الشفا جلد ۲ ص ۳۰۵ کہ جبکہ حضرت عائشہ رحمہ نے یہ واقعہ خود نہیں دیکھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ نے یہ روایت اپنے علاوہ کسی صحابی سے لی ہے۔ پس اندر میں صورت یہ حدیث مرسلات صحابہ سے ہوگی جو وہ بھی صحیح ہے۔ پس حضرت عائشہ رحمہ کی شہادت سب سے زیادہ وزن دار ہے۔ اور ان کا حلف اٹھانا بتاتا ہے کہ غالباً انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات معلوم کی ہوگی۔ در نہ پورہ ثبوت کے بغیر قسم نہیں اٹھائی جاسکتی۔

(۱۱۰) خاکسار پیر منٹ

کیا پیر منٹ بھی بولتا ہے؟

جواب :- یہ حضرت کاشف ہے۔ آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی جس پر یہ لکھا ہوا تھا جبکہ مطلب یہ تھا کہ اس بیماری کا جیسے آپ اس وقت مبتلا تھے۔ علاج پیر منٹ ہے۔ پیر منٹ تو نہیں بولا۔ مگر تم ذرا بخاری میں پڑھو۔ جہاں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سنگے نہا رہے تھے کہ پتھر جس پر آپ نے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے کپڑے دیکر بھاگ گیا۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے۔ اور اسے پکڑ کر سوثیاں ماریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اب تک اس پتھر پر حضرت موسیٰ کی سوثیوں کے پانچ چھ نشان موجود ہیں۔ فَذَهَبَ مَوْتُهُ يَفْئِسُ فَوَضَعَهُ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَقَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَخَرَجَ مُوسَى فِي أَثَرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا

حَجَوُ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اغتسل عریاناً جلد ۲ مطبع الہیہ مصر) کہ
حضرت موسیٰ ایک مرتبہ نہانے گئے۔ اور اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے۔ پس پتھر کپڑے نے بھاگا۔ حضرت
موسیٰ اس کے پیچھے بھاگے۔ اور یہ آواز دے رہے تھے۔ او پتھر میرے کپڑے دے جا۔ او پتھر میرے کپڑے
دے جا۔ الآخر

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی کی ہے۔ اسکا حوالہ دکھاؤ
الجواب :- بخاری میں ہے۔ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرُ أُمَّتَهُ الْأَعْوَدَ
الْكَذَّابَ (بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد ۲ مصری) کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا
کہ ہر نبی نے کانے دجال سے اپنی امت کو ڈرایا ہے۔ پس جہاں انبیاء دجال کا ذکر کرتے رہے۔ تو
ضروری ہے کہ اس کے قاتل مسیح موعود کا بھی ذکر اس کے ساتھ ہی کرتے رہے ہوں۔
(۲) ہر ایک نبی کا فرداً فرداً اپنی اپنی قوم کو جن کتابوں میں دجال سے ڈرانا لکھا ہے۔ وہ کتابیں پیش
کر دیں وہیں سے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی بھی نکال دیں گے۔

(۱۱۱) نبی کی ہر دعا قبول نہیں ہوتی

مرزا صاحب نے مبارک احمد اور مولوی عبد الکریم صاحب کی صحت کیلئے دعائیں کیں۔ مگر قبول نہ ہوئیں
اور وہ فوت ہو گئے۔ الجواب :- ضروری نہیں کہ نبی کی ہر دعا مقبول ہو :- (۱) صحیح ترمذی
میں ہے۔ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا :- اِنِّي سَأَلْتُ اللَّهَ فِيمَا تَلَاْنَا فَاَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ
وَمَنْعَنِي وَاحِدَةً (ترمذی باب الفتن جلد ۲ ص ۲۷ مجتبیٰ) کہ میں نے اللہ تعالیٰ
سے تین دعائیں کیں۔ جن میں سے خدا نے دو منظور کر لیں۔ اور ایک نام منظور کر دی۔ وہ نام منظور
دعا یہ تھی :- سَأَلْتُ أَنْ لَا يَذِيقَ بَعْضُهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنْعَنِيهَا (ایضاً
کہ میں نے دعا کی۔ میری امت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے نہ لڑے۔ مگر خدا نے منظور نہ کی
(۲) اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَخْفِيَ لَوْحِي فَلَمْ يَأْذَنْ لِي (مسلم کتاب الجنائز جلد
۳ ص ۳۵۹ مصری) کہ میں نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی والدہ کے لئے استغفار
کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔

(۳) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الاعتقاد فی الاعتقاد" میں فرماتے ہیں :- کسی دفعہ
یہ بات ہوئی ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ اور ان کو اپنی دعائیں
قبول ہونے کا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا۔

۱۴، حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی دعاؤں کی قبولیت کی تفصیل کو حقیقۃ الوحی ص ۱۸ و ص ۲۱
و آسانی فیصلہ ص ۱ طبع سوم پر تحریر فرمایا ہے۔

(۱۱۳) آنحضرت صلعم پر دعویٰ فضیلت کا الزام

۱، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے، ”دتحفہ گوڑاویہ ص ۱۲۲
ربا“ اس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں (تمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۲)
الجواب ۱۔ ۱، تذکرۃ الشہادتین ص ۱۲ ”باستثناء ہمارے آنحضرت صلعم“ ۲، نزول المسیح ص ۸۴
”ایک جلسہ کرو۔ اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت
ہوگی قلمبند کرتے جاؤ۔ اور پھر اگر آپ لوگوں کے لئے ممکن ہو۔ تو باستثناء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو ان کے مقابل پر پیش کرو۔ ۳، ایک معجزہ کئی نشانوں پر
مشمول ہو سکتا ہے۔ مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔

(۱۱۴) صد حسین است در گریبانم

الجواب ۱۔ ۱، اس شعر میں حضرت نے اپنی فضیلت یا اپنے مقام کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنی تکالیف کا
ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ مصرعہ اول میں ہے۔ ”کر بلایت سیر نہ آئم“ (۲) گریبان کے معنی ”جیب“ نہیں ہو سکتا
بلکہ گریبان قمیص کے نیچے تو انسان کا اپنا وجود خصوصاً دل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے
کہ ہر وقت میں کر بلا کے میدان اور شہادت حسین کا خیال ذہنی اور حالی طور پر رکھتا ہوں۔ گویا
میرے دل میں سو حسین کے لئے جگہ ہے۔ پس یہ اظہار محبت ہے۔ ۳، حضرت نے اپنی اور اپنے
معتقدین کی تکالیف اور کابل کے شہداء و کے پیش نظر یہ فرمایا ہے۔ (۴) گو اس شعر میں حضرت نے
حضرت امام حسین پر اپنی فضیلت کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنی تکالیف کو بیان فرمایا ہے۔ مگر تاہم ہمارا ایمان
یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نبی ہیں۔ اور نبی بہر حال ایک غیر نبی سے افضل ہیں۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہارا
مسیح موعود حضرت امام حسین سے بڑا ہو گا یا چھوٹا؟ (۵) امام محمد ابن سیرین کی روایت حج الکرامہ
میں درج ہے: ”تکون منیٰ ہذی الامۃ خلیفۃ خیر من ابی بکر و عمر۔“

و حج الکرامہ ص ۳۸۶ کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہو گا جو حضرت ابو بکر و عمر سے افضل ہیں۔
(۶) حضرت مسیح موعودؑ نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے۔ کہ ”صد حسین است در گریبانم“ تمہارا
معنی ہی مان لئے جائیں۔ تو پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت سید عبد القادر
جیلانی رحمہ ”پیران پیر“ فرماتے ہیں: ”کیس فی حبیبی سوی اللہ“ دکتوبات امام ربانی

مجدد الف ثانی جلد ۳۲ مکتوب ۲۷۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہزار
امام حسین رضی اللہ عنہ بھی ایک اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمائیے! حضرت پیران پیر پر آپ کیا فتویٰ لگاتے
ہیں؟ (۱) حضرت پیران پیر فرماتے ہیں: ”الْمُهْدِي الَّذِي يَجِيئُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ
قَاتِلُهُ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَعَارِفِ
وَالْعُلُومِ وَالْحَقِيْقَةِ تَكُوْنُ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ تَابِعِيْنَ لَهُ
كُلُّهُمْ رَاٰتْ بَاطِنُهُ بَاطِنٌ مُّحَمَّدٌ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ“ (شرح فصوص الحکم مطبعتہ
الزّاہری مصریہ ۱۳۵۵ھ) کہ امام مہدی علیہ السلام جو آخری زمانہ میں ہوں گے۔ چونکہ وہ احکام
شرعی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے۔ اس لئے معارف اور علوم اور حقیقت میں تمام کے تمام
دل اور نبی اس کے تابع ہوں گے۔ کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔

(۱۱۵) ہر سوے نہال بہ پیراہنم

جواب:- حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ فرماتے ہیں: ”کیسی فی محبتی سیوی اللہ“
دکوتات امام ربانی جلد ۱ ص ۳۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۱۱۶) منم محمد و احمد کہ محبتی باشد

الجواب:- حضرت پیران پیر سید عبد القادر جیلانی رحمہ فرماتے ہیں: ”میں اپنے جد امجد کے قدم پر ہوں
نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھائیں قدم اپنا اس جگہ پر۔ روایت شیخ
شہاب الدین سہروردی در کتاب بیحۃ الاسرار بحوالہ کلدستہ کرامات مؤلف ۱۲۷۷ھ مطبوعہ
نولکشور کانپور ص ۱۱۲) (۲) پھر فرماتے ہیں: ”هَذَا وَجُودُ جَدِّي مُحَمَّدٍ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَجُودُ
عَبْدِ الْقَادِرِ“ (کلدستہ کرامات ص ۱۱۲) کہ یہ عبد القادر کا وجود نہیں۔ بلکہ محمد کا وجود ہے۔

(۱۳) ”اِنَّ بَاطِنَهُ بَاطِنٌ مُّحَمَّدٌ صَلَّيْهِ وَسَلَّمَ“ (شرح فصوص الحکم مطبعتہ الزّاہری مصریہ
۱۳۵۵ھ) کہ مہدی کا باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔ (یہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ کا قول ہے)
پس اگر ایک غیر نبی کے اس قسم کے اقوال تمہارے نزدیک محل اعتراض نہیں۔ تو ایک نبی کے اقوال
پر تمہارا اعتراض مضحکہ خیز ہے۔

(۱۱۶) حضرت فاطمہ کی ران پر سر رکھنا

مرزا صاحب نے یہ لکھا کہ میں خواب میں حضرت فاطمہ کی ران پر سر رکھا حضرت فاطمہ کی تو میں کی ہے:-

جواب ۱۔ تمہاری دھوکہ دہی اور تحریف کو طشت از یام کرنے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے۔ کشف۔۔ دیکھا تھا کہ حضرات پختی سید الکونین۔ حسین۔ فاطمہ الزہراء اور علی عین میداری میں آئے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔۔۔ غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے۔ اور ایک حصہ فاطمی و تحفہ گوڑا دیہ علیؑ گریا حضرت مسیح موعودؑ یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں۔ اور عبارت میں "مادرانہ عطوفت" کا لفظ بھی موجود ہے۔

(۲) لیکن ذرا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے اس کشف کی تعبیر کر دینا: "قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَأَيْتُ فِي الْعَنَامِ كَأَنِّي فِي حَجَرِ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَأَنَا أَرْضِعُ شَدِيدَهَا الْأَيْمَنُ ثُمَّ أَخْرَجْتُ شَدِيدَهَا الْأَيْمَنَ فَرَفَعْتُهُ فَدَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" "قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ مطبوعہ مصر ص ۵۵ سطر ۱) کہ فرمایا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہوں۔ اور میں ان کے دائیں پستان کو چوس رہا ہوں۔ پھر میں نے بائیں پستان بامز نکالا۔ اور اسکو چوسا۔ پس اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے۔ بتائیے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین تو نہیں ہوئی؟

(۱۱) جہاد ۱۔ مرزا صاحب نے جہاد کو حرام کیا ہے۔

الجواب ۲۔ قرآن مجید نے جہاد کبیر تو اشاعتِ تعلیم قرآنی کو قرار دیا ہے۔ پس جماعت احمدیہ تو جہاد کبیر کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا" (فرقان ۵۶) کہ انہی کافروں سے جہاد کبیر قرآن کے ساتھ کر۔ (۲) حضرت مسیح موعودؑ نے قیامت تک جہاد کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا: "دیں گے حرام ہے اب جنگ اور قتال۔ پھر فرمایا: "۶ عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردیگا التوا۔ اور یہی معنی میں بخاری کی حدیث "يَضَعُ الْحَرْبُ" کے (۳) جن شرائط کے ماتحت اسلام نے جہاد سیفی فرض قرار دیا ہے۔ اور جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا۔ اب بھی اگر وہ پیدا ہو جائیں۔ تو جماعت احمدیہ آج بھی سیفی جہاد کو جائز سمجھتی ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے تحفہ لارڈ ارون میں تعائد جماعت احمدیہ کے ضمن میں اس بات کو بوضاحت بیان فرما دیا ہے (۴) اگر جماعت احمدیہ بالفرض جہاد کو ناجائز سمجھ کر جہاد نہیں کرتی۔ تو وہ معذور ہے۔ مگر تم تو جہاد کو فرض سمجھ کر اور اقرار کر کے کہ موجودہ حالات میں جہاد فرض ہے۔ پھر کہیں نہیں کرتے؟

۱۵، حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:- "اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت ہے رنگ پکڑا گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے۔ کہ اعلیٰ کلمہ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ مستحق اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلائیں۔ آنحضرت کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کرے" (مکتوب حضرت مسیح موعود بنام حضرت میرزا ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف ص ۶۶)

(۱۱۹) مرزا صاحب چندہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مہدی نے تو مال بانٹنا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی قبول کرنے والا باقی نہ رہتا۔

جواب:- مولویوں کو پیسوں کی خاص طور پر فکر ہے۔ حدیث میں "یَفِضُ الْمَالُ" ہے (دیکھو ترمذی مجتہبی، یعنی دولت اس زمانہ میں زیادہ ہوگی۔ جیسی کہ اب ہے۔

۲، اگر "یَفِضُ الْمَالُ" کو صحیح سمجھ کر یہ معنی کئے جائیں کہ مسیح موعود اگر مال تقسیم کرے گا۔ یہاں تک کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا۔ تو اس سے مراد دینی مال و دولت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ترمذی کی دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ: "لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَا مِنْ مَالٍ لَا يَبْتَغِي عَلَيْهِ ثَابِتًا وَلَا كَانَ لَهُ ثَابِتٌ لَا يَبْتَغِي عَلَيْهِ ثَابِتٌ لَا يَمْلَأُ جُوفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ" (ترمذی کتاب المناقب باب مناقب ابی بن کعب جلد ۲ ص ۲۲۵ مجتہبی) کہ اگر انسان کو مال و دولت سے ہر ایک وادی مل جائے۔ تو ضرور وہ دوسری وادی کی تلاش کرے گا۔ اور اگر دوسری وادی بھی مل جائے۔ تو وہ تیسری کی تلاش کرے گا۔ اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ یعنی قبر میں جا کر اس کی حرص مٹی ہے، پس یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ مہدی کے وقت میں یہ انسانی حرص نہ رہے۔ اور آنحضرت صلعم کا یہ فرمان غلط ثابت ہو (نہوذ باشد) پس اس حدیث سے مراد وہ حقائق و معارف کا خزانہ ہے جو مسیح موعود علیہ السلام نے لوگوں کو دیا۔ اور جسکو لوگ قبول نہیں کرتے۔

۳، یہ مال جو مسیح موعود نے تقسیم کیا ہے۔ وہ انعامات ہیں۔ جو آپ نے اپنی مختلف کتابوں کے جواب لکھنے والوں کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔ مگر کسی کو ان کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

(۱۲۰) قرآن میں ہے کہ جب آنحضرت ص سے مشورہ لینے جاؤ۔ تو چندہ بیکر جاؤ (مجادلہ ۴)

حج بند (۱۲۰)

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ خدا نے میرے وقت میں حج بند کر دیا ہے اب کوئی حج کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب :- یہ جھوٹ ہے۔ حقیقۃ الوحی کیا کسی کتاب سے دکھا دو۔ تو انعام لو۔
(۲) حضرت تو حقیقۃ الوحی میں یہ لکھا ہے کہ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں حج روک دیا جائیگا۔ چنانچہ میرے زمانہ میں ایک دفعہ سخت بیماری پڑنے کی وجہ سے ایک سال کے لئے حج روک دیا گیا تھا۔ وہی۔ حضرت نے قطعاً یہ نہیں فرمایا۔ کہ خدا نے اب حج کے فرض کو منسوخ کر دیا ہے۔ (نفوذ باشد)

(۳) جس پر حج فرض ہو چکا ہے۔ اور کوئی مانع نہیں۔ وہ حج کرے "دکشتی نوح ص ۱۴"

تقدیر اور ملائکہ کوئی نہیں (ازالہ ادائم ٹائٹل پیج)

جواب :- جھوٹ ہے۔ ازالہ ادائم کے ٹائٹل پیج چھوڑ حضرت کی کسی کتاب میں بھی تقدیر اور ملائکہ کا انکار نہیں۔ بلکہ حضرت نے تو بار بار خدا تعالیٰ کی تقدیر اور ملائکہ کا اقرار کیا ہے۔

تقدیر تقدیر میں دل میں اگر چاہے خدا

پھیرے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار (برہان حصہ پنجم)

پھر فرمایا :- ۶ تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار (ایضاً)

۶ اے میرے مولا! تو اب فوج ملائکہ کو اتار

(۲) ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائکہ حق۔ حشر اجداد حق اور حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ (ایام الصلح ص ۷۶)

قرآن میں گالیاں بھری ہیں (ازالہ)

جواب :- قطعاً جھوٹ ہے۔ حضرت صاحب نے تو لکھا ہے کہ اگر سر وہ بات جو قدر سے کہ

یہ خواہ وہ امر واقعہ ہو۔ گالی ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ قرآن میں گالیاں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید تو کافروں کے سب پر دے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ ان کو گالی قرار دینا خود حماقت ہے۔ کیونکہ اظہار واقعہ اور چیز ہے۔ اور گالی اور حضرت مسیح موعودؑ نے تو شرعی طور پر لکھا ہے۔ نہ کہ مطلق۔

(۱۲۱) خدا کی طاقتیں تیندو کے جال کی طرح

کَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

جواب:۔ خدا تعالیٰ نے کَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کا مصداق تو ضرور ہے۔ مگر اسکی بعض صفات کو بیان کرنے کے لئے اگر دنیوی مثال نہ دی جائے۔ تو کہاں سے دی جائے۔ خود قرآن مجید نے ”مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلُ نَارٍ“ ہے۔ گویا خدا کے نور کی مثال ایک قندیل کی طرح جس طرح نور خداوندی کی مثال مشکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے۔ بعینہ اسی طرح خدا کی صفات کا ایک ہی وقت میں مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں اثر پذیر ہونا بھی تیندو کے جال والی مثال سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

إِنَّ الْعَدَا صَارُوا خَنَازِيرَ الْفَلَاحِ

وَلِنَسَاءِ هُمٍ مِنْ دُونِهِمْ إِلَّا كَلْبٌ

جواب:۔ یہ خطاب عام نہیں۔ بلکہ صرف ان دشمنوں کو ہے۔ جو گندی گالیاں دیتے تھے۔ خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔ چنانچہ اسکا اگلا شعر ہے:۔

”سَبُّوْا مَا أَدْرِیْ لِأَمْرِیْ سَجَرِیْمَةٍ (بخم الہدیٰ)

کہ وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کیوں اور کس جرم کے بدلے ایسا کرتے ہیں۔

کرہائے تو مارا کردگستاخ

(۱۲۵)

یہ مرزا صاحب کا الہام ہے۔ اور مرزا محمد سودا احمد صاحب کہتے ہیں۔ کہ ”نادان ہے وہ شخص

جس نے کہا۔ کہ کہہ اے تو مارا کر گستاخ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے۔ اور سرکش نہیں کر دیا کرتے۔ بلکہ اور زیادہ شکر گزار اور فرمانبردار بناتے ہیں۔
(الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۴ء)

جواب ۱۔ یہ الہام تو ہے۔ مگر حکایتاً عن الغیر خدا کا کلام ہے۔ جس طرح قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ ”وَإِنَّا لَنَشُدُّكُمْ وَإِلَيْهِ لَتُنَالُنَّ“ ”مَسَاحِرُ كَذَّابٌ“ کیا خدا حضرت مسیح موعودؑ کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ کہ کہہ اے تو مارا کر گستاخ (نعوذ باللہ) یا کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کو کہہ رہے ہیں ظاہر ہے۔ کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ لفظ ”ما“ ایک جماعت کو چاہتا ہے۔ جس کا یہ قول حکایتاً نقل ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ جماعت جماعت مومنین نہیں۔ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں بناتے“ یہ وہی لوگ ہیں۔ جن کے متعلق حضرت کا ایک دوسرا الہام ہے۔ ”شَرُّ الَّذِينَ أَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ“ کہ شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ پس یہ اہل بیخام ہیں۔ جنہوں نے حضرت کی مہربانیوں اور الطاف و کرم کا نتیجہ گستاخی اور استخفاف سے دیا۔ حضرت کا ایک اور شعر ہے۔

وَمِنْكَ الْمَشْرِفِيَّةُ وَالسَّامِعَةُ
وَمِنْكَ الْمَشْرِفِيَّةُ وَالسَّامِعَةُ

کہ تعجب ہے۔ کہ میں تو تمہاری عزت کرتا۔ اور تمہیں بلاتا ہوں۔ مگر تمہاری طرف سے
نیز سے اور تیر میں۔

(۱۲۶) عمر دنیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت

مرزا صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہزار ہفتم سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے۔ اور گیارہ برس کے اندر ہی آپ فوت ہوئے۔ کیونکہ آپ کی وفات کے قریب کی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ ابھی تک ہزار ہفتم ختم نہیں ہوا۔

الجواب۔ اس کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات یاد رکھنے چاہئیں۔
(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ پر یہ لکھا ہے۔
”آنحضرت صلعم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رو سے ۴۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے۔ نیز آدم صلی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلعم کے وقت تک یہ مدت گزری تھی۔ یعنی ۴۳۹ برس بحساب قمری“ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ) ان دونوں حوالوں میں ”بعثت“ ”وقت“ اور ”زمانہ“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلعم کی پیدائش یا چالیس برس کی عمر نہیں۔ بلکہ ”وفات“ نبویؐ ہے جیسا کہ حضرت مولانا ابوالبارقوں کے آگے چلکر فرماتے ہیں۔ ”حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلعم کے مبارک عرصہ تک جو عہد نبوت ہے ۴۳۹ برس ابتداء سے دنیا سے آنحضرت صلعم کے روز وفات تک قمری حساب سے ہیں۔ اس حساب کی رو سے میری پیدائش اس وقت ہوئی۔ جبکہ ۶ ہزار برس سے گیارہ برس رہتے تھے۔ (حاشیہ در حاشیہ)

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا ہے کہ ”مسیح موعودؑ کی بعثت“ ہزار ہفتم کے آخر میں ہوئی۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلام حاشیہ ص ۱۹) اس عبارت میں مسیح موعودؑ کی بعثت سے مراد ”اموریت“ نہیں۔ بلکہ ”پیدائش“ ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”پیدائش مسیح موعود ہزار ہفتم کے آخر میں ہے“ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۸۵) طبع سوم نیز دیکھو لکچر سیالکوٹ ص ۲۵ حقیقۃ الوحی ص ۲۵ طبع ۱۳۵۷

ازالہ اولہم ص ۶۹ و تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۱۵۵ و ص ۱۵۱ حاشیہ

(۳) تحفہ گولڑویہ ہی سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہزار ششم ختم ہو گیا۔ بلکہ ہزار ہفتم میں سے بھی نصف صدی سے زیادہ آپ کی زندگی میں گزر چکی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ مدت ہوئی کہ ہزار ہفتم گزر گیا۔ اور اب قریباً پچاسواں سال اس پر زیادہ جا رہا ہے۔ اور اب دنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ)

(۴) چشمہ مسیح ص ۱۹۰ میں جو حضور نے چھٹے ہزار کو جاری مانا ہے۔ تو اس کا بابت یہ ہے کہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلیم کی وفات تک ۲۷۲۹ برس تحریر فرمائے ہیں۔ تو یہ قرآنی حساب یعنی سورہ العصر کے حرف ا بجد کی بناء پر ہے۔ ورنہ عام مروجہ اور مشہور تاریخیں جو عیسائیوں کے حساب کے مطابق ہیں۔ ان کے روئے آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلیم کی وفات تک ۲۷۳۱ برس بنتے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ) "عیسائیوں کے حساب سے جس پر تمام مدار بائبل کا رکھا گیا ہے۔ ۲۷۳۶ برس ہیں۔ یعنی حضرت آدم سے آنحضرت صلیم اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اخیر زمانہ تک ۲۷۳۶ برس"۔ اس حساب سے سن ۱۹۰۶ء (۱۴۲۷ھ) میں ۹۶۰ برس بنتے ہیں۔ یعنی ابھی چھٹا ہزار ہی جاری ثابت ہوتا ہے۔ پس چشمہ مسیح میں حضرت نے عیسائیوں کا یہی عام مروجہ حساب مراد لیا ہے سورہ العصر کے حرف ا بجد والا حساب مراد نہیں لیا۔ (ب) حضرت فرماتے ہیں۔ "چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے۔ کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور منحل مطلب نہیں سمجھتے۔ اس لئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اس قدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے۔ مثلاً دو تین سو برس زیادہ ہو جائے" (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ) چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہل عرب کے جس قاعدہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ "وَجَاءَ فِي سَادَايَةِ آتِهِ يَمُوتُ خَمْسًا دَارِبَيْنِ ... فَلَا يَنَافِيهِ حَدِيثُ اَلْبَعَيْنِ لِأَنَّ النِّيفَ كَثِيرًا مَا يَخْذُ" (

عَنِ اَحْمَدَ اَبِي رَنْبِرَسٍ (۵) کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ مسیح موعود دنیا میں ۵۴ سال رہے گا۔۔۔ پس یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں آتا ہے کہ وہ چالیس سال تک رہے گا۔ کیونکہ کسر عام طرف دلائلوں سے حذف کر دی جاتی ہے۔ پس اندر میں صورت بھی حضرت مسیح موعود کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۱۲۷) عیسیٰ علیہ السلام اور شراب

مرزا صاحب نے کئی نوح حاشیہ ۶۵ پر لکھا ہے۔ "یورپ کے لوگوں کو جب شراب نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسے شراب پیا کرتے تھے" جواب:- یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا قول نہیں۔ کہ عیسے علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے، بلکہ عیسائیوں کا قول ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نیم دعوت کے ۶۵ پر فرماتے ہیں:- "اس نسخہ نے جب قدر یورپ اور امریکہ کی عملی پاکیزگی کو نقصان پہنچایا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ بالخصوص جبکہ اس نسخہ کی دوسری جو شراب بھی اس کے ساتھ ملحق ہو گئی ہے۔ تب سے یہ نسخہ رکفارہ بخادم ایک خطرناک اور بے گناہ بن گیا ہے۔ اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ ہر ایک عیسائی کا فرض ہے کہ وہ بھی شراب پیوے۔ اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔" پس ثابت ہوا کہ یہ قول عیسائیوں کا ہے۔ نہ کہ حضرت کا اپنا۔

(۲) شراب سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حرام کی۔ اس سے پہلے حلال تھی۔ جیسا کہ انجیل میں ہے۔ "آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدے اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر" (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰)

(ج) یسوع خود شراب کے متعلق ہدایتیں دیتا ہے۔ "نئی مے نئی مشکوں میں بھرنی چاہیے۔ (لوقا ۵/۳۸)

بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شراب کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا۔ تو بعض صحابہ کسی مکان میں جمع ہو کر میٹھی کر رہے تھے۔ جب کسی نے صدا کی حرمت الخمسہ کہ شراب حرام ہو گئی۔ تو سب نے ٹٹکے توڑ دیئے۔ اور شراب پھینک دی۔ (بخاری جلد ۳ کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب انما الخمسہ والمیسرہ والا نصاب والا زلام و تجرید بخاری عربی مع اردو ص ۳۳ جلد ۲)

(۱۲۸) رشتہ کی کڑے اور کستوری

مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ میری لڑکی مبارک کے لئے رشتہ کرنے چاہیے جس کی قیمت چھ روپیہ سے زائد نہ ہو۔ اور گوڑہ لگا ہوا ہو۔ (خطوط امام بنام غلام ص ۵) نیز کستوری استعمال کیا کرتے تھے۔

جواب۔ کستوری کا استعمال ذیابیطس کی بیماری کے لئے بطور علاج کے تھا۔ اور ہم نے آج تک قرآن مجید۔ حدیث یا کسی دوسری فقہ کی کتاب میں یہ نہیں پڑھا۔ کہ کستوری حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ **يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا** (مومنون ۳۳) کہ اے رسولو! جو پاک چیزیں میں وہ کھاؤ اور نیک کام کرو۔

باقی رہا مبارک کے لئے رشتہ کرتے اور گوڑہ لگا ہوا۔ تو عورتوں کے لئے یہ دونوں چیزیں اسلامی شریعت کی رو سے حلال ہیں۔ اس اگر یہ اعتراض ہو۔ کہ خدا کے محبوبوں کو اچھی پوشاکوں اور اچھے کھانوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تو اس کے جواب میں سن لو۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیران پسر جن کا دعوئے ہے کہ۔" میں اپنے جد امجد کے قدم پر ہوں۔ نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت مسلم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے اپنا قدم اس جگہ پر (گلدستہ کرامات ص ۵)

هَذَا دُجُو دُجْدِي مُحَمَّدٍ لَا دُجُو دُعْبِدِ الْقَادِرِ" (گلدستہ کرامات)
 کہ یہ میرا وجود نہیں۔ بلکہ میرے نانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔ ان کے کپڑوں کی
 کیفیت یہ تھی۔

(۱۱) جناب فیض مآب ملائک رکاب محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ نہایت
 مقبول وضع اور خوش پوشاک رہتے تھے۔ اور جسم مبارک کے کپڑے بھی ایسے
 بیش قیمت اور گراں بہا ہوتے تھے۔ کہ ایک گز کپڑا دس دینار کو خرید جاتا تھا۔
 بلکہ ایک دفعہ عمامہ کرامت شامہ جناب غوثیہ کا ستر ہزار دینار کو خرید گیا تھا۔
 (گلدستہ کرامات ص ۱۱۲)

(۱۲) جناب غوث الاعظم نہیں (جو تیاں) قَدَمِیْنِ شَرِیفِیْنِ اپنے کی اس
 قدر بیش قیمت پہنا کرتے تھے۔ کہ وہ نعلین یا قوت سرخ اور زمرہ بنر سے مرصع ہوا
 کرتی تھیں۔ اور نیچے کے تلووں میں ان کے سخیں چاندی اور سونے کی جڑی ہوتی
 ہوتی تھیں۔ اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ کہ آپ نے کوئی نعلین آٹھ دینار سے
 زیادہ اپنے پائے مبارک میں پہنی ہوں۔ (گلدستہ کرامات ص ۱۱۲)

(۱۳) اور کبھی کوئی پوشاک ایک روز سے زیادہ آپ کے بدن شریف پر نہیں
 رہتی تھی۔ اور سوداگر اور تجار اقلیم و دراز سے پارچات عمدہ اور لیا سہانے
 بیش قیمت آپ کے واسطے لایا کرتے تھے۔ اور ایشائے معطر سے آپ کو بہت
 شوق تھا۔ کہ ہنگام سحر و نیت عبادت جسم مبارک اور لباس کو اس قدر عطر لگایا جاتا تھا
 کہ تمام مکان عالی شان مدرسہ معطر ہو جاتا تھا۔ اور اکثر یہ شعر آپ کی زبان حق ترجمان
 پر رہتا تھا۔

ہزار بار بشویم دہن بخطر کلاب
 ہنو ز نام تو گفتن کمال ہے ادبی ست
 (گلدستہ کرامات ص ۱۱۲)

لیکن باوجود اس کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لباس نہایت سادہ ہوتا
 تھا جس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے؟

(۱۲۹) دن میں سو سو دفنہ پیشاب

مرزا صاحب نے اربعین میں لکھا ہے کہ مجھے دن میں بعض دفنہ سو سو دفنہ پیشاب آجاتا ہے۔ مرزا صاحب نماز کس وقت پڑھتے ہوں گے۔
جواب: "نماز کے متعلق تمہیں اپنی فکر کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے۔ "وہ بیماری ذیابیطس ہے۔ کہ ایک مدت سے دامگیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سو دفنہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے۔ اور اس قدر پیشاب سے جب قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ نماز کے لئے جب زمین چڑھ کر اوپر جاتا ہوں۔ تو مجھے اپنی ظاہری حالت پر امید نہیں ہوتی۔ الخ رحمہ اللہ العین شکوہ
باقی رکشت پیشاب اور اس پر مضحکہ! تو اس کے جواب میں ذرا مندرجہ ذیل حوالہ پڑھ لو حضرت پیران پیر سید عبدالغادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: "ایک دفنہ آپ کو کچھ قفل اسہال کا ہوا۔ اور رات بھر میں باون مرتبہ اتفاق جلنے بیت الخلاء کا عمل میں آیا۔۔۔ تو آپ نے باون مرتبہ ہی غسل تازہ کیا۔" (گلدستہ کرامات ص ۱۶۲)

(۱۳۰) مبارک احمد کا قبل از ولادت بولنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میرے بچے مبارک احمد نے ماں کے پیٹ میں باتیں کیں۔
جواب: جس کلام کا ذکر تریاق القلوب ص ۳۹ و ۴۰ پر ہے وہ حقیقت الہامی یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ "اِنِّیْ اَسْقِطُ مِنْ اِلٰہِیْ دَاجِیْسَہٗ" میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ اور جلدی ہی خدا کی طرف سے چلا جاؤ گا۔ چرکہ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے پیدا ہونے والے بچے کی زبانی بیان فرمایا تھا۔ اور

الہامی فقرہ میں مکمل مبارک احمد ہی تھا۔ اس لئے حضرت مسیح موعودؑ نے استخارۃ
 لکھا ہے۔ کہ گویا اس بچے نے ہی باتیں کہیں۔ اور یہ قول صاحبزادہ مبارک احمد
 کا اسی طرح سے ہے۔ جس طرح فرشتے کی حضرت مریمؑ کو بشارت کے ساتھ ہی
 حضرت مسیح کا قول اپنی جیٹنگم پائیے ہین تابتک شروع ہو جاتا ہے۔ کہ
 میں تمہارے رب کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں۔ غرضیکہ وہ آواز مبارک کا
 کہے ہوئے نہیں آئی۔ بلکہ الہامی کلام میں اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے
 حکایتنا کلام فرمایا۔ لیکن تمہارے ہاں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت
 سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے آپ سے کچھ کہا۔ تو
 آپ نے فرمایا۔ اے ماں کیا تجھے یاد نہیں کہ جب میں تیرے پیٹ میں تھا۔ تو ان دنوں
 ایک سائل فقیر بھیک مانگنے آیا۔ تو اسے جب بھیک ڈالنے لگی۔ تو اس کی زیت
 بدل گئی۔ اس وقت ایک شیر اس کو کھانے کے لئے دوڑا اور وہ بھاگ گیا۔ مجھے
 معلوم نہیں وہ شیر میں ہی تھا۔ (گلدستہ کرامات ص ۲۱۵)

مہی دوائیاں (۱۳۱)

مرزا صاحب قوت باہ کی دوائیاں کھایا کرتے تھے۔

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ کہ کہہ دے کہ میں
 بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ بوجہ بشریت تمام بشریت کے تقاضے درجہ نہ
 ہوں) انبیاء کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کوئی نبی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے متعلق بھی اسی قسم کے واقعات ہیں۔

(۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب "کیمیائے سعادت"
 میں فرماتے ہیں۔ اور غرائب اخبار میں ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں
 نے اپنے آپ میں نفع شہوت دیکھا۔ تو جبریل علیہ السلام نے مجھے ہر یہ کھانے کو
 کہا۔ اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ حضور کی نو عورتیں تھیں۔ اور وہ تمام عالم پر حرام ہو چکی

محققین۔ اور ان کی امید تمام جہاں سے منقطع ہو چکی تھی۔ ”رکیمیائے سعادت مترجم
اردو ملک عنایت اللہ صاحب پروفیسر مشن کالج منسبوعہ دین محمدی پریس۔ رکن سوم
مہلکات میں اصل پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کے علاج میں فٹا، نوٹ :- بعض
ایڈیشنوں کے صفحہ ۲۸ پر یہ روایت درج ہے۔

(۱۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے جبریلؑ سے اپنی قوت باہ کا شکوہ کیا۔ جبریلؑ نے کہا کہ تم سر پہ کھایا کرو۔
کہ اس میں قوت چالیس مردوں کی رکھی ہے۔ اس بن مالک کہتے ہیں کہ فرمایا
حضرت نے کہ تم خناب کیا کرو خدا کا کہ خناب قوت باہ پیدا کرتی ہے۔۔۔۔۔ ان
حدیثوں کو غایت الاحکام وائے نے بیان کیا ہے۔ (طب نبوی شائع کردہ ملک
دین محمد اینڈ سنز ص ۸)

(۱۳) تم لوگوں نے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اپنی تفاسیر میں لکھا ہے۔
کہ وہ حضورؐ تھے۔ ان معنوں میں کہ ان میں قوت باہ مطلقاً مفقود تھی۔ (اس سے
زیادہ بیان کرنا قرین مصلحت نہیں۔ خادم) ”بھیو تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ مریم زیرایت
سید ادر حصصاً“)

(۱۳۱۰) زیر تخت سے اوپر بچھا یا گیا

جواب :- اس میں اس امت کے آنحضرتؐ سے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی کے
تخت مراد ہیں۔ آنحضرتؐ اس میں شامل نہیں ہیں (۱۱) چنانچہ حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام
حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں۔

”غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی
ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جب قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس
امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس تخت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس
دجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔“ یہ بات ایک ثابت شدہ

اگر ہے کہ جقدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ اور جقدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں۔ تیرہ سو برس بحری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعت عطا نہیں کی گئی۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۹)

(۲) چنانچہ اربعین عطا و عطا (جو اکٹھے چھپے ہیں) اس کے ص ۹ پر اور اربعین ع ۲ (جو علیہ چھپا ہے) اس کے ص ۱ پر مسیح موعود کا الہام الہی فُضِّلْتَ عَلَى الْعَالَمِينَ درج ہے۔ اس کا ترجمہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین ع ۲ پر دوا یدیشیوں کے ص ۱ پر کیا ہے۔ "اور جقدر لوگ تیرے زمانہ میں ہیں۔ سب پر میں نے تجھے فضیلت دی۔"

(۱۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو خدا کے فضل سے نبی اللہ ہیں۔ اور آپ کا مقام مقام مسیح سے بھی بلند ہے۔ مگر حضرت پیران پیڑید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَنَا مِنْ وِرَاءِ عُقُوۡمِ دِكْمُۡ فَلَا تَقِيۡسُوۡنِیْ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا تَقِيۡسُوۡا اَحَدًا عَلٰی دَفۡتُوۡحِ الْغِیۡبِ مَعِ فَارِسی شرح ص ۲۲ میں تمہاری عقلوں سے دور ہوں۔ پس مجھ کو کسی دوسرے پر قیاس ملت کرو۔ اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس کرو۔

حضرت مریم کی توہین کا الزام

مرزا صاحب نے چشمہ زمیسی کے ص ۱۵ پر حضرت مریم پر انوذا باللہ لگائی (زمیندار ص ۲۴، نومبر مضمون طفر علی)

جواب:۔ یہ جھوٹ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت نے اپنی طرف سے ان کے یوسف نجاشی کے ساتھ نکاح پر کوئی اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض کہ حضرت مریم نے باوجود بیکل کی خدمت کا عہد کرنے کے حمل کے سات مہینے بن یوسف کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا یہ حضرت مسیح موعود کا اعتراض نہیں۔ بلکہ انجیل کی تعلیم کی رو سے یہودیوں کا اعتراض

ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل کیا ہے۔ "یہ لوگ عیسائی
خادم، اپنے گریبان میں مونہہ نہیں ڈالتے۔ اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کس قدر اعتراضات
کا نشانہ ہے۔ دیکھو یہ کس قدر اعتراض ہے۔ کہ مریم کو ہیکل کی نظر کر دیا گیا۔ تاکہ
وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ رہے۔" (الحق حتمی مسیحی مہمان)

گویا یہ اعتراض انجیل پر وارد ہوتا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا
کیونکہ اس اعتراض کو نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی فرما دیا ہے
"ہم قرآن شریف کی تعلیم کی رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ حمل محض خدا کی
قدرت سے تھا۔" (مشہور مسیحی)

باقی رہا حضرت مریم کا خدا تعالیٰ کی قدرت مجروحہ سے عالم ہو جانے کے
بعد یوسف سے نکاح کر لینا۔ یہ کوئی ناجائز فعل نہیں ہے۔ اور اس کے لئے تاریخی
طور پر ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ کی مشہور و معروف کتاب الکامل ابن اثیری
لکھا ہے۔ قَدْ ذَكَرْنَا حَالَ مَرْيَمَ فِي خِدْمَةِ ابْنَتَيْهِ وَكَانَتْ
هِيَ فَا بَنُ عَمِّهَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ مَاتَانَ التَّجَارِيْلِيَّانِ
خِدْمَةِ ابْنَتَيْهِ وَكَانَ يُوسُفُ حَكِيمًا تَجَارَةً يَعْمَلُ بِمِدْرَه
وَيَتَصَدَّقُ بِذَلِكَ وَقَالَتِ التَّمَارِي أَنْ مَرْيَمَ كَانَتْ قَدْ
تَنَزَّجَهَا يُوسُفُ بْنُ عَمِّهَا إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَقْرَبْهَا إِلَّا بِحَدِّ
رَفْعِ الْمَسِيحِ وَابْنُهُ اعْلَمَ وَكَانَتْ مَرْيَمُ إِذَا لَفِظَ مَاءُهَا
وَمَاءُ يُوسُفُ بْنُ عَمِّهَا أَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا قُلْتَهُ وَأَنْطَلَقَ
إِلَى الْمَغَارَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَاءُ يَسْتَحْذِرُ بَابُ مِنْهُ ثُمَّ يَرِي جَانِ إِلَى
ابْنَتَيْهِ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي لَقِيَ فِيهِ الْجَبْرَائِيلُ نَهَضَ
مَاءُهَا فَقَالَتْ لِيُوسُفُ بْنُ عَمِّهَا مَعَهَا إِلَى الْمَاءِ فَقَالَ عِنْدِي
مِنَ الْمَاءِ مَا يَكْفِينِي إِلَى غَدٍ فَأَخَذَتْ قُلْتَهُ وَأَنْطَلَقَتْ وَحْدَهَا
حَتَّى دَخَلَتْ الْمَغَارَةَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِيلَ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۲)

حضرت مریم کے کلیہ کی خدمت کا حال ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ اور مریم اور اس کے چچا کا بیٹا یوسف بن یعقوب ماٹان بخارہ دونوں کلیہ کی خدمت پر مقرر تھے۔ اور یوسف حکیم اور ترکھان تھا۔ جو اپنے ہاتھوں سے کام کر کے صدقہ دیا کرتا تھا۔ اور یوسف کہتے ہیں کہ مریم سے اس کے چچا کے بیٹے یوسف نے نکاح کر لیا ہوا تھا۔ لیکن حضرت مریم کے قریب نہیں گیا۔ مگر حضرت عیسیٰ کے ربح کے بعد واللہ اعلم۔ اور مریم اور یوسف کے شیکڑے کا پانی جب ختم ہو جاتا۔ تو وہ دونوں اپنا اپنا برتن لیتے۔ اور اس غار میں جاتے جہاں پانی تھا۔ اور وہاں سے پانی لے کر دس گرجے میں آجاتے تھے۔ لیکن جسدن حضرت جبرائیل حضرت مریم سے ملے۔ اس دن مریم کا پانی ختم ہو گیا اور انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ پانی لینے چلے۔ مگر اس نے جواب دیا۔ میرے پاس ہنوز پانی ہے۔ جو کل تک کفایت کرے گا۔ پس مریم نے اپنا برتن لیا۔ اور اکیلی چلی گئی یہاں تک کہ غار میں داخل ہوئی۔ اور وہاں پر انہوں نے جبرائیل کو دیکھا۔

حضرت مسیح موعود کا عقیدہ دربارہ لاوت مسیح (۱۱۳۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور خدا کے فضل سے یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے۔ اہل پیغام کے عقیدہ کے ہم دوسرے وار نہیں ہیں۔ اور نہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی پروا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے چند حوالہ جات لکھے جاتے ہیں (۱) "هُوَ خَلَقَ عِيسَىٰ مِنْ خَيْرِ آتٍ بِالْقُدْرَةِ الْمُبْجَرَّةِ" (مواہب الرحمن ص ۷۷) اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی قدرت مجرودہ سے بے باپ پیدا ہوئے۔ (۲) "كَذَٰلِكَ تَوَلَّدُ مِنْ دُونِ الْآبِ" (مواہب الرحمن ص ۷۷) اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا ہے۔ (۳) اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف بخارہ کے نطفہ سے پیدا ہوئے وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے۔ (ترجمہ مواہب الرحمن ص ۷۷)

(۴) کشتی نوح ص ۴۷ - مریم صدیقہ جس نے پارسائی کی: (۵) نخنہ گولڑویہ ص ۳۲ وضاحت حاشیہ
 و ص ۱۹۵ مزید تفصیل رسالہ ولادت مسیح بن باپ مؤلفہ فخر الدین ملتانی مطالعہ کریں۔

نقل آیات قرآنی (۱۳۵)

مرزا صاحب نے قرآن مجید کی آیات غلط لکھی ہیں۔ ان کو یاد نہ تھیں۔

جواب۔ قرآن مجید کی آیات کا بھول جانا سنائی نبوت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں
 ہے (۱) سُنْقِرْءُكَ فَلَا تَلْسَنِي إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (سورۃ اعلیٰ پ ۳۰ ع ۱) اے
 نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھتے ہیں۔ اور ان کو نہ بھولنا سوائے اس کے
 جو خدا تعالیٰ تجھے بھلا دے۔ گویا قرآن مجید کی بعض آیات کا بھولنا نبی کے لئے ممکن ہے

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا۔ اور جن کے متعلق خاص طور
 پر قرآن مجید میں ہے: لَنْ نَبْنِيَنَّ بِهٖ قَوْمًا اَذْك (صودح ۱۰) کہ ہم اس قرآن مجید کے
 ذریعہ تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي
 السَّجْدَةِ فَقَالَ رَجَبُهُ اللَّهُ لَقَدْ أَخَذَ بِنِي كَذًا وَكَذَا آيَةً اسْتَطَقَّ مِنْ
 مِنْ سُورَةِ كَذًا وَكَذَا (بخاری کتاب الشهادات باب شهادة الأعمى وأمره
 جلد ۲ ص ۴۷ مطبوعۃ البیہ مصر) اس کا ترجمہ بخاری اردو سے نقل کیا جاتا ہے: حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد
 میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ اس شخص پر رست کرے۔ بے شک اس نے
 فلاں فلاں سورۃ کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول لیا تھا۔ مجھے یاد دلا دی: (بخاری بخاری
 عربی مع اردو مکمل شائع کردہ فیروز الدین اینڈ سنز حصہ دوم ص ۷۷)

(۳) عَنْ أَبِي بَنْبٍ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
 لِي يَا أَبَتِ اللَّهِ تَعَالَى أَمَرَ بَنِيَّ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ فَقَرَأَ عَلَيَّ لَمْ
 يَكُنِ الْكَذِبُ كَفَرًا وَتَرَعْتُ فِيهَا إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْحَقُّ الْحَقُّ الْحَقُّ

وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ دِيَّةٌ وَلَا النَّصْرَ إِنِّيَّةٌ وَلَا الْجَوْهَ سِيَّةٌ... هَذَا حَدِيثٌ
 حَسَنٌ صَحِيحٌ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۹ مقتبائی) حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں۔ اے حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قرآن مجید
 پڑھ کے سناؤں۔ پس آپ نے سورۃ لَمَّا لَکِنَ الذِّمِّنَ کَفَرًا وَاُطْرَحَی۔ اور اسی میں حصو
 نے پڑھا۔ اَنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْحَنِفِیَّةُ الْمُسْلِمَةُ وَلَا الْیَهُودِیَّةُ وَلَا
 النَّصْرَانِیَّةُ الْخ "کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین فالس اسلام ہے۔ نہ یہودیت
 نہ نصرانیت الخ حالانکہ یہ سب آیات قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

(۴) مطبوعہ کتابوں میں کتابت کی غلطیاں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ خود مطبوعہ
 قرآن مجید بھی ان کتابت کی غلطیوں سے بچ نہیں سکتے۔ حالانکہ ان کے لئے خاص طور پر
 احتیاط کی جاتی ہے۔ پھر دوسری کتابیں کس طرح ان اغلاط سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت
 مسیح موعود علیہ السلام نے تو خود اپنی کتابت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ بوجہ غفلت نظر ثانی
 ان میں نہیں کی جاسکی۔ اور پروف غور سے نہیں پڑھے گئے۔ اس لئے کتابت کی غلطیاں
 کثرت سے رہ گئی ہیں۔ پس میری کتابوں کو دیکھنے کا طریق یہ ہے کہ ایک عبارت
 جہاں ایک سے زیادہ مقامات میں آئے۔ دوسری جگہ پر دیکھ لیں۔

(۵) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں "أَمَّا أَتَى الظَّنَّ
 لَا يُغْنِي عَنِ الْحَقِّ شَيْئاً" (مکتوبات جلد ۱ ص ۱۵۶ مکتوب ۱۵۱) حالانکہ آیت قرآن
 یوں ہے۔ وَآتَى الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً (پارہ ۲ ص ۶) کیا وہ عقلمند
 مسترمن جو اس قسم کی چھوٹی چھوٹی کتابت کی غلطیوں کی بناء پر یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ
 "علم قرآن کافقدان اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا وہ حضرت امام ربانی پر بھی یہی فتویٰ
 لگانے کی جرأت کریں گے۔ اور کہیں گے کہ "جس مدعی مجددیت نے قرآن مجید کی
 آیتیں صحیح نہیں لکھی ہیں۔ وہ اپنے دعووں میں سچا نہیں ہو سکتا"

(۶) اسبیل ذیل میں قرآن مجید کی وہ آیات لکھا ہوں۔ جن کو غیر احمدی پیش کر
 کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے وہ آیات غلط لکھی ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے

کہ اگر کسی کتاب کے کسی صفحہ پر وہ آیت درست نہیں چھپی۔ تو وہ محض کتابت کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کا صحیح طور پر علم تھا۔ میں ان مقامات کا حوالہ دیتا ہوں۔ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ آیت اسی طرح لکھی ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت کو ان آیات کا علم تھا۔

۱۱ لَسُنَّ اجْتَمَعَتْ إِلَّا نَسْوَ وَالْجَنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِهِ ۖ رَلِک
عیسائی کے چند سوالوں کے جواب الحکم جلد ۲، ص ۲۶، ۱۲ جولائی ۱۹۰۳ء حاشیہ
کالم ص ۳۲ برائین احمدیہ ص ۲۹۵ حاشیہ در حاشیہ

رَبِّ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ
جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ر پ ۱۳ ع ۱۲۲ (فریاد و رد ص ۱۲) اسلامی
اصول کی فلاسفی طراساز ص ۲۴

(۳) اِنَّ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ یہ آیت حضرت مسیح موعود نے برائین ص ۱۹۶ حاشیہ
پر درست لکھی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت پارہ ۲۶ کی بجائے ۲۲ میں
ہے۔ سو کتابت سے ۲۶ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں یہ آیت پارہ ۲۲ رکوع ۱۱ میں ہے

(۴) عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ (نور الحق ٹائٹل پیج)
(۵) اَلَمْ يَعْلَمُوْا اِنَّهٗ مَنْ يُجَادِدِ اللّٰهَ دَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيْهَا ۚ حَقِيْقَةُ الوحی ص ۱۳ پر بے شک سہو کاتب سے "فَاِنَّ لَهُ نَارَ
جَهَنَّمَ" کے الفاظ کی بجائے "يَدْخُلُهُ نَارًا" لیکن ترجمہ میں جہنم کی
لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کتابت کی غلطی سے غلط چھپی ہے

(۶) مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ دُوْلَةٍ رَّاٰہِ ۚ (۱۵ ع ۱۶) برائین احمدیہ ص ۲۲۹
حاشیہ پر کتابت کی غلطی سے اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لکھا گیا ہے۔ مگر یہ صاف طور پر معلوم
ہو رہا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ ورنہ اگر کاتب کی غلطی نہ ہوتی۔ تو يَّتَّخِذُ
وَلَدًا لکھا ہوتا۔ مگر وَلَدًا لکھا جانا بتاتا ہے کہ اس سے قبل لفظ مَنْ سہو کاتب

سے حذف ہو گیا ہے۔

(۷) وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ (پارہ ۲۶ ع ۱۴) براہین احمدیہ ص ۲۳۳
 پر یہ آیت درج نہیں ہے (جیسا کہ سبب اللہ کرک نے حوالہ دیا ہے) ۱۱ ص ۲۳۳
 پر ہے۔ گویا معترض کی کتاب بھی غلطی سے پچ نہیں سکی۔ براہین کے حوالہ مذکورہ
 بالائیں ”مین“ کا لفظ سہو کتابت سے حذف ہو گیا ہے۔ لیکن یہ حضرت کی
 غلطی نہیں۔ کیونکہ ترجمہ میں حضرت نے ”جو کوئی شخص“ کے الفاظ لکھے ہیں۔ جو
 ”ومن لا یجب“ کا ترجمہ ہے۔ نہ کہ ”ولا یجب“ کا

(۸) إِنَّ الَّذِي فَرَسَ مِنْ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَى مَعَادٍ (پ ۶)
 (تریاق القلوب ص ۲۳۳)

(۹) ”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ“ (پ ۱۶ ص ۳) (تقریروں کا مجموعہ تقریر
 لاہور ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

(۱۰) ”وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ“ (پ ۱۷ ص ۲۶۱) براہین ص ۲۳۷ (جس کا

حوالہ معترض دیتے ہیں) پر یہ آیت درست لکھی ہے۔ صرف دو کا فرق ہے۔

(۱۱) ”لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ“ (پ ۲۴ ص ۱۹۶) چشمہ معرفت ص ۲۵۷
 و منک نسیم دعوت ص ۵۲ و پیغام صلح ص ۲۵ و شمعہ رحمت ص ۳ و ریویوار دو جلد
 ص ۱۳۴ تبدیلی مذہب کی فلاسفی

(۱۲) ”وَأَنْ يَسْلُبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ“ (اسلامی
 اصول کی فلاسفی ص ۳۲)

(۱۳) ”ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ“ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ
 ص ۲۳۵ پر یہ آیت لکھی ہے۔ اور حوالہ نہیں دیا۔ یہ آیت درست ہے۔ دیکھو سورہ
 یونس ع ۱۰۱ و توبہ ع ۱۰۱

(۱۴) ”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ الْخُ (مائدہ آخری)
 ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶)

(۱۵) لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنَ الْكَوْثَرِ مِنَ خَلْقِ النَّاسِ (پ ۲۶) (تخفہ گورلویہ)
 (۱۶) "قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا" (پ ۲۸) (ازالہ اوٹام حصہ دوم ص ۲۴۹ و طبع پنجم ص ۲۴۵)

(۱۷) "هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ (پ ۲۸) حقیقتہ الٰہی ص ۱۵۴ پر حضرت نے "يَوْمَ يَأْتِي رَبُّكَ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" لیکن حضور نے یہ نہیں لکھا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں ایام الصلح ص ۱۱۷ فارسی پر حضرت نے "هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔

(۱۸) فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعِدَّةَ وَابْغَضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (پ ۲۸) (تخفہ گورلویہ ص ۲۱۸ پر "أَغْرَيْنَا" لکھا ہے۔ اور یہ جاسز ہے۔ کیونکہ "ف" ترتیب مع التعقيب کے لئے آتی ہے۔ اور جب پچھلا مضمون نقل نہ کیا گیا ہو۔ اس وقت "ف" کا لکھنا ضروری نہیں ہوتا۔

(۱۹) وَمَا كَانِ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ (پ ۲۹) (تبیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۰۰) ایام الصلح ص ۱۵۶۔ براہین احمدیہ ص ۲۸۷ حاشیہ در حاشیہ
 (۲۰) فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (پ ۳۰) (ازالہ اوٹام حصہ اول تقطیع ص ۱۱۲ و تقریروں کا مجموعہ ص ۴۴)

(۲۱) أَنْتَ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (پ ۳۱) (ایضہ کلمات اسلام ص ۱۴۳)
 (۲۲) وَأَنْزَلَ تِلْكَ مِنَ الْغَمَامِ (پ ۳۲) (ازالہ اوٹام حصہ اول ص ۲۸ حاشیہ و طبع پنجم ص ۲۸۷ حاشیہ)

(۲۳) آمَنْتُ أَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتَ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ (پ ۳۳) (اربعین ص ۳۵) و منہجہ تخفہ گورلویہ ص ۲۸ میں حضرت مسیح موعود نے محمد حسین جالوی کے متعلق "آمَنْتُ بِالَّذِي آمَنْتُوا بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ" کے الفاظ کہے ہیں۔ مگر یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں حقیقتہ الٰہی

کے ص ۱۹۲ پر فرعون کے منہ سے جن الفاظ کے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں "اَمَنْتُ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْ اَمَنْتُ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَآئِیْلَ" لکھا ہے۔ نیز دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۲۵ نیز دو تقریریں "تقریر ۲۴ مارچ ۱۹۰۶ء ص ۲۵" (۲۴) "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِیٍّ" (پ ۱۶۶) یہ آیت درست چھپی ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام حصہ اول ص ۲۲ کلام "وَطَبَعَ نَجْمٌ" ص ۱۴ وبراہی احمدیہ ص ۵۵ حاشیہ

(۲۵) "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" (پ ۳۰ رکوع ۱۹۶) حضرت مسیح موعودؑ کی کسی کتاب میں بھی یہ آیت غلط نہیں چھپی۔ "ن" کا حذف کرنا جائز ہے۔ دیکھو (۱۸)

(۲۶) "حَتّٰی اِذَا فَتَحْتَ بِاُجُوْبٍ" (پ ۱۴۷) مخالفین تحفہ گولڑویہ ص ۲۱۹ کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اسی تحفہ گولڑویہ کے ص ۱۹۷ و ص ۲۱۹ پر درست درج ہے نیز نزول المسیح حاشیہ ص ۵۔ یہ خطبہ الہامیہ ص ۱۸۶ و شہادت القرآن ص ۱۴۔

(۲۷) "بَدَلَتْ اِلَیْكَ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ" (تحفہ گولڑویہ ص ۱۸۵) لیکن حضرت نے یہ تخریم نہیں فرمایا۔ کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور نہ یہ کہ یہ کلام الہی ہے۔

(۲۸) "وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعْبُدُھُمْ وَمِنْ اِلٰہِ شُرَکَآءِ" (زالہ اوہام جلد ۱ ص ۳۹ بار اول و ص ۱۶۳ بار پنجم)

(۲۹) "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" (پ ۱ رکوع ۱۱) رضیمہ انجام آتم ص ۳۸

(۳۰) فَقَدْ کُتِبَتْ فِیْکُمْ عَمْرًا مِنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (براہی احمدیہ ص ۱۱۷)

(۳۱) "بَلٰی هُوَ الْخَلَقُ الْعَلِیْمُ" (پ ۱۶۶) اس آیت سے ایک آیت قبل ہی

آیت ہے "وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (زالہ اوہام ص ۶۷) پر دونوں آیات میں تشابہ واقع ہو گیا ہے۔ ورنہ اسلامی اصول کی فلاسفی پہلا دقیقہ معرفت ص ۹ اور جنگ مقدس ص ۱۷

پر دونوں آیات کو الگ الگ کر کے لکھا ہے۔ نیز دیکھو ست بہن ص ۱۱۹

(۳۲) "وَجَاهِدُوا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ" (پ ۱۰ رکوع ۶۶) اسلامی اصول کی فلاسفی

(۳۳) "قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا رَپ ۶" (الحق مباحثہ دہلی حاشیہ ص ۱۵)
 (۳۴) "وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِيَادَةَ وَالْخَنَازِيرَ" رپ ۶ (۱۳۶۶) (ازالہ ادھام ص ۵۳)
 (۳۵) "ثُمَّ يَتَوَفَّوْنَ الْمَوْتِ" (ازالہ ادھام ص ۶ طبع اول)
 (۳۶) "وَلَكِنْ اُعْبِدَ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ" (ازالہ ادھام ص ۶) (تقطیع خورد
 درست ہے۔

(۳۷) "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" (ازالہ ادھام حصہ دوم ص ۶۱۹) (تقطیع خورد ص ۵۴)
 طبع پنجم و چشمہ معرفت ص ۸۹ و ص ۱۵ اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۱۲۲ دست بچن
 آخری سطر

(۳۸) "لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ" فریاد درد ص ۵. کرامات الصادق
 نزول المسیح ص ۱۱. جنگ مقدس ص ۵ و خطبہ الہامیہ ص ۸۶ و تحفۃ الندوہ ص ۲۰
 تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۶۷ و ص ۹۳

(۳۹) "قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا
 فِيهِ" رپ ۱۴ (۱۴۶۱) کرامات الصادقین ص ۱۱۰ براہین احمدیہ ص ۱۲۲ حاشیہ ص ۲۰
 و صفحہ ۵۱۳

(۴۰) "قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ" رپ ۲۷ (رکوع ۱۸) نور القرآن بابت جون و جولاء
 والہ، گزیدہ تجزی النظار المبین" (جنگ مقدس ص ۸) (پہلی سطر)
 (۴۱) "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ"
 و نزول المسیح ص ۱۱ سطر واربعین ص ۱۳ و تحفہ گولڈویہ ص ۱۵ و سرالخطافہ ص ۱۲

(۴۲) "وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" رپ ۲۷ (۶۶۲) حضرت نے آن
 ص ۶۵ پر "وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي" الخ کوئی آیت نہیں لکھی۔ بلکہ اپنی طرف سے تسلسل علیہ

کے ضمن میں فقرہ لکھا ہے۔ ہاں براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۳۰ و اعجاز احمدی ص ۲۸ پر درج
 ہے۔ نیز ریویو بر مباحثہ طہالوی ص ۲ پر تحریر فرماتے ہیں:- "اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 "وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا"

(۱۳۳) لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْ أَكْبَرُ مَنْ خَلَقَ النَّاسَ (پ ۲۶)
 اسی ایام الصلح (جس کا حوالہ معترف دیتے ہیں) کے فارسی ایڈیشن کے صفحہ پر
 یہ آیت درست چھپی ہے۔ نیز تحفہ گولڑویہ ص ۳ پر بھی۔

(۱۳۶) مکتوبات کا حوالہ

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۳۹ پر لکھا ہے۔ کہ مکتوبات امام ربانی میں درج
 ہے کہ جس پر کثرت امور غیبیہ ظاہر ہوں۔ وہ بنی ہوتا ہے۔ حالانکہ مکتوبات میں ”بنی“
 کا لفظ نہیں۔

جواب :- حضرت مسیح موعود نے حقیقۃ الوحی ص ۳۹ پر مکتوبات کی اصل عبارت
 نقل نہیں فرمائی (کیونکہ وہ عبارت عربی میں ہے) اور نہ لفظی ترجمہ درج کیا ہے۔ بلکہ
 اپنے الفاظ میں اس کا صحیح مفہوم بیان فرمایا ہے۔ حضرت نے اصل الفاظ جہاں
 نقل فرمائے ہیں۔ وہاں ”بنی“ کا لفظ نہیں۔ بلکہ ”محدث“ ہی کا لفظ ہے۔ دو
 صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو مکتوبات کے حوالہ کا وہی مطلب ہے۔ جو حضرت نے لکھا۔
 اور یا اسکے خلاف ہے۔ تو اندر ہی صورت ماننا پڑیگا۔ کہ مکتوبات کی عبارت قرآن مجید
 کے خلاف ہے۔ لہذا غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ”خَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ
 أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ“ کہ امور غیبیہ کی کثرت سوائے بنی کے
 اور کسی پر نہیں ہوتی۔ پس حضرت مسیح موعود نے امام ربانی کی طرف وہ مفہوم منسوب
 فرمایا ہے۔ جو قرآن مجید کے مطابق ہے۔ اور اگر کہو کہ مفہوم وہی درست ہے۔ جو حضرت نے
 تحریر فرمایا ہے۔ تو اعتراض باقی نہ رہا۔ بہر حال تم وہ معنی کرتے ہو۔ جس سے حضرت
 امام ربانی کی کسر شان ہوتی ہے۔ اور حضرت نے وہ معنی کئے ہیں۔ جو قرآن مجید کے
 مطابق ہیں۔ فافہموا!

نوٹ :- ”محدث“ کے معنی ہیں۔ وہ شخص جس سے خدا تعالیٰ کثرت سے کلام
 کرے۔ اور بنی پر بھی کثرت مکالمہ مخاطب الہیہ کا نزول ہوتا ہے۔ لہذا ہر بنی محدث ہے

گوہر محدث بنی نہیں ہوتا۔ بڑے مقام میں چھوٹا خود ہی آجاتا ہے۔

حضرت انبیا علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تو یہ مولوی دشمن ہیں۔ اس لئے اگر ان کے متعلق قابل شرم باتیں کہیں۔ تو معذور ہیں۔ مگر ان انبیاء کی نسبت بھی جن کو یہ خود مانتے ہیں۔ یہ لوگ شرارت سے باز نہیں آئے۔ یہاں تک کہ تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی امت ہونے کا یہ دعوے کرتے اور جن کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان پر بھی الزامات لگاتے وقت انہیں شرم نہیں آئی۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ:۔ تین جھوٹ۔ اس کا ذکر کذبات کے جواب میں آچکا ہے۔
 ”لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ فِي شَيْءٍ اِلَّا فِي ثَلَاثٍ“ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ
 صَحِيحٌ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۶) معتبائی، نیز مطبع احمدی ترمذی جلد ۲ ص ۱۴۳
 و بخاری جلد ۲ ص ۱۴۶)

(۲) حضرت آدم علیہ السلام:۔ حضرت آدمؑ نے شرک کیا۔ (تفسیر محمدی زیر آیت قُلَّمَا
 اٰتٰهُمَا اَعْرَافَ رُكُوْعٍ ۲۴۰ جلالین و معالم التنزیل)

(۳) حضرت یوسف علیہ السلام:۔ وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهٖ قَصَدْتُ مَخَاطَطَهَا
 وَهَمَّ قَصْدُ مَخَاطَطِهَا لِطَبْعِ الطَّبْعِ وَالشَّهْوَةِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِي
 (جامع البیان ص ۲ و جلالین مع کمالین ص ۱۹ معتبائی) کہ اس عورت (زلیخا) نے
 حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا۔ اور حضرت یوسفؑ نے بھی نعوذ باللہ اس کے
 ساتھ میلان طبع اور شہوت غیر اختیاری کے باعث زنا کا ارادہ کیا۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام:۔ لَتَنْبِيْهِ دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى مَا دَقَعَ
 مِنْهُ وَكَانَ لَهُ تَسْمٌ وَتِسْعُوْنَ اَمْْرًا وَّطَلَبَ اَمْْرًا لَا شَخْصَ
 كَيْسَ لَهُ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا (جلالین مع کمالین ص ۳۷) کہ اللہ تعالیٰ
 نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کی اس وجہ سے کہ حضرت داؤد کی ۹۹ بیویاں تھیں۔ اور

انہوں نے ایک اور شخص (جس کے پاس صرف ایک ہی بیوی تھی) سے اسکی بیوی لے کر خود نکاح کر لیا۔
 (۵) حضرت سلیمان علیہ السلام: وَذَلِكَ لَتَرُوْا نِسَاءَهُنَّ اَمْوَئًا هَا (اَحْبَبَهَا)
 (جلالین مجتبیٰ ص ۳۸) کہ خدا حضرت سلیمان سے ناراض ہووا۔ کیونکہ انہوں نے ایک عورت
 کو اپنی بیوی بنالیا جس سے آپ کو عشق ہو گیا تھا۔ نیز دیکھو تفسیر معالم التنزیل تفسیر محمدی
 سورۃ قی و جامع البیان)

(۶) حضرت ادریس علیہ السلام: جھوٹ بول کر جنت میں داخل ہو گئے۔ مگر پھر واپس نہ
 سکا۔ (معالم التنزیل و تفسیر محمدی زیر آیت وَفَعْنَا لَمْ مَّكَانًا عَلِيًّا سِرِّمَ غَمًّا)
 (۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: (۱) "زَيْنَبُ وَذَلِكَ اَنَّهٗ دَاخِلًا بَعْدَ مَا
 اَنْكَحَهَا بِزَيْدٍ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ
 وَتَمَيَّنَتْ زَيْنَبُ بِتَسْبِيْحِهٖ وَذَكَرَتْ لِرَبِّهٖ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ
 كِرَاهَةً مُّحِبَّتِهَا وَاَتَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اُرِيْدُ اَنْ اُقَادِقَ
 صَاحِبَتِيْ قَالَ مَا دَا اُيْتُ مِنْهَا قَالَ رَاَيْتُ مَا رَاَيْتُ مِنْهَا اِلَّا خَيْرًا
 وَلَكِنَّهَا لَشَرُُّهَا" تفسیر بیضاوی جلد ۴ ص ۶۳۳ تفسیر سورۃ احزاب کہ یہ
 آیت (امسك عَيْنَكَ وَجِبْتَ) زینب کے متعلق ہے۔ اور وہ اس طرح سے
 کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس کے بعد کہ آپ نے زینب کا نکاح
 زید کے ساتھ کر دیا ہوا تھا۔ پس آپ کے دل میں (نعود باللہ) زینب کا عشق ہو گیا۔
 اور آپ نے فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ" کہ پاک ہو وہ اللہ جو دلوں کو پھیر
 دیتا ہے۔ زینب نے آپ کی یہ تسبیح سن لی۔ اور زید سے ذکر کر دیا۔ پس زید کے دل میں زینب کے
 ساتھ صحبت کے متعلق کراہت پیدا ہو گئی۔ اور وہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اور اگر کہا کہ
 میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے پوچھا کہ کیا تجھ کو اس میں کوئی عیب
 نظر آتا ہے؟ زید نے کہا۔ بخدا نہیں۔ اس میں مجھے کوئی گناہ نظر نہیں آیا۔ یہ تو محض حضرت زینب
 کے شرف اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ سن کر فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے
 پاس رکھ (ب) قَالَ مُقَاتِلُ اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى زَيْدًا كَيَوْمَ مَا فَطَلَبَهُ
 فَاَبْصَرَ زَيْنَبَ نَادِمَةً وَكَانَتْ بَيْضًا وَجَمِيْلَةً جَيْمَةً مِنْ اَتَمِّ نِسَاءِ

قریشی (کمالین برعاشیہ جلالین ص ۳۵۳ مجتہائی) کہ مقاتل نے روایت کی ہے کہ آنحضرت
ایک دن زید کے گھر گئے۔ اور وہاں پر زینب کو سوئے ہوئے دیکھا۔ اور وہ گوری حسین
اور حسین تھی۔ قریش کی تمام حسین ترین عورتوں میں سے (ج ۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نور باللہ
شیطان الہام ہوا۔ "قَدْ قَسَّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی سُوْرَةِ
النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفْسَ اٰیَتِہِ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْعُرْوٰی وَمَنَاةَ
الثَّلَاثَةِ الْاُخْرٰی" بِالْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ مِنْ غَیْرِ عَلَیْہِ بِہِ "تِلْكَ الْغُرَانِیْقُ الْعُلٰی ذٰلِکَ شِفَاعَتُہُمْ
لَتَرْتَجِی" فَفِی حَوْا بِذٰلِکَ (جلالین مجتہائی ص ۲۸۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
والہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات "اَفْسَ اٰیَتِہِ الْمَلٰٓئِکَۃِ
وَالْعُرْوٰی" کے آگے القاء شیطانی سے لاعلمی میں یہ پڑھ دیا۔ "تِلْكَ الْغُرَانِیْقُ
الْعُلٰی" کہ یہ تینوں بت بڑی عظمت اور شان والے ہیں۔ اور قیامت کو بھی ان کی شفاعت
کی امید رکھنی چاہیے۔ بتوں کی یہ تعریف سن کر مشرک بہت خوش ہوئے۔ اس کے آگے
لکھا ہے کہ جبرائیلؑ آئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ الہام الہی نہیں بلکہ
شیطان القار تھا۔ اس روایت کی سند کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ کافی ہے۔ "تَبَّکَہُ
عَلٰی ثَبُوْتِ اصْلِہَا شَیْخُ الْاِسْلَامِ اَبِی حَاتِمٍ الْعَاقِلُ الْکَبِیْرُ
ابْنُ حَافِظِ الشَّہِیْرِ (والطبری) مُحَمَّدُ بْنُ جَبْرِ (وابن المنذر
وَمِنْ طَرَقَ عَنْ شُعْبَةَ) عَنْ ابِی بَشْرٍ جَعْفَرِ بْنِ اَیَّاسٍ عَنْ سَعِیْدِ
ابْنِ قَالَ قَسَّ عَلَی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَنَکَہِ النَّجْمِ فَلَمَّا بَلَغَ
(زرکانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۱۵۳) (د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
جادو چل گیا۔ "سَجَّوْا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَانَ یُخِیْلُ
اَکْبَہُ اَنَّهُ کَانَ یَفْعَلُ الشَّیْءَ وَوَمَا فَعَلَهُ" (بخاری جلد ۱ ص ۱۴۳)
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسحور ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے
حالانکہ انہوں نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔

(۸) صحابہ رضوان اللہ علیہم کی توہین: مسجد نبوی میں (آیت حجاب کے نازل ہونے
سے پہلے) ایک خوبصورت سفید رنگ کی عورت نماز پڑھنے کے لئے آئی تو صحابی بے اختیار

ہو کر اسکو تارٹنے لگے۔ جو پچھلی صف میں تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ آگے آجائیں۔ اور جو اگلی صف میں تھے۔ وہ اس صف میں ملنے کے لئے پیچھے آنا چاہتے تھے۔ پھر نماز شروع ہوئی۔ تو اگلی صف والے صحابی جب رکوع میں جاتے تھے۔ تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اس عورت کو دیکھتے تھے۔ اس پر سورۃ حجر ۲۶ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ کہ ہم اگلوں کو بھی جانتے ہیں۔ اور پچھلوں کو بھی۔ یہ حدیث مستدرک میں بھی ہے۔ اور اس کے آگے لکھا ہے۔ "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الْإِسْنَادُ" (مسند جلد ۲ ص ۳۵۳ مطبوعہ حیدرآباد) راوی نوح بن قیس قال الذہبی۔ صحیح۔ ہُوَ صدوق۔ خَرَجَ لَهُ مُسْنَدٌ کہ راوی نوح بن قیس ثقہ اور سچا ہے۔ اور اس سے مسلم نے روایت لی ہے۔ (حاشیہ مستدرک جلد ۲ ص ۳۵۳)

تین سوال اہل پیغام سے

اہل پیغام کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی اور رسول نہ تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں جو اپنی نسبت نبوت غیر تشرعی کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف محدثیت اور مجددیت ہے نہ کہ نبوت۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس پر ہماری طرف سے تین لاینحل سوالات ہیں۔ جو مختلف مواقع پر کئے جاتے رہے ہیں۔

سوال :- یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :- "شریعت ہمالا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے" (تجلیات الہیہ ص ۲۵)

اس حوالہ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ "نبوت تشرعی" اور "نبوت غیر تشرعی" آپس میں نفیض ہیں۔ جن کا اجتماع کسی صورت میں بھی ممکن نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ نبوت تشرعی اور نبوت غیر تشرعی کا کسی ایک شخص میں ایک ہی وقت میں جمع ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو شخص تشرعی نبی ہو گا۔ اس کے لئے ممکن نہیں کہ اسکی ساتھ ہی وہ غیر تشرعی نبی بھی ہو۔ اور اس طرح غیر تشرعی نبی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ساتھ ہی تشرعی نبی بھی ہو۔ پس اگر اہل پیغام کے عقیدہ کے مطابق "غیر تشرعی نبی" سے مراد مجدد اور محدث لی جائے۔ تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ تشرعی نبی مجدد

یا محدث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تشریحی نبوت نقیض ہے غیر تشریحی نبوت کی۔ اور غیر تشریحی نبوت سے مراد ہے مجددیت اور محدثیت بقول اہل پیغام۔ پس تشریحی نبوت نقیض ہوئی مجددیت اور محدثیت کی۔ دونوں چیزوں کا ایک وقت میں اجتماع محال اور غیر ممکن ٹھہرا۔ نتیجہ صاف ہے۔ کہ تشریحی نبی کا مجدد یا محدث ہونا محال ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ ہر تشریحی نبی محدث بھی ہوتا ہے۔ اور مجدد بھی۔ اور اسی طرح سے مجددیت اور محدثیت ہمیشہ تشریحی نبوت کے ساتھ جمع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو تشریحی نبی تھے) کی نسبت تحریر فرمایا ہے:۔ ”پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجدد اعظم تھے۔“ (لیکچر سیالکوٹ ص ۷) پس اگر اہل پیغام کے خیال کے مطابق غیر تشریحی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لی جائے۔ تو اجتماع نقیض لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ اور جو مستلزم محال ہو۔ وہ بھی محال اور باطل ہوتا ہے۔

پس غیر تشریحی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لینا علمی اور عقلی طور پر محال اور باطل ہے۔ فقہ بَرَوِا اَیْہَا الْعَاقِلُوْنَ۔ پس ماننا پڑیگا۔ کہ غیر تشریحی نبوت سے مراد ہرگز ہرگز مجددیت اور محدثیت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے وہ نبوت مراد ہے۔ جو غیر کتاب کے ہو۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ایک نبی ایک ہی وقت میں شریعت لانے والا اور نہ لانا والا نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام حضور کی اپنی تحریرات کی رو سے مجددیت اور محدثیت کے اوپر والا مقام ہے۔ جو مقام نبوت ہے۔ دھوا لہراد۔ یہ ایک علمی سوال ہے۔ جو سالہا سال سے غیر مبائع مبلغین اور مناظرین کے سامنے پیش ہوتا رہا ہے۔ مگر وہ اسکا کوئی حل نہیں کر سکے

دوسرا سوال:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ ”خدا تعالیٰ نے اس مسیح کو بھیجا۔ جو پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔“ (ریویو جلد ۱ ص ۷۸ و حقیقۃ الوحی ص ۱۱۸) اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناہری پر اپنی کلی فیصلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے متعلق ہمارا اہل پیغام سے سوال یہ ہے کہ (۱) کیا ایک غیر نبی کو نبی پر ”کلی فیصلت“ ہو سکتی ہے؟ جواب مع حوالہ اور عبارت ہونا چاہیے۔ (۲) اس ضمن میں خاص طور پر قابل غور اس یہ ہے۔ کہ ایک نبی کی سب سے بڑی شان

شان نبوت" ہی ہوتی ہے۔ باقی تمام شانیں اسکی بعد بلکہ اسکی ماتحت ہوتی ہیں۔
 پس یہ تو ممکن ہے۔ کہ کسی غیر نبی کو نبی پر جزوی تفیصل حاصل ہو۔ مگر یہ ممکن نہیں
 کہ ایک غیر نبی (جسکو شان نبوت ملی ہی نہیں) وہ ایک نبی پر شان نبوت میں بھی
 صرف بڑھ کر ہی نہ ہو۔ بلکہ "بہت بڑھ کر" ہو؛ تو دوسرا سوال اس حوالہ کے متعلق
 یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام "بنی" نہیں تھے۔ تو آپ حضرت مسیح
 نامری سے "شان نبوت" میں کیونکر بڑھ کر میں؟ ہاں ایک بات جواب دیتے وقت
 مد نظر رکھنی ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقتہً الوحی
 ص ۱۹ میں یہ تسلیم فرمایا ہے۔ کہ محولہ بالا عبارت میں حضرت مسیح نامری پر جزوی
 تفیصل سے بڑھ کر آپ کو دعویٰ ہے۔ اس لیے اس عبارت کا کوئی ایسا مفہوم بیان
 کرنے کی کوشش کرنا جس سے صرف جزوی تفیصل کا دعویٰ نکلتا ہو۔ حضرت مسیح موعود
 کی تشریح کے صریح خلاف ہوگا۔ اور اس لیے ناقابل قبول۔

بیسرا سوال :- وہی وزنی پتھر ہے۔ جو پچھلے بیس سال سے اہل پیغام کے
 مقاصد مذمومہ کے آگے سید راہ ہے۔ اور جسکو وہ باوجود ایڑی چوٹی کا زور
 لگانے کے ہلاک نہیں سکے۔ یعنی حقیقتہً الوحی کا صفحہ ۲۹۱ ہے۔
 "غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک
 فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس
 امت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس
 وجہ سے بنی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس کے
 مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ
 شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔"

اس عبارت کے متعلق ہمارا سوال یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود ص
 کی بعد کی تحریرات بھی بمطابق اشتہار فروری ۱۸۹۲ء بنی بمعنی محدث ہی ہیں۔
 اور ص ۱۹ کی بعد کی تحریرات "بجائے بنی کے لفظ کے محدث کا لفظ سمجھنا
 چاہیے۔ تو حقیقتہً الوحی ص ۳۹ کی مندرجہ بالا عبارت میں "بنی" کی بجائے
 "محدث" کا لفظ لگا کر عبارت کا مفہوم شائع فرمائیں۔ جو ہر اہل انصاف کی

عقل کے مطابق یہ بنے گا کہ ۱۳۰۰ سال میں کوئی محدث کا نام پانے کے
 صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مخصوص ہوئے ہیں۔ اور آپ سے پہلے کو
 محدث اس امت میں نہیں گذرا۔ اس ضمن میں دوسرا حل طلب امر یہ ہے کہ
 بقول مولوی محمد علی صاحب "بنی" ہونا اور ہے۔ اور "بنی کا نام پانا" شے دیگر
 ہے۔ ان کے نزدیک "بنی کا نام پانے" سے کوئی شخص فی الواقع بنی نہیں بن
 جاتا۔ توجہ حقیقۃ الوحی کی مندرجہ بالا عبارت میں "بنی" کی جگہ "محدث" کا لفظ
 لگایا جائیگا۔ تو عبارت یوں بن جائیگی۔ "پس محدث کا نام پانے کے لئے میں ہی
 مخصوص کیا گیا"۔ اس سے مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں دو نتیجے نکلے
 ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف محدث کا نام پانے والے ہیں۔ حقیقی طور پر
 محدث بھی نہیں ہیں (۲) امت محمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوا کوئی
 غیر حقیقی محدث بھی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اصلی محدث! **خاتم**

تحفۃ النصاری: عیسائیت کے متعلق مزید تفصیلی اور منقولی دلائل اور حوالجات کے لئے
 یہ کتاب بہترین متیار ہے۔ ضرورت مند احباب اس کو ضرور اپنے پاس رکھیں قیمت رعایتی ۸ روپے
فصل الخطاب ہر دو حصہ مؤلفہ حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اول رضی
قیمت رعایتی ۸ روپے البطل الوہیت مسیح قیمت ۲ روپے
 مندرجہ ذیل رسالجات آریہ سماج کے متعلق
 تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لئے
 قابل مطالعہ ہیں:-

آریہ سماج و گاندھی ۸ روپے آئینہ اسلام ۱۲ روپے نیوگ و دشنام
 روتنا سنخ ۱۰ روپے گوشت خوری ۱۰ روپے برگزیدہ رسول ۲ روپے

کے لئے جیسی پاکٹ کیمہ ہر قیمت ۱۲ روپے

LIBRARY
JAMIA HAMDARD



1120228